مَنْ اَرَادَ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ فَلْیَتَدَبَّرِ الْقُرْاٰنَ (ابن مسعودؓ)

جو شخص اگلوں اور پچھلوں کا علم حاصل کرنا چاہے اسے چاہیئے کہ قرآن میں غور کرے

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست ؛ آمد آخر ز پس پردۂ تقدیر پدید

الرَّوضُ النَّضِیر

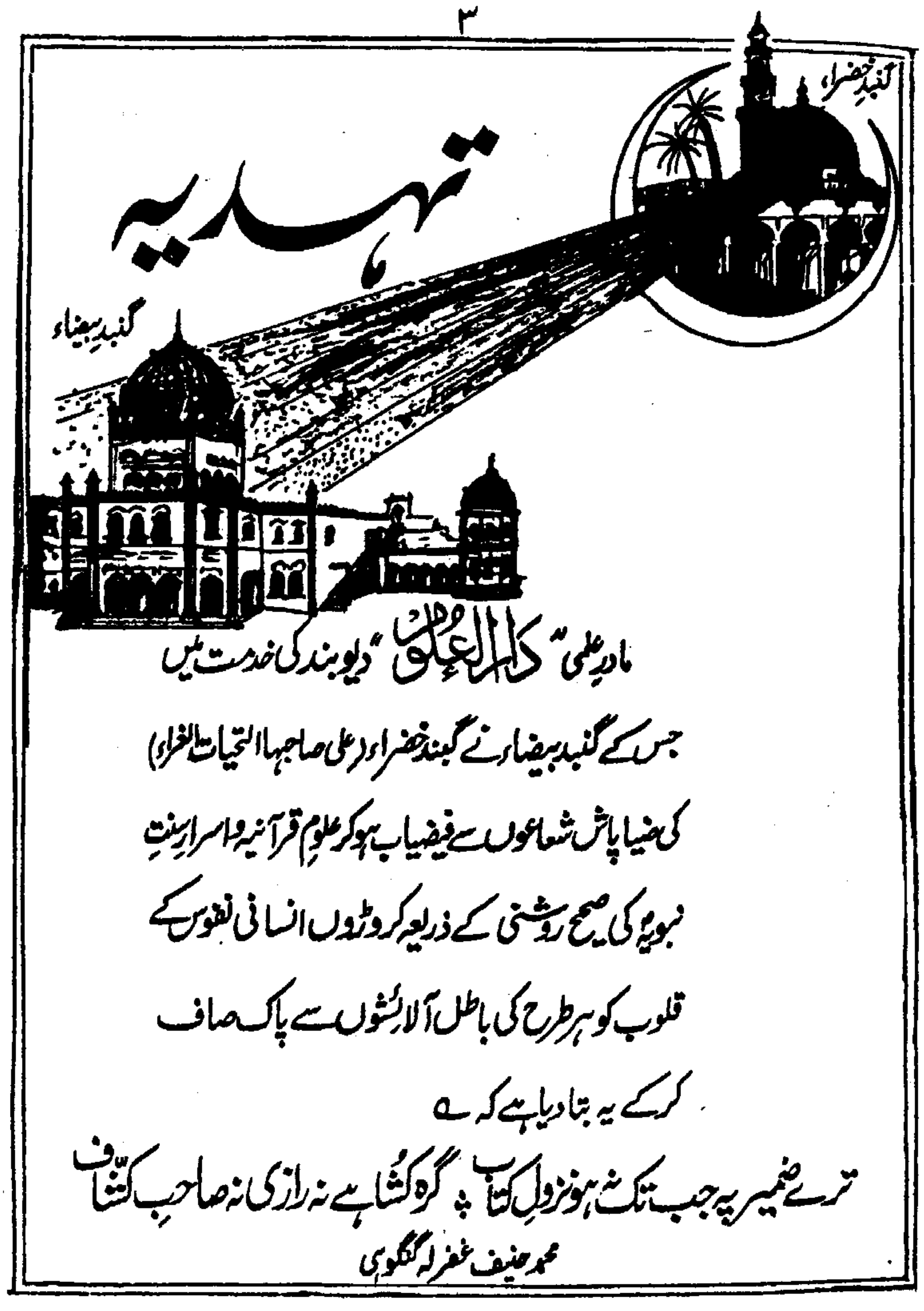
شرح اردو

اَلْفَوْزُ الْکَبِیر

مصنفہ مولانا محمد حنیف صاحب گنگوہی مدظلہ

میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی


میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب آرام باغ کراچی



مادرِ علمی "دارالعلوم" دیوبند کی خدمت میں

جس کے گنبدِ بیضاء نے گنبدِ خضراء (علی صاحبہا التحیات الغراء)

کی ضیا پاش شعاعوں سے فیضیاب ہو کر علومِ قرآنیہ و اسرارِ سنتِ

نبویہ کی صحیح روشنی کے ذریعہ کروڑوں انسانی نفوس کے

قلوب کو ہر طرح کی باطل آلائشوں سے پاک صاف

کرکے یہ بتادیا ہے کہ ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب ٭ گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فہرست کتب جن سے بوقت شرح استفادہ کیا گیا

نمبر شمار	اسمار کتب	مصنف	سنہ وفات
۱	الاتقان فی علوم القرآن (عربی)	شیخ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	سنہ ۹۱۱ھ
۲	" (اردو)	مولانا عبدالحلیم چشتی	
۳	حجۃ اللہ البالغہ (عربی)	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم الدہلوی	سنہ ۱۱۷۶ھ
۴	نعمۃ اللہ السابغہ (اردو)	علامہ عبدالحق حقانی	
۵	العون الکبیر	مولانا سعید احمد پالن پوری	مدظلہ
۶	البیان فی علوم القرآن (اردو)	علامہ عبدالحق حقانی	
۷	روح البیان (عربی)	شیخ اسماعیل حقی آفندی	
۸	نصب الرایہ "	علامہ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی	سنہ ۷۶۲ھ
۹	احکام القرآن "	حجۃ الاسلام ابوبکر احمد بن علی الجصاص الرازی	سنہ ۳۷۰ھ
۱۰	فوائد عثمانیہ (اردو)	علامہ شبیر احمد عثمانی	
۱۱	الفوز الکبیر (اردو)	مولوی رشید احمد انصاری	
۱۲	مصباح اللغات "	ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی	
۱۳	المعجم العلمی (عربی)		
۱۴	الافصاح علی عروض المفتاح "	شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی	سنہ ۱۳۷۴ھ
۱۵	التلخیص فی العروض "	قاضی ابوالصفا میر احمد شاہ پشاوری	
۱۶	بحر العروض (اردو)	پنڈت کنہیا لال دہلوی.	
۱۷	وحی الہی "	مولانا سعید احمد اکبر آبادی	مدظلہ العالی
۱۸	فیوض الحرمین (عربی)	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم الدہلوی	سنہ ۱۱۷۶ھ
۱۹	اظہار الحق (عربی)	مولانا رحمت اللہ کیرانوی	
۲۰	بائبل سے قرآن تک (اردو)	مولانا اکبر علی صاحب	

فہرست مضامین کتاب الفوز الکبیر

مضمون	صفحہ
دیباچہ کتاب الفوز الکبیر	۹
وجہ تالیف کتاب	۱۰
باب اول ان علوم پنجگانہ کے بیان میں جنکو قرآن عظیم نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے	۱۱
علم احکام	۱۲
علم المخاصمہ	۱۳
علم التذکیر بآلاء اللہ، علم التذکیر بالموت وما بعدہ	۱۷
ان علوم کا بیان قدیم عربوں کی روش پر ہوا ہے	۱۸
مناسبت آیات اور علوم خمسہ کے درمیان ربط	۱۹
قصص کا اسباب نزول ہونا	۲۲
پہلی فصل علم مخاصمہ کے بیان میں	۲۵
مشرکین کا بیان	۲۶
خصال الفطرۃ	۲۷
مشرکین اور ان کی گمراہی	۳۲
تشبیہ اور اس کے معنی	۳۵
بیانِ تحریف	۳۷
حشر ونشر	۳۹
انکار معاد	۴۰
مشرکین کا نمونہ آج کے دور میں	۴۱
جوابِ اشراک	۴۲
جوابِ تشبیہ	۴۴
جواب استبعادِ حشر ونشر	۴۶
جوابِ استبعادِ رسالت	۴۷
یہود کا بیان	۵۱
یہود اور ان کی گمراہی	۵۲
تحریف لفظی	۵۴
تحریف معنوی	۵۵
یہود کا اپنے لئے دعوئ محبوبیت	۵۸
کتمانِ آیات	۶۰
آیاتِ بشارت میں تاویلات	۶۱
افتراء اور اس کا سبب	۶۳
استحسان	۶۴
احکام توریت کی تعمیل میں تساہل	۶۶
استبعادِ رسالت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم	۶۸
نصاریٰ کا بیان	۷۰
عقیدۂ تثلیث	۷۳
نصوص انجیل سے تمسک	۷۵
اناجیل اربعہ کی تشریح	۷۷
اشکال اول کا جواب	۷۹
اشکال ثانی کا جواب	۸۱
نمونہ نصاریٰ آج کے دور میں	۸۵
عقیدۂ قتل مسیح علیہ السلام	۸۶
فارقلیط کی بابت نصاریٰ کی گمراہی	۸۸
فارقلیط والی بشارت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی منطبق ہوتی ہے	۹۰
منافقین کا بیان۔ نفاق اعتقاد	۹۳
نفاق عمل ونفاق اخلاق	۹۴
نفاق کی پہلی صورت کا علم ممکن نہیں	۹۶

مضمون	صفحہ
منافقین کا نمونہ آج کے دور میں	۹۸
فصل دوم باقی علوم پنجگانہ کے مباحث میں	۹۹
تذکیر بآلاء اللہ	״
صفاتِ الٰہیہ کا اثبات بطریق تحقیق حقائق محال ہے	۱۰۰
صفاتِ الٰہیہ توقیفی ہیں	۱۰۱
تذکیر بایام اللہ	۱۰۶
قصص مکررہ کی تفصیل	۱۰۸
ایک دو جگہ مذکور ہونے والے قصے	۱۰۹
تذکیر بالموت وما بعدہ	۱۱۲
مباحث احکام کا قاعدہ کلیہ	۱۱۶
باب دوم۔ وجوہِ خفاء معانی نظم قرآن کے بیان میں	۱۳۰
وہ وجوہ جن کی وجہ سے فہم مراد تک رسائی نہیں ہوتی	۱۳۳
فصل اول۔ قرآن کے الفاظ نادرہ کی شرح کے بیان میں	۱۳۴
طریق ضحاک	۱۳۶
صحابہ وتابعین کبھی لفظ کی تفسیر اس کے لازمی معنی سے کرتے ہیں	۱۳۸
فصل دوم۔ معرفت ناسخ ومنسوخ میں	۱۳۹
صحابہ وتابعین کے ہاں نسخ کا استعمال	۱۴۱
آیات منسوخہ کی تعداد	۱۴۵
منسوخ وغیر منسوخ آیات کی تفصیل	۱۴۷
فصل سوم۔ معرفتِ اسبابِ نزول کے بیان میں	۱۶۷
معرفتِ اسباب نزول کے فوائد	״
اسبابِ نزول کے بیان میں صحابہ وتابعین کا "نزلت فی کذا" استعمال کرنا	۱۶۸
تنبیہات	۱۷۱

مضمون	صفحہ
فن التوجیہ	۱۷۹
توجیہ کی مختلف صورتیں	۱۸۱
ابن اسحاق، واقدی، کلبی وغیرہ کی افراط کا حکم	۱۸۳
فصل چہارم۔ باب کے باقی مباحث کے بیان میں	۱۸۴
حذف اور اس کے اقسام	۱۸۵
ابدال	۱۸۵
قلب (یعنی التفات) کا بیان	۱۹۶
تقدیم وتاخیر	۱۹۸
تعلق بالبعید	۲۰۰
زیادۃ	۲۰۱
نکتہ	۲۰۶
دیگر موجب خفاء امور کا بیان	۲۰۸
فصل پنجم۔ محکم کا بیان	۲۱۱
متشابہ کا بیان	۲۱۲
کنایہ کا بیان	۲۱۴
تعریض کا بیان	۲۱۷
مجاز عقلی	۲۱۹
باب سوم۔ قرآن کے اسلوب بدیع کے بیان میں	۲۲۱
قرآنی سورتوں کی چار قسمیں	۲۲۴
فواتح السور	۲۲۷
خواتیم السور	۲۲۹
فصل دوم	۲۳۱
آیات کی طرف سورتوں کی تقسیم	״
عروض وقافیہ سے متعلق ایک اہم بحث	۲۳۳
اوزان اشعار کا مدار حروف پر	۲۳۶

مضمون	صفحہ
اکثر سورتوں میں امتدادِ صوت کا اعتبار ہے نہ کہ طویل و مدید بحروں کا	۲۳۹
انسجام کلام اور اس کی روانی	۲۴۳
فوائد متفرقہ	
مطالبِ فنونِ خمسہ کے تکرار کی وجہ	۲۴۷
مطالبِ فنونِ خمسہ کے انتشار کی وجہ	۲۴۹
وزن و قافیہ اختیار نہ کرنے کی وجہ	۲۵۰
اعجاز قرآن کی بحث	۲۵۱
اعجاز قرآن کی وجہ اسکا نرالا اسلوب ہے	۲۵۳
" " اخبار بالقصص ہے	۲۵۴
" " اسکی پیشین گوئیاں ہیں	۲۵۵
" " بلاغت کا اعلیٰ درجہ ہے	۲۵۶
" " اسرار شرائع ہے	۲۶۲
قرآن کی کتنی مقدار معجز ہے	۲۶۳
باب چہارم فنون تفسیر کے بیان میں	۲۶۴
طبقاتِ مفسرین	۲۶۵
فصل۔ ان آثار کے بیان میں جو کتبِ تفسیر اہلِ حدیث میں مروی ہیں	۲۶۹
دو اہم نکتے	۲۷۳
اسرائیلی روایات کا نقل کرنا ایک دسیسہ ہے	۲۷۴
ایک لطیف ترین نکتہ	۲۷۶
شرحِ غریب قرآن	۲۷۸
بیان ناسخ و منسوخ	۲۸۲
فصل دوم۔ باب کے باقی لطائف کے بیان میں	۲۸۴
توجیہ کی تشریح	۲۸۶
متکلمین کا تاویل متشابہات میں غلو	۲۸۸
تدارک بالقرآن	۲۸۹
اشاراتِ صوفیہ تفسیر نہیں	۲۹۲
فنِ اعتبار	۲۹۵
فصل سوم غرائب قرآن کے بیان میں	۲۹۷
قرآن کا ظہر و بطن	۳۰۱
فصل چہارم تاویلِ قصص	۳۰۴
علم خواصِ قرآن	۳۰۵
فصل پنجم۔ مقطعاتِ قرآنیہ	۳۰۶
معانی مقطعات کی بابت علماء کے اقوال	"
حروف ہجا کے مقابل حقائق بسیطہ ہیں	۳۰۸
مقطعاتِ قرآنیہ کے سلسلہ میں شاہ صاحب کا نظریہ	۳۱۱
الٓمٓ کے معنی	۳۱۲
الٓرٰ، الٓمٓرٰ، طٰہٰ، طٰسٓمٓ کے معنی	۳۱۳
حٰمٓ، عٓسٓقٓ، یٰسٓ، صٓ کے معنی	۳۱۴
قٓ، کٓہٰیٰعٓصٓ کے معنی۔	۳۱۵

دیباچہ

الحمد للہ الذی لا یبلغ مدحۃ القائلون، ولا یحصی نعمائہ العادون، العالم بما تکن الصدور وما تخون العیون، القادر الذی اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون، والصلوٰۃ والسلام علی من ارسلہ بکتاب ہو بالعلوم مشحون، کما ورد عن ابن عباسؓ قال: القرآن ذو شجون وفنون وظہور وبطون، اظہرہ من مقام الجمع والتنزیہ والنون، فالان مدحۃ لاہل الظواہر والبطون وعلی آلہ واصحابہ الذین بذلوا جہدہم فی اشاعۃ قرآن کریم فی کتاب مکنون، ففازوا بمراتب من جنت الماوی ہم فیہا خالدون ؎

خسف القمر بجمالہٖ ؛ نطق الحجر بجلالہٖ ؛ عجز البشر بکمالہٖ ؛ صلوا علیہ وآلہٖ

امابعد: قرآن پاک ایک مکمل ضابطۂ حیات، کامل قانونِ ہدایت، جامع اصول وکلیات اور صدہا علوم وفنون کا سرچشمہ ہے

جمیع العلم فی القرآن لکن ؛ تقاصر عنہ افہام الرجال

چنانچہ علمائے اسلام نے تین سو سے زیادہ علوم وفنون مدون کئے ہیں اور ہر ایک فن پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جیسے ابن الجوزی کی "فنون الافنان فی علوم القرآن" شہاب الدین ابوشامہ کی "المرشد الوجیز فی علوم القرآن العزیز" بدرالدین زرکشی کی "البرہان فی علوم القرآن" حافظ سیوطی کی "الاتقان فی علوم القرآن" جلال الدین بلقینی کی "مواقع العلوم من مواقع النجوم" عبدالوہاب شعرانی کی "الجوہر المصون والسر المرقوم فیما تنتجہ الخلوۃ من الاسرار والعلوم" وغیرہ۔ لیکن قرآن فہمی کے اصول پر حضرت شاہ صاحب کی کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" کا جو مقام ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں جس میں قرآن پاک کی تفسیر کے تمام بنیادی اصول پر مفصل اور بصیرت افروز بحث ہے۔

مگر اصل کتاب فارسی میں ہے اور اس کا داخلِ درس ترجمہ عربی میں ہے، اردو میں اس کا کوئی حاشیہ ہے نہ شرح، اس لئے ضرورت تھی کہ اردو زبان میں اس کے مضامینِ عالیہ کی وضاحت کردی جائے، سو "الروض النضیر شرح اردو الفوز الکبیر" ہدیۂ ناظرین ہے حق تعالیٰ مقبول عام بناکر راقم سطور کے لئے ذخیرۂ اخروی بنائے۔ (آمین)

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اٰلاءُ اللّٰہِ علیٰ ھذا العبدِ الضعیفِ لَاتعدُّ ولاتُحصٰی واَجَلُّھا التوفیقُ لفھمِ القراٰن العظیم، ومِنَنُ صاحبِ النبوۃِ والرسالۃِ علیہ الصلوۃ والسلام علیٰ احقرِ الامۃِ کثیرۃٌ و اعظمُھا تبلیغُ الفرقانِ الکریم، لقّنَ النبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم القراٰنَ القرنَ الاوّلَ وھم ابلغوہ للقرن الثانی وھٰکذا حتی بلغ حَظُّ ھذا الفقیرِ کذٰلکَ من روایتہ ودرایتہ اللّٰھمّ صلِّ علیٰ ھذا النبی الکریم سیّدِنا ومولانا وشفیعِنا افضلَ صلواتکَ واَیْمَنَ برکاتِکَ وعلیٰ اٰلہ و اصحابہ وعلماء امتہ اجمعین برحمتکَ یاارحم الراحمین۔

لغات :- الاء جمع ہے، الاِلی، الالیٰ، الاَلیٰ بمعنی نعمت، لاتعدّ (ن) عدًّا، تعداد شمار کرنا، لاتحصیٰ احصاء شمار کرنا گھیرنا، اجلّ عظیم المرتبہ، مِنَن جمع مِنّۃ بمعنی احسان، الفرقان ہر وہ چیز جس سے حق و باطل کے درمیان فرق ہو مراد قرآن پاک، لقّن۔ ؕ الکلامَ بالمشافہ سمجھانا، القرن سو سال، ایک زمانہ کے لوگ، ایک گروہ کے بعد ایک گروہ، جمع قرون، حظّ حصہ، دولتمندی، نیک بختی جمع حُظوظ، حِظاظ، اَحُظّ، ایمن بابرکت۔

ترجمہ :- حق تعالیٰ کی نعمتیں اس بندۂ ضعیف پر بے شمار ہیں جن میں سب سے زیادہ عظیم الشان نعمت قرآن عظیم سمجھنے کی توفیق ہے اور حضرت رسالت پناہ کے احسانات اس کمترین امت پر بہت ہیں جن میں سب سے بڑا احسان قرآن پاک کی تبلیغ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی تلقین قرن اول کو فرمائی اور انھوں نے اس کو قرن ثانی تک پہونچایا اور اسیطرح درجہ بدرجہ ہو کر اس خاکسار کو بھی اسکی روایت و درایت سے حصہ ملا سو خدایا! ہمارے آقا و مولیٰ اور ہمارے شفیع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپکے تمام اہل بیت و اصحاب اور علماء امت پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما، یا ارحم الراحمین۔

تشریح :- قولہ بسم اللہ الخ شاہ صاحب نے اپنی کتاب کو بسم اللہ کے ساتھ شروع کیا۔ کیونکہ حدیث میں ہے "کل امر ذی بال الخ" کہ جس مہتم بالشان امر کی ابتداء بسم اللہ کے ساتھ نہ ہو وہ دُم بریدہ (ناقص و بے برکت) ہوتا ہے، مدنی ابن مسعود، رہاوی، نسائی، ابو داؤد اور خطیب بغدادی نے روایت کی تخریج اور ابن ماجہ، ابن حبان، ابن صلاح اور ابو عوانہ وغیرہ محدثین نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اسی لئے علماء کے نزدیک یہ معمول بہا ہے۔

(تنبیہ) صحیح ابو عوانہ کے شروع میں حضرت ابو ہریرہ رضہ سے حدیث کے الفاظ مروی ہیں: "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کل امر ذی بال لم یبدأ فیہ بالحمد فھو اقطع" آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس قابل اہتمام کام کا آغاز بغیر حمد و ثنا کے ہو اس میں خیر و برکت نہیں ہوتی بلکہ ادھورا اور نکما رہتا ہے، اسی لئے مصنفین عموماً تسمیہ و تحمید ہر دو کے ساتھ شروع کرتے ہیں۔

عہ وفی الاصل بتکرار کلمۃ "ھکذا" وھو الانسب ومعناہ "ھلمّ جرًّا"۔ ۱۲ عون

اَمَّا بَعْدُ فیقول الفقیرُ وَلیُّ اللّٰہِ بنُ عبد الرحیم عاملھما اللّٰہ تعالیٰ بلطفہ العظیم لما فتح اللّٰہُ علیّ بابًا من فھمِ کتابہ المجیدِ اردتُ ان اجمعَ واضبطَ بعضَ النکاتِ النافعۃِ التی تنفع الاصحابَ فی رسالۃٍ مختصرۃ والمرجو من لطف اللّٰہ الذی لا انتھاءَ لہ ان یفتح لطلبۃ العلوم بمجردِ فھم ھٰذہ القواعد شارعًا واسعًا فی فھم معانی کتاب اللّٰہ وأنّ کانوا یصرفون عمرھم فی مطالعۃ التفاسیر ویقرأون علی المفسرین وعلیٰ انھم اقلُّ قلیل فی ھٰذا الزمان فلم یحصل لھم بھٰذا الضبط والربط وسمّیتُھا بالفوز الکبیر فی اصول التفسیر وما توفیقی الّا باللّٰہ علیہ توکلتُ وھو حسبی ونعم الوکیلُ، ومقاصدُ الرسالۃ منحصرۃٌ فی خمسۃ ابواب

ترجمہ:

حمد وصلوٰۃ کے بعد فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم خدا ان دونوں سے اپنی مہربانی کے ساتھ معاملہ کرے عرض گذار ہے کہ جب حق تعالیٰ نے مجھ پر اپنی کتاب کے سمجھنے کا دروازہ کھولدیا تو میں نے چاہا کہ بعض مفید نکات جو دوستوں کو کارآمد ہوسکتے ہیں ایک مختصر رسالہ میں جمع اور منضبط کروں، خداوند تعالیٰ کی عنایت بے غایت سے امید ہے کہ طالبعلموں کے لئے صرف ان قواعد کے سمجھ لینے سے ایک وسیع شاہراہ کتاب اللہ کے سمجھنے میں کھل جائے گی کہ اگر وہ ایک عمر کتب تفاسیر کا مطالعہ کرنے یا ان کو مفسروں سے جن کی تعداد اس زمانہ میں بہت ہی کم ہوگئی ہے پڑھنے میں صرف کریں تو اس قدر ضبط کے ساتھ حاصل نہیں ہوسکتی، اور میں نے اس رسالہ کا نام "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" رکھدیا اور نہیں ہے توفیق مگر اللہ کی مدد سے اُسی پر میرا بھروسہ ہے وہی مجھ کو کافی ہے اور کیا خوب کارساز ہے اور اس رسالہ کے مقاصد پانچ بابوں میں منحصر ہیں۔

تشریح

قولہٗ ولی اللہ الخ ولی اللہ اور قطب الدین آپکا لقب ہے اور نام نامی احمد بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین بن معظم بن منصور۔ سنہ پیدائش ۴ر شوال ۱۱۱۴ھ ہے آپ ہندوستان کے مایۂ ناز جانباز مشہور ومعروف محدث جلیل، فقیہ نبیل اور جامع معقول ومنقول تھے اور آپ کے والد ماجد شاہ عالمگیر کے زمانہ کے مشہور عالم تھے۔

سنہ وفات ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۷۶۳ء ہے اور مادۂ تاریخ "او لبود امام اعظم دیں" ہے، مزید حالات کے لئے دیکھئے ہماری کتاب "ظفر المحصلین باحوال المصنفین" جس میں پورے عربی کورس کے مصنفین کے حالات پوری تفصیل وتحقیق کے ساتھ جمع کئے گئے ہیں۔

قولہ بالفوز الکبیر الخ شاہ صاحب کی یہ کتاب قرآن فہمی کے اصول پر نہایت مختصر مگر بہت مفید اور اہم کتاب ہے (باقی بر صفحہ ۱۱)

عہ الترجمۃ الصحیحۃ مقام ہذہ الجملۃ ہکذا "بحیث لو صرفوا عمرہم فی مطالعۃ التفاسیر والقراءۃ علی المفسرین علی انہم اقل قلیل فی ہذا الزمان لم تحصل (ای النکات النافعۃ) بہذا الضبط والربط" لان النص الفارسی ہکذا: "کہ اگر عمرے در مطالعۂ تفاسیر یا گذرانیدن آنہا بر مفسراں علی انہم اقل قلیل فی ہذا الزمان بسر برند بآں ضبط و ربط بدست نیارند" (عون) ۱۲

الباب الاول

(فی العلوم الخمسۃ التی بینہا القرآن العظیم بطریق التنصیص)

ترجمہ: باب اول ان علوم پنجگانہ کے بیان میں جن کو قرآن عظیم نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

تشریح: قولہ بینہا القرآن الخ ابن ابی الفضل مرسی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ قرآن نے علوم اولین اور علوم آخرین سب کو جمع کر لیا ہے مگر اس طرح سے کہ کوئی شخص حقیقتاً از روئے علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا بجز خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے (ان امور کے ماسوا جن کا علم اللہ نے اپنی ذات کے ساتھ مخصوص رکھا ہے)

خود حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "ما فرطنا فی الکتب من شیٔ" (ہم نے نہیں چھوڑی لکھنے میں کوئی چیز) "ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیٔ" (اور اتاری ہم نے تجھ پر کتاب کھلا بیان ہر چیز کا) حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جس شخص کا ارادہ علم حاصل کرنے کا ہو اسے چاہیے کہ قرآن کو مضبوط پکڑ لے کیونکہ اس میں اگلوں اور پچھلوں سب کا علم موجود ہے (رواہ البیہقی فی المدخل) حافظ بیہقی فرماتے ہیں کہ یہاں ابن مسعودؓ نے لفظ علم سے اصول علم کو مراد لیا ہے ولقد ابدع من قال ع جمیع العلم فی القرآن لکن + تقاصر عنہ افہام الرجال۔ بہر کیف قرآن کریم میں تمام علوم ہدایت، اصول دین اور فلاح دارین سے متعلق ضروری امور کا نہایت مکمل اور واضح بیان ہے، لیکن وہ علوم جن کو ام علوم القرآن کا درجہ حاصل ہے کتنے ہیں؟ قاضی ابوبکر بن العربی نے اپنی کتاب "قانون التاویل" میں کہا ہے کہ قرآن کی ام العلوم تین باتیں ہیں (۱) توحید (۲) تذکیر یعنی یاد دہانی (۳) احکام، اسی وجہ سے سورۂ فاتحہ کو ام القرآن کہتے ہیں کیونکہ اس میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی ہیں، ابن جریر کا قول ہے کہ قرآن تین چیزوں پر مشتمل ہے (۱) توحید (۲) اخبار (۳) مذاہب، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ اخلاص کی بابت ارشاد فرمایا۔ "قل ہو اللہ احد تعدل ثلث القرآن" کہ سورہ اخلاص ثلث قرآن ہے کیونکہ وہ پوری توحید پر مشتمل ہے، علی بن عیسی وغیرہ نے تیس چیزوں پر حاوی بتایا ہے جن کو زرکشی نے برہان میں اور علامہ جلال الدین سیوطی نے اتقان میں ذکر کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے علوم قرآن کی تلخیص پانچ چیزوں کے ساتھ کی ہے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

(بقیہ ۱) جس میں قرآن پاک کی تفسیر کے تمام بنیادی اصول پر مفصل اور بصیرت افروز بحث کی گئی ہے فتح الخبیر بما لا بد من حفظہ فی علم التفسیر" اسی الفوز الکبیر کا تکملہ ہے جس میں شاہ صاحب مشکل الفاظ کی نہایت معنی خیز تشریح آثار ابن عباس سے اور اسباب نزول بخاری و ترمذی اور حاکم سے نقل فرماتے ہیں زیر مطالعہ کتاب کے باب دوم کی فصل اول میں شاہ صاحب نے اسکی تصریح کی ہے فرماتے ہیں "ومن المستحسن عندی ان اجمع فی الباب الخامس من الرسالۃ جملۃ صالحۃ من شرح غریب القرآن مع اسباب النزول فاجعلہا رسالۃ مستقلۃ فمن شاء ادخلہا فی ہذہ الرسالۃ ومن شاء افردہا علی حدۃ" شاہ صاحب کی یہ اصل تصنیف فارسی میں ہے، علامہ منیر الدین دمشقی نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا ہے اور آج کل مدارس میں یہی پڑھائی جاتی ہے۔ (محمد حنیف غفرلہ گنگوہی)

لیُعلم اَنّ معانی القرآنِ المنطوقۃَ لاتخرُجُ عن خمسۃ علومٍ علم الاحکام مِن الواجبِ والمندوب والمباح والمکروہ والحرام من قسم العبادات او من قسم المعاملات۔

ترجمہ:- جاننا چاہیئے کہ قرآن پاک کے معانی منطوقہ پانچ علموں سے باہر نہیں ہیں۔ اوّل علم احکام از قسم واجب، مستحب، مباح، مکروہ اور حرام، خواہ یہ احکام عبادات سے متعلق ہوں یا معاملات سے۔

تشریح:- قولہ من قسم العبادات الخ مثلاً نفس نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کی فرضیت کا بیان قال اللہ تعالیٰ "واقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ" نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، وقال اللہ تعالیٰ "یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم" اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر، یعنی روزہ کا حکم حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے اب تک برابر جاری رہا ہے گو تعیین ایام میں اختلاف ہو۔ وقال اللہ تعالیٰ "وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا" اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی، اسی طرح نماز میں تکبیر تحریمہ، قیام، قرأت، رکوع اور سجود کا ضروری ہونا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "وربک فکبر" اور اپنے رب کی بڑائی بول، یہاں باجماع مفسرین تکبیر سے مراد تکبیر افتتاح ہے، وقال تعالیٰ "وقوموا للہ قانتین" اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے، باجماع مفسرین اس سے مراد قیام فی الصلوٰۃ ہے، وقال تعالیٰ "فاقرؤا ما تیسر من القرآن" پڑھو جس قدر آسان ہو قرآن سے، پس قرأت فرض مقدار اس قدر ہے کہ جتنا آسان ہو جس کی مقدار بقول اصح ایک آیت ہے مگر "مدہامتان" جیسا ایک کلمہ نہ ہو ورنہ بقول اصح جائز نہیں، وقال تعالیٰ "یا ایہا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا" اے ایمان والو رکوع کرو اور سجدہ کرو، اور امت کے حق میں نماز تہجد کا مستحب ہونا قال اللہ تعالیٰ "علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم فاقرؤا ما تیسر من القرآن" اس نے جانا کہ تم اسکو پورا نہ کر سکو گے سو تم پر معافی بھیجدی اب پڑھو جتنا آسان ہو قرآن سے، اور نشہ و ناپاکی کی حالت میں نماز کا حرام ہونا قال اللہ تعالیٰ "یا ایہا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون ولا جنبا" اے ایمان والو نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو کہتے ہو، اور نہ اس وقت کہ غسل کی حاجت ہو، اسیطرح طلوع فجر سے لیکر غروب آفتاب تک مفطرات صوم سے رکنا قال اللہ تعالیٰ "ثم اتموا الصیام الی اللیل" پھر پورا کرو روزہ کو رات تک، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کئی روزے متصل رکھنے اسطرح پر کہ رات کو بھی افطار کی نوبت نہ آئے مکروہ ہے، اور باب حج میں طواف کا فرض ہونا قال اللہ تعالیٰ "ولیطوفوا بالبیت العتیق" اور چاہیئے کہ طواف کریں اس قدیم گھر کا، محرم کے لئے خشکی کے شکار کا حرام ہونا قال اللہ تعالیٰ "وحرم علیکم صید البر ما دمتم حرما" اور حرام ہوا تم پر جنگل کا شکار جب تک تم احرام میں رہو، اور احرام سے حلال ہوجانے کے بعد شکار کا مباح ہونا قال تعالیٰ "واذا حللتم فاصطادوا" اور جب احرام سے نکلو تو شکار کرلو، وغیر ذلک من الاحکامات۔ قولہ او من قسم المعاملات الخ یعنی مناکحات، مخاصمات، بیوعات امانات اور ترکات

عہ الوجوب جواز الفعل مع حرمۃ الترک والندب جوازہ مع رجحانہ والاباحۃ جوازہ مع جواز الترک ۱۲

اومن تدبیر المنزلِ اومن السیاسۃِ المدنیۃِ، وتفصیل ھذا العلمِ منوطٌ بذمۃ الفقیہ، وعلمُ المخاصمۃِ والرّدِّ علیٰ الفِرَقِ الضّالّۃِ الاربعِ من الیھود والنصاریٰ والمشرکین والمنافقین، وتِبیانُ ھذا العلمِ منوطٌ بذمۃ المتکلم

لغات:- منوط اسم مفعول ہے کہا جاتا ہے "ھٰذا منوط بہٖ" وہ اسکے ساتھ معلق ہے، ناط ینوط نوطاً ونیاطاً لٹکانا، رَدّ لوٹانا، جواب دینا، فِرَق فرقۃ کی جمع ہے لوگوں کی ایک جماعت۔ ضالّۃ گمراہ۔ تبیان مصدر ہے بمعنی بیان

ترجمہ:- تدبیر منزل سے متعلق ہوں یا سیاست مدن سے، اس علم کی تفصیل فقہاء کے ذمہ ہے، دوم علم مناظرہ چاروں گمراہ فرقوں کے ساتھ مثلاً یہود، نصاریٰ، مشرکین، منافقین۔ اس علم کی تفریع متکلمین کا کام ہے۔

تشریح:- قولہ اومن تدبیر المنزل الخ خداوند تعالیٰ نے انسان کے اندر دو قوتیں ایسی رکھی ہیں کہ اگر انکی اصلاح ہوجائے تو دینوی اور سعادت عظمیٰ ہے۔ ایک قوت نظریہ یعنی علم وادراک حقیقی اور مطابق واقع، یہ اعلیٰ درجہ کی قوت ہے، دوسری قوت عملیہ، اسکے متعلق کارآمد اور ضروری تین علم ہیں کیونکہ اگر وہ شخص واحد کی اصلاح وفلاح کا علم ہے تو اسکو تہذیب النفس کہتے ہیں جسکی بہت سی شاخیں ہیں، طہارت ظاہری، مثلاً بدن، لباس اور ماکل ومشارب کا پاک صاف ہونا اسکا تعلق علم الطہارۃ سے ہے جسکو قرآن نے خوب مشرح بیان فرمایا ہے اور پیغمبر علیہ السلام نے قولاً وفعلاً ہر طرح سے اسکی توضیح کی ہے، پیشاب پائخانہ سے فراغت کے بعد ڈھیلے اور پانی سے صفائی کی ترغیب میں ارشاد ہے: "فیہ رجال یحبّون ان یتطہّروا واللہ یحبّ المتطہّرین" اس میں ایسے لوگ ہیں جو دوست رکھتے ہیں پاک رہنے کو اور اللہ دوست رکھتا ہے پاک رہنے والوں کو، حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قبا سے دریافت کیا کہ تم طہارت وپاکیزگی کا کیا خاص اہتمام کرتے ہو جو حق تعالیٰ نے تمہاری تطہیر کی مدح فرمائی، انھوں نے کہا کہ ڈھیلے کے بعد پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔ ماہواری کے زمانہ میں عورتوں کی بابت ارشاد ہے "ویسئلونک عن المحیض قل ھو اذًی فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوھنّ حتّیٰ یطہرن" اور تجھ سے پوچھتے ہیں حکم حیض کا کہدے وہ گندگی ہے سو تم الگ رہو عورتوں سے حیض کے وقت اور نزدیک نہ ہو ان کے جب تک پاک نہ ہوویں یہود اور مجوس حالت حیض میں عورت کے ساتھ کھانے اور ایک گھر میں رہنے کو بھی جائز نہ سمجھتے تھے اور نصاریٰ مجامعت سے بھی پرہیز نہ کرتے تھے پس آیت سے یہود کا افراط اور نصاریٰ کی تفریط دونوں باطل ہوگئیں۔ طہارت صغریٰ یعنی وضوء کی بابت ارشاد ہے "یا ایہا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برءوسکم وارجلکم الی الکعبین" اے ایمان والو جب تم اٹھو نماز کو تو دھولو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک اور مل لو اپنے سر کو اور پاؤں ٹخنوں تک۔ اور طہارت کبریٰ یعنی غسل جنابت کے متعلق ارشاد ہے "وان کنتم جنبًا فاطّہّروا" اور اگر تم کو جنابت ہو تو خوب طرح پاک ہو لو، کپڑے پاک رکھنے کی بابت ارشاد ہے:- "وثیابک فطہّر" اور اپنے کپڑے پاک رکھ۔ طہارت باطنی یعنی نجاست بُت وغیرہ الٰہ باطلہ اور تصاویر سے پاکی جن کو اہل عرب اور دیگر اقوام خدا بنا کر پوجتے تھے قال اللہ تعالیٰ "والرّجز فاھجر" اور گندگی سے دور رہ، وقال تعالیٰ "فاجتنبوا الرّجس من الاوثان" سو بچتے رہو بتوں کی گندگی سے۔ طہارت اخلاق یعنی جو چیزیں اخلاق کو ناپاک کرتی ہیں اور ان سے روح پر تاریکی پیدا ہوتی ہے جن کو شریعت میں شرک ومعاصی کہتے ہیں، معاصی یا تو نفسانی بیجا خواہشیں ہیں یا طمع بیجا ہے یا غیر کی حق تلفی، قرآن نے تینوں قسموں کو حرام قرار دیا ہے قسم اول زنا، لواطت اور ان کے دواعی یعنی وہ تمام باتیں جو

نفس کو ہیجان میں لائیں اور زنا میں مبتلا کردیں۔ زنا کی بابت ارشاد ہے "ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ" اور پاس نہ جاؤ زنا کے وہ ہے بیحیائی، یعنی زنا کرنا تو بڑی سخت چیز ہے اس کے پاس بھی مت جاؤ گویا "لا تقربوا" میں مبادی زنا سے بچنے کی ہدایت کردی گئی ہے مثلاً اجنبی عورت کی طرف بدون عذر شرعی نظر کرنا یا بوس وکنار وغیرہ، لواطت کے متعلق توبیخاً ارشاد ہے۔ "أئنكم لتاتون الرجال شهوة من دون النساء" کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر للچا کر عورتوں کو چھوڑ کر قسم دوم وسوم چوری، ڈکیتی سود خوری، جعلسازی، دروغ گوئی، رشوت خوری اور ناانصافی وغیرہ امور کے لئے قرآن میں بہت کچھ بیان ہے مثلاً۔ "ولا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل" آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، اس میں چوری، دغابازی، غصب، خیانت اور رشوت سب داخل ہیں۔ جھوٹ بولنے پر لعنت آئی ہے "لعنة الله على الكاذبين" عدل وانصاف کی بابت ارشاد ہے "واقسطوا ان الله يحب المقسطين" اور انصاف کرو بیشک اللہ دوست رکھتا ہے انصاف کرنے والوں کو، قرآن کریم نے بار بار اس پر زور دیا ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی شریر ظالم اور بدمعاش کیوں نہ ہو مگر اس کے حق میں تمہارا دامنِ عدالت ناانصافی کے چھینٹوں سے داغدار نہ ہونے پائے، یہی وہ خصلت ہے جس کے سہارے زمین وآسمان کا نظام قائم رہ سکتا ہے، چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے "يا ايها الذين آمنوا كونوا قوامين لله شهداء بالقسط ولا يجرمنكم شنآن قوم على ان لا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقوى" اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ کے۔ یعنی دوست ودشمن کے ساتھ یکساں انصاف کرنا اور حق کے معاملہ میں جذبات محبت وعداوت سے قطعاً مغلوب نہ ہونا یہ خصلت حصول تقویٰ کے مؤثر ترین اور قریب ترین اسباب میں سے ہے۔ غصہ کو پی جانے اور برداشت کر جانے کی بابت ارشاد ہے "والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس" اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو، الغرض ہر قسم کی بدکاری اور گناہ کی نجاست سے پاک رہنے کی اور تہذیب نفس مکارم اخلاق اور حسن معاشرت کی قرآن پاک میں جابجا تاکید موجود ہے ہم نے چند آیتوں پر اکتفاء کیا ہے۔

اور اگر ان عملی باتوں کا علم ہے جو باہمی معاملات سے تعلق رکھتے ہیں تو اس کو تدبیر المنزل کہتے ہیں جیسے قانون معاملات خرید وفروخت، رہن، استقراض اور قانون میراث وقانون تزویج، باہمی معاہدات کی پابندی اور فریقین کے معاملات کا عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا اور وصیت، ولایت، ادائے امانت، سخاوت اور صداقت وغیرہ امور جو تہذیب اخلاق میں مذکور ہوئے یہ سب بھی اصول تمدن میں داخل اور قرآن میں مذکور ہیں، چند چیزوں کی مثالیں یہ ہیں، قرآن نے لغو اور بیہودہ باتوں سے اعراض کرنے کی تعلیم دی قال تعالیٰ "والذين هم عن اللغو معرضون" اور جو نکمی بات پر دھیان نہیں کرتے، اس واسطے کہ جس قدر قوموں پر ادبار آیا وہ اس لغو ہی کی بدولت آیا، کھیل، تماشے، ناچ، رنگ، بیہودہ افسانے، خیالات کو خراب کرنے والی شاعری، کبوتربازی، پتنگ بازی، بٹیر بازی، شطرنج بازی وغیرہ امور ہی انسان کو فضول خرچ اور کاہل دبے ہمت بلکہ بے حمیت وبے غیرت بنا دیتے ہیں جس سے تمدن میں خلل آجاتا ہے پس یہ تمام چیزیں لغو میں داخل ہیں اور مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ کامیاب ہوگئے جو فضول وبیکار مشغلوں میں وقت ضائع نہیں کرتے، کوئی دوسرا شخص لغو اور نکمی بات کہے تو ادھر سے منہ پھیر لیتے ہیں، ان کو وظائف عبودیت سے اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی کہ ایسے بے فائدہ جھگڑوں میں اپنے کو پھنسائیں۔

۵ چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو ٭ چو بگذشت بر عارفِ جنگ جو
گر ایں مدعی دوست بشناختے ٭ بہ پیکارِ دشمن نہ پرداختے

قمار بازی اور شراب خوری سے بھی قرآن نے سخت الفاظ میں منع فرمایا "انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون" بیشک شراب اور جُوا اور بُت اور پانسے سب گندے کام ہیں شیطان کے، سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔ شراب پی کر جب عقل جاتی رہتی ہے تو بعض اوقات شرابی پاگل ہو کر آپس میں لڑ پڑتے ہیں حتیٰ کہ نشہ اترنے کے بعد بھی بعض دفعہ لڑائی کا اثر باقی رہتا ہے اور باہمی عداوتیں قائم ہو جاتی ہیں، یہی حال بلکہ کچھ بڑھ کر جوئے کا ہے اس میں ہار جیت پر سخت جھگڑے اور فساد برپا ہوتے ہیں، یہ تو ظاہری خرابی ہوئی اور باطنی نقصان یہ ہے کہ ان چیزوں میں مشغول ہو کر انسان خدا کی یاد اور عبادت الٰہی سے بالکل غافل ہو جاتا ہے، جب یہ چیزیں اس قدر ظاہری و باطنی نقصانات پر مشتمل ہیں تو کیا ان سے تمدن میں خلل پیدا نہ ہوگا؟

دفع مناقشات و مشاجرات اور اصلاح ذات البین کے متعلق ارشاد ہے "انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون ٥ یا ایہا الذین آمنوا لایسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیراً منہم ولا نساء من نساء عسیٰ ان یکن خیراً منہن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب" مومن بھائی ہیں سو ملاپ کرادو اپنے دو بھائیوں میں اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم پر رحم ہو، اے ایمان والو ٹھٹھا نہ کریں ایک لوگ دوسروں سے شاید وہ بہتر ہوں ان سے اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے شاید وہ بہتر ہوں ان سے اور عیب نہ لگاؤ ایک دوسرے کو اور نہ نام ڈالو چڑانے کو ایک دوسرے کے۔

عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جہاں دو شخصوں یا دو جماعتوں میں اختلاف رونما ہوا بس ایک دوسرے کا تمسخر اور استہزار کرنے لگتا ہے ذرا سی بات ہاتھ لگ گئی اور ہنسی مذاق اڑانا شروع کر دیا، اس طریقہ سے نفرت و عداوت کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی رہتی ہے اور قلوب میں اس قدر بُعد ہو جاتا ہے کہ صلح و ائتلاف کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔۔۔ خداوند قدوس نے اس آیت میں اسی قسم کی باتوں سے منع فرمایا ہے یعنی ایک جماعت دوسری جماعت کے ساتھ نہ مسخراپن کرے نہ ایک دوسرے پر آوازے کسے جائیں نہ کھوج لگا کر عیب نکالے جائیں اور نہ برے نام اور برے القاب سے فریق مقابل کو یاد کیا جائے کیونکہ ان باتوں سے دشمنی اور نفرت میں ترقی ہوتی اور فتنہ و فساد کی آگ زیادہ تیزی سے پھیلتی ہے۔

اور اگر ان چیزوں کا علم ہے جو انتظام حکومت و سلطنت سے متعلق ہیں تو اسکو سیاستِ مدنیہ کہتے ہیں، اس کے متعلق بھی قرآن پاک میں بہت سے احکام ہیں، چنانچہ ارشاد ہے "وامرہم شوریٰ بینہم" اور کام کرتے ہیں مشورہ سے آپس کے یعنی مسلمانوں کے جملہ امور باہمی مشاورت پر مبنی ہونے چاہئیں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی کی ہدایت کی گئی ہے "وشاورہم فی الامر" کہ اصحاب سے مشورہ کر لیا کریں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہمات امور میں برابر صحابہؓ سے مشورہ فرماتے تھے اور صحابہ

آپس میں مشورہ کرتے تھے حرب وغیرہ کے متعلق بھی اور بعض مسائل احکام کی نسبت بھی بلکہ خلافت راشدہ کی بنیاد ہی شوریٰ پر قائم تھی۔

حکام کو "واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل" میں عدل کا حکم فرمایا کہ جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو انصاف سے، اسکے بعد قوم کو حکام کی متابعت کا حکم دیا "یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں پس حاکم اسلام بادشاہ یا اس کا صوبہ دار یا قاضی یا سردار لشکر اور جو کوئی کسی کام پر مقرر ہو ان کے حکم کا ماننا ضروری ہے جب تک کہ وہ خدا اور رسول کے خلاف حکم نہ دیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قومی وملکی ریاست وحکومت کے حق میں لوگوں کے نفاق سے بڑھ کر اور کوئی چیز زہریلی نہیں یہ قومی بربادی کا سبب ہوتا ہے، قرآن نے نفاق اور دو رُخے پن کی سخت ممانعت فرمائی ہے اور ایسے لوگوں کو جو دشمنوں سے ساز باز اور قومی راز فاش کرتے ہیں منافق کا لقب دیکر جابجا اس گروہ ناپاک پر سرزنش کی ہے کیونکہ یہ جماعت ان لوگوں سے جو کھلم کھلا مخالف ہوں زیادہ اندیشہ ناک ہے۔

قوم کو دشمنوں کے مقابلہ کے لئے آمادہ کرنا، زمانہ کے موافق عمدہ سے عمدہ سامانِ حرب تیار رکھنے کا حکم دینا بھی اصول سیاست میں سے ہے اس کے متعلق ارشاد ہے "واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترہبون بہ عدو اللہ وعدوکم" اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں گھوڑے کی سواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا سامانِ جہاد تھا آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آبدوز کشتیاں، آہن پوش کروزر وغیرہ تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنون حربیہ کا سیکھنا بلکہ ورزش وغیرہ کرنا سب سامانِ جہاد ہے۔ قوم کو ظاہر وباطن ہر حال میں القیاد ویکجہتی جوانمردی وجفاکشی اور دشمن کے مقابلہ میں ثبات قدمی کا حکم دینا بھی اصول سیاست میں سے ہے اسکے متعلق ارشاد ہے۔ "یا ایہا الذین آمنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون ○ واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذہب ریحکم واصبروا" اے ایمان والو جب بھڑو کسی فوج سے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم مراد پاؤ اور حکم مانو اللہ کا اور اسکے رسول کا اور آپس میں نہ جھگڑو پس نامرد ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا اور صبر کرو یعنی جو سختیاں اور شدائد جہاد کے وقت پیش آئیں ان کو صبر واستقامت سے برداشت کرو ہمت نہ ہارو، مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے، اس آیت میں بتلا دیا گیا کہ دولت لشکر اور میگزین وغیرہ سے فتح ونصرت حاصل نہیں ہوتی، ثابت قدمی، صبر واستقلال، قوت وطمانینت قلب، یادالٰہی، خدا ورسول اور ان کے قائم مقام سرداروں کی اطاعت وفرماں برداری اور باہمی اتفاق واتحاد سے حاصل ہوتی ہے، تہذیب نفس، تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے متعلق مفید ہدایات قرآن پاک میں جابجا کثرت کے ساتھ مذکور ہیں لیکن بخوف تطویل انہی چند چیزوں پر اقتصار کر رہا ہوں۔ ۱۲

وعلمُ التذکیرِ بآلاءِ اللّٰہِ من بیانِ خلقِ السمٰواتِ والارضین والہامِ العبادِ ماینبغی لہم ومن بیانِ صفاتِ اللّٰہ سبحانہ الکاملۃِ وعلمُ التذکیرِ بایّام اللّٰہ یعنی بیانَ الوقائعِ التی اَوجدَھا اللّٰہُ سبحانہ وتعالیٰ من جنسِ تنعیمِ المطیعین وتعذیبِ المجرمین وعلمُ التذکیرِ بالموت ومابعدَہٗ من الحشرِ والنشرِ والحسابِ والمیزانِ والجنۃِ والنارِ وحفظُ تفاصیلِ ھذہ العلوم والحاقُ الاحادیث والآثارِ المناسبۃِ لہا وظیفۃُ المُذکِّرِ والواعظِ

لغات:۔ التذکیر یاد دلانا، وعظ و نصیحت کرنا۔ آلاء دیکھو صفحہ۔ الارضین ارض کی جمع ہے (حالت جری میں ہے) اسکی جمع اروض، اراضی، آرضی بھی آتی ہے۔ الہام حق تعالیٰ کا انسان کے دل میں ایسا داعیہ پیدا کرنا جو کسی فعل کے کرنے یا چھوڑنے پر آمادہ کرے، الوقائع وقیعۃ کی جمع ہے۔ واقعات، تنعیم مصدر ہے آسودہ حال کر دینا وظیفۃ عمل معین، منصب، خدمت وغیرہ۔

ترجمہ:۔ سوم علم تذکیر بآلاء اللہ مثلاً زمین و آسمان کے پیدا کرنے اور بندوں کو ان کی ضروریات کا الہام کرنے اور نیز خداوند تعالیٰ کی صفات کاملہ کا بیان، چہارم علم تذکیر بایام اللہ یعنی ان واقعات کا بیان جنکو خداوند تعالیٰ نے ایجاد فرمایا ہے مثلاً اطاعت کرنے والوں کو انعام دینا اور مجرموں کے لئے تعذیب و سزا۔ پنجم علم تذکیر موت اور اسکے بعد کے واقعات کا بیان مثلاً حشر و نشر، حساب و کتاب، میزان جنت، دوزخ، ان علوم کی تفاصیل کو محفوظ رکھنا اور ان کے مناسب احادیث و آثار ملحق کرنا واعظوں اور مذکروں کا کام ہے

تشریح:۔ قولہ من بیان خلق السمٰوات والارض الخ مثلاً حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "انّ فی خلق السمٰوات والارض واختلاف اللیل والنہار لآیاتٍ لاولی الالباب" بیشک آسمان اور زمین کا بنانا اور رات دن کا آنا جانا اسمیں نشانیاں ہیں عقل والوں کو یعنی عقلمند آدمی جب آسمان و زمین کی پیدائش اور ان کے عجیب و غریب احوال و روابط اور دن رات کے مضبوط و محکم نظام میں غور کرتا ہے تو اسکو یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا مرتب و منظم سلسلہ ضرور کسی ایک مختار کل اور قادر مطلق فرماں روا کے ہاتھ میں ہے اگر اس عظیم الشان مشین کا ایک پرزہ یا اس کارخانہ کا ایک مزدور بھی مالک علی الاطلاق کی قدرت و اختیار سے باہر ہوتا تو مجموعۂ عالم کا یہ مکمل و محکم نظام ہرگز قائم نہ رہ سکتا۔ وقال تعالیٰ "الم تروا ان اللّٰہ سخر لکم ما فی السمٰوات وما فی الارض واسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃ وباطنۃ" کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کام میں لگائے تمہارے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں اور پوری کر دیں تم پر اپنی نعمتیں کھلی اور چھپی

؎ ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند ٭ تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار ٭ شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری

قولہ والہام العباد الخ جیسے "قال ربنا الذی اعطیٰ کل شیءٍ خلقہ ثم ہدیٰ" کہا رب ہمارا وہ ہے جس نے دی ہر چیز کو اسکی صورت پھر راہ سجھائی، یعنی ہر چیز کو اسکی استعداد کے موافق شکل و صورت، قویٰ، خواص وغیرہ عنایت فرمائے پھر مخلوقات میں سے ہر چیز کے وجود و بقا کے لئے جن سامانوں کی ضرورت تھی مہیا کئے اور ہر چیز کو اپنی مادی ساخت اور روحانی قوتوں اور خارجی سامانوں سے کام لینے کی راہ سجھائی۔

قولہ بایام اللّٰہ الخ جیسے ارشاد ہے "وذکرہم بایام اللّٰہ ان فی ذلک لآیاتٍ لکل صبارٍ شکورٍ" اور یاد دلا انکو دن اللہ کے البتہ اسمیں نشانیاں ہیں اسکو جو صبر کرنے والا ہے شکر گذار یعنی ان دنوں کے واقعات یاد دلا دے جبکہ ان پر شدائد و مصائب کے پہاڑ ٹوٹے پھر اللہ نے ان سے نجات دی۔ (باقی بر صفحہ ۱۸)

وانما وقع بیان هذه العلوم علی اسلوب تقریر العرب الاول لا علی اسلوب تقریر المتاخرین فلم یلتزم فی آیات الاحکام اختصارا یختاره اهل المتون ولا تنقیح القواعد من قیود غیر ضروریة کما هو صناعة الاصولیین واختار سبحانه وتعالی فی آیات المخاصمة الزام الخصم بالمشهورات المسلمة والخطابیات النافعة لا تنقیح البراهین علی طریق المنطقیین

لغات:۔ اسلوب طریقہ، روش۔ العرب یہاں یہ لفظ بتاویل طائفہ مؤنث ہے، الاول اولی مؤنث اول کی جمع ہے۔ صناعۃ پیشہ، طریقہ۔ خصم مقابل۔ خطابیات خطابہ وہ قیاس جو کسی شخص معتقد فیہ کی جانب سے مقبول یا مظنون مقدمات سے مرکب ہو۔ تنقیح درست کرنا۔ براہین جمع برہان۔ دلیل وہ قیاس جو یقینیات سے مرکب ہو بدیہی ہوں یا نظری اگر قیاس میں استدلال علت سے معلول پر ہو تو اسکو برہان لمی کہتے ہیں اور اگر معلول سے علت پر ہو تو اسکو برہان انی کہتے ہیں۔

ترجمہ:۔ ان علوم کا بیان قدیم عربوں کی روش پر ہوا ہے نہ کہ متاخرین کے اسلوب پر پس آیات احکام میں اختصار کا التزام نہیں کیا جیسا کہ متن نویس کرتے ہیں اور نہ غیر ضروری قیود کی تنقیح جیسا کہ اصول والوں کا قاعدہ ہے اور آیات مخاصمہ میں مقابل پر اقوال مشہورہ مسلمہ اور خطابیات نافعہ کے ذریعہ حجت قائم کرنے کا التزام کیا ہے نہ کہ بطریق منطقیین ترتیب براہین کا۔

تشریح قولہ الزام الخصم الخ قرآن کریم نے آیات مخاصمہ میں منطقیین کے طریقوں اور ان کی باریکیوں کا لحاظ کئے بغیر محض سادہ انداز میں مقابل پر اقوال مشہورہ مسلمہ اور خطابیات نافعہ کے ذریعہ حجت قائم کرنے کا التزام کیا ہے جس کی دو وجہیں ہیں اول یہ کہ خود حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لہم" (اور کوئی رسول نہیں بھیجا ہم نے مگر بولی بولنے والا اپنی قوم کی تاکہ ان کو سمجھائے) دوم یہ کہ حجت پیش کرنے کے باریک طریقہ کی طرف وہی شخص مائل ہوگا جو ایسے واضح ترین کلام کے ساتھ جس کو اکثر لوگ سمجھ سکتے ہیں حجت قائم کرنے سے عاجز ہو ورنہ وہ کبھی اس طرح کے غامض کلام کی طرف مائل نہ ہوگا جس کو بہت تھوڑے آدمی سمجھ پاتے ہوں پس حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے سامنے دلائل بیان فرمانے کی صورت میں اپنے پاکیزہ اور اشرف خطاب کا وہ ڈھنگ رکھا جو نہایت واضح اور صاف ہے تاکہ عام لوگ اس خطاب کے صاف اور واضح معانی سے اپنی تسلی کرلیں اور دلیل لزوم سے مناسب حال حصہ پالیں اور خاص آدمی اس خطاب کی خبروں سے ایسے مطالب بھی سمجھ سکیں جو خطیبوں کی فہمیدہ باتوں پر فائق ہیں (اتقان)

قولہ بالمشہورات الخ جیسے اہل کتاب کے دعوے کو رد کرتے ہوئے ارشاد ہے "وقالت الیہود والنصاریٰ نحن ابناء اللہ واحباؤہ قل فلم یعذبکم بذنوبکم" (اور کہتے ہیں یہود اور نصاریٰ ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اس کے پیارے تو کہہ پھر کیوں عذاب کرتا ہے تم کو تمہارے گناہوں پر۔

(بقیہ صکا) وقال تعالیٰ "قد خلت من قبلکم سنن فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین" ہو چکے ہیں تم سے پہلے واقعات سو پھرو زمین میں اور دیکھو کہ کیا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا، یعنی تم سے پہلے بہت قومیں گذر چکیں، بڑے بڑے واقعات پیش آچکے خداتعالیٰ کی عادت بھی بار بار معلوم کرادی گئی کہ ان میں سے جنھوں نے انبیاء کی عداوت اور حق کی تکذیب پر کمر باندھی ان کا کیسا برا انجام ہوا یقین نہ ہو تو زمین میں چل پھر کر ان کی تباہی کے آثار دیکھ لو جو آج بھی موجود ہیں۔ ۱۲

ولم يُراعِ مناسبةً فی الانتقال من مطلبٍ الیٰ مطلبٍ کما ھو قاعدۃُ الادباءِ المتاخرین بل نشر کلَّ ما اَھمَّ القاؤہٗ علی العبادِ تقدَّم اَو تأخَّر

لغات ______

لم یراع مراعاۃ رعایت کرنا، نگاہ رکھنا، ادباء جمع ادیب۔ نشر (ض، ن) نشراً پھیلانا۔ القاء ڈالنا

ترجمہ :- ایک مضمون کے بعد دوسرے مضمون کے شروع کرنے میں مناسبت کی رعایت نہیں کی جیسا کہ ادباء متاخرین کا قاعدہ ہے بلکہ جس حکم کو بندوں کے لئے ہتم بالشان سمجھا اسی کو بیان کیا مقدم ہو یا مؤخر۔

تشریح۔ قولہ ولم یراع الخ یہاں دو چیزیں جدا جدا ہیں ایک تو علوم خمسہ کے درمیان ربط و مناسبت کا نہ ہونا بایں طور کہ ایک علم کے بعد اس کے مناسب دوسرے علم کو لانا اسی طرح ان علوم میں سے ہر ایک کی تفاصیل میں مناسبت کا نہ ہونا کہ مثلاً پہلے طہارت کے مسائل بیان ہوں پھر نماز کے مسائل یہاں یہی چیز مبحوث عنہ ہے جس کے متعلق شاہ صاحب فرما رہے ہیں کہ خداوند تعالےٰ نے ان میں مناسبت کی رعایت نہیں کی بلکہ جس کو اہم سمجھا اسی کو ذکر کیا مقدم ہو یا مؤخر، دوم آیاتِ قرآنیہ کے درمیان ارتباط و مناسبت کا ہونا سو اس سے شاہ صاحب کو انکار نہیں، بلکہ خود موصوف نے اپنے ترجمۂ قرآن " فتح الرحمٰن " میں جا بجا آیات کے درمیان مناسبت کو بیان کیا ہے، ہم یہاں مناسبتِ آیات کے مسئلہ کو ذرا تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

عام مفسرین کی رائے ہے کہ قرآن پاک میں ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف مثلاً مضمونِ توحید سے احکام کی طرف، قصص سے توحید و دارِ آخرت کے مضمون کی طرف اور احکام سے آثارِ قدرت وغیرہ کی طرف انتقال بڑی خوبی اور عمدہ مناسبت کے ساتھ ہوتا ہے، لیکن آیات کی باہمی مناسبت کہیں تو بالکل واضح ہوتی ہے کہ غبی اور ذکی ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور کہیں نہایت لطیف و دقیق کہ اسکو بجز ذکی اور صاحبِ ذوقِ سلیم اور کوئی نہیں سمجھ پاتا اسی لئے علماء کی ایک جماعت نے مناسبتِ آیات و سُوَر کے موضوع پر بڑی بڑی کتابیں تصنیف کی ہیں سب سے پہلے اس موضوع پر شیخ ابوبکر نیشاپوری نے قلم اٹھایا اس کے بعد بہت سے لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں جیسے شیخ ابو حیان کے استاذ علامہ ابو جعفر بن الزبیر کی کتاب " البرہان فی مناسبۃ ترتیب سُوَر القرآن " اور شیخ برہان الدین البقاعی کی کتاب " نظم الدُرَر فی مناسبۃ الآی والسُوَر " اور علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب " تناسق الدُرَر فی تناسب السُوَر " وغیرہ۔

شیخ ولی الدین کا قول ہے کہ جس شخص نے یہ کہا ہے کہ آیات کریمہ کے لئے کسی مناسبت کا تلاش کرنا درست نہیں وہ وہم میں مبتلا ہے کیونکہ اس نے اس عدمِ ضرورت اور نادرستی کی وجہ آیاتِ قرآنی کا متفرق واقعات کی نسبت نازل ہونا قرار دیا ہے اور اس میں قولِ فیصل یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیتوں کا نزول علیٰ حسب الواقعات ہوا ہے اور حکمت کے لحاظ سے باہم ترتیب دی گئی ہیں۔

امام رازی سورۂ بقرہ کے بیان میں لکھتے ہیں کہ جو شخص اس سورت کے لطائفِ نظم و بدائعِ ترتیب میں غور کریگا

اس پر یہ بات بخوبی واضح ہو جائے گی کہ جس طرح قرآن پاک فصاحتِ الفاظ و بلاغتِ معانی کے سبب سے معجزہ ہے اسی طرح وہ اپنی ترتیب اور نظمِ آیات کے اعتبار سے بھی معجزہ ہے، مگر افسوس کہ میں نے جمہور مفسرین کو ان لطائف سے گریز کنندہ پایا ہے جو اس شعر کا مصداق ہے ؎

والنجم تستصغر الابصار صورتہ ٭ والذنب للطرف لا للنجم فی الصغر

نگاہیں مہرِ درخشاں کی صورت کو چھوٹی دیکھتی ہیں حالانکہ کرۂ آفتاب کو چھوٹا دیکھنے میں قصور نگاہ کا ہے نہ کہ آفتاب کا۔

مناسبت کے لغوی معنیٰ ہم شکل اور باہم قریب قریب ہونے کے ہیں اور آیات یا ان کے مثل چیزوں میں مناسبت کا مآل و مرجع آیات میں یا دو جملوں میں ایک رابطہ کی طرف ہے جو کبھی عام ہوتا ہے کبھی خاص، کبھی حسّی کبھی عقلی، کبھی خیالی کبھی تلازم ذہنی جیسا کہ سبب و مسبب، علت و معلول، نظیرین اور ضدین وغیرہ علاقات میں ہوتا ہے۔

مناسبت کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اجزاءِ کلام کے باہمی ارتباط سے کلام کے اجزاء باہم وابستہ و پیوستہ ہو جاتے ہیں اور مربوط کلام ہو، ایک قوت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ تمام مرکبات کا حال یہی ہے کہ ان کے اجزاءِ تالیفیہ کے باہمی ارتباط سے قدرتاً استحکام پیدا ہو جاتا ہے تو گویا تالیفِ کلام کا حال اس عمارت کا سا ہے جو نہایت مستحکم اور متناسب الاجزاء بنیاد پر قائم ہو۔

فہم مناسبت کے لئے بطور قاعدۂ کلیہ یہ اصول ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ بعد والی آیت اگر پہلی آیت کا تکملہ و تتمہ یا تاکید یا تفسیر و تشریح یا بدل یا بیان یا کسی سوالِ مقدر کا جواب ہو تو ان دونوں کی مناسبت بالکل واضح ہوتی ہے جس کو ہر اہلِ زبان بشرطِ سلیقہ سمجھ سکتا ہے اور اگر دونوں جملے بذاتِ خود مستقل ہوں تو دیکھنا ہوگا کہ ایک آیت دوسری آیت پر کسی ایسے حرفِ عطف کے ساتھ معطوف ہے جو کہ حکم میں شریک کرنے والا ہو یا نہیں اگر معطوف ہے تو ان دونوں میں علاقاتِ مذکورہ میں سے ضرور کوئی نہ کوئی علاقہ ہوگا جیسے آیت "یعلم ما یلج فی الارض وما یخرج منہا وما ینزل من السماء وما یعرج فیہا" (جانتا ہے جو کچھ کہ داخل ہوتا ہے زمین میں اور جو کچھ کہ نکلتا ہے اس سے اور جو اترتا ہے آسمان سے اور جو چڑھتا ہے اس میں) کہ اس میں ولوج و خروج، نزول و عروج کے مابین علاقہ تضاد اور سماء و ارض کے مابین شبہ تضاد ہے۔ اسیطرح آیت "واللہ یقبض و یبسط والیہ ترجعون" میں قبض (بستگی) اور بسط (کشادگی) کے مابین تضاد ہے، اسیطرح عذاب کے اور ثواب کا رحمت کے بعد غضب کا ترغیب کے بعد ترہیب کا ذکر جو اکثر آیات میں ہوتا ہے وہاں بھی علاقہ تضاد ہوتا ہے، پھر اکثر اوقات قرآن پاک میں احکام کے بعد وعدہ وعید اور کبھی گذشتہ واقعات مذکور ہوتے ہیں جن میں فرماں برداروں پر عنایت اور نافرمانوں پر عتاب مذکور ہوتا ہے تاکہ احکام مذکورہ کی تعمیل میں لوگ کوشش کریں، اور کبھی قیامت اور مرنے کے بعد ہولناک واقعات بھی بیان ہوتے ہیں تاکہ نتیجۂ عمل سامع کے ذہن نشین ہو جائے اور کبھی آیاتِ توحید اور آیاتِ انعام کو ذکر کیا جاتا ہے تاکہ آمر و ناہی کی شان معلوم ہو جائے کہ یہ ایسے یکتا شہنشاہ اور منعمِ حقیقی کے احکام ہیں، سورہ بقرۃ و نساء اور سورۂ مائدہ کی آیات میں اگر غور کیا جائے تو یہی بات ملتی ہے اور اگر ان دونوں میں عطف نہ ہو تو ان میں روابطِ ذیل

میں سے کسی رابطہ کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) تنظیر:- کیونکہ ایک نظیر کو دوسری نظیر کے ساتھ ملحق کرنا عقلاء کے شایانِ شان ہے، جیسے آیت " کما اخرجک ربک من بیتک بالحق " سے پہلے یہ جملہ ہے " اولئک ہم المؤمنون حقا " اس جملہ سے اول یہ بیان تھا کہ اے نبی آپ امور سیاست میں کسی کی مخالفت اور طعن کی پرواہ نہ کریں کیونکہ ان کے مصالح عوام کی سمجھ میں نہیں آتے مؤمن خالص بے چون وچرا آپکی پیروی کرتے ہیں اور بعد میں سب کو ان کی مصلحت معلوم ہوجاتی ہے جیسا کہ آپکا گھر سے نکلنا، اس معاملہ میں طبائع عامہ مخالف نہیں مگر اس کی برکات کا بعد میں سب نے معاینہ کرلیا۔

(۲) مضادہ:- یعنی باہم ایک دوسرے کی ضد ہونا کہ ایک چیز بیان کرنے کے بعد اس کی ضد بیان کرنے سے اسکی حالت اچھی طرح منکشف ہوجاتی ہے ع وبضدہا تتبین الاشیاء، جیسے سورہ بقرہ کے آغاز میں مؤمنین کے اوصاف اور ان کے نیک نتائج بیان کرنے کے بعد " ان الذین کفروا سواء علیہم اھ " میں کافروں کے حالات کا بیان۔

(۳) استطراد:- یعنی بات کو اس طرح بیان کرنا کہ اس سے دوسری بات لازم آجائے، اس کی مثال حق تعالیٰ کا ارشاد ہے " یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ " (اے اولاد آدم کی ہم نے اتاری تم پر پوشاک جو ڈھانکے تمہاری شرمگاہیں اور اتارے آرائش کے کپڑے اور لباس پرہیزگاری کا وہ سب سے بہتر ہے)

زمخشری کا قول ہے کہ یہ آیت شرم کی جگہوں کے کھلنے اور ان پر پتوں کو رکھ کر پردہ کرنے کے ذکر کے بعد بسبیل استطراد وارد ہوئی ہے اور اس سے مخلوق کے لئے لباس کا پسندیدہ ہونا اور برہنگی کی برائی کا بتانا مقصود ہے اور یہ بھی بتانا ہے کہ ستر پوشی تقوے کے لوازم میں سے ایک اہم چیز ہے۔

(تنبیہ) بعض آیتیں اس طرح کی ہیں کہ ان کی مناسبت ان کے ماقبل کے ساتھ مشکل نظر آتی ہے جیسے " لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ " چنانچہ اس کی بابت بعض رافضیوں نے یہ کہدیا ہے کہ اس سورۃ میں سے (معاذ اللہ) کوئی چیز ساقط ہوگئی ہے۔

ائمہ نے اس کی بہت سی مناسبتیں بیان کی ہیں از انجملہ ایک یہ ہے کہ قرآن نے اپنی عادت کے مطابق جس جگہ قیامت میں بندوں کے اعمالنامے پیش ہونے کو بیان کیا اسی جگہ اس کے بعد ہی دنیا کی اس کتاب کا بھی ذکر کردیا جو احکامِ دین پر مشتمل ہے اور جس پر عمل نہ کرنے سے بازپرس ہوتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ جس وقت سورۂ قیامہ کا اول حصہ " وَلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ " تک اترچکا اس وقت اتفاقی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں نازل شدہ وحی کو حفظ کرنے میں جلدی فرمائی کیونکہ آپکو اس کے ذہن سے اترجانے کا خوف تھا اس پر " لَا تُحَرِّکْ اھ " نازل ہوئی اس کے بعد کلام کا عود اس شئے کے تکملہ کی طرف ہوا جس کے ساتھ اس کا آغاز ہوا تھا۔ (اتقان بحذف وتغییر)

(محمد حنیف غفرلہ گنگوہی)

وعامة المفسرين يربطون كل آية من آيات المخاصمة وآيات الاحكام بقصة ويظنون ان تلك القصة سبب نزولها والمحقق ان القصد الاصلي من نزول القرآن تهذيب النفوس البشرية ودمغ العقائد الباطلة ونفي الاعمال الفاسدة فوجود العقائد الباطلة في المكلفين سبب لنزول آيات المخاصمة ووجود الاعمال الفاسدة وجريان المظالم فيما بينهم سبب لنزول آيات الاحكام وعدم تيقظهم بما عدا ذكر آلاء الله وأيام الله ووقائع الموت وما بعده سبب لنزول آيات التذكير ________

لغات:- یربطون (ن، ض) ربطاً باندھنا۔ دمغ ناپید کرنا۔ جریان جاری ہونا۔ مظالم مظلمہ کی جمع ہے بمعنی ظلم۔ تیقظ بیدار ہونا۔ وقائع جمع وقیعہ گڑھا جس میں پانی جمع ہو جائے۔ ہولناک واقعات۔

ترجمہ:- عام مفسرین آیاتِ مخاصمت و احکام میں سے ہر ایک کو قصہ کے ساتھ ربط دیتے اور اس کو سبب نزول مانتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ نزولِ قرآن سے مقصود اصلی نفوس بشری کی تہذیب اور ان کے عقائد باطلہ اور اعمال فاسدہ کی تردید ہے پس مکلفین میں عقائد باطلہ کا وجود آیات مخاصمہ کے نزول کا اور ان میں اعمال فاسدہ اور مظالم کا شیوع آیات احکام کے نزول کا اور آلاء اللہ و ایام اللہ اور موت و ما بعد الموت کے ہولناک واقعات کے ذکر کے بغیر ان کا بیدار نہ ہونا آیاتِ تذکیر کے نزول کا سبب ہے۔

تشریح:- قولہ سبب نزولہا الخ اسباب نزول کی مفصل بحث تو باب دوم کی فصل سوم اور باب چہارم کی فصل اول میں آئے گی یہاں شاہ صاحب جس غامض مسئلہ کو ذکر کر رہے ہیں اس کی وضاحت حجۃ اللہ البالغہ میں اسطرح فرماتے ہیں

اعلم ان من اعظم انواع البر ان يعتقد الانسان بجامع قلبه بحيث لا يحتمل نقيض هذا الاعتقاد عنده ان العبادة حق الله تعالى على عباده وانهم مطالبون بالعبادة من الله تعالى بمنزلة سائر ما يطالبه ذوو الحقوق من حقوقهم قال النبي صلى الله عليه وسلم لمعاذ يا معاذ هل تدري ما حق الله على عباده وما حق العباد على الله؟ قال معاذ الله ورسوله اعلم قال فان حق الله على عباده ان يعبدوه ولا يشركوا به شيئا وحق العباد على الله تعالى ان لا يعذب من لا يشرك به شيئاً

(حجۃ اللہ البالغہ ص۱۷۳ ج۱)

واضح ہو کہ نیکیوں کے تمام اقسام میں بڑی نیکی یہ ہے کہ انسان خالص دل سے اسطرح یقین کرے جس میں اس کے خلاف کا احتمال بھی نہ ہو کہ عبادت اللہ کا حق ہے اس کے بندوں پر اور ان سے مطالبہ ہوگا عبادت کا اللہ کی طرف سے اسی طرح جیسے اور اہل حق اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے معاذ رضؓ سے فرمایا تھا معاذ! جانتے ہو اللہ کا بندوں پر اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ معاذ رضؓ نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے، آپ نے فرمایا، اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا حق خدا پر یہ ہے کہ جو شرک نہ کرتا ہو اسکو عذاب نہ دے (باقی بر ص۲۳)

وما تكلفوا من خصوصياتِ القِصَصِ الجزئيةِ لامدخلَ لها يُعتَدّ به الّا في بعضِ الآياتِ حيث وَقَعَ التعريضُ فيها لواقعةٍ من وقائعَ وُجِدَتْ في زمنهِ صلى الله عليه وسلم اوقبلَ ذلك ولايزولُ مايعرُضُ للسامع من الانتظار عند سماعِ ذلكَ التعريضِ الابِبَسْطِ القصةِ فلزم ان نشرح هذه العلوم بوجهٍ لايستلزمُ مؤنةَ إيرادِ القِصَصِ الجزئيةِ

لغات:- تكلفوا۔ الامر دشوار کام برداشت کرنا۔ قصص جمع قصہ۔ مدخل بمعنی دخل۔ تعریض اشارہ بسط پھیلانا، مؤنۃ مشقت۔

ترجمہ

اور خاص خاص واقعات جن کو بیان کرنے کی انھوں نے زحمت اٹھائی ہے ان کا اسباب نزول میں چنداں دخل نہیں ہے مگر صرف بعض آیات میں جہاں کسی ایسے واقعے کی جانب اشارہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یا اس سے پیشتر واقع ہوا ہے اور سننے والے کو اس اشارے سے جو انتظار پیدا ہوتا ہے وہ قصہ کی تفصیل کے بغیر زائل نہیں ہوتا، پس ہم پر لازم ہے کہ ان علوم کی تشریح اس طرح کریں کہ خاص خاص واقعات بیان کرنے کی تکلیف نہ کرنی پڑے۔

تشریح

قولہ وجدت فی زمنہ الخ اس کی ایک مثال سورۂ نور کی یہ آیت ہے۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

اور قسم نہ کھائیں بڑے درجہ والے تم میں سے اور کشائش والے اس پر کہ دیں قرابتیوں کو اور محتاجوں کو اور وطن چھوڑنے والوں کو اللہ کی راہ میں اور چاہیے کہ معاف کریں اور در گذر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان۔

(بقیہ ص ۲۱) ثم مکنت الشرائع الالٰہیۃ ہذہ المعرفۃ الغامضۃ من نفوسہم بثلاث مقامات مسلمۃ عندہم جاریۃ مجری المشہورات البدیہیۃ بینہم۔ احدہا ان اللہ تعالٰی منعم وشکر المنعم واجب والعبادۃ شکر لہ علی نعمہ والثانی انہ یجازی المعرضین عنہ التارکین لعبادتہ فی الدنیا اشد الجزاء والثالث انہ یجازی فی الآخرۃ المطیعین والعاصین فانبسطت من ہنالک ثلثۃ علوم علم التذکیر بآلاء اللہ وعلم التذکیر بایام اللہ وعلم التذکیر بالمعاد فنزل القرآن العظیم شرحا لہذہ العلوم

(حجۃ اللہ البالغۃ ص ۲۶ ج ۱)

پھر قدرت دی شریعت الٰہیہ نے اس معرفت غامضہ پر لوگوں کو تین مقامات کی وجہ سے جو ان کے نزدیک مسلم اور بمنزلہ امور مشہورہ بدیہیہ کے ہیں اول یہ کہ خدا منعم ہے اور منعم کا شکر ادا کرنا واجب ہے اور عبادت اسکی نعمتوں کا شکریہ ہے دوم یہ کہ وہ اعراض کرنے والوں اور دنیا میں عبادت کے نہ کرنے والوں کو سخت سزا دیگا سوم یہ کہ وہ آخرت میں فرمانبرداروں اور نافرمانوں کو جزا و سزا دیگا پس یہاں سے تین علوم کا اضافہ ہوا اول انعامات الٰہی کے یاد دلانیکا علم۔ دوم عذاب الٰہی سے یاد دلانیکا علم سوم معاد کی باتوں سے سمجھانیکا علم پس قرآن مجید ان تینوں علوم کی شرح کرنیکے لئے نازل ہوا۔

اس آیت میں "اولوا الفضل" سے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی طرف اشارہ ہے، قصہ کی تشریح باب دوم کی فصل پنجم میں ص ۲۱۸ پر ملاحظہ ہو۔

اس کی دوسری مثال سورۂ تحریم کی یہ آیت ہے:-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

اے نبی تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا اللہ نے تجھ پر چاہتا ہے تو رضامندی اپنی عورتوں کی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس کا سبب نزول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ عصر کے بعد سب ازواج کے ہاں تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جاتے ایک روز حضرت زینبؓ کے ہاں کچھ دیر لگی معلوم ہوا کہ انھوں نے شہد پیش کیا تھا اس کے نوش فرمانے میں وقفہ ہوا پھر کئی روز یہ معمول رہا، حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت حفصہ رضؓ نے مل کر تدبیر کی کہ آپ وہاں شہد پینا چھوڑ دیں' آپ نے چھوڑ دیا اور حفصہؓ سے فرمایا کہ میں نے زینب کے ہاں شہد پیا تھا مگر اب قسم کھاتا ہوں کہ پھر نہ پیونگا، نیز یہ خیال فرما کر کہ زینب کو اس کی اطلاع ہوگی تو خواہ مخواہ دلگیر ہونگی حفصہؓ کو منع کر دیا کہ اس کی اطلاع کسی کو نہ کرنا، اسی طرح کا ایک قصہ ماریہ قبطیہ کے متعلق پیش آیا اس میں آپ نے ازواج کی خاطر قسم کھالی کہ ماریہ کے پاس نہ جاؤں گا یہ بات آپؐ نے حضرت حفصہؓ کے سامنے کہی تھی اور تاکید کردی تھی کہ دوسروں کے سامنے اظہار نہ ہو۔ حضرت حفصہ رضؓ نے ان واقعات کی اطلاع چپکے سے حضرت عائشہ رضؓ کو کردی اور یہ بھی کہدیا کہ اور کسی سے نہ کہنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے مطلع فرما دیا آپ نے حفصہ کو جتلایا کہ تم نے فلاں بات کی اطلاع عائشہ کو کردی حالانکہ منع کر دیا تھا وہ متعجب ہو کر کہنے لگیں کہ آپ سے کس نے کہا (شاید عائشہ کی طرف خیال گیا ہوگا) حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے حق تعالیٰ نے اطلاع دی ہے، ان ہی واقعات کے سلسلے میں (یہ آیت اور اس کے بعد والی چند) آیات نازل ہوئیں (ایضاً) ظاہر ہے کہ جب تک پورا قصہ سامنے نہ آئے سامع کو انتظار ہی رہے گا۔

قولہ او قبل ذلک الخ اس کی مثال سورۂ بقرہ کی یہ آیت ہے

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّارَأْتُمْ فِيهَا وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا

اور جب مار ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے، پھر ہم نے کہا مارو اس مردہ پر اس گائے کا ایک ٹکڑا۔

اس کا قصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص عامیل نامی مارا گیا تھا اور اس کا قاتل معلوم نہ ہوتا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ کا یہ حکم ہے کہ ایک گائے ذبح کر کے اس کا ایک ٹکڑا مردے پر مارو تو وہ جی اٹھے اور آپ اپنے قاتل کو بتا دے، چنانچہ ایک گائے اس شخص سے مول لی گئی جو اپنی ماں کی بہت خدمت کرتا تھا اتنے مال میں جتنا اس گائے کی کھال میں سونا بھر سکیں پھر اس کو ذبح کر کے ایک ٹکڑا مقتول کے مارا تو وہ بحکم الٰہی زندہ ہو گیا اور لہو زخم سے بہنے لگا اور اپنے قاتل کا نام بتا دیا جو اسی مقتول کے بھتیجے تھے لطمع مال چچا کو جنگل میں لیجا کر مار ڈالا تھا پھر وہ ان کا نام جا کر گر پڑا اور مر گیا۔

(۱) فصل فی بیانِ علم المخاصمۃ

قد وقع فی القرآن المجید المخاصمۃ مع الفرقِ الاربع الضالۃِ المشرکین و الیھودِ والنصاریٰ والمنافقین وھذہ المخاصمۃ علیٰ قسمین الاول ان تذکر العقیدۃ الباطلۃ مع التنصیص علیٰ شناعتھا ویذکر انکارھا لاغیر والثانی ان تقرر شبھاتھم ویذکر حلھا بالادلۃِ البرھانیۃ اوالخطابیۃ

لغات:- المخاصمہ جھگڑا کرنا، الفرق جمع فرقہ لوگوں کی ایک جماعت، الضالۃ گمراہ لوگ۔ شناعۃ قباحت برائی، الادلۃ جمع دلیل۔

ترجمہ

(پہلی) فصل علم مباحثہ کے بیان میں، قرآن مجید میں چاروں گمراہ فرقوں سے مباحثات واقع ہوئے ہیں یعنی مشرکین، یہودی نصاریٰ اور منافقین اور یہ مباحثے دو طرح پر ہیں ایک یہ کہ فقط باطل عقیدہ کو بیان کیا جائے اسکی قباحت کی تصریح کرنے کے ساتھ ساتھ اور اس سے نفرت ظاہر کیجائے، دوسرے یہ کہ ان گمراہوں کے شبہات کو بیان کیا جائے اور دلائل قطعیہ یا خطابیات سے ان کا حل ذکر کیا جائے۔

تشریح

قولہ علم المخاصمۃ الخ مخاصمۃ لغۃً جھگڑنے کو کہتے ہیں اور اس کے اصطلاحی معنی وہ ہیں جو شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں ان الفاظ میں بیان کئے ہیں۔

علم المخاصمۃ اعنی ان النفوس السفلیۃ اذا تولدت بینھا شبھات ثم انغمر بھا الحق کیف یحل تلک العقد

علم مخاصمت یعنی وہ علم جس میں یہ بتایا جائے کہ نفوس سفلیہ میں جب ایسے شبہات پیدا ہو جائیں جن سے امر حق میں غلطیاں واقع ہوں تو ان کو کس طرح دور کیا جائے

قولہ علیٰ شناعتھا الخ جیسے سورۂ کہف میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا

کہتے ہیں اللہ رکھتا ہے اولاد، کچھ خبر نہیں ان کو اس بات کی اور نہ ان کے باپ دادوں کو، کیا بڑی بات نکلتی ہے ان کے منہ سے۔

یعنی خداوند تعالیٰ کی شان قدوسیت وسبوحیت کی ان لوگوں کو کچھ خبر نہیں ہوا اس کی جناب میں ایسی گستاخیاں کرتے ہوئے ذرا نہیں شرماتے، دلائل وبراہین کی جگہ انکے ذخیرہ میں یہی باقی رہ گیا ہے کہ زبان سے ایک جھوٹی اور بدیہی البطلان بات کہتے ہیں۔

قولہ والثانی ان تقرر الخ جیسے سورۂ زخرف میں ہے۔

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝

اور کہتے ہیں کہ اگر چاہتا رحمٰن تو ہم نہ پوجتے ان کو، کچھ خبر نہیں انکو اس کی یہ سب انکلیں دوڑاتے ہیں۔

یعنی یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم کو دوسری چیزوں کی پرستش سے روک دیتا جب ہم برابر کرتے رہے اور نہ روکا تو ثابت ہوا کہ یہ کام بہتر ہیں اور اسکو پسند ہیں جواب یہ ہے کہ یہ تو صحیح ہے کہ بدون خدا کے چاہے کوئی چیز نہیں ہو سکتی لیکن اس چیز کا تمہارے حق میں بہتر ہونا اس سے نہیں نکلتا ......، مشیت اور رضا میں لزوم ثابت کرنا کوئی علمی اصول نہیں محض انکل کے تیر ہیں۔

اَمَّا المشرکون فکانوا یسمّون اَنفسھم حُنَفاءَ وکانوا یَدّعون التدیُّنَ بالملۃ الابراھیمیۃ وانما یقال الحنیف لمن تَدَیَّنَ بالملۃِ الابراھیمیۃِ وَالتزم شِعَارَھَا وشعائرھا من حج البیتِ الحرام واستقبالہٗ فی الصلوٰۃ والغسلُ من الجنابۃِ والاختتانُ وسائرُ خصالِ الفطرۃِ و تحریمُ الاشھرِ الحرام وتعظیمُ المسجدِ الحرام وتحریمُ المحرّمات النسبیۃِ والرضاعیۃِ والذبحُ فی الحلقِ والنحرُ فی اللبۃِ والتقرُّبُ بالذبحِ والنحرِ خصوصًا فی ایام الحج

لغات:- حنفاء جمع حنیف ادیانِ باطلہ کو چھوڑ کر دین حق کو اختیار کرنے والا، التدین دین اختیار کرنا، ملۃ مذہب شعار احکام حج ورسوم حج، اختتان ختنہ کرانا، سائر چیز کا بقیہ خصال جمع خصلۃ بمعنی عادت فطرۃ طبعی حالت، دین، سنت طریقہ پیدائش الاشہر جمع شہر مہینہ، النحر سینہ پہ مارنا اللبۃ سینہ پر ہار پڑنے کی جگہ تقرب نزدیکی حاصل کرنا۔

ترجمہ، بہر حال مشرکین سو وہ خود کو حنیف کہتے ... اور ملت ابراہیمی کے پابند ہونے کا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ حنیف اس کو کہا جاتا ہے جو ملت ابراہیمی کا متبع ہو اور اس کے علامات کو سختی کے ساتھ اختیار کرنے والا ہو اور ملت ابراہیمی کی علامات یہ ہیں خانہ کعبہ کا حج نماز میں اس کا استقبال، غسل جنابت ختنہ کرانا باقی فطری خصائل، اشہر حرم (شوال، ذلیقعدہ ذی الحجہ) کی حرمت، مسجد حرام کی تعظیم، نسبی اور رضاعی محرمات کو حرام ماننا (عام جانوروں کا) ذبح حلق میں (اور اونٹ کا) نحر لبہ میں اور ذبح ونحر سے خداوند تعالیٰ کی رضا جوئی خصوصًا حج کے زمانہ میں۔

تشریح:- قولہ حنفاء الخ حنیف (بروزن فعیل) کی جمع ہے جو حَنَفٌ بمعنی میل سے مشتق ہے حنیف دراصل وہ ہے جو ہر باطل سے بیزار ہو کر ایک مولیٰ حقیقی کا رُخ کر چکا ہو، حضرت ابراہیمؑ کی زندگی طفولیت سے لیکر آخر تک اس خصوصیت کا مرقع تھی اسلئے انبیاء علیہم السلام میں یہ لقب ان ہی کا مشہور ہوگیا ہے ورنہ گروہ انبیاء سب حنفاء تھے، اصطلاح میں حنیف ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کا متبع ہو چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے "فتح الرحمٰن" میں لکھا ہے کہ حنفاء وہ ہیں جو شریعت ابراہیمی یعنی مناسک، ختان، غسل جنابت اور استقبال کعبہ کے پیرو ہوں۔

امام راغب نے مفردات میں لکھا ہے کہ اہل عرب ہر اس شخص کو حنیف کہتے ہیں جو حج کرے اور ختنہ کرائے، یہ بتانے کے لئے کہ وہ دین ابراہیمی پر ہے، کلیات میں ہے کہ قرآن پاک میں جہاں کہیں لفظ حنیف کے ساتھ مسلم آیا ہے وہاں حاجی مراد ہے جیسے "ولکن کان حنیفًا مسلمًا" اور جہاں بغیر لفظ مسلم کے تنہا حنیف ہے وہاں مسلم مراد ہے جیسے "للّٰہ حنیفًا"

قولہ وکانوا یدعون الخ ابن ہشام نے "سیرۃ" میں ابن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ قریش کے کچھ لوگ عید کے دن ایک بت کے پاس جمع ہوئے جس کی وہ غایت درجہ تعظیم وتکریم کرتے اور اس کے نام پر قربانیاں کرتے تھے پس انمیں سے چار آدمی یعنی ورقہ بن نوفل، عبیداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث اور زید بن عمرو بن نفیل علیحدہ ہو کر آپس میں سرگوشی کرتے ہوئے کہنے لگے بخدا! تم اچھی طرح سمجھ لو کہ تم کسی راہ پر نہیں ہو، بھلا پتھر بھی کہیں معبود ہو سکتا ہے جو نہ سُن سکے نہ دیکھ سکے نہ نقصان پہونچا سکے نہ کچھ نفع دے سکے، اسو تم اپنے لئے صحیح دین تلاش کرو کیونکہ تم صحیح راہ پر نہیں ہو، پس وہ حنیفیہ یعنی دین ابراہیمی کی تلاش میں شہروں میں گھومنے لگے۔ ابو الصلت بن ربیعہ ثقفی دین ابراہیمی کو ذکر کرتا ہوا کہتا ہے؛

سہ ۵ بکل دین یوم القیمة عند اللہ الا دین ابراہیم بُور (عون)

قولہ وشعارہا الخ شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی تفسیر "فتح العزیز" میں چالیس احکام شمار کرکے ایسے تحریر فرمائے ہیں جو ملت ابراہیمی اور ملت محمدیہ ہر دو میں تقریباً مشترک ہیں، ناظرین کے سامنے ان احکام کی مختصر فہرست پیش کرنا خالی از بصیرت نہ ہوگا۔ (۱) دشمنانِ خدا سے جہاد کرنا (۲) بت شکنی (۳) غیر اللہ کی منت نہ ماننا (۴) غیر اللہ کے نام پر ذبح نہ کرنا (۵) رزق، شفا اور موت کو صرف مسبب الاسباب کے قبضۂ قدرت میں تصور کرنا (۶) اپنی جان کو خدا کی راہ میں قربان کرنا (۷) کہانت باطل سمجھنا (۸) بدفالی کا قائل نہ ہونا (۹) کسی ساعت کو منحوس نہ سمجھنا (۱۰) کواکب پرستی کا انکار کرنا (۱۱) نجومیوں سے مستقبل کے واقعات دریافت نہ کرنا (۱۲) آدابِ قربانی (۱۳) خصال فطرت (۱۴) جملہ افعال حج (۱۵) کعبہ کا قبلہ ہونا (۱۶) مصیبت پر صبر کرنا (۱۷) نوحہ وغیرہ نہ کرنا (۱۸) تصویر کی حفاظت اور مصوّر سے اجتناب کرنا (۱۹) ترکِ نکاح، ترکِ لذائذ، ترکِ لباسِ نفائس اور گوشہ نشینی جیسے افعال اختیار نہ کرنا (۲۰) عبادت میں اتنی افراط سے اجتناب کرنا جس سے حقوق العباد تلف ہوں (۲۱) کسب معاش (۲۲) بلا ضرورت سوال نہ کرنا (۲۳) لباس صاف ستھرا رکھنا (۲۴) لہو ولعب سے احتراز کرنا (۲۵) والد کو اولاد اور اولاد کو والد کے جرم میں گرفتار نہ کرنا (۲۶) حرمتِ زنا وغیرہ (۲۷) سترِ عورت (۲۸) ختنہ کرنا (۲۹) عقیقہ کرنا (۳۰) آدابِ ضیافت (۳۱) پوشش ولباس کے احکام (۳۲) عبادت کے وقت اچھی ہیئت کا خیال رکھنا (۳۳) اشہر حرم کا احترام کرنا (۳۴) محرماتِ نکاح (۳۵) نکاح میں شاہدوں کا ہونا (۳۶) زکوٰۃ (۳۷) چاشت کی چار رکعتیں (۳۸) تحریمہ میں رفع یدین کرنا (۳۹) رکوع کا سجدہ پر مقدم ہونا (۴۰) نماز کی ہر نقل وحرکت میں تکبیر کہنا۔ (ترجمان السنۃ)

قولہ والاختتان الخ علامہ ابن الجوزی نے "المجتبیٰ" میں ذکر کیا ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ختنہ کرائی اس وقت آپ کی عمر اسّی سال کی تھی اور عورتوں میں سب سے پہلے حضرت ہاجرہ کی ختنہ ہوئی اور سولہ انبیاء کرام خلقی طور پر مختون پیدا ہوئے اور وہ یہ ہیں حضرت آدم ؑ، شیث ؑ، ادریس ؑ، نوح ؑ، ہود ؑ، صالح ؑ، لوط ؑ، شعیب ؑ، یوسف ؑ، موسیٰ ؑ، سلیمان ؑ، زکریا ؑ، یحییٰ ؑ، عیسیٰ ؑ، حنظلہ ؑ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قولہ خصال الفطرۃ الخ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں!۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشر من الفطرۃ قص الشارب واعفاء اللحیۃ والسواک والاستنشاق بالماء وقص الاظفار وغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانۃ وانتقاص الماء یعنی الاستنجاء قال الراوی ونسیت العاشرۃ الا ان تکون المضمضۃ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس باتیں فطرت میں سے ہیں مونچھیں تراشنا، ڈاڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی دینا، ناخن کتروانا، انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا، بغل کے بال اکھاڑنا، موئے زیرناف کا مونڈنا اور پانی سے استنجاء کرنا، راوی کہتا ہے کہ دسویں بات میں بھول گیا غالباً وہ کلی کرنا ہے۔

وقد كان فی اصل الملۃِ الوضوءُ والصلوٰۃُ والصومُ من طلوعِ الفجرِ الی غروبِ الشمس والصدقۃُ علی الیتامٰی والمساکینِ والاعانۃُ فی نوائبِ الحق وصلۃُ الارحامِ مشروعۃٌ وکان التمدحُ بھذہٖ الافعال شائعًا فی ما بینھم ولکن جمھور المشرکین کانوا یترکونھا حتی صارت ھذہ الافعال کأن لم تکنْ شیئًا وقد کان تحریمُ القتلِ والسرقۃِ والزنا والربا والغصبِ ایضًا ثابتًا فی اصل الملۃِ وکان انکارُ ھذہ الاشیاءِ جاریًا فی الجملۃ واما جمھورُ المشرکین فیرتکبونھا ویتبعون النفسَ الامّارۃَ فیھا

لغات: یتامٰی جمع یتیم، اعانۃ مدد کرنا، نوائب جمع نائبۃ حادثہ، مصیبت، ارحام جمع رحم قرابت، رشتہ داری، تمدح فخر کرنا، خود بخود تعریف کرنا، شائع جاری پھیلی ہوئی بات، سرقہ چوری، ربا سود، الامارۃ سرکش۔

ترجمہ:- اور ملت ابراہیمی میں وضوء، نماز، طلوعِ فجر سے لیکر غروب آفتاب تک روزہ، یتیموں اور فقیروں کو صدقہ دینا، مشکلات میں ان کی اعانت کرنا اور صلہ رحم مشروع تھا، اور ان افعال کے ذریعہ فخر و مدح سرائی ان میں جاری تھی لیکن جمہور مشرکین نے ان امور کو ترک کر دیا تھا یہاں تک کہ یہ خصائل ان میں کان لم یکن ہوگئے تھے اور قتل، چوری زنا، سود اور غصب کی حرمت بھی اصل ملت میں ثابت تھی اور ان افعال پر ان کے ہاں کچھ نہ کچھ اظہار نفرت بھی جاری تھا، لیکن جمہور مشرکین ان کو کرتے اور نفس امارہ کے اشاروں پر چلتے تھے۔

تشریح:- قولہ الوضوء الخ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

وھذا الوضوء یفعلہ المجوس والیھود وغیرھم وکانت تفعلہ حکماء العرب وکانت فیھم الصلوٰۃ وکان ابوذرؓ یصلی قبل ان یقدم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بثلاث سنین وکان قس بن ساعدۃ الایادی یصلی والمحفوظ من الصلوٰۃ فی امم الیھود والمجوس وبقیۃ العرب افعال تعظیمیۃ لاسیما السجود واقوال من الذکر والدعاء

اور اس وضوء کو مجوس، یہود اور حکمائے عرب کیا کرتے تھے اور ان میں نماز بھی مروج تھی، حضرت ابوذرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے بیشتر تین سال سے نماز پڑھتے تھے اور قس بن ساعدہ الایادی بھی نماز پڑھتے تھے یہود و مجوس اور باقی عرب میں نماز کے تعظیمی افعال مروج تھے خاص کر سجود اور دعاء و ذکر الٰہی سے متعلق اقوال۔

قولہ وکان التمدح الخ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

وکانت فیھم الزکوٰۃ وکان المعمول عندھم منھا قری الضیف وابن السبیل وحمل الکلّ والصدقۃ علی المساکین وصلۃ الارحام والاعانۃ فی نوائب الحق وکانوا یمتدحون بھا ویعرفون انھا کمال الانسان وسعادتہ قالت خدیجۃؓ فواللہ

اور ان میں زکوٰۃ بھی تھی جس کا دستور ان کے ہاں مہمان کی ضیافت کرنا، مسافر کو کھانا کھلانا کسی کے اہل و عیال کا نفقہ برداشت کرنا، مساکین کو صدقہ دینا، صلہ رحمی کرنا، مصائب حق میں مدد کرنا تھا انہی امور سے انکی تعریف ہوتی تھی اور انہی امور کو وہ انسان کا کمال اور اسکی سعادت کا سبب سمجھتے تھے چنانچہ حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا تھا بخدا

لایخزیك الله ابداً انك لتصل الرحم وتقری الضیف وتحمل الکل وتعین علی نوائب الحق وقال ابن الدغنة لابی بکرؓ مثل ذٰلك وکان فیهم الصوم من الفجر الی غروب الشمس وکانت قریش تصوم عاشوراء فی الجاهلیة وکان الجوار فی المسجد وکان عمرؓ نذر اعتکاف لیلة فی الجاهلیة فاستفتی فی ذلك رسول الله صلی الله علیه وسلم وکان عاص بن وائل اوصی ان یعتق عنه کذا وکذا من العبید

اللہ آپکو لیسماندہ نہ کریگا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے مہمانوں کو کھانا کھلاتے، دوسروں کے عیال کے کفیل ہوتے اور حوادث میں لوگوں کی اعانت کرتے ہیں، ایسا ہی ابن دغنہ نے صدیق اکبرؓ سے کہا تھا اور وہ لوگ صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ رکھتے اور مسجد میں اعتکاف کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے زمانہ جاہلیت میں شبانہ اعتکاف کی نذر کی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکی بابت استفتاء کیا تھا اور عاص ابن وائل نے وصیت کی تھی کہ میری جانب سے فلاں فلاں غلام آزاد کئے جائیں۔

قوله وکان الکار هذه الخ جیسے زید بن عمرو بن نفیل فساق وفجار کی بابت کہتا ہے،

عجبت وفی اللیالی معجبات — وفی الایام یعرفها البصیر

بان الله قد افنی رجالاً — کثیرا کان شانهم الفجور

میں تعجب کر رہا ہوں اور شب و روز میں بہت سے حیرت انگیز امور رونما ہوتے ہیں جن کو سمجھدار آدمی سمجھ جاتا ہے، اس بات پر کہ خداوند تعالیٰ نے بہت سے لوگوں کو ہلاک کر دیا جن کا شیوہ فسق و فجور تھا۔

قوله فیرتکبونها الخ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

ولاینافی ما قلناه وجود فرقتین فیهم وظهورهما وشیوعهما احدهما الفساق والزنادقة فالفساق یعملون الاعمال البهیمیة او السبعیة بخلاف الملة لغلبة نفوسهم وقلة تدینهم فاولئك انما یخرجون عن حکم الملة شاهدین علی انفسهم بالفسق والزنادقة مجبولون علی الفهم الابتر لایستطیعون التحقیق التام الذی قصده صاحب الملة ولایقلدونه ولایسلمونه فیما اخبر فهم فی ریبهم یترددون علی خوف من ملامهم والناس منکرون علیهم ویرونهم خارجین من الدین خالعین ربقة الملة عن اعناقهم واذا کان الامر ما ذکرنا من الانکار وقبح الحال فخروجهم لایضر والثانیة الجاهلون الغافلون الذین لم یرفعوا رؤسهم الی الدین راسا لم یلتفتوا الفتنة اصلا وکان هؤلاء اکثر شیء فی قریش وما والاها لبعد عهدهم من الانبیاء وهو قوله تعالی لتنذر قوما ما اتاهم من نذیر۔

اور منافی نہیں ہمارے قول کے ان میں دو فرقوں کا وجود ان کا ظہور و شیوع ایک تو فساق اور زندیقوں کا، پس فاسق لوگ بہائم اور درندوں کے سے کام کرتے تھے ملت کے بالکل خلاف کیونکہ ان میں نفسانی خواہشات کا غلبہ تھا اور مذہبی امور کا لحاظ کم تھا، یہ لوگ ملت کے دائرہ سے خارج تھے لیکن اپنے حق میں برائی کا اقرار بھی کرتے تھے اور زنادقہ میں پیدائشی طور پر نقص فہم تھا وہ پوری طرح اس امر کی تحقیق نہیں کر سکتے تھے جو صاحب ملت کا مقصود تھا اور نہ ہی اسکی پیروی کرتے تھے اور نہ اس امر کو تسلیم کرتے تھے جسکی وہ خبر دیتا تھا یہ لوگ اپنے شکوک میں سرگرداں رہتے تھے اپنی جماعت کی طرف سے اندیشہ کیا تھا لوگ انکو برا جانتے اور دین سے خارج اور خود کو مذہبی پابندی سے آزاد کرنیوالے جب انکار و قبح حال کا علم تھا تو ان کا خروج کچھ مضر نہیں دوسرا فرقہ جاہل غافل لوگوں کا تھا جنہوں نے دین کی جانب کوئی توجہ نہیں کی تھی یہ لوگ اکثر قریش اور انکے قریب تھے کیونکہ ان کا زمانہ انبیاء سے بہت دور ہو گیا تھا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "تاکہ تو ایسے لوگوں کو ڈرائے جن کے پاس کوئی ڈرانیوالا نہیں آیا۔"

وقد كانت عقيدةُ اثباتِ الصانع سبحانهٗ تعالیٰ وانه هُوَ خالقُ السمٰوٰتِ والارضين ومُدبّرُ الحوادثِ العظامِ وانه قادرٌ علی ارسالِ الرُسُلِ وجزاءِ العبادِ بما يعملون وانه مُعِدٌّ لها للحوادثِ قبلَ وقوعِها وعقيدةُ ان الملائكةَ عبادُهٗ المقرّبونَ المستحقّون للتعظيمِ ايضًا ثابتةٌ فيما بينهم ويدلُّ علیٰ ذٰلك اشعارُهم

اثبات: ثابت کرنا، صانع: بنانے والا، السموات جمع سماء آسمان، ارضین جمع ارض (حالت جری میں ہے) بمعنی زمین، مدبر: انتظام کرنے والا غور کرنے والا، الحوادث جمع حادثہ زمانہ کے مصائب بڑے بڑے واقعات۔ عظام جمع عظیم بمعنی بڑا۔ ارسال بھیجنا، الرسل جمع رسول، عباد جمع عبد بندہ، اشعار جمع شعر

ترجمہ

اور حق سبحانہ وتعالیٰ کے وجود کا عقیدہ اور اس بات کا عقیدہ کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے اور زبردست حوادث کا مدبر اور رسولوں کے بھیجنے پر قادر اور بندوں کو ان کے اعمال کی جزا دینے والا اور حوادث کو ان کے وقوع سے پیشتر معین کرنے والا اور یہ کہ فرشتے خدا کے مقرب بندے اور تعظیم کے مستحق ہیں ان کے نزدیک ثابت تھا چنانچہ ان کے اشعار ان مضامین پر دلالت کرتے ہیں۔

تشریح

قولہ خالق السموات الخ چنانچہ متعدد آیات اسکی شاہد ہیں مثلاً

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ (عنکبوت)

اور اگر تو لوگوں سے پوچھے کہ کس نے بنایا ہے آسمان اور زمین کو اور کام میں لگایا سورج اور چاند کو تو کہیں: اللہ نے

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ (لقمٰن)

اور اگر تو پوچھے ان سے کس نے بنائے آسمان اور زمین تو کہیں: اللہ نے، تو کہہ سب خوبی اللہ کو ہے۔

یعنی الحمد للہ اتنا تو زبان سے اعتراف کرتے ہو کہ زمین وآسمان کا پیدا کرنا بجز اللہ کے کسی کا کام نہیں پھر اب کونسی خوبی رہ گئی جو اسکی ذات میں نہ ہو، کیا ان چیزوں کا پیدا کرنا اور ایک محکم نظام پر چلانا بدون اعلیٰ درجے کے علم وحکمت اور زور وقدرت کے ممکن ہے؟ لامحالہ خالق السموات والارض میں تمام کمالات تسلیم کرنے پڑیں گے (فوائد عثمانیہ)

قولہ ومدبر الحوادث الخ سورۂ یونس میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللّٰهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ٥

تو پوچھ کون روزی دیتا ہے تمکو آسمان اور زمین سے یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور کون تدبیر کرتا ہے کاموں کی سو بول اٹھیں گے کہ اللہ تو تو کہہ کہ پھر ڈرتے نہیں ہو۔

مشرکین کو بھی اعتراف تھا کہ یہ امور کلیہ اور عظیم الشان کام اللہ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا اسلئے فرمایا کہ جب اصلی خالق و مالک اور تمام عالم کا مدبر اسی کو مانتے ہو پھر ڈرتے نہیں کہ اس کے سوا دوسروں کو معبود بناؤ معبود تو وہی ہونا چاہیئے جو خالقِ کل، مالک الملک، رب مطلق اور متصرف علی الاطلاق ہو۔

(فوائد عثمانیہ)

قولہ وانہ قادر الخ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں :۔

وکان اهل الجاهلية فی زمان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسلمون جواز بعثۃ الانبیاء ویقولون بالمجازاۃ ویعتقدون اصول انواع البر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اہل جاہلیت بعثت انبیاء کو تسلیم کرتے اور اعمال کی سزا و جزاء کے قائل تھے اقسام نیکی کے اصول کے معتقد تھے۔

قولہ اشعارہم الخ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں :۔

لو امعنت فی تصفح اخبارهم غاية الامعان وجدت افاضلهم وحكمائهم كانوا يقولون بالمعاد وبالحفظة وغير ذلك ويثبتون التوحيد على وجهه حتى قال زيد بن عمرو بن نفيل فی شعره

اگر ان کے کلام میں نہایت غور و خوض کرو گے تو ان کے فضلاء اور حکماء کو پاؤ گے کہ وہ علم معاد اور فرشتوں وغیرہ کا اعتقاد رکھتے تھے اور وہ توحید کو ٹھیک طور پر مانتے تھے یہاں تک کہ زید بن عمرو بن نفیل اپنے شعر میں کہتا ہے۔

عبادك يخطئون وانت ربی

بكفيك المنايا والحتوم

تو پروردگار ہے تیرے بندے خطا کار ہیں اور موتیں اور فیصلے تیرے ہی قبضہ میں ہیں۔

وقال ایضًا

نیز کہتا ہے :۔

اربًا واحدًا اوالف رب

ادين اذا تقسمت الامور

تركت اللات والعزى جميعا

كذلك يفعل الرجل البصير

میں ایک پروردگار کو مانوں یا ہزار کو جب کاموں کی تقسیم ہو۔ میں نے لات عزیٰ سب کو چھوڑ دیا ہے اور سمجھ دار آدمی ایسا ہی کیا کرتا ہے۔

امیہ بن ابی الصلت کا یہ شعر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھا گیا اور آپ نے اس کی تصدیق کی۔

والشمس تطلع كل آخر ليلة ✤ حمراء يصبح لونها يتورد

تأبى فما تطلع لنا فی رسلها ✤ الا معذبة والا يجلد

سورج ہر رات کے ختم ہونے کے بعد صبح کو سرخ اور گلابی رنگ کا نکلتا ہے، وہ خوشی سے ہمارے لئے طلوع نہیں ہوتا بلکہ وہ معذب ہو کر اور تازیانہ کھا کر نکلتا ہے (یعنی خدا کی قدرت سے مغلوب رہتا ہے)

زہیر بن ابی سلمیٰ جو ہجرت سے گیارہ سال قبل گزرا ہے اس کے اشعار اس پر دال ہیں کہ وہ خدا پر، روز قیامت پر اور حساب و کتاب پر کامل ایمان رکھتا تھا ؎

فلا تكتمن الله ما فی صدوركم ✤ ليخفى ومهما يكتم الله يعلم

يؤخر فيوضع فی كتاب فيدخر ✤ ليوم حساب او يعجل فينقم

اعشیٰ جو غیر مسلم تھا کہتا ہے۔

فاياك والميتاتِ لاتقربنّها ✤ ولاتعبُدِ الشيطانَ واللهَ فاعبُدا

وَكَانَ قَدْ وَقَعَ لِجُمْهُورِ الْمُشْرِكِيْنَ فِيْ هٰذِهِ الْعَقَائِدِ شُبُهَاتٌ كَثِيْرَةٌ نَاشِئَةٌ مِنِ اسْتِبْعَادِ هٰذِهِ الْاُمُوْرِ وَعَدَمِ أُلْفَتِهَا وَكَانَ مِنْ ضَلَالِهِمُ الشِّرْكُ وَالتَّشْبِيْهُ وَالتَّحْرِيْفُ وَاِنْكَارُ الْمَعَادِ وَاسْتِبْعَادُ رِسَالَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشُيُوْعُ الْاَعْمَالِ الْقَبِيْحَةِ وَالْمَظَالِمِ فِيْمَا بَيْنَهُمْ وَابْتِدَاعُ الرُّسُوْمِ الْفَاسِدَةِ وَانْدِرَاسُ الْعِبَادَاتِ، وَالشِّرْكُ اَنْ يُّثْبِتَ لِغَيْرِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى شَيْئًا مِّنْ صِفَاتِ الْمُخْتَصَّةِ بِهٖ كَالتَّصَرُّفِ فِي الْعَالَمِ بِالْاِرَادَةِ الَّذِيْ يُعَبَّرُ عَنْهُ بِكُنْ فَيَكُوْنُ اَوِ الْعِلْمِ الذَّاتِيِّ مِنْ غَيْرِ اكْتِسَابٍ بِالْحَوَاسِّ وَدَلِيْلِ الْعَقْلِ وَالْمَنَامِ وَالْاِلْهَامِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ اَوِ الْاِيْجَادِ لِشِفَاءِ الْمَرِيْضِ اَوِ اللَّعْنِ لِشَخْصٍ وَالسَّخَطِ عَلَيْهِ حَتّٰى يُقْدَرَ عَلَيْهِ الرِّزْقُ اَوْ يَمْرَضَ اَوْ يَشْقٰى لِذٰلِكَ السَّخَطِ اَوِ الرَّحْمَةِ لِشَخْصٍ حَتّٰى يَبْسُطَ لَهُ الرِّزْقَ وَيَصِحَّ بَدَانُهٗ وَيَسْعَدَ

لغات:۔ ناشئۃ پیدا ہونے والے، استبعاد بعید سمجھنا، الفتہا انوس ہونا۔ ضلال گمراہی۔ التحریف بات کو اس کے موقع سے پھیر دینا معاد آخرت۔ شیوع پھیلنا القبیحۃ بدترین مظالم جمع مظلمہ مراد ظلم، ابتداع بدعت نکالنا، الرسوم جمع رسم غیر الٰہی علامت، اندراس ناپید ہونا، اکتساب حاصل کرنا، الحواس جمع حاسۃ معلوم کرنے کی قوت، المنام خواب، سخط ناراضی یقدر تنگ کرنا یبسط وسعت دینا۔

ترجمہ

اور واقع ہوگئے تھے جمہور مشرکین کے لئے ان عقائد میں بہت سے ایسے شبہات جو ان امور کے استبعاد اور انکی طرف رغبت نہ ہونے سے پیدا ہوئے تھے، مشرکین کی گمراہی میں سے شرک، تشبیہ اور تحریف کا قائل ہونا اور معاد کا منکر ہوناتھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو بعید از قیاس کہنا، اعمالِ قبیحہ کا شائع ہونا، ایک دوسرے پر ظلم وستم کرنا نئے نئے فاسد رسوم ایجاد کرنا اور عبادات کا ناپید ہونا، شرک یہ ہے کہ غیر اللہ کے لئے ان صفات کو ثابت ماناجائے جو خداوند تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں مثلاً عالم کے اندر تصرفاتِ ارادی جس کو کن فیکون سے تعبیر کیا جاتا ہے، یا علم ذاتی جس کا اکتساب نہ حواس کے ذریعے سے ہو نہ عقل کی رہنمائی سے اور نہ خواب والہام وغیرہ کے واسطہ سے یا مریض کو شفا دینا یا کسی پر لعنت کرنا اور اس سے ناراض ہونا جس کے باعث اسکو تنگدستی اور بیماری یا شقاوت گھیرلیں یا کسی پر رحمت بھیجنا جس سے اسکو فراخ دستی، تندرستی اور سعادت حاصل ہو۔

تشریح:۔ قولہ الشرک الخ چنانچہ سورۂ یوسف میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "وما یؤمن اکثرھم باللّٰہ الا وھم مشرکون" اور نہیں ایمان لاتے بہت لوگ اللہ پر مگر ساتھ ہی شریک بھی کرتے ہیں یعنی زبانی کہتے ہیں کہ خالق ومالک اللہ ہے مگر اسکے باوجود کوئی بتوں کو خدائی کا حصہ دار بناتا ہے چنانچہ مشرکین عرب تلبیہ میں کہتے تھے "لبیک اللھم لبیک لاشریک لک الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک" کوئی اس کیلئے بیٹے بیٹیاں تجویز کرتا ہے چنانچہ اہل مکہ کہتے تھے "اللہ ربنا وحدہ لاشریک لہ والملائکۃ بناتہ" (فوائد)

قولہ یعبر عنہ الخ یعنی بغیر کیفیت جسمانیہ اور بغیر کسی امر کے استعمال کئے کسی چیز کو پیدا کردینا کما قال اللہ تعالیٰ انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون" یعنی اس کے ہاں تو بس ارادہ کی دیر ہے جہاں کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور کہا ہوجا، فوراً ہوئی رکھی ہے ایک سکنڈ کی تاخیر نہیں ہوسکتی۔

ولم يكن المشركون يشركون احداً في خلق الجواهر وتدبير الامور العظام ولا يثبتون لاحد قدرة على الممانعة اذا ابرم الله سبحانه وتعالى امراً وانما كان اشراكهم في الامور الخاصة ببعض العباد وكانوا يظنون ان الملك على الاطلاق جل مجده شرّف بعض العباد بخلعة الالوهية ويؤثر رضاهم وسخطهم على سائر العباد كما ان ملكاً من الملوك عظيم القدر يرسل عبيده المخصوصين الى نواحي المملكة ويجعلهم متصرفين في الامور الجزئية الى ان يصدر عن الملك حكم صريح فلا يتوجه الى تدبير الامور الجزئية ويفوض اليهم امور سائر العباد ويقبل شفاعتهم في امر من يخدمهم ويتوسل بهم فيقولون بوجوب التقرب بعباد الله سبحانه المخصوصين المذكورين ليتيسر لهم قبول الملك المطلق وتقبل شفاعتهم للمتقربين بهم في مجاري الامور وكانوا يجوّزون بملاحظة هذه الامور ان يسجد لهم ويذبح لهم ويحلف بهم ويستعان بهم في الامور الضرورية بقدرة كن فيكون وكانوا ينحتون من الحجر والصفر وغير ذلك صوراً يتخذونها قبلة التوجه الى تلك الارواح حتى اعتقد الجهال شيئاً فشيئاً تلك الصور معبودة بذواتها فتطرق بذلك خلط عظيم۔

لغات:- الجواہر جمع جوہرۃ، جوہر وہ چیز جو قائم بالذات ہو اور محل کا محتاج نہ ہو اس معنی میں یہ عرض کا مقابل ہے، ابرم الامر مضبوط کرنا۔ مجد عزت، بزرگی، خلعت کپڑے جو عزت کے طور پر ملیں۔ الوہیت معبودیت، سخط ناراضگی عبید جمع عبد نوکر، غلام۔ نواحی جمع ناحیۃ جانب، جہت۔ یفوض تفویضاً سونپنا، مجاری جمع مجری گذرگاہ، ینحتون (ض، ن) نحتاً تراشنا چھیلنا، الحجر پتھر، الصفر سونا، پیتل۔ صور جمع صورۃ شکل جہال جمع جاہل۔ تطرق راہ پالی۔

ترجمہ:- مشرکین شریک نہیں کرتے تھے کسی کو جواہر اور عظیم الشان امور کے پیدا کرنے میں اور نہیں ثابت کرتے تھے کسی کیلئے روکنے کی قدرت جب ارادہ کر لے خدا کسی کام کے کرنے کا بلکہ ان کا شرک فقط ایسے امور کی نسبت تھا جو بعض بندوں کے ساتھ مخصوص تھے وہ گمان کرتے تھے کہ ملک مطلق جل مجدہٗ نے اپنے بعض خاص بندوں کو رتبۂ الوہیت کے خلعت سے سرفراز کیا ہے جن کی رضامندی وناراضی دوسرے بندوں کے حق میں موثر ہے جیسے شاہانِ عظیم القدر اپنے مقربانِ خاص کو ملک کے مختلف حصوں کا فرماں روا مقرر کرتے ہیں اور بعض امور خاصہ کے فیصل کرنے میں جب تک کوئی شاہی حکم صریح موجود نہ ہو ان کو مختار بنا دیتے ہیں اور اپنی رعایا کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خود انتظام نہیں کرتے اور اپنی کل رعایا کو حکام کے سپرد کر دیتے ہیں اور حکام کی سفارش ان کے ماتحت ملازمین اور متوسلین کے حق میں قبول کی جاتی ہے، اس لئے وہ ان بندگانِ خاص کے تقرب کو ضروری خیال کرتے تھے تاکہ بادشاہ حقیقی کی درگاہ میں مقبولیت کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور جزا اعمال کے وقت ان کے حق میں شفاعت درجۂ قبولیت حاصل کرے، اور ان خیال ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے وہ لوگ ان کو سجدہ کرنا، ان کے لئے قربانی کرنا، ان کے نام کی قسم کھانا اور ضروری امور میں ان کی قدرت "کن فیکون" سے مدد لینا جائز سمجھتے تھے اور پتھر، سونے، پیتل وغیرہ کی مورتیاں بنا کر ان (بندگانِ خاص) کی روحوں کی طرف متوجہ ہونے کا ایک وسیلہ قرار دیا تھا لیکن رفتہ رفتہ جہلا نے ان پتھروں ہی کو

اپنا اصلی معبود سمجھنا شروع کر دیا اور غلط عظیم واقع ہوگیا۔

تشریح۔ قولہ بخلعۃ الالوہیۃ الخ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں "باب اقسام الشرک" کے تحت لکھتے ہیں:۔

حقیقۃ الشرک ان یعتقد انسان فی بعض المعظمین من الناس ان الآثار العجیبۃ الصادرۃ منہ انما صدرت لکونہ متصفا بصفۃ من صفات الکمال مما لم یعہد فی جنس الانسان بل یختص بالواجب جل مجدہ لا یوجد فی غیرہ الا ان یخلع ہو خلعۃ الالوہیۃ علی غیرہ او یفنی غیرہ فی ذاتہ ویبقی بذاتہ او نحو ذلک

شرک کی حقیقت یہ ہے کہ بعض بزرگوں کی نسبت کسی کا یہ اعتقاد ہو کہ عجیب عجیب اثر جو اُن سے صادر ہوئے ہیں وہ محض ان صفات کی وجہ سے ہوئے ہیں جو انسان میں نہیں ہو سکتیں بلکہ صرف واجب تعالیٰ ہی میں پائی جاتی ہیں مگر یہ کہ خدا ہی کسی کو الوہیت کا خلعت پہنادے یا اس کو فنا کر کے اپنی ذات میں ملا لے یا اسی طرح کا اور بیہودہ گمان جس کا مشرکین اعتقاد کیا کرتے ہیں۔

قولہ بوجوب التقرب الخ مشرک لوگ یہی کہا کرتے ہیں کہ ان چھوٹے خداؤں اور دیوتاؤں کی پرستش کر کے ہم بڑے خدا سے نزدیک ہو جائیں گے اور وہ ہم پر مہربانی کریگا جس سے ہمارے کام بن جائیں گے جیسا کہ سورۂ زمر کی اس آیت میں ان کا یہ اعتقاد مذکور ہے۔

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (زمر رکوع ۱)

ہم تو ان کو پوجتے ہیں اس واسطے کہ ہم کو پہنچا دیں اللہ کی طرف قریب کے درجے میں۔ (فوائد)

قولہ وتقبل شفاعتہم الخ جیسا کہ سورۂ یونس کی اس آیت میں ہے۔

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ

اور پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا اس چیز کی جو نہ نقصان پہنچا سکے انکو نہ نفع اور کہتے ہیں یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس۔

یعنی خدا کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جنکے قبضۂ قدرت میں نفع و ضرر کچھ بھی نہیں جب پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں بیشک بڑا خدا تو ایک ہی ہے جس نے آسمان زمین پیدا کیے مگر ان بتوں کو خوش رکھنا اسلئے ضروری ہے کہ یہ سفارش کر کے بڑے خدا سے دنیا میں ہمارے اہم کام درست کرا دیں گے اور اگر موت کے بعد دوسری زندگی کا سلسلہ ہوا تو وہاں بھی ہماری سفارش کرینگے باقی چھوٹے موٹے کام جو خود ان کے حدود اختیار میں ہیں ان کا تعلق تو صرف ان ہی سے ہے بناءً علیہ ہم کو ان کی عبادت کرنی چاہیئے۔ (فوائد)

قولہ حتی اعتقد الجہال الخ سورۂ انبیاء میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا

مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ

یہ کیسی مورتیں ہیں جن پر تم مجاور بنے بیٹھے ہو بولے ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو انہی کی پوجا کرتے۔

یعنی عقل و فطرت اور نقل معتد بہ کی کوئی شہادت ہماری تائید میں نہیں ہے بجز اس کے کہ اوپر سے ہمارے باپ دادا انہی کی پوجا کرتے چلے آئے ہیں پھر ہم اپنے بڑوں کا طریقہ کیسے چھوڑ دیں (فوائد)

والتشبیهُ عبارۃٌ عن اثباتِ الصفاتِ البشریۃِ لِلّٰہ تبارکَ وتعالیٰ نکانوا یقولون اِنَّ الملائکۃَ بناتُ اللّٰہ وانہ یقبل شفاعۃَ عبادِہ وان لم یرض بہا کما انَّ الملوکَ یفعلونَ مثلَ ذٰلکَ بالنسبۃِ الیَ الاُمَراءِ الکِبارِ وکانوا یقیسُونَ علمَہ تعالیٰ وسمعَہ وبصَرَہ الذی یلیق بجناب الاُلوھیۃِ علی علمِہم وسمعِہم وابصارِہم لقصورِ اَذھانِہم فیقعونَ فِی القولِ بالتجسیم والتحیّز

لغات :- بنات جمع بنت لڑکی ملوک جمع مَلِک بادشاہ، امرآء جمع امیر، کبار جمع کبیر بڑا، یقیسون قیاس دوسرے پر اندازہ کرنا۔ قصور کمی۔ اذہان جمع ذہن۔ تجسیم یہ عقیدہ کرنا کہ ہمارے جسموں کی طرح خدا کا جسم ہے تحیّز یہ عقیدہ کہ خدا کسی جگہ میں متمکن ہے۔

ترجمہ

اور تشبیہ سے مراد ہے صفاتِ بشریہ کو حق تعالیٰ کی پاک ذات کے لئے ثابت کرنا چنانچہ مشرکین فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں بتلاتے اور کہتے تھے کہ وہ اپنے بندوں کی شفاعت کو قبول کرتا ہے اگرچہ اس کی مرضی کے خلاف ہو جیسا کہ بادشاہ بڑے بڑے امراء دولت کی نسبت کیا کرتے ہیں اور وہ لوگ حق تعالیٰ کے علم وسمع اور بصر کو جو شانِ الوہیت کے لائق ہے اپنے علم وسمع اور بصر پر قیاس کرتے تھے اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے پس وہ جسمیت وتحیز کے عقیدہ میں مبتلا ہو گئے۔

تشریح

قولہ ان الملائکۃ الخ عرب کے بعض قبائل کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں جب پوچھا جاتا کہ ان کی مائیں کون ہیں؟ تو بڑے بڑے جنوں کی لڑکیوں کو بتلاتے اس طرح (العیاذ باللہ) خدا کا ناتا جنوں اور فرشتوں دونوں سے جوڑ رکھا تھا چنانچہ سورۂ والصّٰفّٰت میں ہے۔

اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِکَۃَ اِنَاثًا وَّھُمْ شٰھِدُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّھُمْ مِّنْ اِفْکِھِمْ لَیَقُوْلُوْنَ ۝ وَلَدَ اللّٰہُ وَاِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَ ۝ اَصْطَفَی الْبَنَاتِ عَلَی الْبَنِیْنَ ۝

یا ہم نے بنایا فرشتوں کو عورت اور وہ دیکھتے تھے، سنتا ہے وہ اپنا جھوٹ بنایا کہتے ہیں کہ اللہ کے اولاد ہوئی اور وہ بیشک جھوٹے ہیں، کیا اس نے پسند کیں بیٹیاں بیٹوں سے۔

یعنی ذرا ان احمقوں سے کوئی پوچھے کیا اتنی بڑی عظمت وقدرت والا خدا (معاذ اللہ) اپنے لئے اولاد بھی تجویز کرتا تو بیٹیاں لیتا اور تم کو بیٹے دیتا۔

قولہ وان لم یرض بہا الخ قرآن حکیم نے کئی جگہ اس نظریہ کی تردید کی ہے مثلاً سورۂ طٰہٰ میں ہے۔

یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَہٗ قَوْلًا ۝

اس دن کام نہ آئے گی سفارش مگر جس کو اجازت دی رحمٰن نے اور پسند کی اس کی بات۔

یعنی اس کی سفارش چلے گی جس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سفارش کی اجازت ملے، اس کا بولنا خدا کو پسند ہو اور بات ٹھکانے کی کہے اور ایسے شخص کی سفارش کرے جس کی بات (لا الٰہ الا اللہ) خدا کو پسند آچکی ہے کافر کے حق میں کوئی سفارش نہیں چلے گی۔

سورۂ انبیاء میں ہے:۔

لَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ

وہ سفارش نہیں کرتے مگر اس کی جس سے اللہ راضی ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔

یعنی جن برگزیدہ ہستیوں کو تم خدا کی اولاد بتلاتے ہو وہ اولاد نہیں، ہاں اس کے معزز بندے ہیں اور باوجود انتہائی معزز و مقرب ہونے کے ان کے ادب و طاعت کا حال یہ ہے کہ جب تک اللہ کی مرضی معلوم نہ ہو کسی کی سفارش نہیں کرتے سورۂ مدثر میں ہے " فما تنفعهم شفاعة الشافعين " پھر کام نہ آئے گی ان کے سفارش سفارش کرنے والوں کی) یعنی کافر کے حق میں کوئی سفارش نہ کرے گا اور کریگا تو قبول نہ ہوگی۔ (فوائد)

(فائدہ) شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ دو غلطیاں بہت بڑی ہیں ایک یہ کہ خالق میں مخلوق کی صفات خیال کی جائیں، دوسری یہ کہ مخلوق میں خالق کی صفات کا اعتقاد کیا جائے، اول کو تشبیہ کہتے ہیں اس کا منشاء غائب کی حالت کا حاضر پر قیاس کرنا ہوتا ہے، اور دوسرے کو شرک کہتے ہیں اس کا منشاء ہوتا ہے مخلوق میں خلافِ عادت باتیں دیکھ کر ان کی طرف منسوب کرنا اور ان کے ذاتی افعال سمجھنا۔

(تتمۂ بحث) واضح ہو کہ توحید کے چار مرتبے ہیں اول یہ کہ صفتِ وجوبِ وجود کو باری تعالیٰ کے ساتھ خاص کردے دوم یہ کہ عرش، آسمان، زمین اور تمام جواہر کا خالق خدا ہی کو سمجھے، ان دونوں مرتبوں سے کتبِ الٰہیہ میں بحث نہیں کی گئی اور نہ ہی مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ نے ان میں مخالفت کی ہے بلکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ یہ سب کے نزدیک مسلم ہیں سوم یہ کہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا مدبر خدا کو سمجھے چہارم یہ کہ اس کے سوا کسی کو مستحقِ عبادت نہ سمجھے، ان دونوں مرتبوں میں قدرتی تعلق اور ربط ہے اور ایک دوسرے کو لازم ہیں اور انہی کی بابت اختلاف ہے چنانچہ ان میں تین فریق بڑے ہیں اول نجومی جو ستاروں کو مستحق عبادت سمجھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ہم نے اس بات کی خوب تحقیق کرلی کہ روزانہ کے حوادث میں انسان کی سعادت و نحوست میں اور اس کی بیماری و تندرستی میں ستاروں کا بڑا اثر اور دخل ہے، ان کے نفوس مجردہ ہیں جو ان کو حرکت پر آمادہ رکھتے ہیں اور وہ اپنے پجاریوں سے بخوبی واقف ہیں پس یہ لوگ ان کے نام پر مورتیاں بنا کر پرستش کرتے ہیں، دوم مشرکین جو اہل اسلام سے اس بات میں متفق ہیں کہ تمام بڑے کاموں کی تدبیر خدا ہی کرتا ہے لیکن باقی امور میں مسلمانوں کے خلاف ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ نیک لوگ جو خدا کی عبادت کرکے بارگاہِ الٰہی میں مقرب ہوگئے تھے ان کو خداوند تعالیٰ نے خلعتِ الوہیت سے نوازا ہے جس کی وجہ سے وہ پرستش کے مستحق ہوگئے، نیز وہ قربِ الٰہی کا ذریعہ ہیں، سنتے ہیں، دیکھتے ہیں، مدد و نصرت کرتے ہیں اور اپنے پجاریوں کی سفارش کریں گے پس یہ لوگ انکے ناموں کے پتھر تراش کر اپنی توجہ کا قبلہ کرتے ہیں پھر بعد میں آنے والوں نے خود انہی پتھروں کو اصل معبود قرار دے لیا خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں جا بجا انکے ان فاسد عقیدوں کی تردید کی ہے جیسا کہ ہم بعض آیات اوپر نقل کرکے آئے ہیں، سوم فرقہ نصاریٰ جن کا ذکر آگے چل کر کتاب میں آرہا ہے (حجۃ اللہ البالغہ بحذف و تغییر)

وبيانُ التحريف أنّ اولادَ اسماعيلَ عليه الصلوٰة والسلام كانوا على شريعةِ جَدِّهم الكريم حتى جاء عَمرو بن لُحَيّ فوضع لهم اَصناماً وشَرَعَ لهم عبادتَهم وَاخترعَ لهم من بَحِيْرَةٍ وسائبةٍ وحامٍ واستقسامٍ بالازلام وما اَشبهَ ذٰلك وقد وَقعتْ هذه الحادثةُ قبلَ بعثتِهٖ صلى الله عليه وسلم بثلاثِ مائةِ سنةٍ تقريباً وكان الجهلةُ يَتمسّكونَ فى هذا الباب بآثارِ ابائِهم وكانوا يَعُدُّونَ ذٰلك من الحُجَجِ القاطعة .

لغات، التحریف بات کواس کے موقع سے پھیر دینا۔ جَدّ دادا، مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام، اصنام جمع صنم بت اخترع اختراعًا ایجاد کرنا، اپنی طرف سے گھڑنا، بحیرۃ بحر سے ہے کان چیرنے کو کہتے ہیں یہاں وہ اونٹنی مراد ہے جو پانچ بچے جن چکی ہو پانچواں بچہ اگر نر ہوتا تو اسکو ذبح کر کے صرف مرد کھاتے تھے عورتیں اسمیں شریک نہ ہوتی تھیں اور اگر وہ بچہ مادہ ہوتا تو اس اونٹنی کا کان چیر کر چھوڑ دیتے تھے، سائبہ وہ اونٹنی جو زمانہ جاہلیت میں نذر وغیرہ کے لئے چھوڑ دی جاتی تھی یا وہ اونٹنی جسکے دس مادہ بچے ہو چکے ہوں تو اس پر نہ سوار ہوتے تھے نہ اسکے دودھ کو سوائے اسکے بچے کے اور مہمان کے کوئی پیتا تھا اور گھاس پانی وغیرہ سے بھی اسکو نہیں روکا جاتا تھا نہ اس سے اون حاصل کرتے تھے بلکہ اسکو چھوڑ دیتے تھے یہاں تک کہ وہ مرجاتی تھی۔ حام سے مراد نر اونٹ ہے جو ایک خاص عدد سے جفتی کر چکا ہو اسکو مثل سانڈ کے چھوڑ دیتے تھے نہ اس پر سوار ہوتے نہ اس سے اون حاصل کرتے اور کسی چراگاہ یا حوض سے اسکو نہ روکتے تھے استقسام مقسوم شدہ خیر و شر کو معلوم کرنا، ازلام جمع زَلَم فال نکالنے کا تیر جہلۃ جاہل کی جمع یتمسکون تمسکًا چمٹنا دلیل پکڑنا آثار جمع اثر نشان، یعدون (ن) عدًا شمار کرنا، حجج جمع حجت دلیل۔

ترجمہ

اور تحریف کا بیان یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اپنے بزرگوار دادا (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کی شریعت پر برابر قائم چلے آئے تھے یہاں تک کہ عمرو بن لحی آیا اور اس نے ان کے لئے بت بنائے اور ان کی عبادت کو لازم قرار دیا اور بحیرہ، سائبہ اور حام کو چھوڑ دینا اور پانسوں کے ذریعے سے تقسیم کرنا اور مثل اس کے دیگر باتیں ان کے لئے ایجاد کیں اور یہ واقعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تقریبًا تین سو سال پیشتر ہوا ہے جہلاء بالعموم اپنے آباء و اجداد کے آثار سے استدلال کرتے اور اسکو اپنے قطعی دلائل میں شمار کرتے تھے۔

تشریح

قولہ عمرو بن لحی الخ بن حارثہ بن عمرو بن عامر مُزَیقیا الازدی۔ ابوثمامہ، مکہ میں بیت الحرام کا دربان تھا اس نے بلادِ شام میں سیاحت کی، ارض مآب میں وادی اردن پہنچا جہاں عمالقہ آباد تھے انکو دیکھا کہ وہ بت پرستی کرتے ہیں، ادھر مکہ میں یہ عادت جاری تھی کہ جب کوئی سفر کا ارادہ کرتا تو وہ اپنے ساتھ حدود حرم میں سے کوئی پتھر تبرکًا لے لیتا رفتہ رفتہ اس پتھر کو مقدس خیال کیا جانے لگا یہاں تک کہ بعد میں جو پتھر بھی دل کو بھاتا اس کو منتخب کر لیتے اور خانہ کعبہ کی طرح اس کا طواف کرتے، عمرو بن لحی نے جو ارضِ مآب میں بت دیکھے تو وہ اسے بہت اچھے معلوم ہوئے تو پوچھنے لگا کہ یہ کیسے پتھر ہیں جن کو تم پوجتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ یہ ہمارے معبود ہیں جو ہماری طلب پر ہم کو بارش بھی دیتے ہیں اور ہر کام میں ہماری مدد بھی کرتے ہیں اس نے کہا کہ مجھے بھی ایک بت دیدو تاکہ میں اسکو عرب لے جاؤں اور وہ بھی اسکی پوجا کریں، چنانچہ یہ وہاں سے ایک ہُبل نامی بت لایا اور اسکو مکہ میں نصب کر کے لوگوں کو اسکی پوجا کی دعوت دینے لگا۔ لعنۃ اللہ علیہ (عون)

قولہ من بحیرۃ الخ چنانچہ سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ

نہیں مقرر کیا اللہ نے بحیرہ نہ سائبہ نہ وصیلہ نہ حامی ولیکن کافر باندھتے ہیں اللہ پر بہتان اور ان میں اکثروں کو عقل نہیں۔

جس جانور کے گوشت یا دودھ یا سواری وغیرہ سے منتفع ہونے کو حق تعالیٰ نے جائز رکھا اسکی حلت و حرمت پر اپنی طرف سے قیود لگانا گویا اپنے لئے منصب تشریع تجویز کرنا تھا اور بڑی ستم ظریفی یہ تھی کہ اپنی ان مشرکانہ رسوم کو حق تعالیٰ کی خوشنودی اور قربت کا ذریعہ تصور کرتے تھے، اس کا جواب دیا گیا کہ اللہ نے ہرگز یہ رسوم مقرر نہیں کیں بلکہ ان کے بڑوں نے خدا پر یہ بہتان باندھا اور اکثر بے عقل عوام نے اسے قبول کرلیا۔ (فوائد)

قولہ واستقسام الخ الاستقسام بالازلام میں ازلام سے مراد بقول بعض تقسیم کے تیر ہیں جو زمانہ جاہلیت میں لحم جزیر کے بانٹنے کیلئے عمرو ملعون نے ایجاد کئے تھے اور وہ یہ ہیں فذ، توام، رقیب، حلس، نافس، مسبل، معلی ان تیروں کے حصے متعین تھے اور دوسرے تیروں کا یعنی سفیح، منیح، اور وغد کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا ولذا قال بعضہم

ھ لی فی الدنیا سہام لیس فیہن ربیح ٭ انما سہمی وغد، ومنیح وسفیح

علامہ ابن حاجب نے ان سب کو مع ان کے حصوں کے ان اشعار میں ذکر کیا ہے۔

ہی فذ وتوام ورقیب ٭ ثم حلس ونافس ثم مسبل ٭ والمعلی والوغد ثم سفیح

ومنیح وذی الثلاثۃ تہمل ٭ ولکل مما عداہا نصیب ٭ مثلہ ان تعد اول اول

حافظ ابن کثیر وغیرہ محققین کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ازلام سے مراد وہ تیر ہیں جن سے مشرکین مکہ کسی اشکال وتردد کے وقت اپنے ارادوں اور کاموں کا فیصلہ کرتے تھے یہ تیر خانہ کعبہ میں قریش کے سب سے بڑے بت "ہبل" کے پاس رکھے تھے کسی پر "امرنی ربی" لکھا تھا کسی پر "نہانی ربی" تحریر تھا اسی طرح ہر تیر پر یوں ہی الٹی کچھ باتیں لکھ چھوڑی تھیں، جب کسی کام میں تذبذب ہوا تو تیر نکال کر دیکھ لیئے "امرنی ربی" والا تیر نکل آیا تو کام شروع کر دیا اور اس کے خلاف نکلا تو رک گئے، گویا بتوں سے یہ ایک قسم کا مشورہ اور استعانت تھی چونکہ اس رسم کا مبنی خالص جہل، شرک، اوہام پرستی پر تھا اسلئے قرآن پاک نے نہایت تغلیظ وتشدید کے ساتھ اس کی حرمت کو ظاہر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے:۔

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب گندے کام ہیں شیطان کے سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔

قولہ باتاما ابائہم الخ جیسا کہ سورۂ زخرف میں ہے۔

قَالُوْا اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا عَلٰى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

کہتے ہیں ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر اور ہم انہی کے قدموں پر ہیں راہ پائے ہوئے۔

یعنی مشرکین کی سب سے زیادہ زبردست دلیل وہی باپ دادا کی اندھی تقلید ہے، سو ان کو بتلایا گیا "اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ" کہ اگر تمہارے باپ دادا بے عقلی یا بے راہی سے قعر ہلاکت میں جا گرے ہوں تو کیا پھر بھی تم ان ہی کی راہ چلوگے۔

وقد بَيَّنَ الأنبياءُ السالفون الحشرَ والنشرَ لكن ليس ذلك البيان بشرحٍ وبسطٍ مثل ما تضمّنه القرآنُ العظيمُ ولذلك ما كان جمهورُ المشركين مُطلِعِين عليه وكانوا يَستبعدونه وهؤلاء الجماعة وإن اعترفوا بنبوةِ سيدنا ابراهيمَ وسيدنا اسماعيلَ بل بنبوةِ سيدنا موسٰى عليهم الصلوة والسلام ايضًا لكن كانتِ الصفاتُ البشريةُ التى هى حجابٌ لجمال الأنبياءِ الكاملِ تشوّشهم تشويشًا ولم يَعرِفوا حقيقةَ تدبيرِ اللهِ عزّوجلّ الذى هو مقتضى بعثةِ الانبياء

لغات:۔ السالفون (ن)، سلفًا گذرنا، آگے ہونا، الحشر (ن ان) جمع کرنا، النشر (ن) پھیلانا، زندہ کرنا، البسط (ن) پھیلانا، حجاب پردہ تشویشًا مضطرب کرنا

ترجمہ

انبیاء سابقین نے بھی اگرچہ حشر ونشر کے احوال بیان فرمائے ہیں لیکن نہ اس شرح وبسط سے جس پر قرآن عظیم مشتمل ہے اسی لئے جمہور مشرکین ان مزید حالات پر مطلع نہ تھے بلکہ ان کو فہم سے بعید جانتے تھے، یہ جماعت اگرچہ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل بلکہ حضرت موسیٰ علیہم السلام کی نبوت کی بھی معترف تھی لیکن صفات بشری جو انبیاء علیہم السلام ہیما ان کے جمال باکمال کے لئے حجاب ہیں ان کو مشوش ومضطرب کردیتی تھیں اور وہ اس تدبیر الٰہی کی حقیقت سے جو بعثت انبیاء کی مقتضی ہے ناآشنا تھے۔

تشریح

قولہ :۔ وکانوا یستبعدونہ الخ چنانچہ کبھی تو وہ یہ کہتے تھے۔

مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ (یٰس) کون زندہ کریگا ہڈیوں کو جب کھوکھری ہوگئیں۔

یعنی جب بدن گل سڑ کر صرف ہڈیاں رہ گئیں وہ بھی بوسیدہ پرانی اور کھوکھری تو انھیں دوبارہ کون زندہ کریگا؟ قرآن نے جواب دیا "يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ" (ان کو زندہ کریگا جس نے بنایا ان کو پہلی بار) یعنی جس نے پہلی مرتبہ ان ہڈیوں میں جان ڈالی اسے دوسری بار جان ڈالنا کیا مشکل ہے بلکہ پہلے سے زیادہ آسان ہونا چاہیئے (وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ) اور کبھی یوں سوال کرتے ہیں۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝ کیا جب ہم مرگئے اور ہوگئے مٹی اور ہڈیاں تو کیا ہم کو پھر اٹھائیں گے کیا اور ہمارے اگلے باپ دادوں کو بھی۔

یعنی جب ہمارا بدن خاک میں مل کر مٹی ہوگیا صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں اور اس سے بھی بڑھ کر ہمارے باپ دادا جنکو مرے ہوئے قرن گذر گئے شاید ہڈیاں بھی باقی نہ رہی ہوں، ہم کس طرح مان لیں کہ یہ سب پھر از سر نو زندہ کر کے کھڑے کردیے جائیں گے، ہم نے تو آج تک خاک کے ذروں اور ہڈیوں کے ریزوں کو آدمی بنتے نہ دیکھا قرآن نے جواب دیا

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ تو کہہ کس کی ہے زمین اور جو کوئی اس میں ہے بتاؤ اگر تم جانتے ہو اب کہینگے سب کچھ اللہ کا ہے تو کہہ پھر تم سوچتے نہیں۔

کہ جس کا قبضہ ساری زمین اور زمین کی تمام چیزوں پر ہے کیا تمہاری مشت خاک اس کے قبضہ سے باہر ہوگی (فوائد)

عہ مع کونہ من غیر آبائہم

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فکانوا یستبعدون ذلك لما ألفوا المماثلة بين الرسول والمرسل فکانوا يوردون شبهات واهية غير مسموعة كما قالوا فيهم كيف يحتاجون الى الشراب والطعام وهم انبياء وهلا يرسل الله سبحانه وتعالى الملائكة ولولا ينزل الوحى على كل انسان على حدة وعلى هذا الاسلوب ۔

لغات :۔ الفوا دس) الفا ، مانوس ہونا ، محبت کرنا ، واہیۃ کمزور ، الاسلوب طریقہ ، روش ۔

ترجمہ : پس وہ رسالت کو استبعاد کی نظر سے دیکھتے تھے کیونکہ یہ لوگ رسول کو مرسل (یعنی اس کے بھیجنے والے) کے ساتھ مماثل جانتے تھے چنانچہ وہ اس بارے میں واہی اور ناقابل سماعت شبہات پیش کرتے تھے مثلاً وہ نبیوں کی بابت کہتے تھے کہ انکو کھانے پینے کی کیا احتیاج جبکہ وہ نبی ہیں اور کیا وجہ ہے جو خدا نے فرشتہ کو رسول بنا کر نہیں بھیجا اور وہ کس لئے ہر شخص پر الگ الگ وحی نہیں بھیجتا علی ہذا القیاس ایسے ہی اور شبہات ۔

تشریح

قولہ لما الفوا الخ جہلائے مذکورین رسالت کو امر مستبعد تصور کرتے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ رسول اور مرسل دونوں مماثل ہونے چاہئیں چنانچہ وہ لوگ کھانے پینے اور موت طاری ہونے وغیرہ امور کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے قرآن کریم نے صاف لفظوں میں اس کی تردید کی ہے چنانچہ سورۂ انبیاء میں ہے ۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۔ نہیں بنائے تھے ہم نے انکے ایسے بدن کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور تھے ہمیشہ رہنے والے

یعنی بشری خصائص انمیں موجود تھیں نہ فرشتوں کی طرح ان کا بدن ایسا تھا کہ کبھی کھانا نہ کھاسکتے نہ وہ خدا تھے کہ کبھی موت و فنا نہ آئے ہمیشہ زندہ رہا کریں ۔

قولہ کیف یحتاجون الخ مثلاً سورۂ فرقان میں ان کا قول ہے

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۔ یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا پھرتا ہے بازاروں میں

یعنی جب ہماری طرح کھانا کھائے اور ہماری طرح خرید و فروخت کیلئے بازاروں میں جائے تو ہم میں اس میں کیا فرق رہا ؟ اگر واقعی رسول تھا تو چاہیئے تھا کہ فرشتوں کی طرح کھانے پینے اور طلب معاش کے بکھیڑوں سے فارغ ہوتا (فوائد)

قولہ الملائکۃ الخ جیسے سورۂ انعام میں ہے ۔

وَقَالُوْا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۔ اور کہتے ہیں کیوں نہیں اترا اس پر کوئی فرشتہ اور اگر ہم اتاریں فرشتہ تو طے ہو جائے قصہ پھر انکو مہلت بھی نہ ملے اور اگر ہم رسول بنا کر بھیجتے کسی فرشتہ کو تو وہ بھی آدمی ہی کی صورت میں ہوتا اور انکو اسی شبہ میں ڈالتے جس میں اب پڑ رہے ہیں ۔

یعنی اگر فرشتہ اپنی اصل صورت میں آئے تو یہ لوگ ایک منٹ کے لئے بھی اس کا تحمل نہ کر سکیں اس کے رعب و ہیبت سے دم نکل جائے اور اگر آدمی کی صورت میں آئے تو جو شکوک و شبہات رسول کے بشر ہونے پر کرتے ہیں وہ ملک کے بصورت بشر آنے پر بھی بدستور کرتے رہیں گے ۔

قولہ علی کل انسان الخ جیسے سورۂ فرقان میں ہے " وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰۗىِٕكَةُ " یعنی کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہ اترے سورۂ صٓ میں ہے " ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا " یعنی یہ کیا غضب ہے کہ ہم سب میں سے محمد (صلعم) کا ہی انتخاب ہوا کیا سارے ملک میں ایک یہ ہی اس منصب کے لئے رہ گئے تھے ۔

وان کنتَ متوقِّفاً فی تصویرِ حالِ المشرکین وعقائدِھم واعمالِھم فانظُرْ الیٰ حالِ العوامِ والجَھَلَۃِ من اھلِ الزمانِ خصوصاً مَن سَکَنَ منھم باطرافِ دارِ الاسلام کیف یَظُنُّونَ الولایۃَ وما ذا یُخیَّلُ الیھم منھا ومع انھم یَعترِفون بولایۃِ الاولیاءِ المتقدمین یَعُدُّون وجودَ الاولیاءِ فی ھذا الزمانِ من قبیلِ المحالِ ویذھبون الی القبورِ والآثارِ ویرتکبون انواعاً من الشرکِ وکیف تطرَّقَ الیھم التشبیہُ والتحریفُ

لغات:۔ متوقف توقف سے ہے بمعنی ٹھہرنا۔ عقائد جمع عقیدہ، جھلۃ جمع جاہل، اطراف جمع طرف، جانب۔ یخیل الیہ کذا توہم ہونا کہ وہ ایسا ہے، تطرق راہ پالی۔

ترجمہ:۔ اور اگر تجھے مشرکین کے عقائد اور ان کے اعمال کے اس بیان کے صحیح تسلیم کرنے میں کچھ توقف ہو تو اس زمانہ کے عوام اور جہلاء کو علی الخصوص جو دار الاسلام کے نواح میں رہتے ہیں انکو دیکھ کر انھوں نے ولایت کی نسبت کیا خیال باندھ رکھا ہے اور وہ لوگ باوجودیکہ اولیاء متقدمین کی ولایت کے معترف ہیں مگر اس زمانہ میں اولیاء کے وجود کو قطعاً محال شمار کرتے ہیں اور قبروں اور آستانوں پر جاتے اور طرح طرح کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور یہ کہ تشبیہ و تحریف نے ان میں کس قدر رواج پکڑا ہے

تشریح

قولہ متوقفا الخ یعنی ہم نے جو سابق میں حال مشرکین اور انکے عقائد و اعمال کا نقشہ پیش کیا ہے اگر اس کے صحیح ہونے میں تم کو کچھ توقف ہو تو آج کے عوام اور جہلاء کا حال دیکھ لو جو بالکل مشرکین کا نمونہ بنے ہوئے ہیں، مشرکین اصنام و کواکب کو سجدہ کیا کرتے تھے جس سے شریعت نے نہایت شدت سے منع کیا تھا اور کہا تھا "لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقھن" کہ سجدہ نہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو اور سجدہ کرو اللہ کو جس نے ان کو بنایا، اور آج کے پیر پرست جہلاء اپنے شیوخ اور انکی قبروں کو سجدہ کر رہے ہیں، مشرکین اپنے اغراض کیلئے غیر خدا سے مدد مانگتے، بیمار کی شفا اور غریبوں کی تونگری ان سے طلب کرتے ان کے نام کی نذریں مان کر حصول مقاصد کے متوقع رہتے اور ان کی برکات کی امید میں ان کے نام جپا کرتے تھے اور آج خواجہ و صابر کے متوالے یا غوث الاعظم، یا خواجہ، یا صابر کلیری کے نعرے لگا رہے ہیں مشرکین بتوں کے لئے قربانیاں کر کے ان کا تقرب چاہتے تھے اور آج کے قبر پجاری مزاروں پر مرغے بکرے اور نذرانے چڑھا چڑھا کر مرادیں پوری کرانا چاہ رہے ہیں، بلکہ اگر دیکھا جائے تو انواع شرک جو مسلمانوں میں رائج ہیں وہ مشرکین کے شرک سے کہیں بڑھ کر ہیں کیونکہ مشرکین جب دنیاوی شدائد و مصائب میں گھرتے ہیں تو مجبور ہو کر اسی خدائے واحد کو پکارتے ہیں "فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین" اور آج کے جاہل اس حالت میں بھی مشائخ ہی کا دم بھرتے ہیں۔

قولہ باطراف الخ یعنی وہ لوگ جو دار الاسلام کے گرد و نواح میں رہتے ہیں کہ وہ عموماً دینی احکام سے کورے ہوتے ہیں دار الاسلام وہ ہے جہاں شعائر اسلام شائع ذائع ہوں، حجۃ اللہ البالغہ میں ہے "وفضائل الاذان ترجع الی انہ من شعائر الاسلام وبہ تصیر الدار دار الاسلام" کہ فضائل اذان اس امر کی طرف راجع ہیں کہ وہ شعائر اسلام میں سے ہے اور اسکی وجہ سے ملک دار الاسلام ہو جاتا ہے۔

فَفِی الحدیثِ الصحیحِ لَتتبعنَّ سَنَنَ من کان قبلکم حَذْوَ النَّعلِ بالنَّعلِ وما من اٰفۃٍ من ھٰذہ الاٰفاتِ الّا وقومٌ من اھلِ ھذا الزمانِ واقعون فی ارتکابھا معتقدون مثلھا عافانا اللّٰہ سُبحانہ من ذلک وبالجملۃ فانّ اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ برحمتہ بَعَثَہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم فی العرب وأَمَرَہ باقامۃِ الملۃِ الحنیفیّۃِ وخَاصَمَہم فی القراٰنِ العظیم وقد وقع التمسّک فی تلک المخاصمۃ بمسلّماتہم من بقایا الملۃ الحنیفیۃ لیحتج

لغات:- لَتَتَّبِعُنَّ تَبِعَ (س)، واتّبع۔ پیچھے چلنا، ساتھ چلنا، فرماں بردار ہونا۔ سَنَن طریقہ یقال "استقام فلانٌ علی سَنَنٍ واحد" فلاں ایک ہی طریقہ پر قائم رہا۔ حَذْوٌ (ن) پیروی کرنا، نمونہ پر کاٹنا۔ نَعْل جوتہ، آفۃ مصیبت جمع آفات بقایا جمع بقیہ باقی ماندہ۔

ترجمہ

اور بحکم حدیث صحیح "لتتبعن الخ" ان آفات میں سے کوئی آفت نہیں مگر یہ کہ آج کوئی نہ کوئی جماعت اس کے ارتکاب میں واقع ہے اور اس کے مانند دیگر امور کی معتقد ہے حق تعالیٰ ہم سب کو ان آفات سے بچائے، بالجملہ حق تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں مبعوث کیا اور آپ کو ملت حنیفیہ قائم کرنے کا حکم فرمایا اور قرآن عظیم میں جہلاء عرب کے ساتھ مباحثہ کیا اور مباحثات میں ان کے مسلّمات سے جو ملت حنیفیہ کی بقایا تھے استدلال کیا تاکہ ان پر الزام پوری طرح ثابت ہو جائے۔

تشریح

قولہ ففی الحدیث الخ اس حدیث کو شیخین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے جسمیں اس عہدنا مسعود کی پیشین گوئی ہے جس میں پیروان ملت حنیفی یہودیت و نصرانیت کے پیچھے چل پڑینگے۔ پوری حدیث یوں ہے۔

لتتبعن سَنَنَ من قبلکم شبراً بشبرٍ وذراعاً بذراعٍ حتی لوانّ احدَہم دَخَلَ جُحرَ ضَبٍّ لَدَخَلتُم۔	تم ضرور گذشتہ لوگوں کے قدم بقدم چل کر رہوگے یہاں تک کہ اگر انمیں کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا ہوگا تو تم بھی داخل ہوگے۔

حاکم کی روایت میں اتنا اضافہ ہے "وحتی لو ان احدہم جامع امرأتہ بالطریق لفعلتموہ" کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی بیوی سے علانیہ سرراہ صحبت کی ہوگی تو تم بھی کروگے، ایک روایت میں ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے بے محابا اپنی ماں سے زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی کوئی ایسا بدبخت ہوگا جو اس بے حیائی کا ارتکاب کرے گا۔ ایک اور روایت میں ہے "قلنا یا رسول اللّٰہ! الیہود والنصاریٰ؟ قال فمن" کہ ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں آپ نے فرمایا کہ پھر اور کون۔

قولہ حذو النعل الخ ان الفاظ کی زیادتی مترجم کی طرف سے ہے جو صحیح نہیں کیونکہ شاہ صاحب نے "بحکم حدیث صحیح" کہا ہے جس سے حدیث شیخین کی طرف اشارہ ہے کیونکہ حدیث حذو النعل بالنعل طبرانی کی ہے جس کا راوی کثیر بن عبداللہ ضعیف ہے۔

عہ الترجمۃ الصحیحۃ لہذہ الجملۃ ہکذا "وبحکم الحدیث الصحیح "لتتبعن سنن من کان قبلکم" ما من آفۃ اھ" لان النص الفارسی ہکذا "وبحکم حدیث صحیح "لتتبعن سنن من کان قبلکم" ازیں آفات ہیچ چیز نیست مگر امروز قومے مرتکب آنند و معتقد مثل آں" ۱۲ عون۔

فجوابُ الاِشراكِ اولاً طلبُ الدليلِ ونقضُ التمسُّكِ بتقليدِ الآباءِ وثانياً عدمُ التساوي بين هؤلاءِ العبادِ وبينه تبارك وتعالىٰ واختصاصُه عزّ وجلّ باستحقاقِ اَقصىٰ غايةِ التعظيمِ بخلافِ هؤلاءِ العبادِ وثالثاً اجماعُ الانبياءِ علىٰ هذه المسئلةِ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ، ورابعاً بيانُ شناعةِ عبادةِ الاصنامِ وسقوطِ الاحجارِ من مراتبِ الكمالاتِ الانسانيةِ فكيف بمرتبةِ الاُلوهيةِ؟ وهذا الجوابُ مسوقٌ لقومٍ يعتقدون الاصنامَ معبودين لذواتهم

لغات:۔ نقض توڑنا، تمسک چمٹنا، دلیل پکڑنا، اباء جمع اب، تساوی برابری، اقصیٰ انتہائی، شناعۃ قباحت، برائی، اصنام جمع صنم بت، احجار جمع حجر پتھر، الوہیۃ معبودیت۔

ترجمہ:۔ پس شرک کا جواب اول تو اُن سے اِس پر دلیل کا مطالبہ کرنا اور تقلید آباء کے استدلال کو توڑنا ہے دوسرے ان بندگانِ خاص کا خدا کے برابر نہ ہونا اور خداوند تعالیٰ کا انتہائی مراتب تعظیم کے استحقاق کیساتھ مخصوص ہونا بخلاف ان بندگانِ خاص کے، تیسرے تمام انبیاء کا اس مسئلہ پر اجماع ہونا "تم سے پیشتر ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم نے اسکی طرف وحی کی کہ سوائے میرے کوئی معبود نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو"۔ چوتھے بت پرستی کی خرابی اور پتھروں کے مرتبہ انسانی سے بھی گرے ہوئے ہونے کا بیان چہ جائیکہ مرتبۂ الوہیت، اور یہ جواب خاص ان اقوام کے مقابلہ میں دیا گیا ہے جو بتوں کو بالذات معبود خیال کرتے ہیں

تشریح:۔ قولہ طلب الدلیل الخ جیسے سورۂ انعام میں ارشاد فرمایا:۔

سیقول الذین اشرکوا لو شاء اللہ ما اشرکنا ولا آباؤنا	اب کہیں گے مشرک اگر اللہ چاہتا تو شرک نہ کرتے ہم اور
ولا حرمنا من شیٔ کذلک کذب الذین من قبلھم حتیٰ	نہ ہمارے باپ دادے اور نہ ہم حرام کر لیتے کوئی چیز اسیطرح
ذاقوا بأسنا قل ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا	جھٹلا یا کئے ان سے اگلے یہاں تک کہ انھوں نے چکھا

ہمارا عذاب، تو کہہ کچھ علم بھی ہے تمہارے پاس کہ اسکو ہمارے آگے ظاہر کرو۔ یعنی کوئی علمی اصول انکے پاس نہیں جسے عقلمندوں کے سامنے پیش کر سکیں محض اٹکل کے تیر ہیں۔ اسی طرح سورۂ انبیاء میں ہے "اَم اتخذوا من دونہ آلھۃ قل ھاتوا برھانکم" یعنی خدا کے سوا جو معبود تم نے تجویز کئے ہیں ان کا اثبات کس دلیل عقلی یا نقلی سے ہوا اگر موجود ہو تو پیش کرو۔

قولہ عدم التساوی الخ چنانچہ سورۂ شوریٰ میں ارشاد باری ہے "لیس کمثلہ شیٔ" کہ نہ ذات میں اس کا کوئی مماثل ہے نہ صفات میں، نہ اس کے احکام اور فیصلوں کی طرح کسی کا حکم اور فیصلہ ہے، نہ اسکے دین کی طرح کوئی دین ہے، نہ اس کا کوئی جوڑا ہے نہ ہمسر نہ ہمجنس، پس سورۂ نحل میں اسی عدم تساوی کو لیکر اشراک کا جواب دیا گیا۔

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ بھلا جو پیدا کرے برابر ہے اسکے جو کچھ نہ پیدا کرے کیا تم سوچتے نہیں۔

یعنی یہ کسقدر حماقت ہے کہ جو چیزیں ایک مکھی کا پر اور مچھر کی ٹانگ بلکہ ایک جَو کا دانہ یا ریت کا ذرہ پیدا کرنے پر قادر نہ ہوں انھیں معبود مستعان ٹھہرا کر خداوند قدوس کی برابر کر دیا جائے جو ہر قسم کی عجیب و غریب مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے (باقی بر ص ۴۴)

وجوابُ التشبیہِ اولاً طلبُ الدلیلِ ونقضُ التمسّکِ بتقلیدِ الآباءِ وثانیاً بیانُ ضرورۃِ المُجانسۃِ بین الوالدِ والوَلدِ وھی مفقودۃ وثالثاً بیانُ شناعۃِ اثباتِ ماھو مکروہٌ و مَذمومٌ عندَ انفسِھم للہ تبارکَ وتعالیٰ " اَلِرَبِّکَ البَنَاتُ وَلَھُمُ البَنُونَ " وھذا الجوابُ مَسوقٌ لاجلِ قومٍ اِعتادُوا المقدماتِ المشھورۃَ والمتوھّماتِ الشعریۃ واکثرُھم علیٰ ھذہ الصفۃ، وجوابُ التحریفِ ببیانِ عدمِ نقلہ عن ائمۃِ الملۃِ وبیانِ ان ذٰلک کلّہ اختراعٌ وابتداعٌ غیرُ معصومٍ[عہ]

لغات: نقض توڑنا، شناعۃ قباحت، برائی، مذموم قابل مذمت، بنات جمع بنت لڑکی، بنون جمع ابن لڑکا، اعتادوا اعتیاداً خوگر ہونا۔ مقدمات مشہورہ جو کسی گروہ کے نزدیک مسلّم ہوں، متوہمات وہ قضایا کاذبہ جو امور غیر محسوسہ میں بحکم وہم ہوں، اختراع اپنی طرف سے گھڑنا، ابتداع ایجاد کرنا۔

ترجمہ:۔ اور تشبیہ کا جواب اول تو اس پر دلیل کا مطالبہ اور استدلالِ تقلیدِ آباء کو توڑنا دوسرے یہ کہ اولاد کا اپنے باپ کے ساتھ ہم جنس ہونا ضروری ہے اور وہ یہاں مفقود ہے، تیسرے حق تعالیٰ کے لئے ایسے امور ثابت ماننے کی قباحت کا بیان جو خود انکے نزدیک مذموم اور ناپسندیدہ ہیں (چنانچہ ارشاد باری ہے) کیا تیرے پروردگار کے لئے بیٹیاں ہیں اور انکے لئے بیٹے اور یہ جواب خاص کران قوموں کے لئے ہے جو مشہورات اور متوہمات شعری کو تسلیم کرنے کے خوگر تھے اور انکی بڑی تعداد کی حالت یہی تھی، اور تحریف کا جواب یہ ہے کہ ائمہ مذاہب سے یہ معانی منقول نہیں ہیں اور نیز یہ ایسے لوگوں کی اختراعات اور جدت

(بقیہ ص۴۳) قولہ اجماع الانبیاء الخ یعنی تمام انبیاء و مرسلین کا اجماع عقیدۂ توحید پر رہا ہے کسی پیغمبر نے کبھی ایک حرف اسکے خلاف نہیں کہا، ہمیشہ یہی تلقین کرتے آئے کہ ایک خدا کے سوا کسی کی بندگی نہیں، تو جس طرح عقلی اور فطری دلائل سے توحید کا ثبوت ملتا ہے اور شرک کا رد ہوتا ہے ایسے ہی نقلی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کا اجماع دعویٰ توحید کی حقیقت پر قطعی دلیل ہے (فوائد)

قولہ وسقوط الاحجار الخ جیسے سورۂ حج میں ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَہٗ وَاِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ○

جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے ہرگز نہ بنا سکیں گے ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہو جائیں اور اگر کچھ چھین لے ان سے مکھی چھڑا نہ سکیں وہ اس سے بودا ہے چاہنے والا اور جن کو چاہتا ہے۔

یعنی مکھی بہت ہی ادنیٰ اور حقیر جانور ہے جن چیزوں میں اتنی بھی قدرت نہیں کہ سب مل کر ایک مکھی پیدا کردیں یا مکھی ان کے چڑھاوے وغیرہ میں سے کوئی چیز لیجائے تو اس سے واپس لے سکیں انکو خالق السموٰت والارض کیساتھ معبودیت اور خدائی کی کرسی پر بٹھا دینا کس قدر بیحیائی، حماقت اور شرمناک گستاخی ہے (فوائد)

[عہ] الترجمۃ الصحیحۃ " من غیر معصوم " لان النص الفارسی ہکذا " اختراع وابتداع غیر معصوم است۔ ۱۲ عون

پسندیاں ہیں جو معصوم نہ تھے

تشریح

قولہ طلب الدلیل الخ جیسے سورۂ والصّٰفّٰت میں ہے :-

اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

سنتا ہے وہ اپنا جھوٹ بنایا کہتے ہیں کہ اللہ کے اولاد ہوئی اور وہ بے شک جھوٹے ہیں کیا اس نے پسند کیں بیٹیاں بیٹوں سے کیا ہو گیا ہے تم کو کیسا انصاف کرتے ہو کیا تم دھیان نہیں کرتے ہو یا تمہارے پاس کوئی سند ہے کھلی تو لاؤ اپنی کتاب اگر ہو تم سچے۔

قولہ وہی مفقودۃ الخ جیسے ذیل کی آیات میں ہے :-

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

نہ کسی کو جنا نہ کسی سے جنا گیا اور نہیں ہے اس کے جوڑ کا کوئی۔

یعنی نہ کوئی اس کی اولاد نہ وہ کسی کی اولاد، نیز جب اس کے جوڑ کا کوئی نہیں تو جورو یا بیٹا کہاں سے ہو

لم یلد ولم یولد است او از قدم ۝ نے پدر دارد نہ فرزند و نہ عم

سورۂ زمر میں ہے :- لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ سُبْحٰنَهٗ۔ اگر اللہ چاہتا کہ اولاد کرلے تو چن لیتا اپنی خلق میں سے جو کچھ چاہتا وہ پاک ہے، یعنی اگر بالفرض محال اللہ یہ ارادہ کرتا کہ اسکی کوئی اولاد ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی مخلوق ہی میں سے کسی کو اس کام کے لئے چنتا کیونکہ دلائل سے ثابت ہو چکا کہ ایک خدا کے سوا جو کوئی چیز ہے سب اسی کی مخلوق ہے اب ظاہر ہے کہ مخلوق اور خالق میں کسی درجہ میں بھی نوعی یا جنسی اشتراک نہیں پھر ایک دوسرے کا باپ یا بیٹا کیسے بن سکتا ہے اور جب مخلوق وخالق میں رشتہ محال ہے تو اللہ کی طرف سے ایسا ارادہ کرنا بھی محال ہوگا، سورۂ انعام میں ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ

نئی طرح پر بنانے والا آسمان اور زمین کا کیونکر ہو سکتا ہے اس کے بیٹا حالانکہ اس کے کوئی عورت نہیں۔

جس نے تنہا تمام آسمان وزمین بدون کسی نمونہ اور توسط آلات وغیرہ کے ایسے انوکھے طرز پر پیدا کر دیئے آج اسکو شرکار کی امداد اور بیٹے پوتے کا سہارا ڈھونڈنے کی کیا ضرورت؟ نیز اگر اس کے لئے اولاد قرار دیجائے تو ان بچوں کی ماں کسے تجویز کریں گے اور اس ماں کا تعلق خدا کے ساتھ کس قسم کا ہوگا (العیاذ باللہ)

قولہ وما موم الخ جیسے سورۂ نحل میں ہے وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۔ اور ٹھہراتے ہیں اللہ کے لئے بیٹیاں وہ اس سے پاک ہے اور اپنے لئے جو دل چاہتا ہے اور جب خوشخبری ملے ان میں کسی کو بیٹی کی سارے دن رہے اس کا منہ سیاہ اور جی میں گھٹتا رہے چھپا پھرے لوگوں سے مارے برائی اس خوشخبری کے جو سنی، یعنی خود اپنے لئے بیٹیاں دئے جانے پر رضامند نہیں جب مانگیں گے بیٹا مانگیں گے، اور جب کسی کو خبر دیجائے کہ تیرے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے تو نفرت وغم سے تیوری چڑھ جائے اور دن بھر ناخوشی سے چہرہ بے رونق رہے اور دل گھٹتا رہے کہ یہ ناشدنی مصیبت کہاں سے سر پر آئی، اور رسمی ننگ و عار کے تصور سے کہ لڑکی زندہ رہی تو کسی کو داماد بنانا پڑیگا لوگوں کو منہ دکھانا نہیں چاہتا ادھر ادھر چھپا پھرتا ہے۔ (فوائد)

وجوابُ استبعادِ الحشرِ والنشرِ اولاً القیاسُ علٰی احیاءِ الارضِ وما اشبہ ذلک وتنقیحُ المناطِ الذی ھو شمولُ القدرۃِ وامکانُ الاعادۃِ وثانیاً بیانُ موافقۃِ اھلِ الکتبِ الالٰھیۃِ فی الاخبارِ بہ

لغات:۔ استبعاد بعید سمجھنا، حشر ونشر مرنے کے بعد زندہ ہونا، احیاء زندگی دینا، تنقیح صاف کرنا، درست کرنا، مناط مدار لٹکانے کی جگہ، شمول دن، عام ہونا شامل ہونا، اعادۃ لوٹانا، اخبار خبر دینا۔

ترجمہ:۔ اور حشر ونشر کو مستبعد سمجھنے کا جواب اولاً تو زمین وغیرہ کی حیات پر قیاس اور مدار حشر ونشر کی تنقیح ہے جو کسی شئی کا تحت القدرۃ اور ممکن الاعادہ ہونا ہے، دوسرے ان امور کی خبر دینے میں اہل کتب الٰہیہ کی موافقت ہے۔

تشریح:۔ قولہ علی احیاء الارض الخ جیسے سورۂ حٰم السجدہ میں ہے۔

وَمِنْ آیٰتِہٖٓ اَنَّکَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَۃً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْھَا الْمَآءَ اھْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاھَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی

اور ایک اس کی نشانی یہ کہ تو دیکھتا ہے زمین کو دبی پڑی پھر جب اتارا ہم نے اس پر پانی تازہ ہوئی اور ابھری بے شک جس نے اس کو زندہ کیا وہ زندہ کریگا مردوں کو، یعنی زمین کو دیکھو بے چاری چپ چاپ، ذلیل وخوار، بوجھ میں دبی ہوئی پڑی رہتی ہے خشکی کے وقت ہر طرف خاک اڑتی ہوئی نظر آتی ہے لیکن جہاں بارش کا ایک چھینٹا پڑا پھر اس کی تری وتازگی، رونق اور ابھار قابل دید ہو جاتا ہے، آخر یہ انقلاب کس کے دست قدرت کے تصرف کا نتیجہ ہے؟ جس خدا نے اس طرح مردہ زمین کو زندہ کیا ہے کیا وہ مرے ہوئے انسانوں کے بدن میں دوبارہ جان نہیں ڈال سکتا بیشک وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

قولہ وما اشبہ ذلک الخ جیسے سورۂ عنکبوت میں ہے

اَوَلَمْ یَرَوْا کَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰہُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ٥ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰہُ یُنْشِئُ النَّشْاَۃَ الْاٰخِرَۃَ ٥

کیا دیکھتے نہیں کیونکر شروع کرتا ہے اللہ پیدائش کو پھر اسکو دہرائیگا یہ اللہ پر آسان ہے تو کہہ ملک میں پھرو پھر دیکھو کیونکر شروع کیا ہے پیدائش کو پھر اللہ اٹھائیگا پچھلا اٹھان۔

یعنی پہلے خود اپنی ذات میں غور کرو پہلے تم کچھ نہ تھے اللہ نے تمکو پیدا کیا اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کردیگا نیز اپنی ذات کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کی پیدائش میں بھی غور کرو کہ کیسی کیسی مخلوق خدا نے پیدا کی ہے اسی پر دوسری زندگی قیاس کرلو۔

قولہ وتنقیح المناط الخ یعنی ہم کہتے ہیں کہ معاد ثبوت امرین پر موقوف ہے امکان اعادہ پر اور شمول قدرت پر اور یہ دونوں امر ثابت ہیں تو پھر حشر ونشر میں کیا استحالہ ہے، سورۂ روم میں ہے۔

وَھُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ وَھُوَ اَھْوَنُ عَلَیْہِ۔ اور وہی ہے جو پہلی بار بناتا ہے پھر اسکو دہرائیگا اور وہ آسان ہے اس پر یعنی قدرت الٰہی کے سامنے تو سب برابر ہیں لیکن تمہارے محسوسات کے اعتبار سے اول بار پیدا کرنے سے دوسری بار دہرانا آسان ہونا چاہیے پھر یہ عجیب بات ہے کہ اول پیدائش پر اسے قادر مانو اور دوسری مرتبہ پیدا کرنے کو مستبعد سمجھو۔ ؎

آنکہ پیدا ساختن کارش بود زندگی دادن چہ دشوارش بود

وجوابُ استبعادِ الرسالةِ اِوّلاً ببیانِ وجودِها فی الاُمَمِ المتقدِّمةِ "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ" وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ" وثانیاً دفعُ الاستبعادِ ببیانِ اَنَّ الرِّسالةَ ههنا عبارۃٌ عن الوحی قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰٓى اِلَیَّ" وتفسیرُ الوحیِ بما لایکون محالاً، وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ الآیة ــــــــــــ

لغات:۔ الاُمم جمع امۃ، رجال جمع رجل، نوحی ایحاء وحی بھیجنا، مرسل بھیجا ہوا، رسول شہید گواہ، البشر انسان

ترجمہ۔ اور استبعاد رسالت کا جواب اولاً یہ ہے کہ اس کا وجود امم سابقہ میں بھی ہو چکا ہے "اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے وہ سب مرد ہی تھے کہ وحی بھیجتے تھے ہم ان کو، کفار کہتے ہیں کہ تم رسول نہیں ہو تم اس کے جواب میں کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا گواہ ہے اور جس کے پاس آسمانی کتابوں کا علم ہے" دوسرے ان کے استبعاد کو یہ کہہ کر رد کرنا کہ یہاں رسالت سے مراد فقط وحی ہے اے پیغمبر کہدو کہ میں مثل تمہارے انسان ہوں مگر یہ کہ مجھ پر وحی کی جاتی ہے" اور وحی ایسی شئی ہے جو محال نہیں ہے کسی انسان کی یہ مقدور نہیں کہ خدا اس کے ساتھ کلام کرے مگر بطور وحی کے۔

تشریح۔ قولہ وما ارسلنا الخ یعنی پہلے بھی ہم نے آسمان کے فرشتوں کو نبی بناکر نہیں بھیجا، انبیاء سابقین ان ہی بستیوں کے رہنے والے مرد تھے، پھر دیکھ لو ان کے جھٹلانے والوں کا دنیا میں کیا حشر ہوا۔

قولہ قل کفیٰ الخ یعنی تمہارے جھٹلانے سے کچھ نہیں ہوتا جبکہ وہ لوگ جن کو قرآن کا علم اور اسکے حقائق کی خبر ہوگئی ہے دل سے گواہ ہیں کہ میں نے کچھ جھوٹ نہیں بنایا، نیز جنھیں پہلی کتب سماویہ اور ان کی پیشین گوئیوں کی اطلاع ہے انکے دل گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ٹھیک ان پیشین گوئیوں کے مطابق تشریف لائے ہیں جو سیکڑوں برس پیشتر حضرت موسیٰ و مسیح کر چکے تھے۔

قولہ وتفسیر الوحی الخ لغت میں وحی کے متعدد معانی ہیں ۱ اشارہ کرنا جیسے ایک شاعر کہتا ہے ؎

تری عینہا عینی فتعرف وحیہا	وتعرف عینی ما بہ الوحی یرجع

۲ لکھنا۔ عجاج کا شعر ہے۔ حتی نحاہم جدّنا والناجی | لقدر کان وحاہ الواحی

۳ خط۔ لبید کا شعر ہے:۔ فمدافع الریان عُرّی رسمہا | خَلَقاً کما ضَمِنَ الوحیَّ سلامہا

۴ حکم دینا۔ عجاج کہتا ہے:۔ وحیٰ لہا القرار فاستقرّت | وشدّہا بالراسیات الثُّبّت

۵ چھپا کر بات کہنا۔ ابوذویب کہتا ہے ؎

وقال لہا وقد اوحت الیہ	الا للّٰہ امّک ما تعیف

لیکن شریعت اسلام کی اصطلاح میں وحی خاص اس ذریعہ غیبی کا نام ہے جس کے ذریعہ غور و فکر، کسب و نظر، اور تجربہ واستدلال کے بغیر خاص اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے فضل و لطف خاص سے کسی نبی کو کوئی علم حاصل ہوتا ہے پھر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر وحی مختلف طریقوں سے نازل ہوتی تھی جن میں سے تین طریقے سورۂ شوریٰ کی اس آیت میں مذکور ہیں:۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاءُ

اور کسی آدمی کی طاقت نہیں کہ اس سے باتیں کرے اللہ مگر اشارہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا بھیجے کوئی پیغام لانے والا پھر پہنچا دے اس کے حکم سے جو وہ چاہے۔

یعنی کوئی بشر اپنی عنصری ساخت اور موجودہ قویٰ کے اعتبار سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ خداوند قدوس اس دنیا میں اس کے سامنے ہو کر مشافہۃً کلام فرمائے اور وہ تحمل کر سکے، اسی لئے کسی بشر سے اس کے ہمکلام ہونے کی تین صورتیں ہیں:۔

(۱) بواسطہ فرشتہ کے حق تعالےٰ کلام فرمائے مگر فرشتہ متجسد ہو کر آنکھوں کے سامنے نہ آئے بلکہ براہ راست نبی کے قلب پر نزول کرے اور قلب ہی سے فرشتہ کا اور صوت کا ادراک ہوتا ہو، حواس ظاہرہ کو چنداں دخل نہ رہے۔ یہی وہ صورت ہے جس کو عائشہ صدیقہ رضؓ کی حدیث میں " یاتینی فی مثل صلصلۃ الجرس " سے تعبیر فرمایا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حارث بن ہشام نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ پر وحی کس طرح نازل ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا:۔

احیانا یاتینی مثل صلصلۃ الجرس وھو اشدہ علی فینفصم عنی وقد وعیت عنہ ما قال

کبھی کبھی میرے پاس وحی گھنٹہ کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ میرے اوپر سخت ترین ہوتی ہے جب یہ مجھ سے منقطع ہوتی تو فرشتہ نے جو کچھ کہا وہ سب مجھ کو یاد ہوتا تھا۔

(۲) بلاواسطہ پردہ کے پیچھے سے کلام فرمائے۔ یعنی نبی کی قوت سامعہ استماع کلام سے لذت اندوز ہو مگر اس حالت میں آنکھیں دولت دیدار سے متمتع نہ ہو سکیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ الاسراء میں پیش آیا۔

(۳) تمثل یعنی فرشتہ متجسد ہو کر نبی کے سامنے آجائے اور اس طرح خدا کا کلام و پیام پہنچا دے جیسے ایک آدمی دوسرے سے خطاب کرتا ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضؓ کا بیان ہے کہ حضرت جبرئیلؑ دو مرتبہ اپنی اصلی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور اکثر مرتبہ حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں جو خوبصورتی اور حسن و جمال میں ممتاز تھے آتے تھے اور کبھی کبھی کسی غیر معروف آدمی کی شکل میں بھی آئے ہیں، وحی کی یہ تینوں صورتیں حق تعالیٰ کے تشریعی کلام میں شمار ہوتی ہیں، چوتھی صورت یہ ہوتی تھی کہ آپ کے قلب مبارک پر کسی بات کا القاء ہوتا تھا جس کو الہام سے تعبیر کیا جاتا ہے، پانچویں صورت رویائے صادقہ کی تھی یعنی سچے خوابوں کا دیکھنا جس کو نبوت کا ۴۶ واں جزو بتایا گیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابو سعید خدری رضؓ سے مروی ہے۔

اس پوری تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ وحی کی ان تمام اقسام میں سے کوئی قسم بھی ایسی نہیں جو محال ہو فکیف تکون الرسالۃ مستبعدۃ؟ (ملخص از فوائد وحی الٰہی)

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وثالثاً ببیانِ عدمِ ظهورِ المعجزاتِ التی یقترحونها للمصلحةٍ کلیةٍ یقصرُ علمهم عن ادراکِه وکذٰلک عدمُ موافقةِ الحق لهم فی تعیینِ شخصٍ یقترحون بنبوّتِه وکذٰلک لم یجعلِ الرسول ملکاً و لم یوحِ الیٰ کلٍّ واحدٍ منهم فلیس کل شیٔ من ذٰلک الّا للمصلحةِ الکلیةِ واما کان اکثر من بُعِثَ الیهم مشرکین اثبتَ هذهِ المضامینَ فی سورٍ کثیرةٍ باسالیبَ متعددةٍ وتاکیداتٍ بلیغةٍ ولم یتحاشَ من اعادتها مراتٍ کثیرة نعم هکذا ینبغی ان تکونَ مخاطبةُ الحکیمِ المطلقِ بالنسبةِ الیٰ هؤلاءِ الجهلةِ والکلامُ فی مقابلةِ هؤلاءِ السفهاءِ بهذا التاکیدِ وذٰلک تقدیرُ العزیزِ العلیم

لغات:۔ یقترحون اقتراحاً سختی سے اور بغیر سمجھے بوجھے سوال کرنا، یقصر (ک) قصراً چھوٹا ہونا، ادراک جاننا، سمجھنا، ملک فرشتہ لم یوح ایحاءً وحی بھیجنا، سور جمع سورة، اسالیب جمع اسلوب طریقہ، روش یتحاش بچنا، دور رہنا جہلة جمع جاہل سفہاء جمع سفیہ جاہل، بیوقوف۔ ترجمہ:۔

تیسرے یہ بیان کر دیا کہ ان معجزات کا ظاہر نہ ہونا جن کی وہ مانگ کرتے ہیں ایک ایسی کلی مصلحت کی بنا پر ہے جس کے ادراک سے اُن لوگوں کا علم وفہم قاصر ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کا ایسے شخص کو نبی معین کرنے میں ان کی موافقت نہ کرنا جس کی پیغمبری کے وہ خواہشمند ہیں اسی طرح فرشتہ کو پیغمبر نہ بنانا یا ان میں سے ہر کسی پہ وحی نازل نہ کرنا یہ سب ایک مصلحت کلی کی بناء پر ہے۔ اور چونکہ اکثر وہ لوگ جن کی طرف آپ کو مبعوث کیا گیا مشرک تھے اسلئے ان مضامین کو بہت سی سورتوں میں مختلف طریقوں اور نہایت بلیغ تاکیدات کے ساتھ ثابت فرمایا اور ان باتوں کے بار بار اعادہ کرنے سے احتراز نہیں کیا بیشک حکیم مطلق کا خطاب ان جاہلوں کیلئے ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا اور ان بے عقلوں کے مقابلے میں انھیں شدید تاکیدات کی ضرورت تھی، یہ سادھا ہے اس زبردست باخبر نے۔ تشریح:۔ قولہ یقترحونہا الخ۔

حدیث میں ہے کہ اہل مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چند نشانیاں طلب کیں مثلاً یہ کہ کوہ صفا کو سونا بنا دیجئے، یا پہاڑوں کو ہمارے گرد وپیش سے ہٹا کر زراعت کے قابل زمین ہموار کر دیجئے وغیر ذلک، ایسا کرو تو ہم آپ کو مان لیں گے ایکے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی جو سورہ بنی اسرائیل میں ہے۔

وَمَا مَنَعَنَا اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ کَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ۔ اور ہم نے اسلئے موقوف کیں نشانیاں بھیجنی کہ اگلوں نے ان کو جھٹلایا۔

یعنی ایسے فرمائشی نشان دکھلانا خدا تعالیٰ کو کچھ دشوار نہ تھا لیکن پہلے لوگوں کو ان کی فرمائش کے مطابق نشان دکھلائے گئے تب بھی نہ مانے بلکہ سرکشی میں اور ترقی کر گئے، آخر سنت اللہ کے موافق اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بالکل نیست ونابود کر دئے گئے اب اگر تمہاری سب فرمائشیں پوری کر دی جائیں اور خدا کے علم میں ہے بلکہ تمہارے احوال سے بھی ظاہر ہے کہ تم پھر بھی ماننے والے نہیں تو سنت اللہ کے موافق اس کا نتیجہ وہی استیصال واہلاک کلی ہونا چاہیئے جو اس امت کے حق میں خلاف مصلحت وحکمت ہے، خدا تعالیٰ کا ارادہ اس آخری امت کی نسبت یہ نہیں کہ گذشتہ اقوام وامم کی طرح عذاب مستاصل بھیج کر بالکلیہ تباہ کیجائے (فوائد)

قولہ فی تعیین شخص الخ جیسے سورۂ زخرف میں ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ اور کہتے ہیں کیوں نہ اترا یہ قرآن کسی بڑے مرد پر ان دونوں بستیوں میں کے

یعنی اگر قرآن کو اترنا ہی تھا تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے سردار پر اترا ہوتا، یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ بڑے بڑے دولت مند سرداروں کو چھوڑ کر خدا نے منصب رسالت کے لئے ایک ایسے شخص کو چن لیا ہو جو ریاست و دولت کے اعتبار سے کوئی امتیاز نہیں رکھتا، وسیأتی الجواب۔

قولہ مَلَکًا الخ جیسے سورۂ مومنون میں ان کا مطالبہ مذکور ہے۔

لَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ. اگر اللہ چاہتا تو اتارتا فرشتے ہم نے یہ نہیں سنا اپنے اگلے باپ دادوں میں۔

یعنی خدا کسی کو رسول بنا کر بھیجتا تو کیا یہی اس کام کے لئے رہ گیا تھا کوئی فرشتہ نہ بھیج سکتا تھا، سورۂ انعام میں اس کی مصلحت اور حکمت بیان فرمادی ہے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ اگر ہم اتاریں فرشتہ تو طے ہو جائے قصہ پھر انکو مہلت بھی نہ ملے اور اگر ہم رسول بنا کر بھیجتے کسی فرشتہ کو تو وہ بھی کسی آدمی ہی کی صورت میں ہوتا اور انکو اسی شبہ میں ڈالتے جس میں اب پڑ رہے ہیں۔

یعنی اگر فرشتہ اپنی اصل صورت میں آئے تو یہ لوگ ایک منٹ کے لئے بھی اس کا تحمل نہ کر سکیں اس کے رعب و ہیبت سے دم نکل جائے یہ صرف انبیاء علیہم السلام ہی کا ظرف ہوتا ہے جو اصل صورت میں فرشتہ کی رویت کا تحمل کر سکتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر میں دو مرتبہ حضرت جبرئیل ؑ کو اپنی اصل صورت میں دیکھا ہے اور کسی نبی کی نسبت ایک مرتبہ بھی ثابت نہیں، اور اگر یہ فرمائش پوری کر دی جائے اور اس پر بھی نہ مانیں تو سنۃ اللہ کے موافق پھر قطعاً مہلت نہ دی جائے گی بلکہ عذاب بھیج کر نیست و نابود کر دیئے جائیں گے، اور اگر فرشتہ آدمی کی صورت میں بھیجا جائے کیونکہ اسی صورت میں مجانست صوری کی بناء پر لوگ اس کے نمونہ اور تعلیم سے منتفع ہو سکتے ہیں لیکن اس تقدیر پر منکرین کے شبہات کا ازالہ نہیں ہو سکتا جو شکوک و شبہات رسول کے بشر ہونے پر کرتے ہیں وہ ملک کے بصورت بشر آنے پر بھی بدستور کرتے رہیں گے (فوائد)

قولہ ولم یوح الخ جیسے سورۂ انعام میں ہے۔

قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہ مانیں گے جب تک کہ نہ دیا جائے ہم کو جیسا کہ دیا گیا ہے اللہ کے رسولوں کو، اللہ خوب جانتا ہے اس موقعہ کو کہ جہاں بھیجے اپنے پیغام۔

یعنی یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ کون شخص اس کا اہل ہے کہ منصب پیغامبری پر سرفراز کیا جائے اور اس عظیم الشان امانت الٰہیہ کا حامل بن سکے، یہ نہ کوئی کسبی چیز ہے کہ دعا یا ریاضت یا دنیوی جاہ و دولت وغیرہ سے حاصل ہو سکے اور نہ ہر کس و ناکس کو ایسی جلیل القدر اور نازک ذمہ داری پر فائز کیا جا سکتا ہے (فوائد)

وَكَانَ الْيَهُودُ قَدْ آمَنُوا بِالتَّوْرَاةِ

ترجمہ:۔ اور یہودی توریت پر ایمان رکھتے تھے۔

تشریح:۔ قولہ بالتوراۃ الخ اہل کتاب اپنی کتابوں کو دو قسموں کی طرف منقسم کرتے ہیں، قسم اول میں وہ کتابیں ہیں جنکی بابت ان کا دعویٰ ہے کہ یہ حضرت عیسیٰؑ سے پہلے انبیاء کے واسطے سے ملی ہیں، قسم دوم میں وہ کتابیں ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کے بعد بذریعہ الہام لکھی گئی ہیں، پس قسم اول کی جملہ کتب کو عہد عتیق اور قسم ثانی کی جملہ کتب کو عہد جدید کی کتابیں کہتے ہیں اور ان دونوں عہدوں کی کتابوں کے مجموعہ کو بیبل کہتے ہیں جو یونانی لفظ بمعنی کتاب ہے۔ پھر ان میں سے ہر عہد کی کتابوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جنکی صحت پر جمہور قدماء مسیحین کا اتفاق ہے، دوم وہ جس میں ان کی صحت مختلف فیہ ہے عہد عتیق کی قسم اول میں (۳۸) کتابیں ہیں جنمیں سے سفر التکوین، سفر الخروج، سفر الاحبار، سفر العدد، سفر الاستثناء پانچ کتابوں کے مجموعہ کو "توراۃ" کہتے ہیں جو عبرانی لفظ بمعنی تعلیم و شریعت ہے۔ یہ اڑتیس کتابیں جمہور قدماء مسیحین کے نزدیک تو مسلّم تھیں مگر سامری لوگ ان میں سے پانچ مذکورہ کتب اور کتاب یوشع بن نون اور کتاب القضاۃ صرف سات کتابوں کو تسلیم کرتے تھے، عہد عتیق کی قسم دوم میں نو کتابیں ہیں، اور عہد جدید کی قسم اول میں بیس کتابیں ہیں جن میں سے انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا، اور انجیل یوحنا کو اناجیل اربعہ کہتے ہیں۔ اور عہد جدید کی قسم دوم میں سات کتابیں ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو کلام الٰہی الہام ہوا تھا وہ کوہ طور پر ہو یا دیگر مقامات پر اصل توریت وہی ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور اسکے برحق ہونے میں کسی کو بھی کلام نہیں، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدیوں بعد تک بنی اسرائیل میں رہی، کسی خاص دن میں لوگ اس کو پڑھتے اور اس کا وعظ بھی سنتے تھے، اسکو حضرت موسیٰؑ نے صندوق شہادت میں رکھوا دیا تھا جیساکہ توریت سفر استثناء کے اکتیسویں باب کے چوبیسویں جملہ میں ہے۔ شاہ یہود نجام کے عہد میں جب شاہ مصر سیسق نے بنی اسرائیل پر چڑھائی کی تو اس حادثہ میں یہ کتاب اور صندوق غارت ہو گیا، مگر اوّل کتاب السلاطین کے باب ہشتم و درس نہم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب حضرت سلیمانؑ کے عہد سے پہلے ہی جاتی رہی تھی اور یہود یوسیاہ تک جو حضرت مسیحؑ سے تخمیناً (۶۲۴) برس پہلے تھا توریت کا کہیں پتہ نہ تھا یہاں تک کہ اس کے عہد میں اٹھارویں سال خلقیاہ سردار کاہن نے دعویٰ کیا کہ میں نے خداوند کے گھر میں توریت کتاب پائی ہے، مگر بخت نصر کے حادثے میں یہ بھی دنیا سے معدوم ہو گئی پھر ستر برس بعد حضرت عزیر و دیگر انبیاءؑ نے احکام شریعت و دستورات عبادت اور بعض روایات کو اپنی یادداشت سے لکھا جو انٹیوکس ابی فلیس کے حادثہ میں نذر آتش کر دیا گیا، اس کے بعد یہودہ مقابیس نے سنہ عیسوی سے تقریباً (۱۶۵) برس پہلے حضرت عزیرؑ کی طرح یادداشت پر عہد عتیق کی نقل جمع کی جو حضرت مسیحؑ کے عہد تک بلکہ ان کے بعد تک توریت سمجھا جاتا رہا اور یہ صرف ایک ہی نسخہ تھا جو بیت المقدس میں دھرا رہتا تھا۔

وکانت ضلالتهم تحریف احکام التوراة تحریفاً لفظیاً او معنویاً وکتمان آیاتها والحاق ما لیس منها بها افتراءً منهم وتساهلاً فی اقامة احکامها ومبالغةً فی التعصب بمذاهبهم واستبعاد رسالة نبینا صلی الله علیه وسلم وسوء الادب والطعن بالنسبة الیه صلی الله علیه وسلم بل بالنسبة الی حضرة الحق تبارک وتعالیٰ ایضاً وابتلاءهم بالبخل والحرص وغیر ذلک۔

لغات:۔ ضلالة گمراہی، کتمان چھپانا، افتراء جھوٹ باندھنا تساہل سستی برتنا، سوء الادب گستاخی۔ الطعن عیب لگانا البخل کنجوسی، الحرص لالچ۔

ترجمہ

اور ان کی بے راہی احکام توریت میں عام تحریف لفظی یا معنوی تھی اور بعض آیات کو چھپانا اور یہ افترا پردازی کہ جو احکام اس میں نہ تھے اس میں ملانا اور اس کے احکام کی پابندی میں سستی برتنا اور تعصب مذہبی میں شدت اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو مستبعد سمجھنا اور بے ادبی و طعنہ زنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ خداوند تعالیٰ کی شان میں بھی اور ان کا بخل وحرص میں مبتلا ہونا وغیرہ

تشریح

قولہ تحریف احکام التوراۃ الخ جیسے سورہ مائدہ میں ہے۔

یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِهٖ — پھیرتے ہیں کلام کو اسکے ٹھکانے سے اور بھول گئے نفع اٹھانا اس نصیحت سے جو اُن کو کی گئی تھی۔ یعنی خدا کے کلام میں تحریف کرتے ہیں کبھی اس کے الفاظ میں کبھی معنی میں کبھی تلاوت میں تحریف کی یہ سب اقسام قرآن کریم اور کتب حدیث میں بیان کی گئی ہیں جس کا قدرے اعتراف آج کل بعض یورپین عیسائیوں کو بھی کرنا پڑا ہے (فوائد) ؎ مجھ تک کب اسکی بزم میں آیا تھا جام مے ؛ ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں۔

قولہ وکتمان آیاتہا الخ چنانچہ سورۂ آل عمران میں ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا — اور جب اللہ نے عہد لیا کتاب والوں سے کہ اسکو بیان کروگے لوگوں سے اور نہ چھپاؤ گے پھر پھینک دیا انھوں نے وہ عہد اپنی پیٹھ کے پیچھے اور خرید کیا اس کے بدلے تھوڑا سا مول، یعنی علماء اہل کتاب سے عہد لیا گیا تھا کہ جو احکام و بشارات کتاب اللہ میں ہیں انھیں صاف صاف لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور کوئی بات نہیں چھپائیں گے نہ ہیر پھیر کرکے ان کے معنی بدلیں گے، مگر انھوں نے ذرہ برابر پرواہ نہ کی اور دنیا کے نفع کی خاطر سب عہد و پیمان توڑ کر احکام شریعت بدل ڈالے، آیات اللہ میں لفظی و معنوی تحریفات کیں (فوائد)

عہ الترجمة الصحیحة مقام ہذہ الجملة ہکذا "والتساہل فی اقامة احکامہا والمبالغة فی التعصب اھ" فہذا ایضاً فی عداد ضلالتہم ولیس عطفاً علی "افتراءً" ۱۲ عون

* * *

قولہ افتراؤ منہم الخ جیسے سورۂ اعراف میں ہے :۔

فَخَلَفَ مِنۡ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَّرِثُوا الۡكِتٰبَ يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا الۡاَدۡنٰى وَيَقُوۡلُوۡنَ سَيُغۡفَرُ لَنَا‌ ۚ وَاِنۡ يَّاۡتِهِمۡ عَرَضٌ مِّثۡلُهٗ يَاۡخُذُوۡهُ‌ ؕ اَلَمۡ يُؤۡخَذۡ عَلَيۡهِمۡ مِّيۡثَاقُ الۡكِتٰبِ اَنۡ لَّا يَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَقَّ وَدَرَسُوۡا مَا فِيۡهِ‌ ؕ

پھر انکے پیچھے آئے ناخلف جو وارث بنے کتاب کے لیتے ہیں اسباب اس ادنیٰ زندگانی کا اور کہتے ہیں کہ ہمکو معاف ہو جائیگا اور اگر ایسا ہی اسباب ان کے سامنے پھر آئے تو اسکو لیویں کیا ان سے کتاب میں عہد نہیں لیا گیا کہ نہ بولیں اللہ پر سوا سچ کے اور انھوں نے پڑھا ہے جو کچھ اس میں لکھا ہے، یعنی اگلوں میں تو کچھ صالحین بھی تھے پچھلے ایسے ناخلف ہوئے کہ جس کتاب (توریت) کے وارث وحامل بنے تھے، دنیا کا تھوڑا سا سامان لیکر اسکی آیات میں تحریف وکتمان کرنے لگے اور رشوتیں لیکر احکام توریت کے خلاف فیصلے دینے لگے توریت میں جو عہد لیا گیا تھا کہ " خدا کی طرف سچ کے سوا کسی چیز کی نسبت نہ کریں " کیا وہ انھیں معلوم نہیں جو اس کی کتاب اور احکام میں قطع و برید کرکے اس پر افترا کرنے لگے حالانکہ کتاب اللہ (توریت) کو یہ لوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اسکا مضمون انھیں معلوم نہیں یا یاد نہیں رہا، حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی فانی متاع کے عوض انھوں نے دین وایمان بیچ ڈالا (فوائد)

(فائدہ) علامہ شاطبی نے نقل کیا ہے کہ ابوالحسن منتابؒ نے ایک دن قاضی ابو اسحاق سے پوچھا، آخر اس کا کیا سبب ہے کہ اہل توراۃ کو توریت کی تحریف پر قدرت حاصل ہوگئی لیکن قرآن کی تحریف پر کسی کو قدرت نہ ہوئی ؟ قاضی نے جواب دیا ، اہل توراۃ کے حق میں اللہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے " بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ " اس سبب سے کہ ان پر خدا کی کتاب کی حفاظت کا بوجھ ڈالا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ توریت کی حفاظت اللہ نے اپنے ذمہ نہیں لی بلکہ اسکو خود اہل توراۃ کے سپرد کردیا تھا، اس کے بالمقابل قرآن کے بارے میں ارشاد ہے " اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ " یہ ذکر ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم خود ہی اسکی حفاظت کریں گے، یہ فرق ہے کہ قرآن کی تحریف پر کسی کو دسترس حاصل نہیں ہوئی۔

قولہ دسور الادب الخ جیسے سورۂ النساء میں ہے :۔

يَقُوۡلُوۡنَ سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا وَاسۡمَعۡ غَيۡرَ مُسۡمَعٍ وَّرَاعِنَا لَـيًّۢا بِاَ لۡسِنَتِهِمۡ وَطَعۡنًا فِى الدِّيۡنِ‌ ؕ

کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور کہتے ہیں کہ سُن نہ سنایا جائیو اور کہتے ہیں رَاعِنَا موڑ کر اپنی زبان کو اور عیب لگانے کو دین میں

یعنی ایسے کلام بولتے ہیں جس کے دو معنی ہوں دعا اور بد دعا، چنانچہ یہ کلام بظاہر دعائے خیر ہے مطلب یہ ہے کہ تو ہمیشہ غالب اور معزز رہے کوئی تجھ کو بُری اور خلاف بات نہ سنا سکے اور دل میں یہ رکھتے تھے کہ تو بہرا ہو جائیو۔ اسی طرح "راعنا" کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ ہماری رعایت کرو اور ایک یہ کہ تو ہمارا چرواہا ہے اور انکی نیت یہی ہوتی تھی (نعوذ باللہ منہ)

قولہ الی حضرۃ الحق الخ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اہل کتاب کے قلوب انکی شرارت، کفر و طغیان، بدکاری حرامخوری وغیرہ کی ممارست سے اس قدر مسخ ہو گئے تھے کہ بارگاہ ربوبیت میں گستاخی کرنے سے بھی انکو کچھ باک نہ ہوتا تھا۔ خداوند قدوس کا رتبہ انکے یہاں ایک معمولی انسان کی حیثیت سے زیادہ نہ رہا تھا، حق تعالیٰ کی جناب میں بے تکلف ایسے واہی تباہی کلمات بک دیتے تھے کہ جنھیں سنکر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ کبھی کہتے " ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء " کبھی کہتے :۔ " ید اللہ مغلولۃ " خدا کا ہاتھ بند ہوگیا۔ العیاذ باللہ۔

أَمَّا التَّحْرِيفُ اللَّفْظِي فَإِنَّهُمْ كَانُوا يَرْتَكِبُونَهُ فِي تَرْجَمَةِ التَّوْرَاةِ وَأَمْثَالِهَا لَا فِي أَصْلِ التَّوْرَاةِ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ عِنْدَ الْفَقِيرِ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ عَبَّاسٍ رض

ترجمہ:- بہرحال تحریف لفظی سو وہ یہودی توریت کے ترجمہ وغیرہ میں کیا کرتے تھے نہ کہ اصل توریت میں، فقیر (یعنی صاحب کتاب) کے نزدیک یہی حق ہے اور حضرت ابن عباس رض کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح

قولہ اما التحریف اللفظی الخ تحریف کی دو قسمیں ہیں لفظی اور معنوی، لفظی کی تین صورتیں ہیں، تحریف بتبدیل الفاظ، تحریف بزیادۃ لفظ اور تحریف بالنقصان، جمہور علماء کے نزدیک کتب سماویہ میں ہر قسم کی تحریف واقع ہوئی ہے البتہ شاہ صاحب کے نزدیک توراۃ میں لفظی تحریف نہیں بلکہ صرف معنوی تحریف ہے، موصوف نے حضرت ابن عباس رض کا بھی یہی قول بتایا ہے جس کو مفسرین نے آیت بقرہ " وقد کان فریقٌ منہم یسمعون کلام اللہ ثم یحرّفونہ من بعد ما عقلوہ وہم یعلمون " کے ذیل میں ذکر کیا ہے چنانچہ علامہ آلوسی صاحب روح المعانی لکھتے ہیں، یسمعون التوراۃ ویؤلونہا تاویلاً فاسداً حسب اغراضہم والی ذٰلک ذہب ابن عباس رض والجمہور علی ان تحریفہا بتبدیل کلام من تلقائہم " لیکن عام علماء کے نزدیک اس آیت کا تعلق تحریف توریت سے نہیں بلکہ فریق سے مراد وہ لوگ ہیں جو کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام الٰہی سننے کے لئے گئے تھے انھوں نے وہاں سے آکر یہ تحریف کی کہ بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ تمام کلام کے آخر میں ہم نے یہ بھی سنا " ان استطعتم ان تفعلوا ہٰذہ الاشیاء فافعلوا وان شئتم فلا تفعلوا " کہ اگر کر سکو تو ان احکام کو کر لینا ورنہ ان کے ترک کا بھی تم کو اختیار ہے، پس یہاں تحریف بتاویل فاسد ہے، رہا تحریف توریت کا مسئلہ سو اس سے بحث ان دو آیتوں میں ہے جو سورۂ مائدہ کی ہیں یعنی؛ " ومن الذین ہادوا سمّٰعون للکذب سمّٰعون لقوم آخرین لم یاتوک یحرّفون الکلم من بعد مواضعہ اھ " اور " فبما نقضہم میثاقہم لعنّٰہم وجعلنا قلوبہم قٰسیۃً یحرّفون الکلم عن مواضعہ اھ اور یہاں مفسرین نے حضرت ابن عباس رض کا قول ذکر نہیں کیا البتہ امام بخاری رح نے باب قول اللہ تعالیٰ " بل ہو قرآنٌ مجیدٌ فی لوحٍ محفوظ " میں ذکر کیا ہے " عن ابن عباس رض یحرّفون یزیلون ولیس احد یزیل لفظ کتاب من کتب اللہ ولکنہم یحرّفونہ یتأولونہ علی غیر تاویلہ " تو ممکن ہے صاحب کتاب نے یہیں سے حضرت ابن عباس رض کا مذہب سمجھا ہو، لیکن اس سے ان کے مذہب پر استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ عبارت اس سلسلہ میں نص صریح نہیں چنانچہ محشی نے تصریح کی ہے کہ " ولیس احد یزیل اھ " امام بخاری کا کلام ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس رض ہی کے کلام سے ہو، دوسرے یہ کہ یہ عبارت حضرت ابن عباس رض کے اس قول کے معارض ہے جس کو امام بخاری نے کتاب الشہادۃ میں " باب لایسئل اہل الشرک عن الشہادۃ وغیرہا " کے ذیل میں ذکر کیا ہے یعنی " وقد حدّثکم اللہ ان اہل الکتاب بدّلوا ما کتب اللہ وغیّروا بایدیہم الکتاب فقالوا ہو من عند اللہ لیشتروا بہ ثمناً قلیلاً۔ اسلئے بقول حضرت علامہ کشمیری رح یہ کہا جائیگا کہ حضرت ابن عباس رض کا مقصد یہ ہے کہ اہل کتاب قصداً تحریف نہیں کرتے تھے بلکہ صورت یہ تھی کہ اسلاف اپنی فہم کے مطابق توراۃ کی مراد لکھ لیتے تھے بعد میں آنیوالوں نے اسکو نفس توریت میں داخل کر دیا اس طریق سے وہ تفسیر توریت کیساتھ مخلوط ہوگئی، ورنہ تحریف لفظی و معنوی کے وقوع کا مسئلہ تو اتنا ظاہر ہے کہ آج کل بعض یورپین عیسائیوں کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑا ہے اور مولانا رحمت اللہ صاحب نے اپنی کتاب " اظہار الحق " میں ایک سو امثلہ پیش کر کے تحریف لفظی کے وقوع کو ثابت کیا ہے۔

(محمد حنیف گنگوہی)

وَالتحريفُ المعنوي تاويلٌ فاسدٌ بحملِ الآيةِ على غيرِ معناها بتحكمٍ والحرَافٍ عن الصراطِ المستقيم فمن جملةِ ذلك انه قد بُيِّنَ الفرقُ بين المتدينِ الفاسقِ والكافرِ الجاحدِ فى كلِّ ملةٍ وأُثبِت العذابُ الشديدُ والخلودُ للكافرِ وجُوِّزَ خروجُ الفاسقِ من النار بشفاعةِ الانبياء وأُظهِرَ فى تقريرِ هذا المعنى اسمُ المتدينِ فى كلِّ ملةٍ بتلك الملة فأُثبِتَ فى التوراةِ هذه المنزلةُ لليهودى والعِبرىّ وفى الانجيلِ للنصرانى وفى القرآنِ العظيم للمسلمين ومناطُ الحكمِ الايمانُ بالله واليوم الآخرِ والانقيادُ لنبيٍّ بُعِثَ اليهم والعملُ بشرائعِ الملةِ واجتنابُ المنهيّاتِ من تلك الملةِ لاخصوصُ فرقةٍ من الفِرَقِ لذاتِها

لغات۔ تحکم بغیر وجہ ظاہر ہوئے اپنی رائے سے فیصلہ کرنا، انحراف روگردانی، صراط راستہ مستقیم سیدھا، متدین دین اختیار کرنے والا فاسق بدکار، جاحد انکار کرنے والا، خلود ہمیشگی، عبری قدیم یہودی، مناط مدار، انقیاد تابعدار ہونا، فروتنی کرنا، شرائع جمع شریعۃ طریقہ، اللہ کے مقرر کیئے ہوئے احکام، اجتناب بچنا، پرہیز کرنا، منہیات شریعت کے ممنوعات فرق جمع فرقہ گروہ، جماعت۔

ترجمہ

اور تحریف معنوی تاویل فاسد کا نام ہے یعنی سینہ زوری اور راہ مستقیم سے ہٹ کر کسی آیت کو اس کے اصل معنی کے خلاف پر حمل کرنا، اسکی ایک مثال یہ ہے کہ ہر مذہب میں دیندار فاسق اور منکر مذہب کافر کے درمیان فرق بیان کیا گیا ہے مثلاً کافر کے لئے ثابت مانا گیا ہے کہ وہ عذاب شدید میں ہمیشہ مبتلا رہے گا اور فاسق کے لئے جائز رکھا گیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی شفاعت کے ذریعہ دوزخ سے نکالا جائیگا اور ظاہر کیا گیا ہے اس معنی کی تقریر میں ہر مذہب کے اندر اس مذہب کے پیرو کا نام مثلاً ثابت کیا گیا ہے توریت میں یہ مرتبہ یہودی اور عبری کے لئے اور انجیل میں نصرانی کے لئے اور قرآن عظیم میں مسلمانوں کے لیے، اور اس حکم کا مدار فقط خدا تعالیٰ اور محشر پر ایمان لانے، اور اس رسول کی جو ان میں مبعوث کیا گیا ہو تابعداری اور مشروعات مذہبی پر عمل کرنے اور منہیات سے اجتناب کرنے پر ہے جس میں کسی فرقہ کی ذاتی خصوصیت نہیں۔

تشریح۔ قولہ ومناط الحکم الخ جیسا کہ سورۂ مائدہ کی آیت

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ

اگر وہ قائم رکھتے توریت اور انجیل کو اور اسکو جو کہ نازل ہوا ان پر ان کے رب کی طرف سے تو کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے۔

نے صاف طور سے بتایا ہے کہ اگر اہل توریت احکام توریت پر اور اہل انجیل احکام انجیل پر عمل پیرا رہتے تو تمام ارضی وسماوی برکات سے ان کو متمتع کیا جاتا اور ذلت بدحالی اور ضیق عیش کی جو سزا ان کے عصیان کی وجہ پر دی گئی تھی وہ اٹھالی جاتی۔

فَحَسِبَ الیھودُ اَنّ الیھودی والعِبریّ یدخُلانِ الجنّۃَ البتّۃَ وتنفعُہ شفاعۃُ الانبیاء " وقالوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً " ولولم یتحقّقْ مناطُ الحکمِ ولوکان مُؤمنًا باللّٰہ بوجہٍ غیرِ صحیحٍ ولولم یکن لہ حظٌّ من الایمانِ بالاٰخرۃِ وبرسالۃِ النبیّ المبعوثِ الیہِ وھذا غلطٌ صِرفٌ وجھلٌ محضٌ ولمّا کان القراٰنُ العظیمُ مُھَیمِنًا علَی الکتُبِ السالفۃِ ومُبَیِّنًا لمواضعِ الاشکالِ فیھا کشَفَ الغطاءَ عن ھٰذہ الشبھۃِ علٰی وجہٍ اتمّ " بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّاَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْئَتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ "

لغات:۔ حسب (س)، گمان کرنا، معدودہ گنے چنے مناط مدار حظ نصیب، حصہ صرف خالص، مہیمنا نگہبان، حاکم سالف سابقہ مبین واضح طور پر بیان کرنے والا۔ غطاء پردہ۔ سیئۃ برائی۔

ترجمہ:۔ باایں ہمہ یہودی لوگ گمان کر بیٹھے کہ جو شخص یہودی یا عبری ہوگا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا اور انبیاء کی شفاعت اس کو نفع دیگی، اور کہنے لگے کہ ہم کو ہرگز آگ نہ لگے گی مگر چند روز گنے چنے، گو مدار حکم متحقق نہ ہو اور گو خدا تعالیٰ پر ایمان صحیح طریقہ سے نہ ہو اور آخرت اور اس رسول کی رسالت پر جو اُن کے پاس بھیجا گیا ہے ایمان کا کچھ حصہ بھی اسکو حاصل نہ ہو حالانکہ یہ محض غلط اور خالص جہالت ہے، اور چونکہ قرآن عظیم تمام کتب سابقہ کا محافظ اور ان کے اشکالات کو واشگاف کرنے والا ہے اسلئے اس نے اس شبہ کو بھی پوری طرح بے نقاب کر دیا ہے "ہاں جس نے بدی کمائی اور اس کی خطاؤں نے اسکو گھیر لیا تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔"

تشریح:۔

قولہ فحسب الیھود الخ یہود کہتے تھے کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی نہ جائیگا اور ہم کو عذاب نہ ہوا اور اگر بالفرض ہوا بھی تو صرف چند روز یعنی سات دن کیونکہ ان کا نظریہ تھا کہ دنیا کی کل مدت سات ہزار دن ہے تو ہم کو ہر ہزار کے بدلے ایک دن عذاب ہوگا، یا چالیس دن جتنے روز بچھڑے کی پوجا کی تھی، یا چالیس سال جتنی مدت وادی تیہ میں سرگرداں رہے تھے، اور بعض نے کہا کہ ہر ایک جتنی مدت دنیا میں زندہ رہا۔

قولہ مھیمنا الخ مہیمن کے کئی معنی بیان کئے گئے ہیں۔ امین، غالب، حاکم، محافظ و نگہبان اور ہر معنی کے اعتبار سے قرآن کریم کا کتب سابقہ کیلئے مہیمن ہونا صحیح ہے، خدا کی جو امانت توریت و انجیل وغیرہ کتب سماویہ میں ودیعت کی گئی تھی وہ مع شئ زائد قرآن میں محفوظ ہے جس میں کوئی خیانت نہیں ہوئی، اور جو بعض فروعی چیزیں ان کتابوں یا اس زمانہ یا اُن مخصوص مخاطبین کے حسب حال تھیں ان کو قرآن نے منسوخ کر دیا اور جو حقائق ناتمام تھیں ان کی پوری تکمیل فرما دی ہے اور جو حصہ اس وقت کے اعتبار سے غیر مہم تھا اسے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ (فوائد)

قولہ بلیٰ من کسب الخ یعنی یہ بات غلط ہے کہ یہودی ہمیشہ کے لئے دوزخ میں نہ رہیں گے کیونکہ خلود فی النار اور خلود فی الجنۃ کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جسکے گناہ اسکو محیط ہوں (یعنی کافر) وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور مومن صالح ہمیشہ جنت میں رہیگا اس کو سورۂ نساء کی اس آیت میں اور صراحت سے بیان فرمایا ہے (باقی برص ۵۷)

ومن جملةِ ذٰلک انه قد بیّن فی کلِ ملةٍ احکامًا تُناسب مصالحَ ذٰلک العصرِ وقد سلک فی التشریعِ مسلکَ عاداتِ القومِ واَمَرَ بالاخذِ بھا وادامةِ الاعتقادِ والعملِ علیھا تاکیدًا بحصرِ الحقیقةِ فیھا والمرادُ ات الحقیقةَ محصورةٌ فی ذٰلک العصرِ وذٰلک الزمانِ والمرادُ ھنالک الادامةُ الظاھریةُ لا الادامةُ الحقیقیةُ یعنی مالم یأتِ نبیٌّ اٰخرُ ولم ینکشفِ الغطاءُ عن وجہِ النبوةِ وھو حملوا ذٰلک علٰی استحالةِ نسخِ الیھودیةِ ومعنی وصیةِ الاخذِ بتلک الملةِ فی الحقیقةِ وصیتُہ بالایمانِ والاعمالِ الصالحةِ ولم تعتبر خصوصیةُ تلک الملةِ لذاتھا وھؤلاء اعتبروا الخصوصیةَ فظنوا انّ یعقوبَ علیہ الصلوٰة والسلام وصّی اولادَہ بالیھودیةِ

لغات:- مصالح جمع مصلحت، مسلک طریقہ ادامة ہمیشہ کرنا، محصورہ گھری ہوئی۔ غطاء پردہ

ترجمہ:- ازاں جملہ یہ ہے کہ بیان کئے ہیں ہر مذہب میں وہ احکام جو مناسب ہوں اس زمانہ کے مصالح کے اور شرعی قانون بنانے میں لحاظ رکھا ہے اقوام کی عادات کا اور حکم کیا ہے نہایت تاکید کے ساتھ ان کے اتباع اور ان پر ہمیشہ عمل کرنے اور اعتقاد رکھنے کا اتنی تاکید کے ساتھ کہ منحصر ہوگئی حقیقت انہیں میں لیکن غرض اس میں یہ ہے کہ ان اعمال میں اسی زمانہ کے لحاظ سے حق منحصر ہے غرض دوام ظاہری مراد ہے نہ کہ دوام حقیقی یعنی مراد یہ تھی کہ تاوقتیکہ دوسرا نبی مبعوث نہ ہو اور اس کے چہرۂ نبوت سے پردۂ خفا نہ اٹھ جائے مگر انھوں نے اسکو یہودیت کے ناقابلِ نسخ ہونے پر محمول کرلیا، اور درحقیقت اتباعِ یہودیت کی وصیت کے یہ معنی تھے کہ ایمان اور نیک اعمال کا التزام کیا جائے اور اس مذہب کی کوئی ذاتی خصوصیت ہرگز معتبر نہیں ہے لیکن ان لوگوں نے خصوصیت کا اعتبار کرکے یہ گمان کرلیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت ہی کی وصیت فرمائی ہے۔

تشریح:- قولہ وصیتہ بالایمان الخ یعنی یہود کا یہ کہنا کہ حضرت یعقوب نے اپنی اولاد کو یہودیت کی وصیت کی تھی یہ غلط ہے انکی وصیت تو وہ تھی جو سورۂ بقرہ کی اس آیت میں ہے۔

وَوَصّٰی بِھَآ اِبْرٰھِیْمُ بَنِیْہِ وَیَعْقُوْبُ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ٥

یہی وصیت کرگیا ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب بھی کہ اے بیٹو بیشک اللہ نے چن کردیا ہے تم کو دین سو تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان۔

(بقیہ ملاحظہ) لیسَ باَمَانِیّکُمْ وَ لَا اَمَانِیِّ اَھْلِ الْکِتٰبِ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءً ا یُّجْزَبِہٖ یعنی نجات اور ثواب کسی کی امید اور خیال پر موقوف نہیں بلکہ جو برا کریگا پکڑا جائیگا کوئی ہو اللہ کے عذاب کے وقت کسی کی حمایت کام نہیں آسکتی اللہ جسکو پکڑے وہی چھوڑے تو چھوٹے

قیامت کہ بازار نیکو نہند ⁂ منازل باعمال نیکو نہند
بضاعت بچندانکہ آری بری ⁂ اگر مفلسی شرمساری بری
کسے راکہ حسنِ عمل بیشتر ⁂ بدرگاہِ حق منزلت بیشتر (سعدی)

ومن جملةِ ذٰلك انّ اللهَ عزّوجلّ شرّفَ الانبياءَ وتابعيهم فی کل ملّةٍ بلقب المقرّب والمحبوب وذمّ الذين ينكرون الملة بصفة المبغوض وقد وقع التكلم فی هذا الباب بلفظٍ شائعٍ فی کلِ قومٍ فلا عجبَ ان يكون قد ذُکرَ لفظ الابناءِ مقامَ المحبوبِ فظنّ اليهودُ ان ذٰلك التشريف دائرٌ مع اسم اليهودی والعِبری والاسرائيلی ولم يعلموا انه دائرٌ علٰی صفة الِانقيادِ والخضوعِ وتمشيةِ ما اراد الله سبحانه ببعثةِ الانبياءِ لا غير وكان اِرتكز من هذا القبيلِ فی خواطرِهم كثيرٌ من التاويلاتِ الفاسدةِ الماخوذةِ من اٰبائِهم واَجدادِهم فاَزالَ القراٰنُ هٰذه الشبهاتِ علٰی وجهٍ اَتمّ

لغات:۔ تابعيهم تابع کی جمع ہے اصل میں تابعين تھا نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ ذم (ن) برائی بیان کرنا مبغوض نفرت کیا گیا، انقیاد تابعداری، خضوع فروتنی، تمشیۃ چلنا چلانا، ارتکز ارتکازاً اپنی جگہ میں برقرار رہنا خواطر جمع خاطر بمعنی دل، اجداد جمع جداً دا۔

ترجمہ

ازاں جملہ یہ ہے کہ حق تعالٰی نے ہر ملت میں انبیاء اور ان کے متبعین کو مقرب اور محبوب کا خطاب عطا کیا ہے اور منکرین ملت کو صفت مبغوض کیساتھ یاد فرمایا ہے اور ان خطابات میں ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو ہر قوم میں شائع تھے تو کچھ تعجب نہیں کہ محبوب کے بجائے لفظ ابن ذکر کیا ہو، اس سے یہودیوں نے یہ گمان کر لیا کہ یہ عزت صرف یہودی و عبری اور اسرائیلی کے ناموں کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ اس سے کامل اتباع خضوع اور انبیاء کی بتائی ہوئی سیدھی راہ پر چلنے کے سوا اور کچھ مراد نہیں، اسی طرح کی اور بہت سی فاسد تاویلات ان کے قلوب میں راسخ ہوگئی تھیں جو وہ اپنے باپ دادوں سے لئے چلے آرہے تھے۔ قرآن مجید نے ان شبہات کو پوری طرح رفع کر دیا ہے۔

تشریح:۔ قولہ قد ذکر لفظ الابناء الخ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی ایک جماعت کو دین اسلام کی دعوت دی اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے کہا کیف تخوفنا بہ ونحن ابناء اللہ واحباءہ؟ آپ ہمیں اللہ کے عذاب سے کیوں ڈراتے ہیں۔؟ ہم تو اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔

ممکن ہے وہ اپنے کو "بیٹے" اسلئے کہتے ہوں کہ ان کی بائیبل میں خدا نے اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کو اپنا پہلوٹا بیٹا اور اپنے کو اس کا باپ کہا ہے، نیز کتاب الاستثناء کے باب ۱۴ کی پہلی آیت اور باب ۳۲ کی آٹھویں آیت میں، اور کتاب ہوشع کے باب اول کی دسویں آیت میں جمیع بنو اسرائیل پر "ابناء اللہ" کا اطلاق آیا، ادھر نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ مانتے ہیں نیز کہتے ہیں کہ نصاریٰ نے انجیل میں حضرت مسیح کا یہ قول پڑھا ہے "انی ذاہب الٰی ابی وابیکم" ان اطلاقات کی وجہ سے یہود اس بات کے مدعی تھے کہ ہم کو ساری خلقت پر فضل و مزیت اور شرف حاصل ہے۔

قولہ فظن الیہود الخ قرآن کریم نے یہود کے دعویٰ "نحن ابناء اللہ واحباءہ" کی صاف الفاظ میں تردید کی ہے چنانچہ سورۂ مائدہ میں ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ قُلْ — کہتے ہیں یہود اور نصاریٰ ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اسکے پیارے

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۔۔۔ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ — تو کہہ پھر کیوں عذاب کرتا ہے تمکو تمہارے گناہوں پر۔

چونکہ کسی مخلوق کا حقیقۃً "ابن اللہ" ہونا بالکل محال اور بدیہی البطلان ہے اور خدا کا محبوب بن جانا ممکن تھا "یحبہم ویحبونہ" (مائدہ) اسلئے اس جملہ میں اول محبوبیت یعنی پیارے ہونے کے دعویٰ کا رد کیا گیا یعنی جو قوم علانیہ بغاوتوں اور شدید ترین گناہوں کی بدولت یہاں بھی کئی طرح کی رسوائیوں اور عذاب میں گرفتار ہو چکی اور آخرت میں بھی حبس دوام کی سزا کا عقلاً و نقلاً استحقاق رکھتی ہے کیا ایسی باغی و عاصی قوم کی نسبت ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی ذی شعور یہ خیال کر سکتا ہے کہ وہ خدا کی محبوب اور پیاری ہوگی؟ خدا سے کسی کا نسبی رشتہ نہیں، اس کا پیار اور اس کی محبت صرف اطاعت اور حسن عمل سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ؎

رہ راست باید نہ بالائے راست ٭ کہ کافر ہم از روئے صورت چو ماست (سعدی)

ایسے کٹر مجرموں کو جو سخت سے سخت سزا کے مستحق اور مورد بن چکے ہوں شرمانا چاہیئے کہ وہ "نحن ابناء اللہ و احباءہ" کا دعویٰ کریں۔ ؎

تعصی الالٰہ وانت تظہر حبہ ٭ ہٰذا لعمری فی الفعال بدیع

لو کان حبک صادقا لاطعتہ ٭ ان المحب لمن یحب مطیع

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کو باوجودیکہ ان کا صلبی بیٹا تھا خدا نے فرما دیا "انہ لیس من اہلک، انہ عمل غیر صالح"۔ اسی طرح سورۂ جمعہ میں ارشاد ہے۔

قُلْ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ — تو کہہ اے یہودی ہونے والو اگر تم کو دعویٰ ہے کہ تم دوست ہو اللہ کے سب لوگوں کے سوائے تو مناؤ اپنے مرنے کو اگر تم سچے ہو۔

یعنی اگر تم کو یہ دعویٰ ہے کہ بلا شرکت غیرے ہم ہی اللہ کے دوست اور ولی اور تنہا جنت کے حقدار ہیں بس دنیا سے چلے اور جنت میں پہونچے، اگر واقعی دل میں یہی یقین ہے اور اپنے دعوے میں سچے ہو تو دنیا کے مکدّر عیش سے دل برداشتہ ہو کر محبوب حقیقی کے اشتیاق اور جنت الفردوس کی تمنا میں مرنے کی آرزو کرو اسواسطے کہ جس کو یقیناً معلوم ہو جائے کہ میرا اللہ کے ہاں بڑا درجہ ہے اور کوئی خطرہ نہیں وہ بیشک مرنے سے خوش ہوتا ہے۔ ؎

غافلاں از مرگ مہلت خواستند ٭ عاشقاں گفتند نے زود باد

اور موت کو ایک پل سمجھتا ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے پس اس کی زبان پر تو یہ الفاظ ہوتے ہیں۔ ؎

یا حبذا الجنۃ واقترابہا ٭ طیبۃ و بارد شرابہا

لیکن ان جھوٹے مدعیوں کے افعال پر نظر ڈالئے تو ان سے بڑھ کر موت سے ڈرنے والا کوئی نہیں وہ موت کا نام سنکر گھبراتے اور بھاگتے ہیں، اسلئے نہیں کہ زیادہ دن زندہ رہیں تو زیادہ نیکیاں کمائیں گے محض اسلئے کہ دل میں سمجھتے ہیں کہ جو کرتوت کئے ہیں یہاں سے چھوٹتے ہی ان کی سزا میں پکڑے جائینگے۔

(فوائد بزیادۃ و تغییر) (محمد حنیف غفرلہ گنگوہی)

أَمَّا كِتْمَانُ الْآيَاتِ فَهُوَ أَنَّهُمْ كَانُوا يُخْفُونَ بَعْضَ الْأَحْكَامِ وَالْآيَاتِ تَحَافُظًا عَلَى جَاهٍ شَرِيفٍ أَوْ لِأَجْلِ رِيَاسَةٍ يَطْلُبُونَهَا وَكَانُوا يَحْذَرُونَ أَنْ يَضْمَحِلَّ اعْتِقَادُ النَّاسِ فِيهِمْ وَيُلَامُوا بِتَرْكِ الْعَمَلِ بِتِلْكَ الْآيَاتِ فَمِنْ جُمْلَةِ ذَٰلِكَ أَنَّ رَجْمَ الزَّانِي مَذْكُورٌ فِي التَّوْرَاةِ وَكَانُوا يَتْرُكُونَهُ لِإِجْمَاعِ أَحْبَارِهِمْ عَلَى تَرْكِ الرَّجْمِ وَإِقَامَةِ الْجَلْدِ وَتَسْخِيمِ الْوَجْهِ مَقَامَهُ وَيَكْتُمُونَ ذَٰلِكَ مَخَافَةَ الْفَضِيحَةِ

لغات، کتمان چھپانا، یخفون اخفاء چھپانا۔ جاہ مرتبہ، یحذرون (س) حذراً بچنا، پرہیز کرنا۔ یضمحل نیست و نابود ہونا۔ یلاموا لوماً ملامت کرنا، رجم سنگسار کرنا احبار جمع حبر یوپ، بڑا عالم۔ جلد کوڑے مارنا تسخیم سیاہ رو کرنا مخافۃ اندیشہ ڈر، فضیحۃ رسوائی/عیب۔

ترجمہ

بہرحال کتمانِ آیات سو اسکی صورت یہ تھی کہ وہ بعض احکام و آیات کو حفاظتِ اعزاز یا کسی ریاست کے حاصل کرنے کی غرض سے چھپا لیتے تھے کہ عوام کا اعتقاد ان سے زائل نہ ہو جائے اور یہ لوگ اس پر عمل ترک کر دینے سے نشانۂ ملامت نہ بن سکیں، مثلاً زانی کو سنگسار کرنے کا حکم توریت میں مذکور تھا مگر ان لوگوں نے اس حکم کو ترک کر دیا اس وجہ سے کہ ان کے تمام بڑے بڑے علماء نے رجم کو موقوف کر کے اسکی جگہ پر کوڑے مارنا اور منہ کالا کر دینا تجویز کر رکھا تھا اور رسوائی کے خوف سے اس کو چھپا لیا تھا۔

تشریح

قولہ وکانوا یترکونہ الخ صحیح بخاری میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک یہودی مرد و عورت کو لایا گیا جنھوں نے زنا کیا تھا، آپنے ان سے فرمایا تمھاری کتاب میں اس کا کیا حکم ہے؟ انھوں نے کہا، ہمارے بڑے بڑے علماء تو یہ کہتے ہیں کہ زانی کو کوڑے لگائے جائیں اور کالا منہ کر کے گدھے پر الٹا سوار کرا کر گشت کرایا جائے، حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے (جو توریت کے بہت بڑے عالم بلکہ اس کے حافظ بھی تھے، عرض کیا یا رسول اللہ! ان سے توریت منگوائیے، چنانچہ توریت منگوائی گئی اور انکو پڑھنے کے لئے کہا گیا تو انمیں سے ایک نے آیتِ رجم پر ہاتھ رکھا اور آگے پیچھے سے پڑھنے لگا۔

پڑھتا نہیں خیر مراد اں کسی عنواں ✦ جب تک کہ عبارت میں تصرف نہیں کرتا (ذوق)

حضرت عبداللہ بن سلام نے اس سے کہا، ذرا ہاتھ تو اٹھا، دیکھا تو وہیں آیتِ رجم موجود ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم فرمایا اور ان دونوں کو سنگسار کر دیا گیا۔۔۔۔ صحیح مسلم میں حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک یہودی حاضر کیا گیا جس کا منہ کالا کر کے کوڑے لگائے گئے تھے۔ آپنے یہودیوں سے دریافت فرمایا کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی یہی سزا پاتے ہو؟ انھوں نے کہا، ہاں، تو آپنے انکے ایک عالم کو بلوایا اور اسکو خدا کی قسم دیکر پوچھا کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی یہی سزا پاتے ہو؟ عالم نے کہا نہیں، اور اگر آپ قسم نہ دیتے تو میں ہرگز نہ بتاتا، بات اصل یہ ہے کہ سزا تو رجم ہی ہے مگر ہمارے اشراف میں یہ بات بکثرت ہو گئی تھی پس اگر کوئی شریف پکڑا جاتا تو اسے یونہی چھوڑ دیتے اور کم درجہ کا پکڑا جاتا تو اسے سنگسار کر دیتے پس ہم نے ایک چیز دونوں کے لئے تجویز کر لی یعنی منہ کالا کرنا اور کوڑے لگانا۔

ومن جملة ذلك انہم کانوا یؤوّلون بشارة هاجر واسمٰعیل علیهما الصلوٰة والسلام ببعثة نبیّ فی اولادهما فیها اشارةٌ بوجود ملةٍ یتم ظهورها وشهرتها فی ارض الحجاز وتمتلی بها جبال عرفة من التلبیة ویقصدون ذلك الموضع من اطراف الاقالیم وهی ثابتةٌ فی التوراة الی الآن فکانوا یؤوّلونها بان ذلك اخبارٌ بوجود هذه الملة وانه لیس فیه امرٌ بالاخذ بها وکانوا یقولون "ملحمة کتبت علینا" ولما کان هذا التاویل رکیکًا فلا یسمعه احدٌ ولا یکاد یصیح عند احدٍ کانوا یتواصون باخفائه ولا یجوّزون اظهاره لکلّ عامٍ وخاصٍ "اتحدّثونهم بما فتح الله علیکم لیحاجّوکم به عند ربّکم" ما اجهلهم کیف تحمّل منّة الله سبحانه وتعالیٰ علیٰ هاجر واسمٰعیل بهذه المبالغة وذکرهذه الامة بهذا التشریف علیٰ[1] ان لا یکون فیه حثٌّ وتحریضٌ وترغیبٌ فی الاخذ بالتدیّن سبحانك هذا بهتانٌ عظیمٌ.

لغات بشارہ خوشخبری، یتم (ض)، تمّا پورا ہونا تمتلی امتلاء پُر ہونا بھر جانا جبال جمع جبل پہاڑ عرفہ مکہ کے قریب ایک پہاڑ کا نام۔ تلبیہ لبیک کہنا اطراف جمع طرف، اقالیم جمع اقلیم ملک، صوبہ۔ ملحمہ گھمسان کی جنگ کا موقعہ، رکیک کمزور، یتواصون تواصیا ایک دوسرے کو وصیت کرنا اخفاء چھپانا۔ ما اجہلہم صیغہ تعجب ہے منّۃ احسان، حث برانگیختہ کرنا، تحریض اکسانا، تدیّن دین اختیار کرنا بہتان جھوٹ۔

ترجمہ از انجملہ یہ ہے کہ وہ تاویل کرتے تھے ان آیات کی جن میں بشارت ہے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو ایک نبی کے مبعوث ہونے کی انکی اولاد میں، جن میں اشارہ ہے ایک ایسے مذہب کی جانب جو سرزمین حجاز میں کامل اشاعت پائے گا اور اس کے سبب سے عرفات کی پہاڑیاں صدائے لبیک سے گونج اٹھیں گی اور تمام اقلیموں کے لوگ اس مقام کی زیارت کا قصد کریں گے، باوجودیکہ یہ آیتیں توریت میں ابتک موجود ہیں پھر بھی یہودی لوگ ان کی یہ تاویل کرتے تھے کہ یہ تو فقط اس مذہب کے آنے کی خبر دیگئی تھی اس میں اس کے اتباع کا امر کہاں ہے؟ اور یہ مقولہ ان کے زبان زد تھا "ملحمۃ کتبت علینا" جنگ ہے جو ہم پر لکھی گئی ہے، چونکہ یہ تاویل نہایت رکیک تھی جس کو نہ کوئی سُنتا تھا نہ کسی کے نزدیک صحیح تھی اسلئے وہ آپس میں ایک دوسرے کو اس راز کے اخفاء کی وصیت کرتے اور ہر کس وناکس کے روبرو اس کا اظہار جائز نہ سمجھتے تھے، کیا جو کچھ خدا نے تم پر توریت میں ظاہر کیا ہے اس کی خبر تم مسلمانوں کو کئے دیتے ہو کہ تمہارے پروردگار کے روبرو اسی بات کی سند پکڑ کر تم سے جھگڑا کریں، افسوس یہودی کس بلا کے جاہل تھے، کیسے محمول کیا جاسکتا ہے خدا تعالیٰ کے حضرت ہاجرہ واسماعیل علیہما السلام پر اس مبالغہ کے ساتھ احسان رکھنے اور اس امت کے اتنے

[1] فی الترجمۃ الصحیحۃ "علی الاخبار بوجودہا ولا یکون فیہ حث اھ" لان النص الفارسی ہکذا "کہ حمل بر اخبار آں می باشد وتحریض بتدین آں نمی بود" ۱۲ عون

الی اخری ذکر کو صرف اس بات پر کہ اس میں فقط آنے کی خبر ہے اور اس مذہب کے اتباع کی ترغیب وتحریض نہیں ہے اللہ تو پاک ہے یہ تو بڑا بہتان ہے

تشریح

قولہ وفیہا اشارۃ لوجود ملۃ الخ کتاب یسعیاہ باب ۴۲ میں ہے "اے سمندر پر گذرنے والو اور اس میں بسنے والو اے جزیروں اور ان کے باشندوں! خداوند کے لئے نیا گیت گاؤ، زمین پر سرتاسر اسی کی ستائش کرو بیابان اور اسکی بستیاں، قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں، سلع کے بسنے والے گیت گائیں پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں، وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں اور جزیروں میں اس کی ثنا خوانی کریں خداوند بہادر کی مانند نکلے گا۔ اھ"

اس عبارت میں "نئے گیت" سے مراد عبادات کے وہ نئے طریقے ہیں جو شریعت محمدی میں پائے جاتے ہیں اور جزیروں، شہروں اور خشکی کے تمام علاقوں کے لئے ان کے عام ہونے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے عام ہونے کی جانب اشارہ ہے بالخصوص لفظ قیدار اسکی طرف قوی اشارہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیدار بن اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ہیں، سلع مدینہ طیبہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے جو قدیم اہل عرب میں بھی اسی نام سے مشہور تھا، قیس بن ذریح کا شعر ہے ؎

لعمرک انی لاحب سلعًا ÷ لرؤیتہ ومن اکناف سلع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی سلع کے نام سے مشہور ومعروف تھا اور آج بھی اسی نام سے مشہور ہے، اب اس جملہ پر غور فرمائیے "سلع کے بسنے والے گیت گائیں" آپ کو معلوم ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مدینہ کی بچیاں یہ عربی نغمہ گا رہی تھیں۔ ؎

طلع البدر علینا ÷ من ثنیات الوداع

اور لطف کی بات یہ ہے کہ ثنیات الوداع درحقیقت کوہ سلع ہی کے سلسلہ کی گھاٹیاں ہیں اور "پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں" الفاظ اس خاص عبادت کی طرف اشارہ ہے جو حج کے زمانہ میں ادا کی جاتی ہے جس میں لاکھوں انسان لبیک اللہم لبیک کی صدا لگاتے ہیں، اور "جزیروں میں اسکی ثنا خوانی کریں" الفاظ اذان کی طرف اشارہ کرتے ہیں کیونکہ کروڑوں انسان دنیا کے مختلف حصوں میں پانچوں وقت بلند آواز سے اذان کہتے ہیں (بائبل سے قرآن تک ص ۲۸۱/۳)

قولہ اتحدثونہم الخ یعنی تم اپنی کتاب کی سند ان کے ہاتھوں میں کیوں دیتے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ مسلمان تمہارے پروردگار کے آگے تمہاری خبر دی ہوئی باتوں سے تم پر الزام قائم کریں گے کہ پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح جان کر بھی ایمان نہ لائے اور تم کو لاجواب ہونا پڑیگا۔ (فوائد عثمانیہ)

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

أمّا الإفتراءُ فالسببُ فيه دخولُ التعمّقِ والتشدّدِ على أحبارِهم ورُهبانِهم

لغات، افترار کسی پر جھوٹ بولنا، تعمق گہری نظر ڈالنا، چرب زبانی سے گفتگو کرنا، تشدد سختی برتنا احبار جمع حبر بڑا عالم، رہبان جمع راہب گرجاؤں کا گوشہ نشیں۔

ترجمہ

بہرحال افترا سو اس کا سبب وہ بے حد تشدد ہے جس نے ان کے علماء و مشائخ کے اطوار میں راہ پائی تھی۔

تشریح

قولہ دخول التعمق الخ شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اسباب تحریف یعنی تعمق، تشدد، استحسان اور استنباطات واہیہ پر نہایت نفیس کلام کیا ہے اور ان میں سے ہر ایک کی حقیقت کو پورے طور پر واضح کیا ہے چنانچہ تعمق کی بابت فرماتے ہیں۔

وحقيقته ان يأمر الشارع بأمر وينهى عن شيء فيسمعه رجل من امته ويفهمه حسب ما يليق بذهنه فيعدي الحكم الى ما يشاكل الشيء بحسب بعض الوجوه او لبعض اجزاء العلة او الى اجزاء الشيء و مظانه ودواعيه وكلما اشتبه عليه الامر لتعارض الروايات التزم الاشد ويجعله واجبا ويحمل كل ما فعله النبي صلى الله عليه وسلم على العبادة والحق انه فعل اشياء على العادة فيظن ان الامر والنهي شملا هذه الامور فيجهر بان الله تعالى امر بكذا ونهى عن كذا كما ان الشارع لما شرع الصوم لقهر النفس ومنع عن الجماع فيه ظن قوم ان السحور خلاف المشروع لانه يناقض قهر النفس وانه يحرم على الصائم قبلة امرأته لانها من دواعي الجماع و لانها تشاكل الجماع في قضاء الشهوة فكشف رسول الله صلى الله عليه وسلم عن فساد هذه المقالة وبين انه تحريف۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ شارع کسی چیز کا حکم یا کسی شئ سے ممانعت کرے اور کوئی امتی اپنی فہم کے مطابق سمجھ کر اسکو ان امور میں تجویز کرے جو کسی وجہ سے اصل شئ کے مشابہ ہوں یا انمیں اس حکم شرعی کی علت کے بعض اجزاء پائے جاتے ہوں، یا اس شئ کے اجزاء یا اسکے محتمل مواقع یا اسکے اسباب میں تجویز کرے اور جب بوجہ تعارض روایات اسکو کسی امر میں شبہ ہو تو اشد کی پابندی کر کے اسکو واجب قرار دے اور آنحضرت صلعم کے تمام افعال کو عبادت پر محمول کرے حالانکہ آپنے بہت سے کام بطریق عادت بھی کئے ہیں مگر وہ امر و نہی کو شامل امور عادیہ سمجھ کر علی الاعلان کہنے لگے کہ خدا نے اس کا حکم یا اس سے منع کیا ہے، مثلاً شارع نے قہر نفس کیلئے روزہ مقرر کیا اور بحالت صوم جماع سے منع کیا تو بعض لوگوں نے سحر کا کھانا خلاف مشروع سمجھ لیا کیونکہ وہ قہر نفس کے خلاف ہے اور صائم کیلئے بیوی کا بوسہ لینا بھی حرام سمجھ لیا کیونکہ یہ دواعی جماع اور قضاء شہوت میں مشاکل جماع ہے پس نبی صلعم نے اس قول کی خرابی بیان فرما دی اور بتا دیا کہ یہ دین میں تحریف ہے۔

وحقيقته اختيار عبادات شاقة لم يأمر بها الشارع كدوام الصيام والقيام والتبتل وترك التزوج وان يلتزم السنن والآداب كالتزام الواجبات وهو حديث۔ نهى النبي صلى الله عليه وسلم عبد الله بن عمرو وعثمان بن مظعون عما قصدا من العبادات الشاقة وهو قوله صلى الله عليه وسلم لن يشاد الدين احد الا غلبه فاذا صار هذا المتعمق او المتشدد معلم قوم ورئيسهم ظنوا ان هذا امر الشارع ورضاه و هذا داء رهبان اليهود والنصارى

اس کی حقیقت یہ ہے کہ جن شاق امور کا شارع نے حکم نہیں کیا انکی پابندی کیجائے جیسے ہمیشہ روزہ رکھنا رات بھر نماز پڑھنا ترک دنیا ہونا شادی نہ کرنا، واجبات کیطرح مستحبات و سنن کی پابندی کرنا آنحضرت صلعم نے ابن عمر اور عثمان بن مظعون کو عبادات شاقہ کا قصد کرنے پر اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا: کوئی دین کا مقابلہ نہیں کرتا مگر یہ کہ دین اس پر غالب ہی رہتا ہے جب ایسا متعمق و متشدد شخص کسی قوم کا معلم و رئیس بن جائے تو لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ شرع کا حکم اور شارع کی مرضی ہے یہودی اور نصرانی راہبوں میں یہی بیماری تھی۔

والاستحسانُ يعني استنباطَ بعضِ الاحكام لادراكِ بعضِ المصلحةِ فيه بدُونِ نصِّ الشارع

لغات :۔ استحسان اچھا جاننا، استنباط اپنی سمجھ سے باطنی معنی کو نکالنا، نص صراحت۔

ترجمہ :۔ اور استحسان یعنی بدون شارع کی تصریح کے بعض احکام کا صرف اسلئے کہ ان میں کوئی مصلحت ہے استنباط کرنا

تشریح :۔ قولہ والاستحسان الخ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس کی حقیقت یہ بیان کی ہے کہ :۔

ان یری رجل الشارع یضرب لکل حکمۃ مظنۃ مناسبۃ ویراہ یعقد التشریع فیختلس بعض ما ذکرنا من اسرار التشریع فیشرع للناس حسب ما عقل من المصلحۃ کما ان الیہود رأوا ان الشارع انما امر بالحدود زجرًا عن المعاصی وللاصلاح ورأوا ان الرجم یورث اختلافاً وتقاتلا بحیث یکون فی ذلک اشد الفساد واستحسنوا تحمیم الوجہ والجلد فبین النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ تحریف ونبذ لحکم اللہ المنصوص فی التوراۃ بآرائہم عن ابن سیرین قال اول من قاس ابلیس وما عبدت الشمس والقمر الا بالمقاییس، وعن عمر رضی اللہ عنہ قال یہدم الاسلام زلۃ العالم وجدال المنافق بالکتاب وحکم الائمۃ المضلین، والمراد بہذا کلہ مالیس استنباطا من کتاب اللہ وسنۃ رسولہ۔

جب کوئی شخص شارع کو ہر حکم کے لئے مناسب موقع تجویز کرتے ہوئے دیکھتا اور امور شرعی کو منضبط کرتے ہوئے پاتا ہے تو امور شرعی کے بعض اسرار جن کو ہم ذکر کر چکے ہیں معلوم کر لیتا ہے اور اپنی فہم کے مطابق مصلحت کا لحاظ کر کے لوگوں کے لئے احکام جاری کرتا ہے مثلاً جب یہود نے دیکھا کہ شارع نے حدود کا اسلئے حکم دیا ہے کہ لوگ گناہوں سے باز رہیں اور انکی اصلاح ہو جائے اور پھر خیال کیا کہ رجم سے اختلاف اور جنگ و جدال پیدا ہوتا ہے اور اسمیں اور زیادہ فساد کا اندیشہ ہے تو انھوں نے زانی کا منہ سیاہ کرنا اور تازیانے مارنا اختیار کر لیا پس نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ یہ مذہب میں تحریف ہے اور توریت کے حکم منصوص کے بالکل خلاف ہے، ابن سیرین سے منقول ہے کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا اور چاند سورج کی عبادت قیاس کی وجہ سے ہوئی ہے حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ عالم کی لغزش، منافق کا کتاب الٰہی سے جھگڑنا اور گمراہ اماموں کا حکم کرنا اسلام کو منہدم کر دیتا ہے۔ ان سب سے وہی امور مراد ہیں جو کتاب و سنت سے مستنبط نہ ہوں۔

(تنبیہ) یہاں جو استحسان مراد ہے اس کی تشریح شاہ صاحب کے قول سے اوپر گزر چکی، اصولیین کی اصطلاح میں استحسان در حقیقت قیاس ہی کی ایک نوع ہے جو ادلہ اربعہ میں داخل ہے اور کسی وجہ سے قیاس جلی کو ترک کر کے اس کو اختیار کیا جاتا ہے، ان کی اصطلاح میں استحسان (قیاس خفی) اس دلیل کو کہتے ہیں جو قیاس جلی کے معارض ہو یعنی قیاس جلی ایک حکم کو چاہتا ہو اور اثر، اجماع اور قیاس خفی اس کی ضد کو چاہتا ہو تو قیاس کو چھوڑ کر استحسان کی طرف رجوع کیا جائیگا یہاں استحسان کے یہ معنی مراد نہیں ہیں۔

(محمد حنیف غفرلہ گنگوہی)

وترویجُ الاستنباطاتِ الوَاهیۃِ فالحقوا اَتباعُہ بالاصل وکانوا یَزعمون انّ اتفاقَ سَلفِہم من الحِجَجِ القاطعۃِ فلیس لہم فی انکارِ نبوۃِ عیسٰی علیہ الصلاۃ والسلام مُستندٌ الّا اقوال السَلَفِ وکذلک فی کثیرٍ من الاحکام

لغات: ترویج رائج کرنا، واھیہ کمزور، اتباع جمع تابع بمعنی پیرو، سلف سابق بزرگاں۔ حجج جمع حجۃ دلیل۔

ترجمہ: اور ان بیہودہ استنباطات کو رواج دینا جن کو ان کے اتباع نے اصل کتاب میں ملا دیا، کیونکہ وہ اپنے سلف کے اتفاق کو دلائل قطعیہ خیال کرتے تھے چنانچہ ان کے پاس حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نبوت کے انکار پر سوائے اقوال سلف کے اور کوئی دلیل نہ تھی اسی طرح اور بہت سے احکام میں یہی بات تھی۔

تشریح:- قولہ ان اتفاق سلفہم الخ اسی کو شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں "اتباع الاجماع" سے تعبیر کیا ہے جس کی تشریح یوں فرماتے ہیں کہ:-

"حقیقتہ ان یتفق قوم من حملۃ الملۃ الذین اعتقد العامۃ فیہم الاصابۃ غالبًا اودائمًا علی شئ فیظن ان ذلک دلیل قاطع عن ثبوت الحکم وذلک فیما لیس لہ اصل من الکتاب و السنۃ وہذا غیر الاجماع الذی اجمعت الامۃ علیہ فانہم اتفقوا علی القول بالاجماع الذی مستندہ الکتاب والسنۃ اوالاستنباط من احدہما ولم یجوزوا القول بالاجماع الذی لیس مستندا الٰی احدہما وہو قولہ تعالٰی "وَاِذَا قِیْلَ لَہُمُ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَیْنَا عَلَیْہِ آبَاءَنَا" الآیۃ وما تمسکت الیہود فی نفی نبوۃ عیسٰی ومحمد علیہما الصلوٰۃ والسلام الا بان اسلافہم فحصوا عن حالہما فلم یجدوہما علی شرائط الانبیاء والنصاری لہم شرائع کثیرۃ مخالفۃ للتوراۃ والانجیل لیس لہم متمسک الا اجماع سلفہم۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ حاملین دین کا ایک فرقہ جنکی نسبت عام لوگوں کا یہ گمان ہو کہ انکی رائے اکثر یا ہمیشہ درست ہوتی ہے کسی امر پر اتفاق کرے اور اس اتفاق کو ثبوت حکم کے لئے قطعی دلیل تصور کر لیا جائے اور یہ اجماع اس امر میں ہے جس کی قرآن و حدیث میں کوئی اصل نہیں ہے، اور یہ اس اجماع کے خلاف ہے جس پر امت کا اتفاق ہے کیونکہ وہ ایسے اجماع پر متفق ہیں جس کی سند قرآن و حدیث میں ہو یا ان میں سے کسی سے مستنبط ہو، ایسے اجماع کو جائز قرار نہیں دیا جس کی سند قرآن و حدیث میں نہیں ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے "جب کفار سے کہا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لے آؤ جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے" اور یہودیوں کی دلیل حضرت عیسٰیؑ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے انکار میں یہی تھی کہ ان کے بزرگوں نے انکے حالات کی چھان بین کی اور انبیاء کے شرائط ان میں نہیں پائے عیسائیوں کے بہت سے احکام توریت و انجیل کے بالکل خلاف ہیں اور ان کی دلیل صرف ان کے بزرگوں کا اجماع ہی ہے۔

وَاَمَّا التَّسَاهُلُ فِی اِقَامَةِ اَحْکَامِهَا وَارْتِکَابُ الْبُخْلِ وَالْحِرْصِ فَظَاهِرٌ اَنَّهُ مُقْتَضَی النَّفْسِ الْاَمَّارَةِ وَلَا یَخْفٰی اَنَّهَا تَغْلِبُ النَّاسَ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰہُ ۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِلَّا اَنَّ هٰذِہِ الرَّذِیْلَةَ قَدْ تَلَوَّنَتْ فِیْ اَهْلِ الْکِتَابِ بِکَیْفِیَّةٍ اُخْرٰی کَانُوْا یَتَکَلَّفُوْنَ تَصْحِیْحَهَا بِتَاوِیْلٍ فَاسِدٍ وَکَانُوْا یُظْهِرُوْنَهَا فِیْ صُوْرَةِ التَّشْرِیْعِ۔

لغات:۔ تساہل کوتاہی برتنا، الامّارۃ برائیوں کا حکم کرنے والا، رذیلہ نالائقی، بری عادت، تلونت تلوّنًا رنگین ہونا، تشریع راستہ ظاہر کرنا، قانون مقرر کرنا۔

ترجمہ:۔ رہا احکام توریت کی تعمیل میں تساہل اور بخل و حرص کا ارتکاب سو صاف ظاہر ہے کہ یہ نفس امارہ کے اقتضاءات ہیں نفس امارہ بلاشبہ ہر شخص پر غالب ہے الا ماشاء اللہ «بیشک نفس برائی کی ترغیب دینے والا ہے مگر میرا پروردگار جس پر رحم کرے» مگر اس بری خصلت نے اہل کتاب میں دوسرا ہی رنگ چڑھایا تھا اور وہ یہ کہ سیودھا اپنے استنباطات کی تصحیح میں تاویلات فاسدہ کے ذریعہ سے بڑا زور لگاتے اور اس کو شریعت کے رنگ میں ظاہر کرتے تھے۔

تشریح

قولہ واما التساہل الخ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے فرماتے ہیں کہ

وحقیقتہ ان یخلف بعد الحواریین خلف اضاعوا الصلوٰۃ و اتبعوا الشہوات لا یہتمون باشاعۃ الدین تعلما و تعلیما وعملا ولا یامرون بالمعروف ولا ینہون عن المنکر فینعقد عما قریب رسوم خلاف الدین وتکون رغبۃ الطبائع خلاف رغبۃ الشرائع فیجیء خلف آخرون یزیدون فی التہاون حتی ینسی معظم العلم والتہاون من سادۃ القوم وکبرائہم اضر بہم واکثر افسادا وبہذا السبب ضاعت ملۃ نوح وابراہیم علیہما السلام فلم یکد یوجد منہم من یعرفہا علی وجہہا ومبدأ التہاون امور

اس کی حقیقت یہ ہے کہ حواریین کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوجاتے ہیں جو نمازوں کو ضائع اور خواہشات کا اتباع کرتے ہیں درس و تدریس اور عمل کے ذریعہ اشاعت دین کی سعی نہیں کرتے اور نہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہیں اسی واسطے بہت جلد مذہب کے خلاف رسمیں قائم اور طبیعتیں خلاف شرع امور کی جانب راغب ہوجاتی ہیں پھر اور ناخلف آتے ہیں جو سستی میں ان سے بڑھ کر ہوتے ہیں یہاں تک کہ علم کا بیشتر حصہ بھلا دیا جاتا ہے۔ بزرگان قوم اور سرداروں کی سستی لوگوں کے حق میں زیادہ ضرر رساں اور باعث

منہا عدم تحمل الروایۃ عن صاحب الملۃ والعمل بہ وہو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بہذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ

فساد ہے اسی سبب سے حضرت نوح ؑ اور ابراہیم ؑ کا مذہب نیست و نابود ہوگیا یہاں تک کہ کوئی بھی مذہب کی اصلی حالت جاننے والا نہ رہا اور سستی کے اسباب چند امور ہیں

از آں جملہ صاحب مذہب سے مذہبی امور کا نقل نہ کرنا اور ان پر عمل نہ کرنا ہے حضور صلعم کا ارشاد ہے "خبردار عنقریب ایسا ہوگا کہ پیٹ بھرا آدمی اپنی مسند پر بیٹھ کر یہ کہیگا کہ اس قرآن کو مضبوطی سے لو اور اس میں جو چیزیں تم حلال پاؤ ان کو حلال اور

وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ
وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم " ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ
من الناس ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالم
اتخذ الناس رؤسا جہالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا "
ومنہا الاغراض الفاسدۃ الحاملۃ علی التاویل الباطل کطلب
مرضاۃ الملوک فی اتباعہم الہوی لقولہ تعالی " ان الذین
یکتمون ما انزل اللہ من الکتاب ویشترون بہ ثمنا قلیلا
اولئک ما یاکلون فی بطونہم الا النار " ومنہا شیوع المنکرات
وترک علمائہم النہی عنہا وہو قولہ تعالی " فلولا کان من
القرون من قبلکم اولوا بقیۃ ینہون عن الفساد فی الارض
الا قلیلاً ممن انجینا منہم واتبع الذین ظلموا ما اترفوا فیہ
وکانو مجرمین ۔"

وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لما وقعت بنوا اسرائیل فی المعاصی
نہتہم علماؤہم فلم ینتہوا فجالسوہم فی مجالسہم واکلوہم و
شاربوہم فضرب اللہ قلوب بعضہم ببعضہم ولعنہم علی
لسان داؤد وعیسی بن مریم ذلک بما عصوا وکانوا
یعتدون ۔

جو چیزیں حرام پاؤ ان کو حرام سمجھو، حالانکہ جو شئی اللہ کے رسول
نے حرام کی ہے وہ ویسی ہی حرام ہے جیسے اللہ نے حرام کی ہے "
اور حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ " حق تعالیٰ علم کو لوگوں کے دلوں
سے بھلا کر نہ اٹھائیگا بلکہ علماء کو ختم کر کے علم چھین لیگا یہاں
تک کہ جب کوئی بھی عالم نہ رہیگا تو لوگ جاہلوں کو سردار
بنالیں گے جو مسائل دریافت کرنے پر بغیر علم کے فتویٰ دیکر خود
بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے ۔
ازاں جملہ اغراض فاسدہ ہیں جنکی خاطر لوگ جھوٹی تاویلیں کرتے
ہیں جیسے بادشاہوں کی خوشنودی کی خاطر انکی خواہشات پوری
کرنے کے لئے لوگ کرتے ہیں، ارشاد باری ہے " بیشک جو لوگ
چھپاتے ہیں جو کچھ نازل کی اللہ نے کتاب اور لیتے ہیں اس پر
تھوڑا سا مول وہ نہیں بھرتے اپنے پیٹ میں مگر آگ " ۔ انا نجملہ برائیوں
کا پھیلنا اور علماء کا لوگوں کو ان سے نہ روکنا ہے ارشاد باری ہے،
" سو کیوں نہ ہوئے ان جماعتوں میں جو تم سے پہلے تھیں ایسے لوگ
جن میں اثر خیر رہا ہو کہ منع کرتے رہتے بگاڑ کرنے سے ملک میں
مگر تھوڑے کہ جن کو ہم نے بچا لیا ان میں سے اور پیچھے پڑے رہے
ظالم لوگ اسی چیز کے جس میں ان کو عیش ملا اور تھے گنہگار "

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ " جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہوگئے تو ان کے علماء نے ان کو روکا لیکن
وہ باز نہ آئے پس علماء بھی ان کی مجلسوں میں شریک ہونے لگے اور ان کے ساتھ کھانے پینے لگے تو خدا نے سب کے
دل یکساں کر دیئے اور حضرت داؤد و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے ان پر لعنت کی، یہ لعنت ان کی نافرمانی
اور حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ہوئی ۔

(تتمہ) اسباب تحریف میں سے ایک مذہب کو دوسرے میں خلط ملط کر دینا بھی ہے اور یہ اسطرح ہوتا ہے کہ جب
انسان کسی مذہب کا پابند ہوتا ہے تو اس کا دلی تعلق اس مذہب کے علوم سے ہوتا ہے پھر وہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے لیکن اس کا قلبی
میلان انہی علوم کی جانب باقی رہتا ہے جن کے جواز کے لئے وہ ملت اسلام میں کوئی وجہ تلاش کرتا ہے خواہ ضعیف یا موضوع ہی
کیوں نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ " بنی اسرائیل کا معاملہ درست رہا حتی کہ ان میں مخلوط النسل لوگ اور قیدیوں
کی اولاد پیدا ہوئی تب انھوں نے رائے سے کہنا شروع کیا وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا ۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

(محمد حنیف غفرلہ گنگوہی)

وَأَمَّا استبعادُ رسالةِ نبيّنا صلى الله عليه وسلم فسببُه اختلافُ عاداتِ الانبياء واحوالهم في الإكثار
التزوّج والإقلالِ وما أشبه ذلك واختلافُ شرائعهم واختلافُ سنةِ الله في معاملة الانبياء
وبعثةُ النبيّ من وُلدِ إسمٰعيل ولقد كان جمهورُ الانبياء من بني اسرائيل وأمثالُ ذلك والاصلُ
في هذه المسئلة أنّ النبوّةَ بمنزلةِ اصلاحِ نفوسِ العالَم وتسويةِ عاداتهم وعباداتهم لا ايجادًا لاصولِ
برّ او اثمٍ ولكلّ قومٍ عادةٌ في العبادات وتدبير المنزلِ والسياسةِ المدنيةِ فاذا حدثتِ النبوّةُ في
اولئك القوم لا تنفي تلك العادةُ بالمرّة ولا تستأنف ايجادَ عادةٍ أُخرى بل يُميّز النبيُّ من العادات
ما كان على القاعدة موافقًا لما يرضى الله سبحانه وتعالى فيُبقيه وما كان منها بخلاف ذلك
فيُغيّره بقدر الضرورة والتذكيرُ بآلاءِ الله وبأيّامِ الله ايضًا يكون على هذا الأسلوب كما يكون شائعًا
فيما بينهم فبالعوتها اختلفتْ شرائعُ الانبياء بهذه النكتة ومثل هذا الاختلاف كاختلاف الطبيب اذا
دبّر امرَ المريضَيْن فيصِفُ لاحدهما دواءً باردًا وغذاءً باردًا ويأمُرُ الآخرَ بدواءٍ حارٍّ وغذاءٍ حارٍّ وغرضُ
الطبيب في الموضعَيْن واحدٌ وهو اصلاحُ الطبع وازالةُ المفسدِ لا غير وقد يصِفُ في كلّ اقليمٍ دواءً و
غذاءً على حدةٍ بحسبِ عادة الاقليم ويختار في كلّ فصلٍ تدبيرًا موافقًا بحسب طبع الفصل وهكذا
الحكيمُ الحقيقي جلّ مجدُه لما أراد ان يُعالجَ مَن ابتلي بالمرض النفساني ويُقوّي الطبعَ و
القوّةَ الملكيةَ ويُزيل المفسدَ اختلفتِ المعالجةُ بحسب اختلاف اقوامِ كلّ عصرٍ واختلافِ
عاداتهم ومشهوراتهم ومسلّماتهم، وبالجملة فان شئتَ ان ترى انموذجَ اليهودِ فانظُرْ الى علماءِ السوءِ
من الذين يطلبون الدنيا وقد اعتادوا تقليدَ السلفِ وأعرضوا عن نصوصِ الكتاب والسنة و
تمسّكوا بتعمّقِ عالِمٍ وتشدّدِه واستحسانِه فاعرضوا عن كلامِ الشارعِ المعصومِ و
تمسّكوا باحاديثَ موضوعةٍ وتاويلاتٍ فاسدةٍ كانتْ[عه] سببَ هلاكهم۔

لغات:۔ اکثار بہت کرنا، اقلال کم کرنا، شرائع جمع شریعۃ۔ سنۃ طریقہ، تسویۃ درست کرنا، برّ نیکی، اثم گناہ
بالمرّۃ ایکدم، تستانف استیناف از سر نو کرنا۔ یبقیہ ابقاءً باقی رکھنا، دبّر غور کرنا، بارد ٹھنڈی، حار گرم، اقلیم ملک
انموذج مثال۔ نمونہ۔

ترجمہ

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو مستبعد خیال کرنے کا سبب انبیاء علیہم السلام کی عادات اور انکے احوال کا مختلف ہونا ہے نکاح کے زیادہ یا کم کرنے میں اور اسی کے مثل اور باتوں میں، اور ان کے شرائع کا اختلاف اور معاملات انبیاء میں سنۃ اللہ کا اختلاف اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں مبعوث

عہ کانت سبب ہلاکہم الترجمۃ المطابقۃ للنص الفارسی ہکذا، فانظر کأنہم ہم ۱۲ عون

فرمانا جبکہ جمہور انبیاء بنی اسرائیل (اولاد یعقوب) سے ہوتے آئے ہیں وغیرہ وغیرہ، اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ نبوت دراصل نفوسِ عالم کی اصلاح اور ان کی عادات وعبادات کی درستی کا مرتبہ رکھتی ہے نہ کہ نیکی اور بدی کے اصول کی ایجاد کا منصب، اور ہر قوم کی ایک خاص عادت ہوتی ہے اپنی عبادات، تدبیر منزل اور سیاست مدنی میں، پس جب نبوت اس قوم میں آئے تو وہ ان کی قدیم عادات کو ایک دم ختم کرکے جدید اصول قائم نہ کریگی بلکہ نبی ان خصائل کو باہم متمیز کرکے جو باقاعدہ اور خدا کی مرضی کے موافق ہوں ان کو برقرار رکھے گا اور جو اس کے خلاف ہوں ان میں بقدر ضرورت تغیر کریگا، اور تذکیر بآلاء اللہ اور تذکیر بایام اللہ بھی اسی اسلوب پر ہوتی ہے جو اُن کے یہاں شائع ہو اور جس سے وہ مانوس ہوں، اسی نکتہ کے باعث انبیاء کی شریعتیں باہم مختلف ہوگئی ہیں اور اس اختلاف کی مثال اختلاف طبیب کی سی ہے جبکہ وہ دو مختلف الحال مریضوں کی تدبیر کرتا ہے پس ان میں سے ایک کے لئے سرد دوائیں اور غذائیں تجویز کرتا ہے اور دوسرے کے واسطے گرم غذا اور دوا کا حکم دیتا ہے اور طبیب کی غرض دونوں جگہ ایک ہے یعنی طبیعت کی اصلاح اور ازالہ مرض کے سوا اور کچھ منظور نہیں، اور کبھی ہر اقلیم میں وہاں کے باشندوں کے مناسب دوائیں اور غذائیں الگ الگ تجویز کرتا اور ہر فصل وموسم میں اس کے مقتضاد کے موافق تدبیر اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح جب حکیم حقیقی جل مجدہٗ نے بیماران امراض نفسانی کا علاج کرنا چاہا اور اُن کی تقویتِ طبع، تقویتِ ملکہ اور ازالۂ مفاسد اس کو منظور ہو تو ان اقوام اور ان کی عادات کے اختلاف کے باعث اور ہر زمانہ کے مشہورات ومسلمات کی وجہ سے معالجہ مختلف ہوگیا، غرضکہ اگر تم اس امت میں یہود کا نمونہ دیکھنا چاہو تو ان علماء سوء کو دیکھ لو جو دنیا کے طالب اور اپنے اسلاف کی تقلید کے خوگر اور کتاب وسنت سے روگردانی کرنیوالے ہیں اور جو عالموں کے تعمق اور تشدد یا ان کے بے اصل استنباط کو سند ٹھیرا کر معصوم شارع کے کلام سے بے پروا ہوگئے ہیں اور موضوع حدیثوں اور فاسد تاویلوں کو اپنا مقتدا بنا رکھا ہے۔

تشریح:- قولہ بلا تمیز النبی الخ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ "جب کوئی پیغمبر لوگوں میں مبعوث ہوتا ہے تو ہر شئی کو اس کی اصل حالت کی طرف پھیر لاتا ہے" وہ پہلی شریعت کے احکام میں غور کرتا ہے پس ان میں جو امور شعائر اللہ ہوتے ہیں جن میں شرک کی آمیزش نہیں ہوتی یا عبادات کے طریقے یا انتظامی امور کے طریقے جو مذہبی قوانین کے مطابق ہوتے ہیں ان سب کو وہ باقی رکھتا ہے اور جو نابود ہوجاتے ہیں ان کا مہتم بالشان ہونا بتاتا ہے اور ہر شئی کے ارکان واسباب بیان کرتا ہے اور جو تحریف اور سستی کے امور ہوتے ہیں ان کو دور کرتا ہے اور بتلا دیتا ہے کہ یہ باتیں مذہب میں سے نہیں ہیں اور جو احکام اس زمانہ کی مصلحتوں پر مبنی تھے پھر اختلاف عادات کی وجہ سے وہ مواقع مصلحت بدل گئے تو نبی ان احکام کو بدل دیتا ہے کیونکہ احکام مشروع کرنے سے مقصود اصلی مصلحتیں ہی ہیں۔

محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

أَمَّا النَّصَارىٰ فكانوا مؤمنين بعيسىٰ عليه الصلوٰة والسلام وكان من ضَلالتِهم انهم يَزْعُمُونَ اَنَّ اللّٰهِ سبحانه وتعالىٰ ثلاث شُعَب متغايرة بوجهٍ متحدة باٰخر و يسمّون الشُّعَبَ الثلاثةَ اقانيمَ ثلاثة

لغات :- ضلالۃ گمراہی، شعب جمع شعبہ ٹکڑا، حصہ۔ اقانیم جمع اُقنوم سریانی لفظ ہے بمعنی شخص، اصل۔

ترجمہ :- بہرحال نصاریٰ سو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے۔ اور ان کی گمراہی یہ تھی کہ انھوں نے بزعم باطل خداوند تعالیٰ کو ایسے تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا جو بعض وجوہ سے متغائر اور بعض وجوہ سے متحد ہوں اور ان تین حصوں کو وہ اقانیم ثلاثہ کہتے تھے۔

تشریح

قولہ اما النصاریٰ الخ نصاریٰ نصرانی کی جمع ہے وہ لوگ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبع ہیں، اس کا ماخذ یا تو نصر ہے جس کے معنی مدد کرنے کے ہیں اور یا نصرانی (خلاف قیاس) ناصرۃ کی طرف منسوب ہے جو ملک شام میں اس بستی کا نام ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش تھی، نسبت کے لئے قیاس کے مطابق ناصری ہے اسی لئے انکو "مسیح ناصری" کہتے ہیں۔ جو لوگ اپنے کو نصاریٰ کہتے تھے وہ گویا اس بات کے مدعی تھے کہ ہم خدا کے سچے دین اور پیغمبروں کے حامی و ناصر اور حضرت مسیح ناصری کے متبع ہیں۔ اس زبانی دعوے اور لقبی تفاخر کے باوجود دین کے معاملہ میں جو رویہ تھا وہ کتاب میں آرہا ہے۔

قولہ فکانوا مومنین الخ آغاز امر میں نصرانیت ایک صحیح دین توحید تھا جو قوم یہود کو زہد کی ترغیب اور آخرت کی دعوت دیتا تھا کیونکہ حضرت مسیحؑ کی رسالت عام نہ تھی بلکہ خاص ان کی قوم یہود کے لئے تھی چنانچہ انجیل متی کے دسویں باب کی پانچویں اور چھٹی آیت میں ہے: "الی طریق امم لا تمضوا، والی مدینۃ السامیین لا تدخلوا، بل اذہبوا بالحری الی خراف بیت اسرائیل الضالۃ" اسی طرح پندرہویں باب کی چوبیسویں آیت میں ہے "لم اُرسل الا الی خراف بیت اسرائیل الضالۃ"۔

دائرۃ المعارف میں جابجا اس کا اقرار موجود ہے کہ ابتداء میں لوگوں کا نظریہ حضرت مسیحؑ کی بابت یہی تھا کہ وہ عام انسانوں کی طرح ایک انسان ہیں البتہ حق تعالیٰ نے ان کو شرف وحی سے نوازا ہے، ہم یہاں اس کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

(۱) ان عقیدۃ الثالوث وان لم یکن موجودۃ فی کتب العہد الجدید (الانجیل) ولا فی اعمال الآباء الرسولیین ولا فی تلامیذہم الاقربین، الا ان الکنیسۃ الکاثولیکیۃ والمذہب البروتستنتی الواقف مع التقلید یزعمون ان عقیدۃ التثلیث کانت مقبولۃ عند المسیحیین فی کل زمان رغما

عقیدۂ ثالوث گو موجود نہ تھا عہد جدید کی کتابوں میں یعنی انجیل میں نہ اعمال آباء رسولیین میں اور نہ ان کے قریبی تلامذہ میں مگر کنیسہ کاتھولیکیہ اور پروٹسٹنٹی مذہب کا خیال ہے کہ عقیدۂ تثلیث مقبول تھا مسیحیین کے نزدیک ہر زمانہ میں ان تاریخی ادلہ کے بالکل خلاف جو ہم کو

عن ادلة التاريخ الذی يرينا كيف ظهرت هذه العقيدة و كيف نمت، نعم ان العادة فی التعميد كانت ان يذكر عليه اسم الاب والابن والروح القدس ولكننا نشرك ان هذه الكلمات كان لها مدلولات غير ما يفهم منها الآن نصاری اليوم وان تلاميذ المسيح الاولين الذين عرفوا شخصه وسمعوا قوله كانوا ابعد الناس عن اعتقاد انه احد الاركان الثلاثة المكوّن للذات الخالق وما كان بطرس حواريه يعتبره الا رجلا موحی اليه من عند الله.

یہ بتاتی ہیں کہ یہ عقیدہ کیسے ظاہر ہوا اور کسطرح اس نے نشوونما پائی، البتہ رسم تعمید میں یہ عادت تھی کہ اس پر آب، ابن اور روح القدس کا نام لیا جاتا تھا مگر ہم تم کو دکھلائیں گے کہ ان تینوں کلمات کے جو مدلولات تھے وہ اس کے علاوہ ہیں جو آج کے نصاری سمجھتے ہیں اور حضرت مسیح کے اولین تلامذہ جنھوں نے ان کی ذات کو اچھی طرح جانا پہچانا اور ان کی باتوں کو سنا ہے وہ اس اعتقاد سے بہت دور تھے کہ حضرت مسیح ارکان ثلاثہ میں سے ایک رکن مکوّنِ ذاتِ خالق ہیں، نیز بطرس حواری بھی آپکو ایک انسان سمجھتے جنکی طرف حق تعالیٰ کیجانب سے وحی کی جاتی تھی۔

(۲) كان الشان فی تلك العصور ان عقيدة انسانية عيسیٰ كانت غالبة مدة تكوّن الكنيسة الاولی من اليهود المتنصرين فان الناصريين والايبيونيتين وجميع الفرق النصرانية التی تكوّنت من اليهودية اعتقدت بان عيسیٰ انسانا محضا مؤيدا بالروح القدس وما كان احد يتهمهم اذ ذاك بانهم مبتدعون او ملحدون۔

اس زمانہ میں حال یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ عم کے انسان ہونے کا عقیدہ یہود متنصرین کے کنیسۂ اولیٰ کے جنم لینےکی مدت تک غالب تھا چنانچہ نصاری ناصریین، ایبیونیتین اور تمام نصرانی فرقے اس بات کے معتقد تھے کہ حضرت عیسیٰ محض ایک انسان ہیں جو مؤید بالروح القدس ہیں اس وقت ان کو کوئی بھی مبتدع یا ملحد ہونے کی تہمت لگانے والا نہ تھا۔

(۳) قال جوستن مارشير وهو مؤرخ لاتينی فی القرن الثانی انه كان فی زمنه فی الكنيسة مؤمنون يعتقدون ان عيسیٰ هو المسيح ويعتبرونه انسانا محضا وان كان ارقیٰ من غيره من الناس وحدث بعد ذلك انه كلما نمی عدد من تنصر من الوثنيين ظهرت عقائد جديدة لم تكن من قبل.

(منقول از معجم العلمی)

جوستن مارشیر جو قرن ثانی کا لاتینی مؤرخ ہے کہتا ہے کہ اس کے زمانہ میں کنیسہ میں جتنے مومن تھے وہ اسی کے معتقد تھے کہ حضرت عیسیٰ ہی مسیح ہیں اور ان کو وہ لوگ ایک انسان ہی خیال کرتے تھے اگرچہ وہ اور لوگوں کے لحاظ سے مرتبہ میں بہت بلند تھے، اس کے بعد نصاریٰ وثنیین کی جتنی تعداد بڑھتی گئی اتنے ہی نئے نئے عقائد ظاہر ہوتے گئے جو اس سے پہلے نہ تھے۔

بہرکیف ان نقول سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتداء میں یہ دین خالص دین توحید اور ہر قسم کی لغویات سے پاک تھا، لیکن بعد میں جب پولس رسول (شاول) اٹھا اور اس نے غیر یہود کو بھی اس دین میں داخل ہونے کی دعوت دی تو عقیدۂ تثلیث گھڑ کر پیش کیا جس سے یہ دین توحید سے تثلیث کیطرف نکل گیا، دائرۃ المعارف میں ہے:۔

اما بولس فانہ خالف عقیدۃ التلامیذ الاقربین لعیسیٰ وقال ان المسیح ارقی من انسان وہو نموذج انسان جدید ای عقل سام متولد من اللہ وکان موجودًا قبل ان یوجد ہذا العالم وقد تجسد ہنا لتخلیص الناس لکنہ مع ذلک تابع للہ الآب۔

بولس نے حضرت عیسیٰ کے تمام قریبی تلامذہ کے عقیدہ کے خلاف کیا اور کہا کہ حضرت مسیح انسان سے بالاتر ہیں وہ تو انسان جدید کا نمونہ ہیں اللہ سے پیدا ہوئے ہیں اس عالم کے پائے جانے سے پہلے ہی موجود تھے، یہاں تو وہ لوگوں کو چھٹکارا دلانے کے لئے متجسد ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اللہ اب کے تابع ہیں۔

آج کل مسیحی جس دین کے پیرو ہیں وہ یہی دین بولس ہے نہ کہ دین مسیح (وسیأتی التفصیل)

قولہ انہم یزعمون الخ یعنی ان کا عقیدہ تھا کہ خدا، روح القدس اور حضرت عیسیٰ ؑ خدائی کے تین اقنوم یا جز ہیں تینوں اُلوہیت، ازلیت اور ابدیت میں مساوی اور پھر تینوں ملکر ایک خدا نہ تین خدا، اس کو وہ توحید فی التثلیث کہتے ہیں، فسطور اعیسائی نے جو ایک فریق کا پیشوا مامون رشید کے عہد میں تھا، اس تثلیث کی یوں توضیح کی ہے کہ اصل ذات اللہ ایک ہی ہے اس میں تعدد و تکثر نہیں مسیح صفت علمی اور روح القدس صفت حیات کا انضمام ہو کر تین اقنوم ہو گئے مجموعہ کو واحد کہتے ہیں۔

بعض فرقے پہلے بھی اس کے قائل نہ تھے اور اب بھی قائل نہیں جیسا کہ فرقہ یونیٹرین، یہ عقیدہ گو بدیہی البطلان ہے تاہم علماء اسلام نے اس کے بطلان پر بہت سے دلائل قائم کئے ہیں (۱) یہ تینوں اپنے وجود اور تشخص میں ممیز ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو تین اشخاص جداگانہ ہوئے نہ کہ ایک پھر ایک کہنا غلط ہے اور اگر نہیں ہیں تو تین نہ ہوئے ایک ہی ہوا پھر تین کہنا غلط ہے (۲) تینوں ملکر مستقل خدا ہوتے ہیں یا جداگانہ بھی ہر ایک خدا ہے ؟ پہلی صورت میں ہر ایک کو خدا کہنا غلط ہے نہ خود خدا خدا ہے نہ روح القدس خدا ہے نہ حضرت مسیح خدا ہیں، دوسری صورت میں تینوں مستقل خدا ہوئے نہ کہ ایک پس توحید نہ رہی (۳) حضرت مسیح کو جب خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے تو باپ اور بیٹے میں ضرور تقدم ذاتی اور تقدم زمانی ہے اب اس مرتبہ میں کہ جب خدا مسیح کا باپ نہ تھا تو خدا خدا تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو پھر یہ کہنا کہ تینوں ملکر ایک خدا ہوا غلط ہے کیونکہ وہ اس سے پہلے ہی خدا تھا، اور اگر وہ خدا نہیں تھا تو مسیح بھی خدا نہیں ہو سکتا اس لئے کہ جب باپ ہی خدا نہ تھا اور نقص کی حالت میں اس سے مسیح پیدا ہوئے تو یہ کیونکر خدا ہو گئے ؟ خچر سے گھوڑا پیدا نہیں ہو سکتا (البیان)

(لطیفہ) علامہ عتابی نے مامون کی مجلس میں ابو قرہ نصرانی سے سوال کیا کہ حضرت مسیح ؑ کی بابت کیا خیال ہے؟ بولا خدا کے بیٹے ہیں، عتابی نے کہا، بعض کل سے بطریق تجزی، ولد والد سے بر سبیل تناسل، سرکہ شراب سے بطور استحالہ اور مخلوق خالق سے بحیثیت صنعت ہے تو کیا اس کے علاوہ پانچویں صورت بھی ہے؟ اس نے کہا، نہیں لیکن اگر میں ان میں سے کسی ایک کا قول کروں تو تم کیا کہو گے ؟ عتابی نے کہا، باری تعالیٰ متجزی نہیں ہوتے کیونکہ اگر یہ بات جائز ہو تو صورت دوم و سوم بھی جائز ہو گی، اور چوتھی صورت ہمارا مذہب ہے فبہت النصرانی۔

احدها الاب وذلك بازاء المبدأ للعالم والثانی الابن وهو بازاء الصادر الاول وهو معنی عام شامل لجمیع الموجودات والثالث روح القدس وهو بازاء العقول المجردة

ترجمہ: ایک اقنوم اب جو مبدأ عالم کے بالمقابل تھا اور ایک اقنوم ابن جو صادر اول کے درجہ میں تھا جو ایک امر عام اور تمام موجودات کو شامل ہے اور ایک اقنوم روح القدس جو عقول مجردہ کے ہم معنی تھا۔

تشریح: قولہ المبدأ للعالم الخ فلاسفہ کے ہاں مبدأ عالم سے مراد ذات واجب تعالیٰ ہے اور صادر اول سے مراد عقل اول اور عقول مجردہ سے مراد عقول عشرہ، اور عقل ان کے ہاں ایک جوہر ہے جو اپنے افعال میں آلات جسمانیہ سے بے نیاز اور اضافت وجود کے اعتبار سے واجب اور اس کے مصنوعات کے مابین متوسط ہے، اس سلسلہ میں ان کی مشہور ترین دلیل یہ ہے کہ جو چیز واجب سے اولاً صادر ہو وہ جسم نہیں ہوسکتی کیونکہ جسم مرکب ہوتا ہے اور واحد حقیقی سے واحد ہی صادر ہوسکتا ہے نہ کہ مرکب، نیز وہ عرض بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ عرض بلا محل قائم نہیں ہوتا پس صادر اول ایک جوہر مجرد ہے جس کو عقل اول کہتے ہیں اور وہ بحیثیت ذات گو واحد ہے اور واحد سے صرف واحد ہی صادر ہوتا ہے تاہم اس میں تین جہتیں ہیں اول اس کا وجود فی نفسہ، دوم اس کا وجود بالواجب سوم اس کا امکان ذاتی پس اس سے باعتبار اول عقل ثانی، باعتبار سوم فلک اعظم (فلک اول) باعتبار دوم نفس مدبرہ تین چیزیں صادر ہونگی پھر انھیں جہات سے عقل ثانی سے عقل ثالث، فلک ثوابت اور نفس مدبرہ صادر ہوں گے وہکذا الی العقل العاشر

(فائدہ) اصل عقیدۂ تثلیث صرف نصرانیت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دیگر ادیان قدیمہ میں بھی یہ عقیدہ رائج تھا جیسے تثلیث مصری، تثلیث ہندی، تثلیث بابلی، تثلیث فلاسفہ۔

قدماء مصریین کے ثالوث یہ تھے الآب یعنی اوزیرس، الابن یعنی ہورس، العذراء یعنی ایزلیس (زوجہ اوزیرس) آج تثلیث مصری بالکل ناپید ہے، البتہ تثلیث ہندی آج بھی ہند، چین، ملایا وغیرہ میں موجود ہے چنانچہ برہمہ کا اعتقاد ہے کہ خالق اولاً برہما میں متجسد ہوا پھر وشنو میں (وہو الحافظ عندہم) پھر شیوا میں (وہو عندہم الٰہ الحیاۃ والتبدیل)

فرقہ بوذیوں کا عقیدہ ہے کہ وشنو الٰہ عالم کو شر ودوذنوب سے چھٹکارا دلانے کے لئے بارہا متجسد ہوتا رہا یہاں تک کہ نویں بار بجسم خود "بوذا" میں ظاہر ہوا، بعض لوگوں کے نزدیک تثلیث ہندی کے ثالوث یہ ہیں اگنی یعنی نار (آگ) وآیو یعنی ہوا، سُورِیَا یعنی شمس۔

تثلیث بابلی کے ثالوث یہ ہیں آنو (رب السماء) بعل یا مردوخ (خالق الارض والانس) ہیا (رب الماء وتحت الارض) ان کے اعتقاد میں ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک بیوی سے شادی بھی کی تھی تاکہ وہ ایجاد خلق میں معین ثابت ہو چنانچہ انو کی بیوی انتو، بعل کی بیوی بعلیتو اور ہیا کی بیوی دومنیکا کو مانتے تھے۔ (باقی ص۷۴ پر)

؎ مارکب من ثلاثۃ ۱۲

وكانوا يعتقدون انّ اُقنوم الابن تدرّع بروح عيسى عليه الصلوٰة والسّلام يعني تصوّر الابنُ بصورةِ روحِ عيسى كما انّ جبرئيل عليه السلام يظهر بصورة الانسان ويزعمون انّ عيسٰى علٰى نبينا وعليه الصلاة والسلام اِلٰهٌ وانه ابنُ الله ايضًا وانه بَشرٌ تجرى عليه احكامُ البشريةِ والالٰهيةِ معًا

لغات:۔ اقنوم حصہ، اصل۔ تدرّع تدرّعًا زرہ یا قمیص پہننا۔ اِلٰہ معبود۔ بشر انسان۔

ترجمہ:۔ وہ اس بات کے معتقد تھے کہ اقنوم ابن نے حضرت عیسیٰ ع کی روح کا لباس اختیار کر لیا تھا یعنی ابن نے حضرت عیسیٰ ع کی صورت میں ظہور کیا تھا جیسا کہ حضرت جبرئیل انسان کی شکل میں آتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا بھی ہیں، ابن اللہ بھی ہیں اور بشر بھی ہیں جن کی نسبت احکامات بشری و خداوندی دونوں جاری ہوتے ہیں۔

تشریح:۔ قولہ تدرع الخ یعنی اقانیم ثلاثہ میں سے اقنوم دوم یعنی ابن حضرت مسیح عیسیٰ کی روح کا جامہ پہنکر روئے زمین پر ظاہر ہوئے اور اس لئے ظاہر ہوئے تاکہ بنی آدم کی طرف سے ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی خطا کا فدیہ دیں جبکہ انھوں نے جنت میں شجرہ ممنوعہ سے گندم کھا کر اللہ کی معصیت کی تھی اور اس فدیہ میں خود اپنی ذات کو قربانی کے لئے پیش کریں، چنانچہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ آپ پکڑے گئے، مارے گئے، سولی چڑھائے گئے اور تین روز تک مردہ رہے پھر دوبارہ زندہ کئے گئے اور آسمان پر اٹھائے گئے اور اب وہ رب کے دائیں جانب بیٹھے ہیں (نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات)

قولہ ویزعمون الخ جمہور نصاریٰ کا مذہب یہی ہے جو حضرت شاہ صاحب نے ذکر کیا ہے اور دائرۃ المعارف اور معجم علمی وغیرہ میں مصرح موجود ہے، نوید جاوید میں ہے کہ نصاریٰ کے ایک فرقہ کا خیال ہے کہ اقانیم ثلاثہ اب، ابن اور مریم عذراء ہیں جس کی تائید سورۂ مائدہ کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے،

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ — کیا تو نے لوگوں سے کہدیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی خدا کے سوا معبود مانو۔

(بقیہ صہ ۷۳) تثلیث فلاسفہ میں مبداء عالم، صادر اول، اور عقول مجردہ تقریبًا اسی درجہ میں مانے جاتے ہیں، پس شاہ صاحب نے ثالوثِ مسیحی کو ثالوثِ فلاسفہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے تاکہ حقیقتِ حال منکشف ہوجائے اور تشبیہ میں ثالوثِ فلاسفہ کو اسلئے اختیار کیا ہے کہ آپ کا دور منطق و فلسفہ کا دور تھا۔

(محمد حنیف غفرلہ گنگوہی)

وکانوا یتمسکون فی ہذا الباب ببعض نصوص الانجیل حیث وقع فیہ لفظ الابن

لغات:- یتمسکون تمسکًا دلیل پکڑنا۔ نصوص جمع نص آیت۔ انجیل یونانی کلمہ ہے جس کے معنی بشارت کے ہیں وہ آسمانی کتاب جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی جمع اناجیل ہے۔

ترجمہ:- اور وہ اس سلسلہ میں دلیل پکڑتے ہیں انجیل کی بعض ایسی آیات سے جنہیں لفظ ابن آیا ہے۔

تشریح:- قولہ یتمسکون الخ جن اقوال سے عیسائی تمسک کرتے ہیں وہ اکثر مجمل ہیں اور انجیل یوحنا سے منقول ہیں اور یہ تین طرح کے ہیں اول وہ اقوال ہیں جو اپنے حقیقی معانی کے لحاظ سے ان کے مقصود پر دلالت ہی نہیں کرتے تو ان سے الوہیت مستنبط کرنا محض ان کا زعم کاسد ہے، دوم وہ اقوال ہیں جنکی تفسیر دیگر اقوال مسیحیہ یا انجیل کے بعض دیگر مواضع سے معلوم ہوسکتی ہے لہٰذا ان میں بھی ان کی رائے کا اعتبار نہیں ہوسکتا، سوم وہ اقوال ہیں جن کی تاویل خود ان کے نزدیک بھی ضروری ہے اور جب تاویل ضروری ہوئی تو ظاہر ہے کہ تاویل ایسی ہی ہونی چاہیئے جو نصوص اور براہین کے خلاف نہ ہو۔ نمونہ کے طور پر چند تمسکات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) اناجیل میں لفظ ابن کا اطلاق حضرت مسیح ؑ پر ہوا ہے، خود مسیح ؑ نے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا اور خدا کو اپنا باپ کہا ہے جیسا کہ انجیل مرقس کی آیت ۱۳ و ۳۲ میں، انجیل لوقا ۲۲ و ۲۶ میں اور انجیل یوحنا کے بہت سے مواضع میں یہ بات موجود ہے، اس کا جواب کتاب میں آگے آرہا ہے۔

(۲) حضرت مسیح ؑ نے اپنی بابت اس عالم سے ہونے کی نفی کی ہے چنانچہ انجیل یوحنا میں ہے "فقال لہم انتم من اسفل اما انا فمن فوق، انتم من ہذا العالم اما انا فلست من ہذا العالم" اس سے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں خدا ہوں، آسمان سے اتر کر متجسم ہوگیا ہوں۔ جواب یہ ہے کہ اسی طرح کی بات حضرت مسیح ؑ نے اپنے تلامذہ کے حق میں کہی ہے چنانچہ انجیل یوحنا ۱۵ و ۱۹ میں ہے "لو کنتم من العالم لکان العالم یحب خاصتہ ولکن لانکم لستم من العالم بل انا اخترتکم من العالم لذلک یبغضکم العالم" پس اگر اس سے الوہیت ثابت ہوسکتی ہے تب تو یہ حواری بھی آلہہ ہوئے (العیاذ باللہ) نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کمینی دنیا کے طالب ہو اور میں ایسا نہیں ہوں بلکہ طالب آخرت اور رضائے مولیٰ کا خواہاں ہوں، یہ مجازی معنی بہت سی زبانوں میں شائع ہیں چنانچہ صلحاء اور زہاد کی بابت کہتے ہیں انہم لیسوا من الدنیا۔

(۳) انجیل یوحنا ۱۰ و ۳۰ میں ہے "انا والاب واحد" یہ ان کے زعم کے مطابق اللہ اور مسیح کے اتحاد پر دال ہے، جواب یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ خود حوارین کے حق میں بھی وارد ہوئے ہیں چنانچہ انجیل یوحنا ۱۷ و ۲۱ و ۲۳ میں ہے "لیکون الجمیع واحدا کما انک انت ایہا الاب فی وانا فیک لیکونوا ہم ایضا واحدا فینا، لیؤمن العالم انک ارسلتنی وانا قد اعطیتہم المجد الذی اعطیتنی لیکونوا واحدا کما اننا نحن واحد انا فیہم وانت فی لیکونوا مکملین الی واحد"

پس اس عبارت میں خط کشیدہ الفاظ حوارین کے اتحاد مع اللہ پر دال ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کا یہ اتحاد حقیقی نہیں بلکہ اتحاد باللہ سے مراد احکام خداوندی کی اطاعت ہے فکذا اتحادہ باللہ۔

(۴) کبھی حضرت عیسیٰ کو اسلئے اللہ کا بیٹا کہتے ہیں کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، جواب یہ ہے کہ پھر تو حضرت آدم علیہ السلام کو فوقیت حاصل ہونی چاہیئے کیونکہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، سورۂ آل عمران میں ہے :-

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ○ — بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک جیسے مثال آدم کی بنایا اسکو مٹی سے پھر کہا اس کو کہ ہوجا! وہ ہوگیا۔

یعنی حضرت آدم کے تو نہ باپ تھا نہ ماں، عیسیٰ کے باپ نہ ہو تو کیا عجب ہے، اس حساب سے تو آدم کو خدا کا بیٹا ثابت کرنے پر زیادہ زور دینا چاہیئے حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں

بلکہ مؤرخوں نے بہت سے لوگوں کی نسبت بغیر باپ کے پیدا ہونا بیان کیا ہے، الشقونی کے بھی تین بیٹے بغیر باپ کے مؤرخین نے لکھے ہیں، اسی طرح مسٹر کاکرن نے تاریخ چین میں لکھا ہے کہ ولادت مسیح سے تخمیناً چھ سو برس آگے ایک عورت پر شعاع آفتاب پڑی اور اسی دن سے وہ حاملہ ہوگئی اور وہ حمل پینتالیس برس رہا جس سے ایک سفید بالوں کا لڑکا پیدا ہوا جس کو حکیم لاوزی کہتے ہیں جس کے معنی پیر نابالغ کے ہیں (دروغ برگردن راوی)

(۵) کبھی اس لئے کہ آپ نے مردے زندہ کئے ہیں جیسا کہ انجیل مرقس کے پندرھویں باب میں ہے، جواب یہ ہے کہ بیشک مردہ کو زندہ کرنا آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے لیکن آپنے زمانہ صلیب تک صرف تین اشخاص کو زندہ کیا ہے ایک ابنۃ الرکیس کو جیسا کہ اناجیل ثلاثہ میں ہے اور ایک اور مردہ کو جیسا کہ لوقا نے ساتویں باب میں نقل کیا ہے اور ایک عاذار کو جس کو صرف یوحنا نے اپنی انجیل کے گیارھویں باب میں نقل کیا ہے

ادھر حزقیال کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے ہزاروں کو زندہ کیا ہے جیسا کہ ان کی کتاب کے سینتیسویں باب میں ہے نیز حضرت الیاس کا مردے کو زندہ کرنا اول کتاب سلاطین کے سترھویں باب میں لکھا ہے تو ان سب کو خدا کہنا چاہیئے بلکہ حزقیال سب سے زیادہ اسکے مستحق ہیں حالانکہ اس کے وہ بھی قائل نہیں۔

قولہ الانجیل الخ صاحب منجد نے لکھا ہے کہ یہ یونانی کلمہ ہے جس کے معنی بشارت کے ہیں ہمارے نزدیک انجیل وہ آسمانی کتاب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی کما قال اللہ تعالیٰ "وآتیناہ الانجیل"

یہ کتاب کتنی بڑی تھی، کس طرح اور کس وقت لکھی گئی تھی، اور حضرت مسیح علیہ السلام کی موجودگی میں کس کے پاس رہا کرتی تھی اس کی بابت کچھ نہیں کہا جا سکتا، البتہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے الہامات کو جمع کرایا تھا اور یہی وہ کتاب مقدس انجیل تھی جس پر اہل اسلام کو ایمان لانا ضروری ہے

لیکن اول ہی صدی عیسوی سے عیسائی مذہب پر جو آفات نازل ہوئیں ان کی وجہ سے اصل انجیل مقدس تلف ہوگئی یونانی اور رومی لوگوں کے اس مذہب میں ملنے سے نئے نئے خیالات پیدا ہوگئے اور عیسائی پیشواؤں کے فلسفی طریق اختیار کر لینے سے یہ قباحت پیدا ہوئی کہ جس طرح یونانی فیلسوف اپنے خیالات کو رواج دینے کے لئے اپنی تصانیف مشہور اشخاص کی طرف منسوب کیا کرتے تھے اسی طرح عیسائی بھی کرنے لگے اور اناجیل تصنیف کرنے کا بازار گرم ہوا اور لوگوں نے سینکڑوں کی تعداد میں انجیلیں تصنیف کیں اور کسی نے کسی حواری

کے نام سے اور کسی نے کسی حواری کے نام سے نامزد کی مثلاً انجیل توما اسرائیلی، انجیل جاک الاصغر، انجیل نیکودیم انجیل الطفولیہ، انجیل برسیون وغیرہ، لیکن مسیحین کے نزدیک اناجیل متعددہ میں سے صرف چار انجیلیں معتبر مانی گئی ہیں ا۔

اول انجیل متی۔ یہ سب سے مقدم انجیل ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تیس سال بعد بمقام اورشلیم عبری زبان میں لکھی گئی ہے جیسا کہ لارڈنر، ارجن، یوسی بیس، جردم وغیرہ عیسائیوں کے بڑے بڑے عالم اس کے قائل ہیں اور ہارن مفسر نے اپنی تفسیر جلد چہارم میں ان کے اقوال نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ اس کی تصنیف ۳۷ھ یا ۳۸ھ میں ملک یہودیہ میں ہوئی ہے، اس میں حضرت مسیح کے اقوال اس زمانہ کے ادبی اسلوب کے مطابق تحریر ہیں نیز حضرت مسیح کے نسب اور ان کے آخری ایام سے بحث ہے سنہ ۶۱ء میں اس کا عبرانی سے یونانی زبان میں ترجمہ ہوا جو متی نے نہیں بلکہ کسی اور شخص نے کیا جس میں جعل والحاق اور ایسی فحش غلطیاں ہیں جن کی بابت مفسرین انجیل کو بھی کوئی جواب بن نہیں پڑتا۔

دوم انجیل مرقس۔ یہ انجیل متی کے بعد کی لکھی ہوئی ہے، مرقس کا اب تک صحیح حال عیسائیوں کو بھی معلوم نہیں کہ وہ کس ملک میں پیدا ہوا اور کس سال عیسائی ہوا۔ صرف اتنی بات کہتے ہیں کہ وہ بطرس حواری کا شاگرد ہے۔ کنیسۂ اسکندریہ کی تاسیس اسی کی طرف منسوب ہے، اس نے بطرس وغیرہ لوگوں سے سنکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات لکھے ہیں، پادری اسکاٹ دیباچۂ تفسیر رومن صفحہ ۲۳۹ - ۲۴۰ میں کہتا ہے کہ ٹھیک معلوم نہیں کہ کس وقت یہ صحیفہ لکھا گیا مگر گمان غالب ہے کہ اس کی تصنیف سنہ ۵۶ء اور سنہ ۶۳ء کے درمیان ہوئی اور بالاتفاق شہر روم میں اس نے یہ کتاب تصنیف کی اور رومیوں کے لئے لاطینی زبان میں لکھی کیونکہ انکی زبان لاطینی ہے مگر اس اصل نسخے کا اب تک کہیں پتہ نہیں ہاں اس کا ترجمہ یونانی موجود ہے جس میں کافی کلام ہے۔

سوم انجیل لوقا:۔ یہ انجیل سابقہ دونوں انجیلوں کے بعد کی ہے، اس کا مصنف لوقا بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے نہیں بلکہ پولس کا شاگرد ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ کہاں کا باشندہ تھا (گو بعض پادریوں نے انطاکیہ لکھ مارا) اور کس کے ہاتھ پر دین میں داخل ہوا اور اس کی اصل زبان کیا تھی اور اس نے یہ انجیل کب لکھی (قیاسی طور پر سنہ ۶۴ء بیان ہوا ہے) اور جبکہ متی اور مرقس کی انجیل تصنیف ہو چکی تھی پھر اس کو انہیں باتوں کے قلمبند کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی

چہارم انجیل یوحنا۔ الحبیب ابن زبدی وسلومہ واخو یعقوب الکبیر، یہ انجیل فلسفۂ مسیحیہ کا اصل الاصول سمجھی جاتی ہے۔ اس کی تالیف کا زمانہ بھی تخمینی ہے یعنی عروج مسیحی سے ستر برس بعد، اس کے طرز بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے کلام میں مبالغہ بھی بہت کثرت سے ہے، اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ دوسری صدی میں لوگوں نے انجیل یوحنا کی بابت کلام کیا کہ یہ انکی تصنیف نہیں، (باقی ص ۷۸ پر)

وقد نسب الیٰ نفسه بعض الافعال الالٰهیة

ترجمہ:۔ اور خود حضرت مسیح نے بعض افعال الٰہیہ کو اپنی جانب منسوب کیا ہے۔

تشریح:۔ قولہ وقد نسب الخ (۹) یعنی اس لئے کہ مسیح علیہ السلام نے ان کاموں کو جو خدا کی طرف منسوب ہوتے ہیں اپنی طرف منسوب کیا ہے جیسے انجیل متی کے آٹھویں باب میں ہے۔

ولما نزل من الجبل اتبعه جموع کثیرۃ واذا ابرص قد جاء وسجد له قائلاً یارب! ان شئت فانت قادر علیٰ تطهیری فمد یسوع یده ولمسه وقال قد شئت فاطهر، فطهر للوقت من برصه۔

جب آپ پہاڑ سے اترے تو بہت سے لوگ آپ کے ساتھ ہو لئے، راہ میں ایک مبتلائے برص مریض ملا جس نے یہ کہتے ہوئے سجدہ کیا، اے رب! اگر تو چاہے تو مجھے برص سے پاک کرنے پر قادر ہے یسوع نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اسکو چھو کر کہا میں نے چاہ لیا سو تو پاک ہو جا، پس وہ اسی وقت برص سے پاک ہو گیا، اس میں آپنے برص سے شفا یاب ہونے کی مشیت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کا جواب بھی کتاب میں آرہا ہے۔

(بقیہ ص۷۷) اس وقت آرنیوس موجود تھا جو پولی کارپ کا شاگرد اور پولی کارپ یوحنا کا مگر آرنیوس نے اپنے دادا استاد کی کتاب پر شہادت نہیں دی۔ معلوم ہوا کہ اس کو بھی شک تھا یا اس استاد نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا ورنہ ایسے موقع پر سکوت چہ معنی دارد؟ نیز تلک سرلڈ کی چوتھی جلد مطبوعہ ۱۸۳۲ء ص ۲۰۵ پر ہے "استاڈلن نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ انجیل یوحنا مدرسہ اسکندریہ کے کسی طالب علم کی تصنیف ہے اس میں کوئی بھی شبہ نہیں" اسی طرح محقق برتیشنیڈر کہتا ہے کہ یوحنا کی تصنیف سے نہ یہ انجیل ہے نہ اور رسائل بلکہ دوسری صدی عیسوی میں کسی اور شخص نے تصنیف کر کے ان کے نام سے مشہور کر دئے تاکہ لوگوں میں اعتبار ہو۔

جب ان چاروں انجیلوں کا یہ حال ہے تو اور کتابوں کا تو ذکر ہی کیا ہے پھر بھی ان کتابوں کو عیسائی منزل من اللہ جانتے ہیں جبکہ ان کے مصنفوں کی نبوت ثابت ہے نہ کوئی معجزہ، اور اس سے بڑھ کر تعجب یہ ہے کہ لوقا اور مرقس حواری نہیں اور متی و یوحنا جو حواری ہیں تو وہ حواریوں میں بڑے رتبے کے نہیں بلکہ ان سے بڑے بڑے مقرب حواری شمعون اور پطرس وغیرہ تھے جن کی کوئی انجیل نہیں، ان کے علاوہ تقریباً ایک سو تیس اور کتابیں ہیں جن میں سے بعض کو قدماء نے الہامی اور بعض کو غیر الہامی مانا اور متاخرین نے اس میں اختلاف کیا ہے اور بعض کتابوں کو الہامی تو نہیں مگر جس طرح اہل اسلام حدیث کی کتابوں کو مانتے ہیں وہ بھی ان کو اسی مرتبے میں سمجھتے ہیں انھیں میں سے برنباس حواری کی انجیل ہے۔ (تفسیر حقانی، البیان، معجم علمی وغیرہ)

والجوابُ عن الاشکالِ الاولِ علیٰ تقدیرِ تسلیمِ انہ کلامُ عیسیٰ علیہ السلام لیس فیہ تحریفٌ ــــــ

ترجمہ:۔ پہلے اشکال کا جواب اس امر کے مان لینے کی صورت میں کہ یہ کلام فی الحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے تحریف شدہ نہیں ہے۔

تشریح

قولہ الاشکال الخ لفظ اشکال یہاں بھی اور آئندہ قول میں بھی بمعنی التباس واشتباہ ہے کہا جاتا ہے "اُشکلت علیّ الاخبارُ" میرے اوپر خبریں مشتبہ ہوگئیں، پس جن دو شبہوں نے ان کو گمراہی میں مبتلا کیا ہے ان میں سے اول تو حضرت عیسیٰ پر لفظ ابن کا اطلاق ہے اور دوسرا حضرت عیسیٰ کا اپنی طرف بعض افعال الٰہیہ کو منسوب کرنا ہے۔

قولہ علی تقدیر تسلیم الخ یعنی اول تو یہ تسلیم کرنا ہی مشکل ہے کہ جن اقوال میں لفظ ابن کا اطلاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ در حقیقت حضرت عیسیٰ ہی کا کلام ہے، اس واسطے کہ کتب اناجیل میں جہاں اور احکام میں تحریف ثابت ہے وہیں مسئلہ تثلیث میں بھی تحریف ثابت ہے چنانچہ یوحنا کے رسالہ اولی کے پانچویں باب میں ہے "لان الذین یشہدون فی السماء ثلثۃ وہم الاب والکلمۃ والروح القدس وہؤلاء الثلثۃ واحدۃ والشہود الذین یشہدون فی الارض ثلثۃ وہم الروح والماء والدم وہؤلاء الثلثۃ تتحد فی واحد" حالانکہ خود ان کے محققین علماء کی تحقیق کے مطابق اصل عبارت صرف اتنی ہے "لان الشہود الذین یشہدون ثلثۃ و ہم الروح والماء والدم وہؤلاء الثلثۃ تتحد فی واحد" اسی طرح انجیل لوقا کے باب اول میں بعض الفاظ کا اضافہ ہے اور انجیل متی کے باب اول سے بعض الفاظ کا اسقاط ہے بلکہ انجیل لوقا کے انیسویں باب میں تو پوری کی پوری آیت ہی صاف ہے۔

تحریف کا مسئلہ تو اتنا واضح ہے کہ خود عیسائیوں کو بھی اس کا اعتراف ہے چنانچہ پادری فنڈر کہتا ہے کہ اگرچہ ہم لوگ قائل ہیں کہ بعض حروف والفاظ میں تحریف وقوع میں آئی اور بعض آیات کے مقدم و مؤخر اور الحاق کا شبہ ہے تو بھی انجیل کو بے تحریف کہتے ہیں اس لحاظ سے کہ اس کا مضمون اور مطلب نہیں بدل گیا۔

میکیلس صاحب ڈاکٹر بنٹلی صاحب کا قول اپنے عہد جدید کے دیباچہ جلد اول ص۲۶۳ میں نقل کرتے ہیں کہ "جن لوگوں کے پاس صرف ایک ہی قلمی نسخہ بچا ہوا تھا جیسے رومی اور یونانی ان میں یہودی معلموں کے ایسے قصور پائے گئے ہیں اور ان کی اصلاح میں ایسے عیب ملے ہیں کہ باوجود پوری دو صدیوں کے نہایت عالم اور تیز فہم نکتہ چینیوں کی محنتوں کے وہ کتابیں اب تک غلطیوں کا انبار ہیں اور اسی طرح رہیں گی۔" یہ صرف تحریف کا حال ہے، اختلافات کی کیفیت یہ ہے کہ ڈاکٹر مل نے جو عہد جدید کے نسخے ملائے تو تیس ہزار اختلاف پائے اور ڈاکٹر گرلبیاخ نے جو تین سو پچپن نسخوں کا مقابلہ کیا تو ڈیڑھ لاکھ اختلاف ملے یہ صرف انجیل کے اختلافات ہیں، اندریں حالات اگر کہیں بعض مسیحی اقوال ایسے پائے جائیں جو تثلیث پر دال ہوں ان پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

اَنَّ لفظَ الابنِ کان فی الزمانِ القدیمِ بمعنی المحبوبِ والمقرّبِ والمختارِ کما یدلُّ علیه کثیرٌ من القرائنِ فی الانجیلِ ـــــــــــــ

ترجمہ:۔ یہ ہے کہ لفظ ابن قدیم زمانہ میں مقرب، محبوب اور مختار کے ہم معنی تھا جیسا کہ انجیل میں اس پر کثرت سے قرائن دال ہیں۔

تشریح

قولہ ان لفظ الابن الخ یہ پہلے اشتباہ کا جواب ہے یعنی اول تو یہ تسلیم نہیں کہ جن اقوال میں لفظ ابن کا اطلاق وارد ہے وہ تحریف سے پاک ہے اسواسطے کہ عیسائیوں نے ایسی ایسی تحریفات کی ہیں کہ سنکر حیرت ہوتی ہے مثال کے طور پر حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر وحی ہوئی تھی " وَلّدتُکَ وَاَنتَ نَبِیٌّ " وَلّدتک تشدید لام تھا کیونکہ یہ تولید سے ہے اور نبی بتقدیم نون تھا۔ نصاریٰ نے اسمیں یہ حرکت کی کہ لام کو مخفف اور با کو مقدم کردیا پس وَلَدتُکَ وانتَ بنی " ہوگیا۔ تو اس قسم کی حرکتیں ہوتے ہوئے کب باور کیا جاسکتا ہے کہ لفظ ابن اطلاق تحریف سے پاک ہوگا، بایں ہمہ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ تحریف شدہ نہیں ہے تب بھی لفظ ابن کا اطلاق حقیقی معنی کے لحاظ سے نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کے حقیقی معنی باتفاق اہل لغت اس شخص کے ہیں جو ماں اور باپ کے نطفہ سے پیدا ہوا اور یہ معنی یہاں محال ہیں اسلئے لامحالہ اسکو مجازی معنی پر محمول کیا جائے گا اور وہ یہ کہ اگلے زمانہ میں لفظ ابن کا اطلاق محبوب، مقرب اور مخصوص بندوں پر ہوتا تھا اسکے یہ معنی نہ تھے کہ حقیقتاً وہ خدا کے بیٹے ہیں چنانچہ کتاب لوقا کے باب سوم میں آدم کو، توریت کے باب ششم و درس دوم میں شیث کو، توریت سفر خروج کے باب چہارم میں اسرائیل کو، کتاب یرمیاہ کے باب سی ویکم میں افرائیم کو، زبور کے چھبیسویں اور ستائیسویں باب میں داؤد کو، اول کتاب تاریخ کے بائیسویں باب میں سلیمان کو، کتاب موسیٰ کے باب ہفتم میں اسرائیلیوں کو اور رمیوں کے خط کے نویں باب میں تمام عیسائیوں کو خدا کے بیٹے کہا ہے۔ تو کیا اس اطلاق سے یہ سب خدا کے بیٹے ہوگئے؟ نہیں ہرگز نہیں، معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ عم کے حق میں بھی یہ لفظ مجازی معنی ہی کے لحاظ سے بولا گیا ہے چنانچہ انجیل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لفظ ان کے حق میں بمعنی صالح استعمال ہوا ہے، انجیل مرقس کے پندرہویں باب کی انتالیسویں آیت میں ہے، " ولما رأی قائد المائۃ الواقف مقابلہ انہ صرخ ہٰکذا واسلم الروح قال حقا کان ہذا الانسان ابن اللہ " اور لوقا نے اپنی انجیل میں قائد کا قول یوں نقل کیا ہے، " بالحقیقۃ کان ہذا الانسان بارا " ففی انجیل مرقس لفظ " ابن اللہ " وفی انجیل لوقا بدلہ لفظ " البار "۔

ع ۵ فی معجم القرآن ویسمی بالاب کل من کان سببا فی ایجاد شیٔ او اصلاحہ او ظہورہ ولہذا کان ارباب الشرائع المتقدمۃ یطلقون الاب علی اللہ باعتبار السبب الاول وکذلک یقال للاب لانہ الاصغر، وکل من سماہ الاقدمون بابن اللہ فاما لکونہ جزءً بارا واما لانہ لم ینسب الیٰ اب حقیقی فنسب الی اللہ بکونہ ابنہ لان اللہ اب ہذا العالم وخالقہم والیہ یرجعون اھ ۱۲ عون

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَالجوابُ عن الاشکالِ الثانی انه علی سبیلِ الحکایة کما یقول رسولُ مَلِكٍ من المُلوكِ قد غلبنا المُلكَ الفلانی وقد دَمَّرْنَا قلعة کذا وفی الحقیقة هذا الامرُ راجعٌ الی المَلِكِ واَمّا الرسولُ فانّما هو ترجمانٌ محضٌ وایضًا یحتمل ان یکون طریقُ الوحی الی عیسی علیه الصلوٰة و السلام انطباعُ المعانی فی لوحِ نفسِه من قِبَلِ العالَمِ الاعلیٰ لاتمثّلُ جبرئیلَ بالصورةِ البشریة والقاءِ الکلامِ فربما یجری بسببِ هذا الانطباعِ منه علیه الصلوٰة والسلام کلامٌ مُشعرٌ بنسبةِ تلك الافعالِ الی نفسِه والحقیقةُ غیرُ خفیةٍ

لغات:۔ رسول قاصد، ایلچی۔ مَلِک بادشاہ، ملوک جمع مَلِک۔ دمرنا تدمیراً ہلاک کرنا۔ انطباع ڈھلنا، لوح تختی، تمثّل متصور ہونا۔ القاء ڈالنا۔

ترجمہ

دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ نسبت بطریق نقل وحکایت ہے جیسے کسی بادشاہ کا ایلچی یوں کہے کہ ہم نے فلاں ملک فتح کرلیا، فلاں قلعہ توڑ ڈالا کہ یہ کام درحقیقت بادشاہ کی جانب راجع ہے رہا ایلچی سو وہ تو صرف ایک ترجمان ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کا طریقہ یہ ہو کہ مضامین خود منقش ہو جاتے ہوں۔ ان کے لوحِ دل پر عالم بالا سے نہ کہ حضرت جبرئیل کا صورت انسانی میں آنا اور کلام کا القاء کرنا، پس اس نقش ہونے کی بناء پر بعض اوقات حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے وہ کلام صادر ہوتا ہو جو افعال الٰہیہ کو اپنی جانب نسبت کرنے کی طرف مُشیر ہو، اور اس کی حقیقت کچھ پوشیدہ نہیں ہے۔

تشریح

قولہ عن الاشکال الثانی الخ اشکال ثانی سے مراد حضرت مسیحؑ کا ان کاموں کو جو خدا کی طرف منسوب ہوتے ہیں اپنی طرف نسبت کرنا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نسبت بطریق نقل وحکایت ہے مثلاً کسی بادشاہ کا ایلچی اس کے کلام کو یوں نقل کرے کہ ہم نے فلاں ملک فتح کیا، اس صورت میں ظاہر ہے کہ ایلچی ترجمان سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، نیز اختصاص کے لئے غلام آقا کے املاک کو اور رعیت بادشاہ کے املاک کو اور عزت کے کاموں کو اپنی طرف منسوب کردیا کرتے ہیں، یہ عام محاورہ ہے۔

قولہ انطباع المعانی الخ یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نزول وحی کا طریقہ تمثُّل (یعنی فرشتہ وحی کا کسی انسان کی شکل وصورت میں آنا) نہ ہو بلکہ براہ راست عالم اعلیٰ سے قلب پر وحی نازل ہوتی ہو اور مضامین آپ کے لوح دل پر خود منقش ہو جاتے ہوں جس کو "نفث فی الروع" سے تعبیر کرتے ہیں، اور اسی انطباع کی وجہ سے آپ سے وہ کلام صادر ہوتا ہو جو افعال الٰہیہ کو اپنی طرف نسبت کرنے کی طرف مُشیر ہو، طرق وحی کی تفصیل ۳۸ پر گذر چکی۔

قولہ غیر خفیہ الخ یعنی سب جانتے ہیں کہ یہ نسبت حقیقی نہیں مجازی ہے جس سے حضرت عیسیٰؑ کی اُلوہیت پر تمسک کرنا غلط ہے۔

(محمد حنیف غفرلہ گنگوھی)

وبالجملة فقد ردَّ الله سبحانه وتعالیٰ هذا المذهب الباطل وقرّر انّ عیسیٰ عبدُالله وروحُه المقدس نفخ فی رحم مریم الصدیقة وایّده بروح القدس ونظر الیه بالعنایة الخاصة المرعیّة فی حقّه

لغات:- قرّر تقریراً ثابت کرنا، نفخ (ن) نفخاً پھونکنا۔ مریم ابنۃ عمران والدۂ عیسیٰؑ وافضل نساء زمانہا، ایدہ تائیداً قوی کرنا۔

ترجمہ

الحاصل خداوند تعالیٰ نے اس باطل مذہب کا رد فرمایا اور بتایا کہ عیسیٰ خدا کا بندہ اور اس کی وہ پاک روح ہے جس کو اس نے مریم صدیقہ کے رحم میں ڈالا اور اس کی روح القدس سے تائید فرمائی اور اس پر خاص عنایتیں رکھیں۔

تشریح

قولہ فقد رد اللہ الخ جیسے سورۂ مائدہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ

بیشک کافر ہوئے جنھوں نے کہا اللہ ہے تین میں کا ایک حالانکہ کوئی معبود نہیں بجز ایک معبود کے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ بقول صحیح یہ آیت خاص طور سے نصاریٰ کی بابت نازل ہوئی ہے جیسا کہ مجاہد وغیرہ کا قول ہے ابن جریر کہتے ہیں کہ نصاریٰ کے تینوں فرقے ملکانیہ، یعقوبیہ اور نسطوریہ اقانیم ثلثہ کے قائل ہیں اور ہر ایک دوسرے کو کافر سمجھتا ہے اور حق یہ ہے کہ یہ تینوں ہی کافر ہیں۔

قولہ نفخ الخ جیسے سورۂ تحریم کے آخر میں ارشاد باری ہے۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا (الآیۃ)

اور مریم بیٹی عمران کی جس نے روکے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو پھر ہم نے پھونکدی اسمیں ایک اپنی طرف سے جان

یعنی فرشتہ کے ذریعہ سے ایک روح پھونک دی، حضرت جبرئیل نے گریبان میں پھونک ماری جس کا نتیجہ استقرار حمل ہوا اور حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے۔

(تنبیہ) بعض نصاریٰ سورۂ نساء کی آیت "اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ" (جس کو ڈالا مریم کی طرف اور روح ہے اسکے ہاں کی) سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب حضرت مسیح روح اللہ ہیں تو ان کا مرتبہ الوہیت میں ہونا ضروری ہے کیونکہ اللہ کی روح اللہ سے کم درجہ کی نہیں ہوسکتی، جواب یہ ہے کہ سورۂ سجدہ میں "وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ" اور سورۂ حجر و سورۂ ص میں "وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي"، حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں وارد ہے، اور سورۂ مریم میں "فارسلنا الیہا روحنا" حضرت جبرئیلؑ کے حق میں ہے اور کتاب حزقیال میں ہزاروں آدمیوں پر "روحی" کا اطلاق ہے اور سورۂ جاثیہ میں ہے "وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منہ" پس اگر حضرت مسیح کی بابت "روح منہ" کا مطلب یہی ہے کہ وہ اللہ کا بعض اور اس کا جزء ہے تو پھر "جمیعا منہ" کے معنی بھی یہی ہونگے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ساری مخلوق خدا ہے (استغفر اللہ) بات اصل یہ ہے کہ

روح کی اضافت جو اپنی طرف کی ہے یہ محض تشریف و تکریم اور روح انسانی کا امتیاز ظاہر کرنے کیلئے ہے یعنی وہ خاص جان جس میں نمونہ ہے میری صفات کا اور بسبب خصوصی لطافت کے مجھ سے نسبتاً قریبی علاقہ رکھنے والی ہے۔

امام غزالی نے دوسرے عنوان سے اس اضافت پر روشنی ڈالی ہے فرماتے ہیں، اگر آفتاب کو قوت گویائی مل جائے اور وہ کہے کہ میں نے اپنے نور کا فیض زمین کو پہنچایا تو کیا یہ لفظ (اپنا نور) غلط ہوگا؟ جب یہ کہنا صحیح ہے حالانکہ نہ آفتاب زمین میں حلول کرتا ہے نہ اس کا نور اس سے جدا ہوتا ہے بلکہ زمین سے لاکھوں میل دور رہ کر بھی روشنی کی باگ اسی کے قبضہ میں ہے، زمین کا کچھ اختیار نہیں چلتا۔ بجز اس کے کہ اس سے بقدر اپنی استعداد کے نفع حاصل کرتی رہے، تو وراء الوراء خدا کا آدم کے حق میں یہ فرمانا "ونفخت فیہ من روحی" میں نے آدم میں اپنی روح پھونکی یا عیسیٰ مسیح کی بابت یہ فرمانا "وروح منہ" حلول واتحاد وغیرہ کی دلیل کیسے بن سکتی ہے

قولہ وایدہ بروح القدس الخ جیسے سورۂ مائدہ میں ارشاد ربانی ہے

اِذْ اَیَّدْتُّکَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔ جب مدد کی میں نے تیری پاک روح سے۔

یوں تو "روح القدس" سے حسب مراتب سب انبیاء علیہم السلام بلکہ بعض مؤمنین کی بھی تائید ہوتی ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جن کا وجود ہی "نفخہ جبرئیلیہ" سے ہوا کوئی خاص قسم کی فطری مناسبت اور تائید حاصل ہے۔

روح القدس کی مثال عالم ارواح میں ایسی سمجھو جیسے عالم مادیات میں قوت کہربائیہ (بجلی کا خزانہ)، جس وقت اس خزانہ کا مدیر معین اصول کے موافق کرنٹ چھوڑتا اور جن اشیاء میں بجلی کا اثر پہنچاتا ہے، ان کا کنکشن درست کر دیتا ہے تو فوراً خاموش اور ساکن مشینیں بڑے زور سے گھومنے لگتی ہیں، اگر کسی مریض پر بجلی کا عمل کیا گیا ہو تو مشلول اعضاء اور بے حس ہو جانے والے اعصاب میں بجلی کے پہنچنے سے حس و حرکت پیدا ہو جاتی ہے بعض اوقات ایسے بیمار کے حلقوم میں جس کی زبان بالکل بند ہو گئی ہو قوت کہربائیہ کے پہنچانے سے قوت گویائی واپس کی گئی ہے، حتیٰ کہ بعض غالی ڈاکٹروں نے تو یہ دعویٰ کر دیا کہ ہر قسم کی بیماری کا علاج قوت کہربائیہ سے کیا جا سکتا ہے (دائرۃ المعارف فرید وجدی)

جب اس معمولی مادی کہربائیہ کا حال یہ ہے تو اندازہ کر لو کہ عالم ارواح کی کہربائیہ میں جس کا خزانہ روح القدس ہے کیا کچھ طاقت ہوگی، حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ ؑ کی ذات گرامی کا تعلق روح القدس سے کسی ایسی خاص نوعیت اور اصول کے ماتحت رکھا ہے جس کا اثر کھلے ہوئے غلبۂ روحیت، تجرد اور مخصوص آثار حیات کی شکل میں ظاہر ہوا، ان کا روح اللہ سے ملقب ہونا، بچپن جوانی اور کہولت میں یکساں کلام کرنا، خدا کے حکم سے افاضۂ حیات کے قابل کالبد خاکی تیار کر لینا اس میں باذن اللہ روح حیات پھونکنا، مایوس العلاج مریضوں کی حیات کو باذن اللہ بدون توسط اسباب عادیہ کے کار آمد اور بے عیب بنا دینا وغیرہ یہ سب آثار اسی تعلق خصوصی سے پیدا ہوئے ہیں، مگر یہ سب امتیازی معاملات ہیں جن سے کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی چہ جائیکہ الوہیت ثابت ہو۔ (فوائد بحذف و تغییر)

وبالجملة لو ظهر الله سبحانه وتعالیٰ فی الکسوة المروحیة التی هی من جنس سائر الارواح وتدرّع بالبشریة فهو لاینطبق لفظ الاتحاد علی هٰذا المعنیٰ عند التدقیق والامعان الا بتسامح واقرب الالفاظ لهٰذا المعنیٰ التقویم ومثله تعالیٰ الله عما یقول الظالمون علواً کبیرًا

لغات :- کسوة لباس، پوشاک، تدرّع تدرعًا زرہ یا چادر پہننا، تدقیق باریک بینی سے کام لینا، امعان نہایت غور سے سوچنا، تسامح چشم پوشی، نرم برتاؤ، تقویم سیدھا کرنا۔

ترجمہ :- بالجملہ اگر ظاہر ہو خداوند تعالیٰ اس روح کے قالب میں جو باقی ارواح کے ہم جنس ہے اور بشریت کا لباس اختیار کرے تو نہیں منطبق ہوتا لفظ اتحاد اس معنی پر بھی غور و خوض سے کام لیتے ہوئے مگر بتسامح بلکہ تقویم وغیرہ الفاظ اس معنی کے قریب تر ہیں، اللہ بہت بلند ہے اس سے جو کہتے ہیں ظالم لوگ۔ تشریح :-

قولہ لو ظہر اللہ الخ یعنی بالغرض اگر خدا تعالیٰ ایسی روح کے قالب میں جو باقی ارواح کے ہم جنس ہے آیا ہو اور بشریت کا لباس اختیار کیا ہو اور ہم اچھی طرح اس نسبت کو واشگاف کریں تو لفظ اتحاد اس وقت ہرگز مستعمل نہ ہو سکے گا مگر بتسامح، بلکہ اس معنی کے قریب تر الفاظ تقویم، تعدیل وغیرہ ہیں جس کے معنی کسی چیز کو سیدھا کرنا اور برابر کرنا ہے اسی سے تقویم البلدان ہے یعنی ممالک کے طول و عرض اور زمین کے خراج کا بیان، اور اسی سے ہے حق تعالیٰ کا ارشاد "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" (ہم نے بنایا آدمی خوب سے اندازے پر) فالمعنی صارت الاقانیم الثلاثة متساویة، متنسقة، معتدلة۔

قولہ التقویم الخ مقوم وہ ہے جس کے ذریعہ سے کوئی دوسری چیز قائم ہو جیسے جوہر عرض کا مقوم ہے یا طلسمی کاغذ کسی تماشہ کا مقوم ہو، عام غلطی یہ ہے کہ تقویم کو جوہر و عرض کی نسبت میں منحصر کر دیا ہے اور چونکہ جوہر و عرض میں ایک طرح کا اتحاد ہے اسلئے تقویم کو اتحاد سمجھ لیا ہے حالانکہ طلسم اپنے تماشہ سے بالکل صاف علیحدہ ہوتا ہے اور یہ نسبت تقویم ہی کی ہے اگر اس کو بھی اتحاد ہی کہا جائے تو پھر کوئی چیز علیحدہ ہی نہیں کیونکہ کوئی نہ کوئی نسبت آخر پائی ہی جائے گی۔ (حاشیہ)

(خاتمة البحث) یہاں تک بحث تثلیث مع بیان ادلہ مبطلہ تمام ہوئی، خاتمۂ بحث میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت مسیح ؑ کے ان اقوال کو بھی ذکر کر دیا جائے جو تثلیث کے ابطال پر دال ہیں۔

(۱) انجیل یوحنا (۳/۱۷) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے "وہذہ ہی الحیٰوة الابدیة ان یعرفوک انت الالٰہ الحقیقی وحدک ویسوع المسیح الذی ارسلتہ" اس میں آپ نے بتایا ہے کہ حقیقی زندگی یہی ہے کہ لوگ خدا کو واحد حقیقی معبود برحق اور عیسیٰ کو اس کا رسول جانیں اور اسی پر عمل پیرا ہوں۔

(۲) انجیل مرقس (۱۳/ ۳۲) میں حضرت مسیح کا قول ہے "واما ذلک الیوم وتلک الساعة فلا یعلم بہما احد ولا الملائکة الذین فی السماء ولا الابن الا الاب" اس میں حضرت مسیح نے قیامت کے علم کو (باقی بر صفحہ ۸۵)

وإن شئت ان ترى أنموذجاً لهذا الفريق فانظر اليوم الى اولاد المشائخ والاولياء ماذا يعتقدون باٰبائهم فتجدهم قد افرطوا فى اجلالهم كل الافراط، وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ "

لغات، انموذج نمونہ، فریق جماعت، گروہ افرطوا افراطاً حد سے بڑھ جانا، اجلال تعظیم کرنا، منقلب انقلاب کا اسم ظرف، لوٹنے کی جگہ، کہا جاتا ہے کل امرئ یصیر الی منقلبہ

ترجمہ:۔ اگر تو دیکھنا چاہے نمونہ اس قوم کا تو دیکھ آج اولیاء اللہ اور مشائخ کی اولاد کو کہ وہ اپنے آباء کے حق میں کس قسم کے خیالات رکھتے ہیں پس تو ان کو پائیگا کہ وہ ان کی تعظیم میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں اور بہت جلد جانیں گے وہ لوگ جو ظلم کرتے ہیں کہ کونسی پھرنے کی جگہ پھر جائیں گے۔

(بقیہ ص۸۴) اللہ کے ساتھ خاص کیا ہے اور اپنی ذات اور دیگر بندگان خدا سے اس کے علم کی نفی کی ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کے الٰہ ہونے کی صورت میں اس نفی کی کوئی وجہ ہی نہیں بالخصوص جبکہ ان کے ہاں کلمہ اور اقنوم ابن دونوں علم الٰہی سے عبارت ہیں۔

(۳) انجیل متی (۱۹، ۱۶، ۱۷) میں ہے " واذا واحد تقدم وقال له: ايها المعلم الصالح! اى صلاح اعمل لتكون لى الحيوة الابدية؟ فقال له: لماذا تدعوني صالحا! ليس احد صالحا الا واحد وهو الله" اس میں آپنے اپنے لئے ازراہ تواضع لفظ صالح بھی گوارا نہیں کیا۔

(۴) انجیل یوحنا (۱۴، ۲۴) میں حضرت مسیح کا قول ہے " الكلام الذى تسمعونه ليس لى بل للاب الذى ارسلنى" اس میں رسالت اور اس بات کی تصریح ہے کہ جو کلام تم سنتے ہو وہ حق تعالیٰ کی جانب سے آئی ہوئی وحی ہے۔

(۵) انجیل متی (۲۳، ۹، ۱۰) میں اپنے تلامذہ کو حضرت مسیح کا خطاب ہے " ولا تدعوا لكم ابا على الارض لان اباكم واحد الذى فى السموات، ولا تدعوا معلمين لان معلمكم واحد المسيح" اس میں آپنے اللہ کے ایک ہونے کی اور اس بات کی تصریح کی ہے کہ میں تمہارا معلم ہوں۔

(۶) قرآن عظیم کی سورۂ مائدہ میں حضرت مسیح قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ	اے بنی اسرائیل بندگی کرو اللہ کی رب ہے میرا اور تمہارا، بیشک جس نے شریک ٹھیرایا اللہ کا سو حرام کی اللہ نے اسپر جنت اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

وایضًا فمن ضَلالۃِ اولٰئک انہم یجزِمون انہ قد قُتِلَ عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام وفی الواقع انہ قد وَقعَ اشتباہٌ فی قصتہ فلما رُفِعَ إلی السماء ظنّوا انہ قد قُتِل ویَرْوُون ہذا الغلطَ کابرًا عن کابرٍ فازالَ اللہُ سبحانہ وتعالٰی ہذہ الشبہۃَ فی القرآن العظیم فقال "وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَہُم" وما ذُکِرَ فی الانجیل من مقولۃِ عیسٰی علیہ السلام فمعناہ اِخْبارٌ بجُرأۃِ الیہودِ واقدامِہم علٰی قتلِہ وان کان اللہُ سبحانہ وتعالٰی یُنجّیہ من ہذہ المَہلکۃِ وامّا مقولۃُ الحَوارِیّین فمنشاہا وقوعُ اشتباہٍ وعدمُ اطلاعٍ علٰی حقیقۃِ الرفعِ الذی لا تأْلِفُہ الاذہانُ والاسماعُ

لغات:- یجزِمون (ض) جزمًا کسی امر کا قطعی فیصلہ کرنا۔ کابر بلند مرتبہ سردار، مورث اعلیٰ، صلبوہ (ن، ض) صَلبًا سولی دینا۔ جراۃ دلیری، اقدام دلیری کرنا، ینجیہ تنجیۃ رہائی دلانا، مہلکۃ ہلاکت کی جگہ، حوارین جمع حواری حضرت عیسٰی علیہ السلام کے انصار واعوان، تالف (س) اُلفًا مانوس ہونا، الاذہان جمع ذہن، اسماع جمع سمع کان

ترجمہ:- نیز ایک گمراہی نصاریٰ کی یہ ہے کہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام مقتول ہوگئے حالانکہ فی الواقع ان کے قتل کے قصہ میں ایک اشتباہ ہوگیا تھا جس سے انھوں نے آسمان پر اٹھائے جانے کو قتل سمجھ لیا اور نسلاً بعد نسل اس غلط روایت کو مسلسل نقل کرتے رہے، خداوند تعالیٰ نے قرآن عظیم میں اس شبہ کا ازالہ کیا اور فرمایا "حال یہ ہے کہ انھوں نے مسیح کو نہ تو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا مگر یہ کہ ان کو ایسا ہی معلوم ہوا" اور انجیل میں اس قصہ کے متعلق جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کا مقولہ ہے اس سے مراد یہودیوں کی دلیری اور ان کے اقدام قتل کی خبر دینا ہے باوجودیکہ خدا تعالیٰ نے اس سانحہ سے ان کو نجات عطا فرمائی، اور حوارین کا جو مقولہ مذکور ہے اس کا منشا یہ ہے کہ ان کو اشتباہ ہوگیا اور رفع کی حقیقت پر ان کو اطلاع نہ تھی جس سے کہ ان کے ذہن اور کان اب تک مانوس نہ تھے۔

تشریح:- قولہ وایضًا اکثر عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ آدم نے جو خدا کی نافرمانی کی تھی یعنی اس کے حکم کے بغیر درخت ممنوع سے کھالیا تھا وہ گناہ نہ ان کی اس سزا سے معاف ہوا کہ وہ جنت سے نکالے گئے، مدتوں پریشان روتے پھرے، نہ ان کی توبہ واستغفار سے معاف ہوا بلکہ وہ نسل در نسل ہر بنی آدم پر منتقل ہوتا چلا آتا تھا اور خدا کو اس کی سزا دیے بغیر چارہ نہ تھا کیونکہ عیسائی عقیدہ میں ہر گناہ کی سزا جہنم ضروری ہے، اس گناہ موروثی سے حضرات انبیاء علیہم السلام بھی پاک نہ تھے، اب اس کی سزا بھی دی تو کس کو؟ اپنے پیارے فرزند مسیح کو، وہ باوجودیکہ فریاد وآہ وزاری بھی کرتے رہے مگر خدائے عادل کب توجہ فرمانے والا تھا آخر اس معصوم کو صلیب پر یہود کے ہاتھ چڑھوا ہی دیا اور انھوں نے بڑی تکلیف سے چیخ کر جان دی اور تمام مخلوق کے گناہ جو تھیں انھیں کو ملعون بنا کر تین روز جہنم میں رکھا اور وہ تمام دنیا کیلئے کفارہ ہوگئے (العیاذ باللہ) اصل اس بدعت کے موجد حضرت پولوس مقدس ہیں جنکی اصل غرض اس سے شریعت انبیاء اور احکام توریت سے آزاد کرا دینا تھا اور اس کے رواج دینے کے لئے وہ جھوٹ بولنا بھی جائز سمجھتا تھا۔ (البیان)

قولہ و ما قتلوہ الخ یہ آیت سورۂ نساء کی ہے پوری آیت یوں ہے

وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالھم بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ وکان اللہ عزیزا حکیما

انھوں نے نہ اس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا ولیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ لوگ اس جگہ شک میں پڑے ہوئے ہیں کچھ نہیں انکو اسکی خبر صرف اٹکل پر چل رہے ہیں اور اسکو قتل نہیں کیا بیشک بلکہ اسکو اٹھالیا اللہ نے اپنی طرف اور اللہ ہے زبردست حکمت والا۔

یعنی یہودیوں نے نہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا نہ سولی چڑھایا، یہود جو اس بارہ میں مختلف باتیں کررہے ہیں اپنی اپنی اٹکل سے کررہے ہیں، اللہ نے ان کو شبہ میں ڈالدیا خبر کسی کو بھی نہیں واقعی بات یہ ہے کہ اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا، قصہ یہ ہوا کہ جب یہودیوں نے حضرت مسیح ؑ کے قتل کا عزم کیا تو پہلے ایک آدمی ان کے گھر میں داخل ہوا حق تعالیٰ نے ان کو تو آسمان پر اٹھالیا اور اس شخص کی صورت حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت کے مشابہ کردی جب باقی لوگ گھر میں گھسے تو اس کو مسیح سمجھ کر قتل کردیا پھر خیال آیا تو کہنے لگے کہ اس کا چہرہ تو مسیح کے چہرہ کے مشابہ ہے اور باقی بدن ہمارے ساتھی کا معلوم ہوتا ہے، کسی نے کہا کہ یہ مقتول مسیح ہے تو ہمارا آدمی کہاں گیا اور ہمارا آدمی ہے تو مسیح کہاں ہے؟ اب صرف اٹکل سے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا علم کسی کو بھی نہیں (فوائد)

یہاں تک کہ اس کی بابت تین فرقے ہوگئے ایک فرقہ یعقوبیہ۔ جنھوں نے یہ کہا کہ اللہ ہم میں رہا جبتک چاہا پھر وہ آسمان پر چلا گیا، دوم فرقہ نسطوریہ جنھوں نے یہ کہا کہ ابن اللہ ہم میں رہا جب تک چاہا پھر اللہ نے اس کو اپنے پاس بلالیا، سوم فرقہ مسلمین۔ جنھوں نے یہ کہا کہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہم میں رہا جبتک چاہا پھر اللہ نے اسکو آسمان پر اٹھالیا اور حق یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ ہرگز مقتول نہیں ہوئے بلکہ اللہ نے آسمان پر اٹھالیا اور یہود کو شبہ میں ڈالدیا۔

قولہ وما ذکر فی الانجیل الخ انجیل متی (۲۶، ۳۸، ۴۵) میں یوں ہے۔

ان عیسیٰ علیہ السلام قال للحواریین ان نفسی حزینۃ جدا، امکثوا ھھنا واسھروا معی ثم تقدم قلیلا للصلوٰۃ ثم جاء الیھم فوجدھم نیاما فقال لبطرس امکذا ما قدرتم ان تسھروا معی؟ ساعۃ واحدۃ اسھروا وصلوا ثم مضی مرۃ ثانیۃ للصلوٰۃ ثم جاء فوجدھم نیاما فترکھم ومضی ثم جاء الی تلامیذہ وقال لھم ناموا واستریحوا انظروا قد اقتربت تلک الساعۃ وابن اللہ للصلیب بایدی الفجار الظلمۃ اھ

حضرت عیسیٰ ؑ نے حواریین سے کہا آج میرا دل بہت غمگین ہے تم یہاں ٹھیرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو یہ کہکر نماز کے لئے بڑھے پھر ان کے پاس آئے تو ان کو سوتا ہوا پایا پس آپ نے بطرس سے کہا، کیا تم میرے ساتھ اتنی دیر بھی نہ جاگ سکے؟ کچھ دیر جاگو اور نماز پڑھو، آپ پھر نماز کے لئے چلے گئے اور واپس آئے تو ان کو سوتا دیکھ کر چھوڑ دیا اور اپنے شاگردوں سے آکر کہا، وہ تو آرام سے سوئے ہوئے ہیں، دیکھو وہ گھڑی قریب ہے کہ ابن اللہ ظالم فاجروں کے ہاتھوں سولی دیا جائے۔ اھ

ومن ضلالتهم ایضاً انھم یقولون ان فارقلیط الموعود ھو عیسیٰ روح اللہ الذی جاءھم بعد القتل ووصاھم بالتمسک بالانجیل ویقولون ان عیسیٰ وصّٰی بان المتنبئین یکثرون فمن سمانی فاقبلوا کلامہ والا فلا

ترجمہ: اور نیز ان کی گمراہی میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ "فارقلیط" موعود سے وہ عیسیٰ روح اللہ مراد ہیں جو قتل ہوجانے کے بعد ان کے پاس آئے اور ان کو انجیل کے کامل اتباع کی وصیت فرمائی، اور کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ میرے بعد مدعیانِ نبوت بکثرت ہوں گے پس ان میں جو شخص میرا نام لے اس کی تصدیق کرنا ورنہ نہیں۔

تشریح:۔ قولہ ان فارقلیط الخ یہ لفظ کس زبان کا ہے؟ اس میں کئی قول ہیں ۱۔ زبان خالدیہ کا ہے جو بابل اور اس کے اطراف کی زبان تھی جس کو کلدیہ اور کلدانی بھی کہتے ہیں، مگر یہ بات قابل غور ہے اسواسطے کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بزبان خود دی تھی اور یہ مسلّم ہے کہ آپ کی زبان عبرانی تھی جو ملک یہودیہ کی زبان ہے۔ ممکن ہے کلدانیوں کے غلبہ اور بنی اسرائیل کے مدت دراز تک ان میں رہنے سے اس زبان کے الفاظ بھی عبرانی میں شامل ہوگئے ہوں، پھر یونانی میں یا تو اس کا ترجمہ "پیرکلوطس" کیا گیا یا تغیر کرکے لایا گیا جس کے معنی احمد کے ہیں، بشپ مارش جو عیسائیوں میں مسلّم شخص ہیں اسی کے قائل تھے ۲۔ سریانی لفظ ہے ۳۔ عربی لفظ ہے۔ بشپ مذکور ان دونوں قولوں کو بھی مانتے ہیں مگر عربی زبان میں اس کا پتہ نہیں چلتا ۴۔ حضرت عیسیٰ نے عبرانی زبان میں پیشین گوئی کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص نام احمد لیا مگر جب اس کا یونانی زبان میں ترجمہ ہوا تو اس کے ہم معنی لفظ "پیرکلوطوس" کو ذکر کیا گیا جس کا معرب فارقلیط ہوا۔

قولہ الموعود الخ انجیل یوحنا (۱۴، ۱۵، ۱۷) میں ہے۔

ان کنتم تحبونی فاحفظوا وصایای وانا اطلب لکم من الاب فیعطیکم فارقلیط آخر لیثبت معکم الی الابد۔

اگر تم مجھے محبوب رکھتے ہو تو میری وصیتیں محفوظ رکھو اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا وہ تمھیں دوسرا فارقلیط بخشے گا کہ ہمیشہ تمھارے ساتھ رہے

اور آیت ۲۶ میں ہے:۔

والفارقلیط روح القدس الذی یرسلہ الاب باسمی ہو یعلمکم کل شیء وہو یذکرکم کلما قلتہ لکم

اور فارقلیط روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہ تمھیں ہر چیز سکھائیگا اور جو باتیں میں نے تم سے کہی ہیں سب بتائیگا۔

اور انجیل یوحنا (۱۵، ۲۶) میں ہے:

فاذا جاء الفارقلیط الذی ارسلہ انا الیکم من الاب ہو یشہد لاجلی وانتم تشہدون لانکم معی من الابتداء

جب وہ فارقلیط آجائے جسے میں تمھارے لئے باپ کی طرف سے بھیجوں گا تو وہ میرے لئے گواہی دیگا اور تم بھی گواہی دوگے کیونکہ تم شروع سے میرے ساتھ ہو۔

انجیل یوحنا (۱۶، ۷، ۱۵) میں ہے ۔

لکنی اقول لکم الحق انہ خیر لکم ان انطلق لانی ان لم انطلق لم یاتکم الفارقلیط فاما ان انطلقت ارسلتہ الیکم فاذا جاء ذاک فھو یوبخ العالم علی خطیئۃ وعلی بر وعلی حکم اما علی الخطیئۃ فلانھم لم یؤمنوا بی واما علی البر فلانی منطلق الی الاب ولستم ترونی بعد واما علی الحکم فان ارکون ہذا العالم قد دین، وان لی کلاما کثیراً اقولہ لکم ولکنکم لستم تطیقون حملہ الآن واذا جاء روح الحق ذاک یعلمکم جمیع الحق لانہ لیس ینطق من عندہ بل یتکلم بکل ما یسمع ویخبرکم بما سیاتی وھو یمجدنی

لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمھارے لئے میرا جانا ہی بہتر ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمھارے پاس نہ آئے پر میں اگر جاؤں تو اس کو تمھارے پاس بھیجدوں گا پس وہ آکر دنیا کو گناہ، نیکی اور حکم پر سرزنش کریگا، گناہ پر اسلئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے نیکی پر اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں پھر تم مجھ کو نہ دیکھو گے، حکم پر اس لئے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا، میری اور بہت باتیں ہیں جن کو تم سے کہوں لیکن تم ان کی اب برداشت نہ کرسکوگے، پھر جب روح الحق آئے تو وہ ساری سچائی کی راہ تم کو بتائیگا کیونکہ وہ اپنی طرف سے نہ کہیگا بلکہ جو سنے گا وہی کہیگا اور تمھیں غیب کی خبریں دیگا اور میری بزرگی بیان کریگا

قولہ ہو عیسے الخ مذکورۂ بالا نصوص میں جو فارقلیط کی آمد کی بشارت ہے عیسائی لوگ اسکو نزول روح القدس پر محمول کرتے ہیں جو حضرت مسیح کے سولی دیئے جانے کے دس روز بعد جبکہ حواری ایک مکان میں مجتمع تھے روح القدس کا ظہور ہوا تھا جسکی کیفیت ہم عیسائی ہی کی کتاب الاعمال سے بیان کرتے ہیں جو اُن کے نزدیک الہامی ہے اور بعد مسیح کے لکھی گئی ہے کتاب الاعمال کے باب دوم میں ہے کہ

"جب پنٹکسٹ کا دن آیا تھا وہ (حواری) ایک دل ہو کے اکٹھے ہوئے اور یکبارگی آسمان سے ایک آواز آئی جیسے بڑی آندھی چلا کرتی ہے اور اس سے وہ سارا جہاں بیٹھے تھے بھر گیا اور انھیں جدا جدا آگ کی سی زبانیں دکھائی دیں اور ان میں سے ہر ایک پر بیٹھیں تب وہ سب روح القدس سے بھر گئے اور غیر ملکوں کی زبان جیسے انھیں روح القدس نے قدرت دی تھی بولنے لگے، ان مختلف زبانوں میں کلام کرنے سے جو یروشلم میں مختلف ملکوں کے لوگ جمع تھے حیران ہوگئے کیونکہ ہر ایک نے ان کو اپنی اپنی زبان میں کلام کرتا پایا، مگر کسی نے حاضرین جلسہ میں سے بطور تمسخر کے یہ کہا کہ یہ شراب کے نشہ میں مست ہیں بے تکی باتیں کررہے ہیں اس پر شمعون بطرس حواری نے باواز بلند کہا کہ اے یہودی مردو اور یروشلم کے رہنے والو یہ مست شراب نہیں ہیں بلکہ یوایل نبی کی خبر کے بموجب ظہور ہے خدا کہتا ہے کہ آخری دنوں میں اپنی روح میں سے سب آدمیوں پر ڈالوں گا اور تمھارے بیٹے اور بیٹیاں نبوت (غیب بیانی) کریں گے" (البیان)

قولہ ان عیسی وصی الخ انجیل متی (۷، ۱۵) میں حضرت مسیح کا قول یوں مذکور ہے ۔

احترزوا من الانبیاء الکذبۃ الذین یاتونکم بثیاب الحملان ولکنھم من داخل ذئاب خاطفۃ

جھوٹے نبیوں سے چوکنا رہو جو ظاہر میں تمھارے پاس کملی پوش ہوکر آئینگے اور اندر سے وہ اُچک لینے والے بھیڑیے ہوں گے (باقی برص ۹۰)

فَبَیَّنَ القرآنُ العظیمُ أنَّ بشارۃَ عیسیٰ انما تنطبقُ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام لا علیٰ صورۃ الروحانیۃِ لعیسیٰ لانہ قال فی الانجیل "إنَّ فارقلیطَ یَلبثُ فیکم مدۃً من الدھر و یُعلِّمُ العلمَ ویُطہِّرُ النّاسَ ویُزکِّیھم" ولا یظھر ھذا المعنی فی غیرِ نبینا صلی اللّٰہ علیہ وسلم وانما ذکرُ عیسی فھو عبارۃٌ عن اثباتِ نبوتہٖ لا ان یُسمّیہ اللّٰہَ او ابن اللّٰہ

ترجمہ: پس قرآن عظیم نے بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہوتی ہے ذکر حضرت عیسیٰ ؑ کی روحانی صورت پر کیونکہ انجیل میں کہا ہے کہ فارقلیط تم میں مدتِ دراز تک رہ کر علم سکھائے گا اور لوگوں کے نفوس کو پاک کریگا" اور یہ بات ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی میں ظاہر نہیں، باقی حضرت عیسیٰ کے ذکر سے مراد یہ ہے کہ انکی نبوت کی تصدیق کرے نہ یہ کہ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہے۔

تشریح

قولہ ان بشارۃ عیسیٰ الخ اہل اسلام کا سلفاً وخلفاً یہ دعویٰ ہے کہ یہ پیشین گوئی جس کا ذکر کتاب یوحنا میں ہے جن میں لفظ فارقلیط ہے وہ خاص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں حضرت مسیح علیہ السلام نے بلفظ احمد دی ہے جس کا عبرانی سے یونانی میں ترجمہ کیا اور پھر یونانی سے عربی میں فارقلیط بنا یا گیا ہے، جیساکہ قرآن مجید میں خبر دیگئی ہے، سورۂ صف میں ہے

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ

اور جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے بنی اسرائیل میں بھیجا ہوا آیا ہوں اللہ کا تمہارے پاس یقین کرنیوالا اس پر جو مجھ سے آگے ہے توریت اور خوشخبری سنانیوالا ایک رسول کی جو آئیگا میرے بعد اسکا نام ہے احمد

(بقیہ ص۸۹)

چنانچہ منٹس عیسائی، دوتھیوس، شمعون مجوسی وغیرہ چوبیس اشخاص نے آدم یا قیصر کے عہد سے لیکر ۱۶۸۲ء کے قریب تک فارقلیط ہونے کا دعویٰ کیا ہے، آدم کلارک مفسر کہتا ہے

ھٰؤلاء الاشخاص کانوا یدعون کذبا انھم رسول المسیح وما کانوا رسل المسیح فی نفس الامر وکانوا یعظون ویجتھدون لکن مقصودھم ماکان الا جلب المنفعۃ

یہ لوگ جھوٹا دعویٰ کرتے تھے کہ ہم رسول مسیح ہیں حالانکہ واقع میں رسول مسیح نہ تھے، یہ لوگ نصیحت بھی کرتے اور اجتہاد بھی کرتے تھے لیکن مقصود ان کا صرف نفع کمانا تھا۔

یوحنا کے رسالۂ اولیٰ کے باب چہارم میں ہے۔

ایھا الاحباء لا تصدقوا کل روح بل امتحنوا الارواح ھل ھی من اللّٰہ؟ لان الانبیاء الکذبۃ کثیرون قد خرجوا الی العالم۔

دوستو! ہر روح کی تصدیق نہ کرو بلکہ ارواح کو جانچو کہ وہ منجانب اللہ ہیں یا نہیں، کیونکہ جھوٹے نبی دنیا میں بہت آگئے ہیں۔

(محمد حنیف غفرلہ گنگوہی)

یوں تو دوسرے انبیاء سابقین بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مژدہ برابر سناتے آئے ہیں لیکن جس صراحت و وضاحت اور اہتمام کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام نے آپ کی آمد کی خوشخبری دی وہ کسی اور سے منقول نہیں، شاید قرب عہد کی بناء پر یہ خصوصیت ان کے حصے میں آئی ہوگی کیونکہ انکے بعد نبی آخر الزماں کے سوا کوئی دوسرا نبی آنے والا نہ تھا۔ (فوائد، البیان)

قولہ ولا یظہر الخ عیسائی لوگ اس بشارت کو نزول روح القدس پر محمول کرتے ہیں جو کسی طرح بھی اس پر منطبق نہیں ہوتی جس کی وجوہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) انجیل یوحنا میں ہے "میں اپنے باپ سے درخواست کرونگا وہ تمھیں اور فارقلیط دیگا کہ ہمیشہ تمھارے ساتھ رہے" اس سے مراد روح القدس نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ہمیشہ ان کے ساتھ نہیں رہا بلکہ ایک دن تھوڑی سی دیر تک رہا پھر عمر بھر وہ بات نصیب نہیں ہوئی (۲) "روح حق تمھیں وہ سب باتیں جو میں نے کہیں بتادیگا" روح القدس جب حواریوں پر اترا تو اس نے انھیں کچھ نہیں یاد دلایا، البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسیحی تعلیم کے حقیقی معنی بتلائے، ان کی غلط فہمیوں پر متنبہ کیا توحید و عبادت الٰہی، ترک شہوات اور دار آخرت کی رغبت وغیرہ یاد دلائیں (۳) "میں نے تمکو پہلے ہی مطلع کردیا تاکہ جب وہ یہاں آئے تم ایمان لاؤ" یہ روح القدس کے نازل ہونے پر صادق نہیں آتا کیونکہ اول تو اس کا نازل ہونا حواری پہلے پہلے بھی دیکھ چکے تھے اسلئے اس کے اہتمام کی ضرورت ہی نہیں تھی دوسرے یہ کہ روح جس پر نازل ہو وہ تو ایک حالت سی ہوتی ہے جس کا کوئی انکار ہی نہیں کرسکتا، ہاں خاتم المرسلین کا انکار کچھ مستبعد نہ تھا چنانچہ انکے آنے کے بعد انکار ہی ہوا۔

(۴) "بعد اس کے میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اسکی کوئی بات نہیں" یہ کسر نفسی ہے جیسا کہ یوحنا نے حضرت مسیح کے متعلق کہا تھا کہ میں اس کی جوتیوں کا تسمہ کھولنے کے بھی قابل نہیں، یہ ایک ایسے عظیم الشان پیغمبر کی خبر ہے جس کو حضرت عیسیٰ اس جہان کا سردار قرار دے رہے ہیں اور ان کے کمالات کے مقابلہ میں اپنے فضائل کو لاشیٔ کہہ رہے ہیں، یعنی باوجودیکہ میں نے حقائق اشیاء و اسرار محبت باری آشکار کئے اس کے ساتھ راز و نیاز، سوز و گداز، عجز و نیاز کا طریق سکھایا جس سے بنی اسرائیل نابلد تھے، مگر ایک آنے والے عظیم الشان نبی کے سامنے جو شرائع و احکام کے غوامض سے بھی واقف ہوگا، احکام کے بے ترتیب سلسلہ کو باترتیب بھی کریگا۔ ان میں حسب مصلحت حکیم حاذق کیطرح کمی بیشی بھی کریگا، وہ شریعت و طریقت، معرفت و حقیقت سب کا جامع ہوگا اس استاد کل کے سامنے کس کی گویائی ہے جو بات کرے "ع تو بگفتن اندر آئی و مارا سخن نماند"۔ روح القدس پر یہ بیان کسی طرح بھی چسپاں نہیں ہوسکتا۔ روح القدس اور باپ یعنی خدا اور بیٹا عیسیٰ یہ تینوں تو عیسائیوں کے نزدیک ایسے ایک ہیں جنھیں مجموعہ مرکب بناکر خدا کہا جاتا ہے پس روح القدس عیسیٰ اور عیسیٰ روح القدس ہیں اگر وہ جہان کے سردار ہیں تو اب بھی جو کچھ ایک میں ہے وہ دوسرے میں ہے پھر یہ جملہ کس طرح اس پر صادق آسکتا ہے

(۵) "فارقلیط آکر میرے لئے گواہی دے گا" روح القدس نے اول تو گواہی نہیں دی اور جو دی بھی تو صرف حواریوں کے سامنے جس کی کوئی بھی ضرورت نہ تھی، برخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری دنیا کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گواہی دی اور یہود کو ملزم قرار دیا (۶) "اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمھارے پاس نہ آئے"۔ یہ بھی روح القدس پر صادق نہیں آتا کیونکہ روح القدس اور حضرت عیسیٰ کا تو اتحاد مانا جاتا ہے پھر اگر نہ جاؤں تو نہ آئے۔

چہ معنی دارد؟ البتہ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری صادق آتی ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تقدم و تأخر زمانی ہے، آپ کا دور تمام نہ ہولے تو دوسرا دور شروع نہ ہو۔ (۷) روح الحق آکر دنیا کو گناہ اور نیکی اور حکم پر سرزنش کریگا۔ یہ بھی صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے کیونکہ روح نے کسی کو سزا و سرزنش تو کیا ملزم بھی نہیں ٹھیرایا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منکرین مسیح کو خطاکار ہی ٹھیرایا بلکہ انتقام بھی لیا ہے۔ (۸) "روح حق تم کو ساری سچی باتیں بتائے گا" روح القدس نے کوئی بات حواریوں کو نہیں بتائی ہاں آنحضرت ؐ نے بھولے نصاریٰ کو ضرور راستہ بتایا (۹) "جو سُنے گا وہی کہے گا اور غیب کی خبریں بتادے گا۔" روح القدس تو عیسائیوں کے نزدیک عین خدا یا جزو خدا ہے پھر سُننا چہ معنی دارد؟ ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ خدا ہیں نہ اس کا جزو ہیں، وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، وما ینطق عن الھویٰ" آپ نے دار آخرت اور صفات کے متعلق جو غیب ہے سیکڑوں خبریں بتائیں جن کی ضرورت تھی مگر عیسائیوں کے روح القدس نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔

(۱۰) جس کتاب الاعمال میں روح القدس نازل ہونے کا ذکر ہے اس میں کسی مقام پر بھی اس طرف اشارہ نہیں کیا کہ مسیح نے جو فارقلیط بھیجنے کا وعدہ کیا تھا وہ پورا ہوچکا تھا حالانکہ یہ کتاب اس واقعہ کے برسوں بعد لکھی گئی ہے (۱۱) اگر انجیل میں فارقلیط سے مراد آنے والا پیغمبر نہ ہوتا تو یہ ممکن نہ تھا کہ سیکڑوں ہزاروں اہل کتاب کے سامنے قرآن پاک ایک ایسا جھوٹا دعویٰ کردیتا کہ جس کا انجیل میں وجود بھی نہ ہو اور پھر عیسائی جو اسلام میں آگئے تھے یک لخت اس بے بنیاد دعویٰ سے برگشتہ نہ ہو جاتے۔

(۱۲) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بہت سے عیسائی صرف اسی بشارت کے سبب سے اسلام میں داخل ہوگئے تھے جن پر نہ طمع کی بدگمانی نہ خوف کا اتہام لگ سکتا ہے جیسے شاہ حبش نجاشی جو انجیل و توریت کا بڑا عالم تھا اور جارود بن العلاء حضرمی جو عیسائی اور بڑا عالم تھا اپنی قوم کے ساتھ حاضر خدمت ہوکر اسلام لایا اور اقرار کیا کہ آپ کا ذکر انجیل میں موجود ہے، اور بہت سے عیسائی مقر تھے مگر کسی دنیاوی مصلحت سے انھوں نے اسلام میں ظاہر ہونا اختیار نہیں کیا جیسا کہ ہرقل شاہ قسطنطنیہ اور مقوقس شاہ مصر۔

بہرکیف موجودہ بائبل کے بیسیوں مواضع کی شہادت کے علاوہ انجیل یوحنا کی فارقلیط والی بشارت تو اتنی صاف ہے کہ اس کا بے تکلف مطلب بجز احمد (بمعنی محمود و ستودہ) کے کچھ ہو ہی نہیں سکتا، چنانچہ بعض علماء اہل کتاب کو ناگزیر اس کا اعتراف یا نیم اقرار کرنا پڑا ہے کہ اس پیشین گوئی کا انطباق پوری طرح نہ روح القدس پر اور نہ بجز سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور پر ہو سکتا ہے (فوائد البیان، تفسیر حقانی بتغییر)

محمد حنیف غفر لہ گنگوہی

أَمَّا المنافقون فهم على قسمين قوم يقولون الكلمة الطيبة بألسنتهم وقلوبهم مطمئنة بالكفر ويضمرون الجحود الصرف فی انفسهم قال تعالیٰ فی حقهم "إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ" وطائفة دخلوا فی الاسلام بضعف

لغات، المنافقون منافق کی جمع ہے دل میں کفر اور زبان سے ایمان ظاہر کرنے والا، الطیبۃ پاکیزہ، السنۃ جمع لسان بمعنی زبان، مطمئنۃ برقرار، یضمرون اضماراً پوشیدہ کرنا، چھپانا، الجحود کفر، انکار کرنا، الصرف محض، خالص الدرک گڑھا کسی چیز کی انتہائی گہرائی۔

ترجمہ

منافقین دو قسم کے تھے ایک وہ جو زبان سے کلمہ ایمان کہتے تھے مگر ان کے دل کفر پر برقرار تھے اور وہ کفر و جحود کو اپنے دلوں میں چھپاتے تھے ایسے لوگوں کے حق میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "بے شک منافقین دوزخ کے پست ترین طبقہ میں ہونگے" دوسری قسم وہ گروہ جو اسلام میں داخل ہوا ضعف یقین کے ساتھ۔

تشریح، قولہ ویضمرون الخ جیسے سورۂ بقرہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ

اور جب ملاقات کرتے ہیں مسلمانوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہا ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں ہم تمھارے ساتھ ہیں ہم تو ہنسی کرتے ہیں، یعنی کفر و اعتقاد دین کے معاملہ میں ہم بالکل تمھارے ساتھ ہیں تم سے کسی حالت میں جُدا نہیں ہو سکتے، اور ظاہری موافقت جو ہم مسلمانوں سے کرتے ہیں اس سے یہ نہ سمجھنا کہ ہم واقع میں ان کے موافق ہیں ہم تو ان سے تمسخر کرتے ہیں اور ان کی بیوقوفی سب پر ظاہر کرتے ہیں کہ باوجودیکہ ہمارے افعال ہمارے اقوال کے مخالف ہیں مگر وہ اپنی بیوقوفی سے صرف ہماری زبانی باتوں پر ہم کو مسلمان سمجھ کر ہمارے مال اور اولاد پر ہاتھ نہیں ڈالتے اور مال غنیمت میں ہم کو شریک کر لیتے ہیں اور اپنی اولاد سے ہمارا نکاح کر دیتے ہیں اور ہم ان کے راز کی باتیں اڑا لاتے ہیں اور وہ اس پر بھی ہمارے فریب کو نہیں سمجھتے۔

نفاق کی اس قسم کو نفاق اعتقاد اور نفاق اصلی کہتے ہیں، اسی قسم کے منافقین کی بابت حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار" بے شک منافق ہیں سب سے نیچے درجے میں دوزخ کے ۔

اے کہ دارد نفاق اندر دل   خار بادش خلیدہ اندر حلق

ہر کہ سازد نفاق پیشۂ خویش   خوار گردد بنزدِ خالق و خلق

قولہ وطائفۃ دخلوا الخ جیسا کہ حدیث میں حضرت ابوہریرہ رض سے حضور ﷺ کا ارشاد مروی ہے

ما اخاف علی امتی الا ضعف الیقین (طبرانی)   مجھے اندیشہ نہیں اپنی امت پر مگر ضعفِ یقین کا۔

محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

فمنهم من یتبعون عادة قومهم ویعتادون موافقتهم ان آمن القوم آمنوا وان کفروا کفروا ومنهم من هجم علی قلوبهم اتباع لذاتِ الدنیا الدنیئة بحیث لم یترک فی القلب محلاً لمحبة اللہ ومحبة الرسول او تملک قلبهم الحرص علی المال والحسد والحقد ونحو ذلک حتی لایخطر ببالهم حلاوة المناجاة ولابرکات العبادات ومنهم من شغفوا بامور المعاش واشتغلوا بها حتی لم یبق فرصة للاهتمام بامر المعاد وتوقعه وتفکره ومنهم من تخطر ببالهم ظنون واهیة وشبهات رکیکة فی رسالة نبینا صلی اللہ علیه وسلم وان لم یبلغوا درجة یخلعون بها ربقة الاسلام ویخرجون منه بالکلیة ومنشأ تلک الشکوک جریان الاحکام البشریة علی حضرة نبینا صلی اللہ علیه وسلم وظهور ملة الاسلام فی صورة غلبة الملوک علی اطراف الممالک وما اشبه ذلک ومنهم من حملتهم محبة القبائل والعشائر علی ان یبذلوا الجهد البلیغ فی نصرتهم وتقویتهم وتاییدهم وان کان فیه علی خلاف اهل الاسلام ویتهاونون فی امر الاسلام عند هذه المقابلة وهذا القسم من نفاق العمل ونفاق الاخلاق

لغات:۔ یعتادون اعتیاداً خوگر ہونا، ہجم (ن) ہجوماً قرار وسکون پانا، دنیئۃ کمینی، تملک مالک ہونا، حرص لالچ الحقد کینہ، یخطر (ن) خطوراً دل میں آنا۔ بال دل، حلاوۃ مزہ، لذت، المناجاۃ سرگوشی۔ شغفوا (س) شغفاً فریفتہ ہونا معاش زندگی کا ذریعہ، کھانے پینے کی جس چیز سے زندگی بسر ہو سکے۔ معاد آخرت، توقع امید، ظنون جمع ظن گمان واھیۃ کمزور، یخلعون (ف) خلعاً اتارنا، ربقۃ رسّی کا پھندا، عہد وپیمان، قبائل جمع قبیلہ۔ عشائر جمع عشیرۃ بمعنی قبیلہ باپ کی جانب سے قریبی لوگ۔ یبذلوا (ن، ض) بذلاً۔ الجھد پوری کوشش کرنا، یتھاونون تہاوناً استہزاء کرنا۔

ترجمہ:۔ پس ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی قوم کے خصائل کے پابند اور ان کی موافقت کے خوگر تھے اگر وہ ایمان لے آئیں تو یہ بھی ایمان لے آئیں اور وہ کافر ہیں تو یہ بھی کافر ہیں، اور بعض وہ ہیں جن کے قلوب میں دنیاوی لذات کا اتباع بھر گیا ہے کہ اس نے خدا اور اسکے رسول کی محبت کے لئے جگہ ہی باقی رہنے نہیں دی، یا ان کے دلوں پر حرص مال اور حسد وکینہ وغیرہ اس قدر مسلط ہو گیا تھا کہ اس کی وجہ سے ان کے دلوں میں مناجات کی لذت اور عبادت کی برکات نہیں آتی تھیں اور بعض وہ ہیں جو امور معاش میں ایسے منہمک ہو گئے تھے کہ ان کو امر معاد کا اہتمام اور اس کے لئے فکر کرنے کی فرصت تک باقی نہ رہی تھی، اور بعض وہ ہیں جن کے قلوب میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی نسبت بیہودہ خیالات اور رکیک شبہات گذرتے تھے اگرچہ وہ اس حد تک نہ پہنچے تھے کہ اسلامی طوق کو گردن سے نکال کر اس کشمکش سے صاف نکل جائیں، ان شبہات کا منشاء ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر بشری احکام کا جاری ہونا اور ملت اسلام کا شاہی غلبہ وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہونا تھا، اور بعض وہ ہیں جن کو اپنے قبائل اور گھرانوں کی محبت نے ان کی امداد اور تقویت وتائید پر ایسا برانگیختہ کر رکھا تھا کہ گو اہل کے خلاف

ہی کیوں نہ ہو گروہ سعی بلیغ کر کے اسلام کو ضعف پہنچاتے تھے، نفاق کی یہ دوسری قسم نفاقِ عمل اور نفاقِ اخلاق ہے۔

تشریح

قولہ اجلاع لذات الدنیا الخ جیسے سورۂ یونس کے پہلے رکوع میں ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا۔ — البتہ جو لوگ امید نہیں رکھتے ہمارے ملنے کی اور خوش ہوئے دنیا کی زندگی پر اور اسی پر مطمئن ہو گئے۔

یعنی دنیا میں ایسا دل لگایا کہ آخرت کی اور خدا کے پاس جانے کی کچھ خبر ہی نہ رہی اسی چند روزہ حیات کو مقصود بنا لیا۔

قولہ الحرص علی المال الخ جیسے سورۂ توبہ کی اس آیت میں ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّلْمِزُكَ فِی الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ یُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ یَسْخَطُوْنَ ۝ — اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ تجھ کو طعن دیتے ہیں خیرات بانٹنے میں سو اگر ان کو ملے اسمیں سے تو راضی ہوں اور اگر نہ ملے تو جبھی وہ ناخوش ہو جائیں۔ بعض منافقین صدقات وغنائم کی تقسیم کے وقت دنیوی حرص اور خود غرضی کی راہ سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت زبان طعن کھولتے تھے کہ تقسیم میں انصاف کا پہلو ملحوظ نہیں رکھا گیا، مگر یہ اعتراض اسی وقت تک تھا جب تک انکی خواہش کے موافق صدقات وغیرہ میں سے حصہ نہ دیا جائے، اگر انھیں خوب جی بھر کر خواہش وحرص کے موافق دیدیا گیا تو خوش ہو جاتے اور کچھ اعتراض نہیں رہتا تھا، گویا ہر طرح مال و دولت کو قبلۂ مقصود ٹھیرا رکھا تھا۔

قولہ والحسد الخ جیسے سورۂ توبہ کی اس آیت میں ہے۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِیْبَةٌ یَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَیَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ — اگر تجھکو پہنچے کوئی خوبی تو وہ بری لگتی ہے انکو اور اگر پہنچے کوئی سختی تو کہتے ہیں ہم نے تو سنبھال لیا تھا اپنا کام پہلے ہی اور پھر کر جائیں خوشیاں کرتے۔ منافقین کی عادت تھی کہ جب مسلمانوں کو غلبہ و کامیابی نصیب ہوتی تو جلتے اور کڑھتے تھے اور اگر کہیں کوئی سختی کی بات پیش آگئی مثلاً کچھ مسلمان شہید یا مجروح ہو گئے تو فخریہ کہتے کہ ہم نے ازراہ دور اندیشی پہلے ہی اپنے بچاؤ کا انتظام کر لیا تھا۔ سورۂ محمد میں ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ۝ — کیا خیال رکھتے ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے کہ اللہ ظاہر نہ کریگا ان کے کینے۔

یعنی منافقین اپنے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جو حاسدانہ عداوتیں اور کینے رکھتے ہیں کیا یہ خیال ہے کہ وہ دلوں میں پنہاں ہی رہیں گے اللہ ان کو طشت ازبام نہ کرے گا اور مسلمان ان کے مکر و فریب پر مطلع نہ ہوں گے؟ ہرگز نہیں، ان کا خبث باطن ضرور ظاہر ہو کر رہے گا۔

(محمد حنیف عفی لہ گنگوھی)

ولایمکن الاطلاعُ علےٰ النفاقِ الاولِ بعدَ حضرۃِ الرسولِ صلی اللہ علیہ وسلم فان ذلک من قبیلِ علمِ الغیب ولایمکن الاطلاعُ علےٰ ما ارتکزَ فِی القلوب والنفاقُ الثانی کثیرُ الوقوعِ لا سیما فی زماننا والیہ الاشارۃُ فی الحدیث "ثلاثٌ مَن کُنَّ فیہ کان منافقًا خالصًا اذا حدَّثَ کذَبَ واذا وعدَ اَخلفَ واذا خاصمَ فجرَ" و "ھمُّ المنافقِ بطنُہ وھمُّ المؤمنِ فرسُہ" الیٰ غیرِ ذلک من الاحادیثِ وقد بیَّنَ اللہُ سبحانہ وتعالیٰ اعمالَہم واخلاقَہم فی القرآنِ العظیم وقد ذکرَ من احوالِ الفریقین اشیاءَ کثیرۃً لتحترزَ الامۃُ منہا

لغات :- ارتکز اپنی جگہ میں برقرار رہنا۔ لاسیّما سِیّ اور مَا سے مرکب ہے اور کلمۂ استثناء ہے اور مشہور یہ ہے کہ اس کا استعمال واؤ کے ساتھ ہوتا ہے، لاسِیَما تخفیف کے ساتھ بھی استعمال کیا جاتا ہے، کبھی کلمۂ لا محذوف بھی ہوتا ہے مگر یہ ضعیف لغت ہے۔ خاصَم مخاصمۃً جھگڑا کرنا۔ فجر (ن) فجوراً گناہ کرنا۔ ہَم ارادہ۔ بطن پیٹ، فرس گھوڑا۔ لتحترز احترازاً بچنا۔

ترجمہ

نفاق کی پہلی صورت کا علم ممکن نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیونکہ یہ منجملہ علم غیب ہے اور ظاہر ہے کہ ان خیالات پر اطلاع نہیں ہو سکتی جو راسخ ہیں دلوں میں، اور نفاق ثانی کثیر الوقوع ہے خصوصًا ہمارے زمانے میں اور اس حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے،" تین خصلتیں ہیں جس میں یہ پائی جائیں گی وہ خالص منافق ہوگا جب بات کہے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی بکے" اور "منافق صرف اپنے پیٹ کی فکر کرتا ہے اور مومن اپنے گھوڑے کی فکر رکھتا ہے۔ اسی طرح اور دیگر احادیث، خدا تعالےٰ نے ایسے منافقوں کے اخلاق و اعمال کو قرآن مجید میں خوب آشکارا کیا ہے اور ہر دو گروہ کے احوال بکثرت بیان فرمائے ہیں تاکہ امت ان سے احتراز کرے۔

تشریح

قولہ ولایمکن الاطلاع الخ سورۂ توبہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ	اور بعضے تمہارے گرد کے گنوار منافق ہیں اور بعضے لوگ مدینہ والے اڑ رہے ہیں نفاق پر تو انکو نہیں جانتا ہم کو معلوم ہیں

یعنی بعض اہل مدینہ اور گرد و پیش کے رہنے والے نفاق کے خوگر ہو چکے اور اسی پر اڑے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ نفاق اس قدر دقیق و عمیق ہے کہ ان کے قرب مکانی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال فطانت و فراست کے باوجود آپ بھی بالتعیین اور قطعی طور پر محض علامات و قرائن سے ان کے نفاق پر مطلع نہیں ہو سکے ان کا ٹھیک ٹھیک تعین صرف خدا کے علم میں ہے، جس طرح عام منافقین کا پتہ چہرہ، لب و لہجہ اور بات چیت سے لگ جاتا تھا جیساکہ سورۂ محمد میں ارشاد باری عز اسمہ ہے۔

وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي	اور اگر ہم چاہیں تجھ کو دکھلادیں وہ لوگ سو تو پہچان تو چکا ہے انکو

عہ لم اجدہ مع التتبع البلیغ فاللہ اعلم بہ ۱۲ عون

فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ — ان کے چہرہ سے اور آگے پہچان لیگا بات کے ڈھب سے۔

یعنی اللہ چاہے تو تمام منافقین کو باشخاصہم معیّن کر کے آپکو دکھلادے اور نام بنام مطلع کردے کہ مجمع میں فلاں فلاں آدمی منافق ہیں مگر اسکی حکمت بالفعل اس درجہ تک اظہار کو مقتضی نہیں، ویسے اللہ نے آپکو اعلیٰ درجہ کا نور فراست دیا ہے کہ انکے چہرہ بشرہ سے آپ پہچان لیتے ہیں اور آگے چلکر ان لوگوں کے طرز گفتگو سے آپکو مزید شناخت ہو جائیگی کیونکہ منافق اور مخلص کی بات کا ڈھنگ الگ الگ ہوتا ہے جو زور، شوکت، پختگی اور خلوص کا رنگ مخلص کی باتوں میں جھلکتا ہے، منافق کتنی ہی کوشش کرلے اپنے کلام میں پیدا نہیں کرسکتا، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت کے موافق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روز ممبر پہ کھڑے ہوکر تقریباً چھتیس آدمیوں کو نام بنام پکار کر فرمایا "اخرج فانک منافق" تو منافق ہے مسجد سے نکل جا۔

لیکن ان کا نفاق اتنا گہرا ہے کہ اس قسم کی ظاہری علامات ان کا پردہ فاش نہیں کرتیں، ظاہر ہے کہ جب بعض منافقین کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ کہدیا گیا "لا تعلمہم نحن نعلمہم" تو پھر آپ کے بعد اور کس کو ایسے نفاق کی اطلاع ہوسکتی ہے۔

قولہ ثلاث الخ ان الفاظ سے تو حدیث نہیں مل سکی البتہ کتب حدیث میں ان الفاظ سے روایت موجود ہے۔

اَربع مَن کُنّ فیہ کان منافقا خالصًا ومن کانت فیہ خصلۃ منہن کانت فیہ خصلۃ من النفاق حتی یدعہا اذا ائتمن خان واذا حدث کذب واذا عاھد غدر واذا خاصم فجر

(صحاح ستہ غیر ابن ماجہ عن ابی عمر)

چار خصلتیں ہیں جس میں یہ پائی جائیں گی وہ پکا منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے ایک ہوگی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی یہاں تک کہ اسکو چھوڑ دے جب اسکے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے اور جب بات کہے تو جھوٹ بولے اور جب کسی سے عہد کرے تو پورا نہ کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی بکے۔

قولہ وقد بین اللہ الخ یعنی حق تعالیٰ نے قرآن عظیم میں منافقین کے اعمال واخلاق کو سورۂ بقرہ، سورۂ توبہ، سورۂ منافقین وغیرہ متعدد مواضع میں خوب واضح کردیا ہے مثال کے طور پر سورۂ توبہ کی آیت ہے۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَۃٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ اَیُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِیْمَانًا اھ

اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت تو بعضے کہتے ہیں ان میں سے کس کا تم میں سے زیادہ کردیا اس سورت نے ایمان۔

یعنی جب کوئی سورۂ قرآنی نازل ہوتی تو منافقین کہتے دیکھو بھائی! تم میں سے کس کس کا ایمان اس سورت نے بڑھایا؟ حق تعالیٰ نے جواب دیا کہ بیشک کلام الٰہی سنکر مومنین کے ایمان میں تازگی ہوتی ہے اور جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے ان کی بیماری میں اضافہ ہوجاتا ہے ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

قولہ لتحترز الخ جیساکہ ارشاد ہے وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ ؎

نفس از ہم نفس بگیرد خوی
بر حذر باش از لقائے خبیث

باد چوں بر فضائے بد گذرد
بوئے بد گیرد از ہوائے خبیث

وإن شئتَ ان ترى أنموذجًا من المنافقين فانطلق الى مجلس الأمراء وانظر الى مصاحبيهم يرجّحون مرضيهم على مرضى الشارع ولافرق عند الانصاف بين من سمع كلامه صلى الله عليه وسلم بلاواسطة وسلك مسلك النفاق وبين من حدثوا فى هذا الزمان وعلموا حكم الشارع بطريق اليقين ثم آثروا خلاف ذلك وأقدموا على مخالفته وعلى هذا القياس جماعة من المعقولين تمكّنت فى خاطرهم شكوك وشبهات حتى جعلوا المعاد نسيًا منسيًا فهؤلاء أنموذج المنافقين وبالجملة إذا قرأت القرآن فلا تحسب ان المخاصمة كانت مع قوم انقرضوا بل الواقع انه ما من بلاء كان فيما سبق من الزمان الا وهو موجود اليوم بطريق الانموذج بحكم الحديث "لتتبعن سنن من قبلكم" فالمقصود الاصلى بيان كليات تلك المفاسد لاخصوص تلك الحكايات، وهذا ما تيسّر لى فى هذا الكتاب من بيان عقائد الفرق الضالة المذكورة وتقرير اجوبتها وهذا القدر كاف فى فهم معانى آيات المخاصمة ان شاء الله تعالى۔

لغات: الامرا، جمع امیر حاکم، والی قوم، مصاحبیہم مصاحب کی جمع ہے اصل میں مصاحبین تھا نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہوگیا، ہم نشین، مسلک راستہ۔ حدثوا (ن) حدوثاً نوپید ہونا، آثروا ایثاراً دوسرے کو ترجیح دینا تمکنت تمکناً جاگزیں ہونا۔ خاطر دل۔ المعاد آخرت۔ نسیاً منسیاً بھولی ہوئی چیز انقرضوا انقراضاً ختم ہونا، گذرنا سنن طریقہ فرق جمع فرقۃ گروہ، جماعت۔ الضالۃ گمراہ۔ اجوبۃ جمع جواب۔

ترجمہ:۔ اگر تو منافقین کا نمونہ دیکھنا چاہے تو امراء کی مجالس میں جاکر ان کے مصاحبین کو دیکھ لے جو امراء کی مرضی کو شارع کی مرضی پر ترجیح دیتے ہیں اور کوئی فرق نہیں انصاف کی رُو سے ان منافقین میں جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ کلام سنا اور نفاق کی روش اختیار کی اور اُن میں جو اب پیدا ہوئے اور انھوں نے یقینی ذرائع سے احکامِ شارع کی اطلاع پاکر مخالفت اختیار کی، علیٰ ہذا القیاس معقولیوں کی وہ جماعت ہے جن کے دلوں میں بہت سے شکوک و شبہات پیدا ہو گئے ہیں یہاں تک کہ انھوں نے معاد کو بھولی بسری چیز کر دیا ہے، بالجملہ جب تو قرآن کی تلاوت کرے تو یہ نہ گمان کر کہ اس میں مباحثہ ایک خاص قوم سے تھا جو گذر گئی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی بلا گذشتہ زمانہ میں نہ تھی مگر یہ کہ اس کا نمونہ آج بھی موجود ہے بمصداق حدیث "لتتبعن سنن من قبلکم" اسلئے مقصود اصلی ان مفاسد کے کلیات کا بیان ہے نہ کہ ان حکایات کی خصوصیات، یہ وہ تقریر ہے جو اس کتاب کے لئے ان گمراہ فرقوں کے عقائد کی تفصیل اور ان کے جوابات میں مجھ سے ہوسکی اور میرے نزدیک یہ تحقیق آیات مباحثہ کے معانی سمجھنے کے لئے بالکل کافی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

عہ تقدم تخریجہ صلا ۱۲

فصلٌ (۲) فی بقیّۃِ مَباحث العُلوم الخمسۃِ

لِیُعلم اَنّ المقصودَ من نزول القرآن تہذیبُ طوائفِ الناس من العرب والعجم والحضر والبدو وما اقتضتِ الحکمۃُ الالٰھیۃُ ان لا یخاطب فی التذکیر الّا بما یعلمہ اکثرُ افرادِ بنی آدم ولم یُبالغ فی البحث والتفتیش مبالغۃً زائدۃً وسِیق الکلامُ فی اسماءِ اللہ وصفاتہٖ عزوجل بوجہٍ یُمکن فہمُہٗ والاحاطۃُ بہ بادراکٍ وفطانۃٍ خُلق افرادُ الانسانِ فی اصل الفطرۃ علیھما بدونِ ممارسۃِ الحکمۃِ الالٰھیۃِ وبدونِ مُزاولۃِ علمِ الکلام فاثبت ذاتَ المُبدأ اجمالاً لانّ ھذا العلمَ سارٍ فی جمیع افرادِ بنی آدم لاتری طائفۃً منھم فی الاقالیمِ الصالحۃِ والاَمکنۃِ القریبۃِ من الاعتدالِ یُنکرون ذلک

لغات :۔ طوائف جمع طائفۃ جماعت ۔ الحضر شہر اور مقامات مسکونہ ۔ البدو خانہ بدوش عربی قبائل ۔ فطانۃ سمجھنا ممارسۃ مہارت پیدا کرنا ۔ مزاولۃ کوشش کرنا ، تلاش کرنا ۔ اقالیم جمع اقلیم ملک ۔ امکنۃ جمع مکان ۔

ترجمہ :۔ فصل دوم ، باقی علوم پنجگانہ کے مباحث ہیں ۔ جاننا چاہیئے کہ نزولِ قرآن کا مقصد انسان کی مختلف جماعتوں کی تہذیب ہے عربی ہوں یا عجمی ، شہری ہوں یا بدوی ، بدیں وجہ حکمتِ الٰہی اس امر کو مقتضی ہوئی کہ تذکیر بآلاء اللہ میں اکثر افرادِ بنی آدم کی معلومات سے زیادہ خطاب نہ کرے اور بحث وتحقیق میں زیادہ مبالغہ سے کام نہ لے اور اسماء وصفات الٰہی کو ایسے طریقے سے بیان کرے جس کا سمجھنا ممکن ہو صرف اس فہم وادراک کے ذریعہ سے جو انسان کو اصل فطرت میں عطا ہوئے ہیں مہارتِ حکمتِ الٰہی اور مزاولتِ علم کلام کے بغیر پس ذات مبدء (خالق) کا اثبات اجمالاً فرمایا کیونکہ اس کا علم تمام افرادِ بنی آدم میں ساری ہے اور اقالیم صالحہ اور قریب باعتدال ممالک میں کسی گروہ کو تم ایسا نہ پاؤگے جو اس کا منکر ہو ۔

تشریح

قولہ فی بقیۃ الخ فصل اول میں علم المخاصمہ کے بیان سے فراغت کے بعد اب باقی علوم اربعہ کو بیان کر رہے ہیں ۔

قولہ باکثر مایعلمہ الخ کیونکہ تذکیر میں اگر ایسی چیزیں ذکر کی جائیں جن سے مخاطب ناواقف ہے تو اس کا دل ودماغ تحصیل مجہول میں لگ کر اسی کا ہو کے رہ جائیگا اور تذکیر کا مقصد حاصل نہ ہوگا ۔

قولہ بادراک الخ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں ۔

علم التوحید والصفات یجب ان یکون مشروحا بشرح ینالہ العقل الانسانی بطبیعتہ لا مغلقا لاینالہ الّا من یندر وجود مثلہ اھ

علم توحید وصفات کا ایسا مشرح ہونا ضروری ہے کہ اس کو ہر شخص کی عقل از خود جان سکے نہ کہ اتنا پیچیدہ اور مغلق کہ اس کو کوئی کوئی شخص ہی سمجھ سکے ۔

ولما امتنعَ بالنسبة الیھم اثباتُ الصفاتِ بطریقِ تحقیقِ الحقائقِ مع انھم ان لم یطّلعوا علی الصفاتِ الالٰھیۃِ فلم ینالوا معرفۃَ الربوبیۃِ التی ھی انفعُ الاشیاءِ فی تھذیبِ النفوسِ اقتضتِ الحکمۃُ الالٰھیۃُ ان یختارَ شیئًا من الصفاتِ البشریۃِ الکاملۃِ مما یعلمونھا ویجری التمدُّحُ بھا فیما بینھم فتستعمل بازاءِ المعانی الغامضۃِ التی لامدخلَ للعقولِ البشریۃِ فی ساحۃِ جلالِھا وجعل نکتۃ "لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ" تریاقًا للداءِ العُضالِ من الجھل المرکب ومنع من الصفاتِ البشریۃِ التی تُثیرُ الاوھامَ بجانبِ العقائدِ الباطلۃِ فی اثباتِ مثلِھا کاثباتِ الوَلدِ والبُکاءِ والجزعِ۔

لغات:۔ حقائق جمع حقیقۃ، ینالوا نیلاً حاصل کرنا، تمدح فخر کرنا، ازاء مقابل۔ غامضۃ مؤنث غامض بمعنی دقیق ساحۃ گوشہ۔ چوک، جلال بزرگی، تریاق دوا جو دافع زہر ہو، داء بیماری، العضال عاجز کردینے والا، تثیر اثارۃ بھڑکانا، جوش دلانا، الاوہام جمع وہم، بکاء رونا، جزع ڈرنا گھبرانا، بے صبری کرنا۔

ترجمہ:۔ اور چونکہ بندوں کی نسبت صفاتِ الٰہیہ کا اثبات بطریقِ تحقیقِ حقائق محال تھا، ادھر وہ اگر صفاتِ الٰہیہ پر بالکل مطلع نہ ہوں تو معرفتِ ربوبیت جو تہذیب نفوس میں نافع ترین شی ہے حاصل نہیں کرسکتے اسلئے حکمتِ باری مقتضی ہوئی اسکی کہ انتخاب کرے چند صفات کا ان بشری صفات کاملہ میں سے جن کو وہ جانتے ہیں اور آپسمیں قابل تعریف سمجھتے ہیں پس وہ انکو ایسے دقیق معانی کے بجائے استعمال کرے جنکی عظمت وجلال کی بلندی تک عقول بشری کی رسائی نہیں ہوسکتی اور "لیس کمثلہ شئ" کو جہل مرکب جیسے لاعلاج مرض کے لئے تریاق مقرر کرے اور ان بشری صفات سے منع کرے جن کو ذاتِ الٰہی کے لئے ثابت کرنے سے اوہام کی طغیانی عقائد باطلہ کی طرف ہوتی ہے جیسے اثباتِ ولد، اثباتِ گریہ وزاری، اثبات جزع وفزع۔

تشریح

قولہ ولما امتنع الخ یعنی بندوں کے لحاظ سے صفاتِ الٰہیہ کا اثبات بطریق امعان وبطور تحقیقِ حقائق ممتنع ہے وجہ امتناع یہ ہے کہ صفاتِ الٰہیہ کی حقیقت کا بیان دو حال سے خالی نہیں یا تو ہمارے الفاظ اور ہماری زبان میں ہوگا یا اس کے علاوہ سے ہوگا، پہلی صورت اس لئے ممتنع ہے کہ وہ الفاظ ہمارے ہی وضع کئے ہوئے ہیں جو صفاتِ الٰہیہ کی کما حقہ تعبیر سے قاصر ہونے کی بنا پر حقیقتِ صفات کی پوری تشریح نہیں کرسکتے، دوسری صورت میں ہم صحیح طور پر حقیقتِ صفات کا ادراک نہیں کرسکتے کیونکہ ہر شخص معانی کا ادراک اپنے ہی الفاظ اور اپنی ہی زبان میں کرسکتا ہے فما الفائدۃ فی البیان۔؟

ادھر کسی نہ کسی درجہ میں صفات کا بیان ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ اگر بندوں کو صفاتِ الٰہیہ پر آگہی نہ ہو تو ان کو معرفتِ ربوبیت حاصل نہیں ہوسکتی جو تہذیب نفوس کے لئے سب سے زیادہ سودمند شی ہے اسلئے حکمت باری اس امر کی مقتضی ہوئی کہ ان بشری صفات کاملہ میں سے جنکو ہم جانتے ہیں اور جو ہمارے نزدیک قابل تعریف ہیں (باقی برصفحہ ۲)

وَإِنْ تَأَمَّلْتَ بِتَعَمُّقِ النَّظَرِ وَجَدْتَ الْجَرَيَانَ عَلَى مُسْلَطِ الْعُلُومِ الْإِنْسَانِيَّةِ غَيْرِ الْمُكْتَسَبَةِ وَتَمْيِيزَ صِفَاتٍ يُمْكِنُ إِثْبَاتُهَا وَلَا يَقَعُ بِهَا خَلَلٌ مِنَ الصِّفَاتِ الَّتِي تُثِيرُ الْأَوْهَامَ الْبَاطِلَةَ أَمْرًا دَقِيقًا لَا تُدْرِكُهُ أَذْهَانُ الْعَامَّةِ لَاجَرَمَ كَانَ هٰذَا الْعِلْمُ تَوْقِيفِيًّا وَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُمْ فِي التَّكَلُّمِ بِكُلِّ مَا يَشْتَهُونَ

لغات، تعمق معاملہ کی تہ تک پہونچنے کی کوشش کرنا۔ مسلط لکیروں کے کھینچنے کا رولر، یعنی خطوط و مناہج اور طرق مراد ہیں خلل شگاف۔ فساد خرابی تثیر اثارۃ بھڑکانا، جوش دلانا، اذہان جمع ذہن، لاجرم یعنی ضروری یقینًا لم یؤذن (س) اذنًا اجازت دینا

ترجمہ

اگر تو زیادہ غور و خوض سے کام لے تو معلوم ہوگا کہ انسان کے لئے اپنے فطری اور غیر مکتسب علوم کی شاہراہ پر گامزن ہونا اور ان صفات کو جن کا اثبات کیا جا سکتا ہے اور ان سے کوئی خلل نہیں آتا، ان صفات سے تمیز کرنا جن سے اوہام باطلہ کی طغیانی ہوتی ہے ایک نہایت دقیق امر ہے جس کی تہہ کو عوام کے ذہن نہیں پہنچ سکتے اسلئے یہ علم (یعنی علم ذات وصفات) توقیفی قرار دیا گیا اور آزادانہ بحث و گفتگو کی اجازت اس باب میں نہیں دی گئی۔

تشریح:۔ قولہ الجریان الخ الجریان "وجدت" کا مفعول اول ہے اور "امرًا دقیقًا" اس کا مفعول ثانی ہے اور "تمیز صفات" الجریان پر معطوف ہے اور "من الصفات" تمیز سے متعلق ہے، حاصل عبارت یہ ہے کہ انسان کے فطری علوم کی بھی رعایت کرنا اور جن صفات کا اثبات ممکن ہے اور رخنہ انداز نہیں ہے اُن کو اُن صفات سے تمیز کرنا جو اوہام باطلہ کی طغیانی کا باعث ہیں ایک نہایت دقیق امر ہے جس کو ہر کس و ناکس نہیں سمجھ سکتا اسلئے علم ذات و صفات کو توقیفی قرار دیا گیا اور آزادانہ بحث کی اجازت نہیں دی گئی۔

قولہ توقیفیًا الخ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں صفات باری پر نہایت مبسوط کلام کیا ہے جی چاہتا ہے

(بقیہ ص۱۰۰)

سمجھے جاتے ہیں۔ چند صفات کا انتخاب کیا جائے اور ان کو ایسے دقیق معانی کے بجائے استعمال کیا جائے جنکی عظمت و جلال کی بلندی تک انسانی عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

قولہ ہی انفع الاشیاء الخ اس کی توضیح یہ ہے کہ تہذیب نفوس کا مدار حق تعالیٰ کی صفات کاملہ کی معرفت پر ہے کہ اس کے بغیر نفوس انسانیہ میں تہذیب نہیں آسکتی، اس واسطے کہ جو شخص حق تعالیٰ کی ذات پر تو کامل ایمان رکھتا ہو لیکن یہ نہ جانتا ہو کہ وہی رزاق ہے تو وہ ایمان باللہ کیساتھ والد، مالک، آقا، زوج، سلطان وغیرہ بہت سے لوگوں کو رازق خیال کرلیگا، اسی طرح اگر وہ اس کے رب ہونے سے ناواقف ہو تو خدا کے سوا گاؤ ماتا، بہتے دریا، آفتاب و ماہتاب اور کواکب و سیارات وغیرہ بہت سے ارباب بنا بیٹھے گا، نیز اگر وہ خدا کی صفت "شدید العقاب" ہونے سے بے خبر ہو تو وہ بہت سے معاصی کا مرتکب ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر صفات کاملہ ہیں پس جب تک انسان کو حق تعالیٰ کی صفات کاملہ کی معرفت نہ ہو حصول تہذیب ناممکن ہے۔

کہ یہاں اس کو بتمامہ نقل کر دیا جائے "باب الایمان بصفات اللہ تعالیٰ" میں تحریر فرماتے ہیں۔

علم أن من أعظم انواع البر الایمان بصفات اللہ تعالیٰ
واعتقاد اتصافہ بہا فانہ یفتح بابا بین ہذا العبد وبینہ
تعالیٰ ویعدہ لانکشاف ما ہنالک من المجد والکبریاء
واعلم ان الحق تعالیٰ اجل من ان یقاس بمعقول او
محسوس او یحل فیہ صفات کحلول الاعراض فی محالہا او
تعالجہ العقول العامیۃ او یتناولہ الالفاظ العرفیۃ ولا
بد من تعریفہ الی الناس لیکملوا کما لہم الممکن لہم فوجب ان
تستعمل الصفات بمعنی وجود غایاتہا لا بمعنی وجود مبادیہا
فمعنی الرحمۃ افاضۃ النعم لا انعطاف القلب والرقۃ و
ان تستعار الفاظ تدل علی تسخیر الملک لمدینتہ لتسخیرہ لجمیع
الموجودات اذ لا عبارۃ فی ہذا المعنی افصح من ہذہ وان
تستعمل تشبیہات بشرط ان لا یقصد الی انفسہا بل
الی معان مناسبۃ لہا فی العرف فیراد ببسط الید
الجود مثلاً وبشرط ان لا یوہم المخاطبین انہا امر یجا
انہ فی الوارث البہیمیۃ وذلک یختلف باختلاف المخاطبین
فیقال یری ویسمع ولا یقال یذوق ویلمس وان یسمی
افاضۃ کل معنٰی متفقۃ فی امر باسم کالرزاق والمصور
وان یسلب عنہ کل ما لا یلیق بہ لا سیما ما لہج بہ الظالمون
فی حقہ مثل لم یلد ولم یولد وقد اجمعت الملل السماویۃ
قاطبتہا علی بیان الصفات علی ہذا الوجہ وعلی ان تستعمل
تلک العبارات علی وجہہا ولا یبحث عنہا اکثر من
استعمالہا وعلی ہذا مضت القرون المشہود لہا بالخیر ثم
خاض طائفۃ من المسلمین فی البحث عنہا وتحقیق معانیہا
من غیر نص ولا برہان قاطع قال النبی صلی اللہ علیہ
وسلم تفکروا فی الخلق ولا تفکروا فی الخالق "و
قال فی قولہ تعالیٰ "وان الی ربک المنتہی" لا فکرۃ فی الرب

واضح ہو کہ عظیم ترین نیکی صفات باری پر ایمان لانا اور انکے ساتھ
خدا کے متصف ہونیکا اعتقاد کرنا ہے، اس سے بندہ اور خدا میں تعلق
کا دروازہ کھل جاتا ہے اور وہاں کی بزرگی و کبریائی کے منکشف
ہونے میں مدد ملتی ہے، معلوم ہونا چاہئے کہ خدا بلند و بالا ہے اس سے کہ
اسکو عقل یا حسی چیز پر قیاس کریں یا اسمیں صفات حلول اعراض
کی طرح حلول کریں یا عام عقلیں اس کا ادراک یا معمولی الفاظ اسکو
ادا کر سکیں لیکن لوگوں کے لئے اسکی تعریف بھی ضروری ہے تاکہ وہ ممکن
کمال کو پورا کر سکیں اسلئے ضروری ہے کہ صفات سے نتیجے مراد لئے
جائیں نہ کہ ان کے مبادی پس رحمت سے مراد نعمتیں دینا
ہے نہ کہ دل کا میلان اور نرمی اور جمیع موجودات کی تسخیر کیلئے وہ الفاظ
مستعار لئے جائیں جو شاہ کے تسخیر ملک پر دال ہیں کہ اس سے زیادہ خوش ادا
کوئی عبارت نہیں ہے اور تشبیہات اسطرح استعمال ہوں کہ انکے اصلی معنی مراد نہ
ہوں بلکہ وہ معنی مراد ہوں جو عرفاً انکے مناسب ہیں پس بسط ید سے مراد
فیاضی ہوگی نیز ان سے مخاطبین کو خدا کی ذات میں بہیمی آلودگیاں
ہونیکا صریح شبہ نہ ہو اور یہ مخاطبین کے اختلاف سے مختلف ہوتی
ہے پس یہ کہا جائیگا کہ وہ دیکھتا ہے سنتا ہے نہ یہ کہ چکھتا ہے چھوتا
ہے اور جن معانی کا ایک ہی اثر ہے انکو ایک ہی نام سے تعبیر کریں
جیسے رزاق، مصور، اور ہر اس چیز کی اس سے نفی کیجائے جو اسکے
شایان شان نہیں بالخصوص اسکی جو ظالموں نے اسکے حق میں بیان
کی ہے پس کہینگے لم یلد ولم یولد، تمام آسمانی مذہب اس طرح
بیان صفات پر متفق ہیں اور اس پر کہ انکو اسی طرح استعمال کیا
جائے اس سے زیادہ بحث نہ کی جائے، قرون خلافۃ اسی پر رہے ہیں
پھر ایک مسلم گروہ بغیر نص و بدون دلیل قطعی ان کے معانی کی تحقیق
میں پڑ گیا، حضور صلعم کا ارشاد ہے "مخلوق میں غور کرو خالق
میں غور نہ کرو" اور آیت "وان الی ربک المنتہی" کی تفسیر میں
فرمایا کہ پروردگار کی ذات میں غور نہیں کیا جا سکتا

والصفات لیست بمخلوقات محدثات واستغرفیها انما ہو
ان الحق کیف اتصف بہا فکان تفکرا فی الخالق قال
الترمذی فی حدیث "ید اللہ ملأی" قال الائمۃ نؤمن
کما جاء من غیر ان یفسر او یتوہم ہکذا قال غیر واحد
من الائمۃ منہم سفیان الثوری ومالک بن انس وابن
عیینۃ وابن المبارک انہ تروی ہذہ الاشیاء و
یؤمن بہا ولا یقال کیف، وقال فی موضع آخر ان
اجراء ہذہ الصفات کما ہی لیس بتشبیہ انما التشبیہ ان
یقال سمع کسمع وبصر کبصر، وقال الحافظ ابن حجر
لم ینقل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا من احد من
الصحابۃ من طریق صحیح التصریح بوجوب تاویل شیٔ من ذلک
یعنی المتشابہات ولا المنع من ذکرہ، ومن المحال
ان یامر اللہ نبیہ بتبلیغ ما انزل الیہ من ربہ و ینزل
علیہ "الیوم اکملت لکم دینکم" ثم یترک ہذا الباب
فلا یمیز ما یجوز نسبتہ الیہ تعالیٰ مما لا یجوز مع حثہ
علی التبلیغ عنہ بقولہ "لیبلغ الشاہد الغائب"
حتی نقلوا اقوالہ وافعالہ واحوالہ وما فعل بحضرتہ
فدل علی انہم اتفقوا علی الایمان بہ علی الوجہ
الذی اراد اللہ تعالیٰ منہا واوجب تنزیہہ عن
مشابہات المخلوقات بقولہ "لیس کمثلہ شیٔ" فمن
اوجب خلاف ذلک بعدہم فقد خالف سبیلہم اھ
اقول ولا فرق بین السمع والبصر والقدرۃ والضحک
والکلام والاستواء فان المفہوم عند اہل اللسان
من کل ذلک غیر ما یلیق بجناب القدس وہل فی الضحک
استحالۃ الا من جہۃ انہ یستدعی الفم وکذلک
الکلام وہل فی البطش والنزول استحالۃ الا
من جہۃ انہما یستدعیان الید والرجل وکذلک

اسکی صفات مخلوق و نو پید نہیں ان میں غور کرنا یہی ہے کہ خدا ان سے
کیونکر متصف ہے تو یہ خالق میں غور کرنا ہوا، امام ترمذی نے حدیث
"ید اللہ ملأی" کے متعلق ائمہ کا قول نقل کیا ہے کہ ہم اس پر یونہی
ایمان رکھتے ہیں جیسے یہ وارد ہے بغیر اس کے کہ اسکی کچھ تفسیر کریں یا
اس میں وہم پیدا کریں سفیان ثوری، مالک بن انس، ابن عیینہ، ابن
مبارک وغیرہ کا یہی قول ہے کہ یہ امور روایت کیے جائیں اور ان پر
ایمان رکھا جائے اور یہ نہ کہا جائے کہ یہ کیونکر ہے؟ دوسرے موقعہ پر ترمذی نے
کہا ہے کہ ان صفات کو اسی طرح رکھنا تشبیہ نہیں ہے تشبیہ تو یہ ہے کہ یوں
کہا جائے کہ اسکی سمع و بصر ہماری سمع و بصر کی طرح ہے، حافظ ابن حجر کہتے
ہیں کہ حضور صلعم اور کسی صحابی سے بسند صحیح اسکی تصریح منقول نہیں کہ
متشابہات میں تاویل کرنا ضروری ہے یا تاویل کرنا بالکل منع ہے اور یہ
امر محال ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے نبی کو ما انزل الیہ کی تبلیغ کا حکم دے اور
الیوم اکملت لکم دینکم نازل فرمائے پھر متشابہات کے باب کو چھوڑ دے
اور اس کو بیان نہ کرے کہ خدا کی جانب کس امر کو منسوب کر
سکتے ہیں اور کس کو نہیں کر سکتے حالانکہ آپ نے تبلیغ کے
بارے میں بڑی تاکید سے فرمایا ہے کہ حاضر شخص غائب کو
سب خبر دے دے حتیٰ کہ لوگوں نے آپ کے اقوال افعال
احوال اور ان امور کو جو آپ کے سامنے پیش آئے بخوبی
نقل کر دیا، معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا اس پر اتفاق رہا ہے
کہ متشابہات سے خدا کی جو مراد ہے اس پر ایمان رکھنا چاہیئے مخلوقات
کی مشابہات سے خدا نے اس طرح تنزیہہ ذکر کر دی کہ اس کے مثل
کوئی شئی نہیں ہے، ان کے بعد جو اس کے خلاف کرے وہ ان کے طریقہ
کے خلاف ہے، میں کہتا ہوں کہ سمع بصر قدرت، ضحک، کلام اور استواء میں
کوئی فرق نہیں کیونکہ اہل زبان کے نزدیک ان سب سے وہی معنی مفہوم ہوتے
ہیں جو بارگاہِ قدس کے لائق نہیں، ضحک کو اسی لئے تو محال کہتے ہیں کہ
اس کیلئے منہ چاہیئے اسی طرح صفت کلام ہے اور بطش و نزول میں بھی
یہی استحالہ ہے کہ یہ ہاتھ پاؤں چاہتے ہیں اسی طرح

السمع والبصر لیستدعیان الاذن والعین واللہ اعلم
واستطال ہؤلاء الخائضون علی معشر اہل
الحدیث وسموہم مجسمۃ ومشبہۃ وقالوا انہم المستترون
بالبلکفۃ وقد وضح علی وضوحاً بینا ان استطالتہم
ہذہ لیست بشئ وانہم مخطئون فی مقالتہم روایۃ
ودرایۃ وخاطئون فی طعنہم ائمۃ الہدی،
تفصیل ذلک ان ہہنا مقامین احدہا ان اللہ
تبارک وتعالیٰ کیف اتصف بہذہ الصفات ہل
ہی زائدۃ علی ذاتہ او عین ذاتہ وما حقیقۃ
السمع والبصر والکلام وغیرہا فان المفہوم من ہذہ
الالفاظ بادی الرای غیر لائق بجناب القدس، و
الحق فی ہذا المقام ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یتکلم
فیہ بشئ بل حجر امتہ عن التکلم فیہ والبحث عنہ فلیس
لاحد ان یقدم علی حجرہ۔
والثانی انہ ای شئ یجوز فی الشرع ان نصفہ
تعالیٰ بہ وای شئ لا یجوز ان نصفہ بہ والحق ان صفاتہ
واسماءہ توقیفیۃ بمعنی انا وان عرفنا القواعد التی ہی
الشرع بیان صفاتہ تعالیٰ علیہا کما حررنا فی
صدر الباب لکن کثیرا من الناس لو ابیح لہم الخوض
فی الصفات لضلوا واضلوا وکثیرا من الصفات
وان کان الوصف بہا جائزا فی الاصل لکن قوما
من الکفار حملوا تلک الالفاظ علی غیر محملہا وشاع
ذلک فیما بینہم فکان حکم الشرع النہی عن استعمالہا
دفعا لتلک المفسدۃ، وکثیر من الصفات یوہم
استعمالہا علی ظواہرہا خلاف المراد فوجب الاحتراز
عنہا فلہذہ الحکم جعلہا الشرع توقیفیۃ ولم یبح
الخوض فیہا بالرای۔

سمع و بصر کان اور آنکھ چاہتے ہیں واللہ اعلم
ان خوض کرنیوالوں نے اہل حدیث پر بڑی زبان درازی
کی ہے کہ ان کا نام مشبہہ اور مجسمہ رکھا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ
لوگ بلکفہ کی آڑ میں چھپنے والے ہیں، مجھ کو خوب ظاہر ہوگیا ہے کہ انکی زبان
درازی محض بے معنی ہے نقلاً اور عقلاً یہی لوگ غلطی پر ہیں اور ائمۂ ہدایت
کی نسبت ان کا طعن بے جا ہے۔
اسکی تفصیل یہ ہے کہ متشابہات میں دو مقام ہیں ایک یہ کہ خداوند تعالیٰ
ان صفات کے ساتھ کس طرح متصف ہے آیا یہ صفات ذات
خداوندی پر زائد ہیں یا اس کی عین ذات ہیں؟ اور سمع و بصر اور
کلام وغیرہ کی حقیقت کیا ہے، بادی الرای میں جو معنی ان الفاظ سے
سمجھے جاتے ہیں وہ خدا کی شان کے مناسب نہیں ہیں، اس میں حق بات
یہ ہے کہ نبی کریم صلعم نے اس بارے میں کچھ نہیں فرمایا بلکہ اسمیں بحث
وگفتگو کرنے سے اپنی امت کو روک دیا ہے اسلئے کسی کی تاب
نہیں کہ جس سے آپنے منع فرمایا ہے اس کا اقدام کرے۔
مقام ثانی یہ ہے کہ وہ کونسی صفات ہیں جن سے خدا کو متصف ماننا
شرعاً جائز ہے اور وہ کونسی ہیں جن سے جائز نہیں اس کے متعلق حق
یہ ہے کہ اس کے اسماء و صفات توقیفی ہیں باین معنی کہ ہم گو ان
قواعد کو جانتے ہیں جنکو شرع نے صفات الٰہی کے بیان کا معیار
مانا ہے جیسا کہ ہم شروع باب میں لکھ چکے ہیں لیکن بہت سے لوگ
ہیں کہ اگر انکو صفات میں غور و خوض کی اجازت دیدی جائے تو خود
بھی گمراہ ہوں اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں، اور بہت سی صفات
ہیں کہ ان سے متصف کرنا اصل میں جائز ہے مگر کچھ کافروں نے
ان کا بے جا استعمال کیا ہے پس شارع کا ان کے استعمال سے منع
کرنا اس فساد کو دور کرنے کیلئے ہے اور بہت سی صفات کو ظاہری
معنی میں استعمال کرنے سے خلاف مقصود کا وہم ہوتا ہے لہٰذا ان سے بھی
احتراز ضروری ہوا پس ان حکمتوں کی وجہ سے شرع نے اسماء و صفات کو توقیفی
قرار دیا اور اپنی رائے سے ان میں خوض کو مباح نہیں رکھا۔

وَاخْتَارَ سبحانه وتعالیٰ من آلائه وآیاتِ قدرتِه جلَّ وعلا ما تساوتْ فی فهمِه الحضرُ وَالبَدْوُ وَالعربُ والعجمُ ولهذا لم یذکرِ النِّعَمَ النفسانیّةَ المخصوصةَ بالاولیاءِ والعلماءِ و لم یُخبِر بالنِّعَمِ الارتفاقیةِ المخصوصةِ بالملوکِ وانما ذکرہ سبحانه وتعالیٰ ما ینبغی ذکرہٗ کخلقِ السماواتِ والارضینَ وانزالِ الماءِ من السحابِ واخراجِه من الارضِ واخراجِ انواعِ الثمارِ والحبوبِ والازهارِ بواسطةِ الماءِ والهامِ الصناعاتِ الضروریةِ وَالاقدارِ علیٰ فعلِها

لغات:۔ آلاء جمع الی بمعنی نعمت، تساوت تساویًا برابر ہونا، الحضر شہری باشندے، البَدْو خانہ بدوش عربی قبائل، نعم جمع نعمت، ارضین جمع ارض زمین، سحاب بادل، انواع جمع نوع، ثمار جمع ثمرۃ پھل، حبوب جمع حَبّ دانہ، ازہار جمع زہرۃ کلی، شگوفہ۔ اقدار قادر بنانا۔ ترجمہ

اور اختیار کیا آلاء اللہ اور آیاتِ قدرت میں سے صرف انہی باتوں کو جن کے سمجھنے میں شہری و بدوی اور عرب و عجم سب یکساں ہیں لہٰذا ذکر نہیں کی نفسانی نعمتیں جو اولیاء اور علماء کے ساتھ مخصوص ہیں اور ارتفاقی نعمتیں جو بادشاہوں کے ساتھ خاص ہیں بلکہ ذکر کیں وہی نعمتیں جن کا ذکر مناسب تھا جیسے آسمان و زمین کی پیدائش، بادلوں سے پانی برسانا اور زمین سے پانی جاری کرنا اور اس سے طرح طرح کے پھل پھول، شگوفے، اور غلے اگانا اور ضروری صنعتوں کا الہام اور ان کے کرنے پر قدرت بخشنا۔ تشریح:۔

قولہ النعم النفسانیۃ الخ جیسے حلاوتِ عبادت، رویتِ انوارِ الٰہیہ، اور کشفِ نکات وحلِ معضلات پر فرح وسرور
قولہ بالنعم الارتفاقیۃ الخ نعم ارتفاقیہ وہ نعمتیں ہیں جن کا انسان اپنی نوعی حاجات پوری کرنے میں محتاج ہوتا ہے یعنی اکل وشرب، صحبت وجماع اور بارش وغیرہ۔
قولہ وانزال الماء الخ جیسے سورۂ انعام میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ

اور اسی نے اتارا آسمان سے پانی پھر نکالی ہم نے اس سے اگنے والی ہر چیز پھر نکالی اس میں سے سبز کھیتی جس سے ہم نکالتے ہیں دانے ایک پر ایک چڑھا ہوا اور کھجور کے گابھے میں سے پھل کے گچھے جھکے ہوئے اور باغ انگور کے اور زیتون اور انار کے آپس میں ملتے جلتے اور جدا جدا بھی

قولہ والہام الصناعات الخ جیسے سورۂ انبیاء میں ارشاد ہے۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ

اور اسکو سکھلایا ہم نے بنانا ایک تمہارا لباس کہ بچاؤ ہو تمکو لڑائی میں

حق تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کے ہاتھ میں لوہا موم کر دیا تھا اُسے موڑ کر نہایت ہلکی مضبوط، جدید قسم کی زرہیں تیار کرتے تھے جو لڑائی میں کام دیں یعنی تمہارے فائدہ کے لئے ہم نے داؤدؑ کے ذریعہ سے ایسی عجیب صنعت نکال دی

وقد قرر فی مواضعَ کثیرةٍ من التنبیهِ علی اختلافِ احوال الناسِ عندَ هُجُوم المصائبِ وانکشافِها من الامراضِ النفسانیةِ الکثیرةِ الوقوعِ وَاختارَ من ایام اللّٰہ یعنی الوقائع التی احدثہا اللّٰہ سبحانہ وتعالی کتنعیم المُطِیعِین وتعذیب العُصاةِ ما قرعَ سمعَہم وذکرلہم اجمالاً مثلَ قِصَصِ قومِ نوح وعادٍ وثمودَ وکانتِ العربُ تتلقاہا آبا عن جدٍ ومثلَ قِصَصِ ابراہیمَ وانبیاءِ بنی اسرائیل علیہم السلام فانہا کانت مالوفةً لِاَسْمَاعِہم لمخالطةِ الیہودِ العربَ فی قرونٍ کثیرةٍ لَا القِصَصَ الشاذةَ غیرَ المالوفةِ وَلا اَخبارَ المجازاتِ بین فارس والھنود۔

لغات:۔ ہجوم (ن) اچانک آنا۔ الوقائع جمع وقیعہ لڑائی، مراد حوادث وواقعات۔ تنعیم نعمت دینا۔ العصاة جمع عاصی گنہگار قرعَ (ف) قرعاً کھٹکھٹانا۔ قصص جمع قصہ، مالوفہ مانوسہ۔ اسماع جمع سمع کان۔ قرون جمع قرن سو سال بکرہ۔ شاذہ نادرہ۔

ترجمہ

اور تنبیہ فرمائی ہے اکثر مقامات میں ہجوم مصائب اور ان کے دور ہونے کے وقت لوگوں کے رویہ کے بدل جانے پر جو کثیرالوقوع امراضِ نفسانی میں سے ہے اور اختیار فرمایا ایام اللہ یعنی ان واقعات میں سے جنکو خداوند تعالیٰ نے ایجاد فرمایا ہے جیسے فرماں برداروں کو انعام اور نافرمانوں کو عذاب دینا، ایسی جزئیات جو پیشتر سے ان کے گوش زد ہوچکی تھیں اور وہ اجمالی طریقہ سے ان کا تذکرہ سن چکے تھے مثلاً قوم نوح و عاد و ثمود کے قصے جنکو عرب اپنے باپ دادا سے مسلسل سنتے آئے تھے اور حضرت ابراہیم وانبیاء بنی اسرائیل کی مختلف داستانیں جن سے یہود وعرب کے قرنہا قرن کے اختلاط کی وجہ سے ان کے کان آشنا تھے، نہ کہ غیر مشہور وغیر مانوس قصے اور فارس وہنود کی جزا وسزا کے واقعات کی خبریں

تشریح

قولہ علی اختلاف احوال الناس الخ جیسے سورۂ معارج میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا	بے شک آدمی بنا ہے جی کا کچا جب پہنچے اسکو برائی تو بے صبر اور جب پہونچے اسکو بھلائی تو بے توفیقا۔

یعنی کسی طرح پختگی اور ہمت نہیں دکھلاتا، فقروفاقہ، بیماری وسختی آئے تو بے صبر ہوکر گھبرا اٹھے بلکہ (باقی برصفحہ)

؏ الترجمة الصحیحة ہکذا " ولم یذکرالقصص الشاذة غیرالمألوفة وکذالم یذکر اخبار مجازاة الفارس والھنود" لان النص الفارسی ہکذا " نہ قصص شاذہ غیر مانوسہ ایراد فرمود ونہ اخبار مجازات فارس وہنود را ذکر نمود۔

۔۔۔۔ ۱۲ عون

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَانتزع من القصص المشهورة جُملاً تنفع فی تذکیرهم ولم یُسرد القصص بتمامها مع جمیع خصوصیاتها والحکمة فی ذلک ان العوام اذا سمعوا القصص النادرة غایة الندارة او استقصی بین ایدیهم ذکر الخصوصیات یمیلون الی القصص نفسها ویفوتهم التذکر الذی هو الغرض الاصلی فیها ونظیر هذا الکلام ما قاله بعض العارفین إنّ الناس لما حفظوا قواعد التجوید شغلوا عن الخشوع فی التلاوة ولما ساق المفسرون الوجوہ البعیدة فی التفسیر صار علم التفسیر نادراً کالمعدوم

لغات:۔ انتزع انتزاعاً نکالنا جُمل مع جملة مجموعہ، یُسرد اسراداً پورے طور پر نقل کرنا۔

ترجمہ:۔ اور منتخب کیا ہے مشہور قصوں میں سے ان ضروری حصوں کو جو مفید ہوں تذکیر میں اور نہیں بیان کیا تمام قصوں کو ان کی تمام خصوصیات کے ساتھ جس کی حکمت یہ ہے کہ جب عوام الناس سنتے ہیں عجیب وغریب داستان یا بیان کیا جائے ان کے سامنے کوئی قصہ پوری خصوصیات کے ساتھ تو وہ مائل ہوجاتے ہیں محض اس داستان کی طرف اور فوت ہوجاتا ہے ان سے تذکر جو اصل غرض ہوتی ہے قصہ کی اور اس کی نظیر کسی عارف کا یہ قول ہے کہ جب سے لوگوں نے تجوید کے قواعد سیکھے ہیں خشوع کے ساتھ تلاوت سے محروم ہوگئے! اور جب سے مفسرین نے تفسیر میں وجوہ بعیدہ ذکر کیں علم تفسیر النادر کالمعدوم ہوگیا۔

(بقیہ ص ۱۰۶)

مایوس ہوجائے گویا اب کوئی سبیل مصیبت سے نکلنے کی باقی نہیں رہی، اور مال و دولت، تندرستی اور فراخی ملے تو نیکی کے لئے ہاتھ نہ اٹھے اور مالک کے راستے میں خرچ کرنے کی توفیق نہ ہو۔ نیز سورۂ نساء میں ہے۔

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ — اور دلوں کے سامنے موجود ہے حرص۔

یعنی اپنے نفع اور مال کی حرص اور بخیلی ہر ایک کے جی میں گھسی ہوئی ہے۔

قولہ ولا اخبار المجازات المجازات کے معنی کسی چیز کا بدلہ دینا ہے، یہاں اخبار مجازات فارس سے مراد ان کی جنگیں اور لڑائیاں ہیں جیسے رستم و دارا وغیرہ کے قصے، اور اخبار مجازات ہنود سے مراد ان کی مشہور لڑائیاں ہیں جیسے مہابھارت وغیرہ کی جنگ۔

محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

وَمِمَّا تَكَرَّرَ مِنَ الْقِصَصِ قِصَّةُ[۱] خَلْقِ آدَمَ مِنَ الْأَرْضِ وَسُجُودِ الْمَلَائِكَةِ لَهُ وَامْتِنَاعِ الشَّيْطَانِ مِنْهُ وَكَوْنِهِ مَلْعُونًا وَسَعْيِهِ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي إِغْوَاءِ بَنِي آدَمَ وَقِصَّةُ مُخَاصَمَةِ[۲] نُوحٍ وَهُودٍ وَصَالِحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَلُوطٍ وَشُعَيْبٍ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَأَقْوَامِهِمْ فِي بَابِ التَّوْحِيدِ وَالْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَامْتِنَاعِ الْأَقْوَامِ مِنَ الْإِمْتِثَالِ بِشُبُهَاتٍ رَكِيكَةٍ مَعَ ذِكْرِ جَوَابِ الْأَنْبِيَاءِ وَابْتِلَاءِ الْأَقْوَامِ بِالْعُقُوبَةِ الْإِلٰهِيَّةِ وَظُهُورِ نُصْرَتِهِ عَزَّ وَجَلَّ لِلْأَنْبِيَاءِ وَتَابِعِيهِمْ وَقِصَّةُ مُوسٰى مَعَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ وَمَعَ سُفَهَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَمُكَابَرَةُ هٰذِهِ الْجَمَاعَةِ مَعَ حَضْرَتِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَقِيَامُ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى بِعُقُوبَةِ الْأَشْقِيَاءِ وَظُهُورِ نُصْرَةِ نَبِيِّهِ مُوسٰى مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ وَقِصَّةُ خِلَافَةِ دَاوٗدَ وَسُلَيْمَانَ وَآيَاتِهِمَا وَكَرَامَتِهِمَا وَمِحْنَةُ أَيُّوبَ وَيُونُسَ وَظُهُورُ رَحْمَةِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ لَهُمَا وَاسْتِجَابَةُ دُعَاءِ زَكَرِيَّا وَقِصَصُ سَيِّدِنَا عِيسٰى الْعَجِيبَةُ مِنْ تَوَلُّدِهِ بِلَا أَبٍ وَتَكَلُّمِهِ فِي الْمَهْدِ وَظُهُورِ الْخَوَارِقِ مِنْهُ فَذُكِرَتْ هٰذِهِ الْقِصَصُ بِأَطْوَارٍ مُخْتَلِفَةٍ إِجْمَالًا وَتَفْصِيلًا بِحَسَبِ مَا اقْتَضَاهُ أُسْلُوبُ السُّوَرِ

لغات :- ملعون لعنت کیا ہوا، دھتکارا ہوا. سعی کوشش ، اغواء گمراہ کرنا. مخاصمہ جھگڑا. اقوام جمع قوم امتثال فرماں برداری کرنا. عقوبۃ سزا ، عذاب . سفہاء جمع سفیہ بیوقوف ، مکابرہ دشمنی کرنا. مخالفت کرنا اشقیاء جمع شقی بدبخت. تولد پیدا ہونا مہد گہوارہ . خوارق جمع خارق وہ چیز جو مقتضائے عادت کے خلاف ہو. اطوار جمع طور اندازہ، قسم . اسلوب طریقہ، روش . سور جمع سورۃ .

ترجمہ :- جو قصے قرآن مجید میں بتکرار بیان ہوئے ہیں یہ ہیں . آدم علیہ السلام کی پیدائش زمین سے ، ان کو تمام فرشتوں کا سجدہ کرنا، شیطان کا اس سے انکار کرکے ملعون ہونا ، اور اس کے بعد سے بنی آدم کو گمراہ کرنے میں کوشش کرنا. حضرت نوح ؑ ، حضرت ہود ؑ ، حضرت صالح ؑ ، حضرت ابراہیم ؑ حضرت لوط ؑ اور حضرت شعیب ؑ کا اپنی اپنی قوموں سے توحید اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں مباحثات کرنا ، اور ان اقوام کا فرماں برداری سے باز رہنا رکیک شبہات کی بناء پر، پیغمبروں کے جوابات ذکر کرنے کے ساتھ ، اور ان قوموں کا عذاب الٰہی میں مبتلا ہونا اور نصرتِ خداوندی کا ظاہر ہونا انبیاء اور ان کے متبعین کے حق میں ، اور حضرت موسیٰ ؑ کا قصہ ، فرعون، اسکی قوم اور بنی اسرائیل کے نادانوں کے ساتھ ، اور ان لوگوں کا حضرت موسیٰ ؑ کی جناب میں مکابرہ و مخالفت کے ساتھ پیش آنا اور خداوند تعالیٰ کا ایک عرصہ تک اُن بدبختوں کو عقوبت میں مبتلا رکھنا. اور اللہ کے نبی حضرت موسیٰ ؑ کے حق میں پیہم نصرتِ خداوندی کا ظاہر ہونا. حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام کا قصۂ خلافت

(باقی بر ص ۱۰۹)

---

[۱] لیس ذکر سیدنا ابراہیم ؑ فی الاصل الفارسی الذی عندنا ۱۲ عون. [۲] والترجمۃ الواضحۃ التی تطابق النص الفارسی ہٰکذا: وامتناع الاقوام من الامتثال وایرادہم شبہات رکیکۃ وحلہا من الانبیاء ۱۲ عون

ومن القصص التی ذُکِرَتْ مَرَّۃً او مَرَّتَیْنِ فقط رفعُ سیدنا ادریس علیہ السلام

(ترجمہ)

اوران واقعات میں سے جو فقط ایک یا دو جگہ مذکور ہیں حضرت ادریس علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا ہے۔

تشریح ۱۔ قولہ رفع سیدنا الخ سورۂ مریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا" (اور اٹھالیا ہم نے اس کو ایک اونچے مکان پر) یعنی قرب و عرفان کے بہت بلند مقام اور اونچی جگہ پر پہنچایا، بعض کہتے ہیں کہ حضرت مسیح کی طرح وہ بھی زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور اب تک زندہ ہیں، بعض کا خیال ہے کہ آسمان پر لیجا کر روح قبض کی گئی، انکے متعلق بہت سی اسرائیلیات مفسرین نے نقل کی ہیں، ابن کثیر نے ان پر تنقید کی ہے۔ (فوائد)

(بقیہ ص ۱۰۸)

اوران کے معجزات و کرامتوں کا بیان، حضرت ایوبؑ و حضرت یونسؑ کی محنت کا واقعہ اوران پر خداوندی رحمت کے نزول کا ذکر، حضرت زکریاؑ کی دعا کا مستجاب ہونا، حضرت عیسیٰؑ کے عجیب عجیب قصے یعنی ان کا بغیر باپ کے پیدا ہونا، گہوارہ میں کلام فرمانا، اور ان سے خلافِ عادت امور کا ظہور، پس یہ تمام قصے اجمالاً اور تفصیلاً ہر سورۃ کے اسلوب کے اقتضاء کے مطابق مختلف طریقوں سے بیان کئے گئے ہیں۔ تشریح

لہ اس کا ذکر ان مقامات میں ہے، سورۂ بقرہ (۳۰، ۳۹) سورۂ اعراف (۱۱، ۲۵) سورۂ اسراء (۶۱، ۶۵) سورۂ کہف (۵) سورۂ طٰہٰ (۱۱۶، ۱۲۳) سورۂ صٓ (۷۱، ۸۵) سورۂ حجر (۲۶، ۴۴)

سلہ ان کا تذکرہ ان مقامات میں ہے سورۂ اعراف (۵۹، ۹۳) سورۂ ہود (۲۵، ۹۵) سورۂ حجر (۵۱، ۸۴) سورۂ شعراء (۶۹، ۱۹۱) سورۂ ذاریات (۲۴، ۴۶) سورۂ قمر (۹، ۴۰)

سلہ اس کا بیان ان مقامات میں ہے سورۂ بقرہ (۴۹، ۷۳) سورۂ اعراف (۱۰۳، ۱۶۲) سورۂ شعراء (۱۰، ۶۸) سورۂ قصص (۳، ۶)

سلہ اس کا ذکر ان سورتوں میں ہے سورۂ نمل (۱۵، ۴۴) سورۂ سبا (۱۰، ۱۴) سورۂ صٓ (۱۷، ۴۰)

ھہ اس کا بیان ان سورتوں میں ہے، سورۂ انبیاء (۸۳، ۸۸) سورۂ صافات (۱۳۹، ۱۴۸)

لہ اس کا تذکرہ ان سورتوں میں ہے سورۂ آل عمران (۳۸، ۴۱) سورۂ مریم (۲، ۱۱) سورۂ انبیاء (۹۱)

کہ اس کا ذکر ان مقامات میں ہے سورۂ آل عمران (۴۵، ۵۱) سورۂ مریم (۱۶، ۳۶) سورۂ انبیاء (۸۹، ۹)

ھہ قولہ فذکرت ہذہ القصص الخ قرآن پاک میں گزشتہ زمانوں، ہلاک شدہ قوموں، محو شدہ شریعتوں کے تاریخی حالات اس طرح بیان ہوئے ہیں جیسے کوئی بچشم خود دیکھنے والا بیان کر رہا ہو، پھر ایک ہی قصہ کو متعدد مقامات پر مختلف الفاظ میں ایسی فصاحت و بلاغت کے ساتھ پیش کیا ہے جس کے معارضہ سے ہر شخص عاجز ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

ومناظرةُ[1] سيدنا ابراهيمَ لنمروذ ورؤيتهُ[2] إحياءَ الطيرِ وذبحِ[3] وَلَدِه وقصةُ سيدنا يوسفَ[4] وقصةُ ولادةِ[5] سيدنا موسىٰ وإلقاءه فى اليمّ وقتله القبطى وخروجه الى مَدْيَنَ وتزوّجه هُناك ورُؤيته النارَ[6] على الشجرة وسماعِ[7] الكلام منها وقصة ذبح البقرةِ[8] و قصةُ التقاءِ موسىٰ والخضرِ[9] وقصةُ طالوتَ[10] وجالوتَ وقصةُ بلقيسَ[11] و قصة ذى القرنَين[12] وقصة اصحابِ الكهفِ[13] وقصةُ رجلَين[14] تحاوَرَا فيما بينهما و قصةُ اصحابِ الجنّةِ[15] وقصةُ رُسُلِ عيسىٰ[16] الثلاثةِ والمؤمنِ[17] الذى قتله الكفارُ شهيدًا وقصةُ اصحابِ الفيل[18]، فليس المقصودُ من هذه القصصِ معرفتها بانفسها بل المقصودُ[19] انتقالُ ذهنِ السامع الى وَخَامةِ الشركِ والمعاصى وعقوبة الله تعالىٰ عليها و اطمئنانُ المخلصين بنصرةِ الله تعالىٰ وظهورُ عنايته عزّوجلّ بهم۔

لغات:۔ القاء ڈالنا، یمّ سمندر، مدین مصر سے آٹھ دس دن کی راہ پر ایک شہر ہے شجرۃ درخت۔ التقاء ملنا۔ تحاورا تحاورا ایک دوسرے سے گفتگو کرنا، الجنۃ باغ۔ رُسُل جمع رسول۔ الفیل ہاتھی۔ وخامۃ (ک) مضر ہونا۔

ترجمہ:۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ، اور پرندہ کو زندہ کرتے دیکھنا، اور اپنے فرزند (اسماعیل) کو ذبح کرنا، اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، ان کو دریا میں ڈالنا ان کا ایک قبطی کو قتل کرنا، پھر مدین کو فرار ہونا، وہاں نکاح کرنا اور وہاں سے واپسی میں ایک درخت پر آگ روشن دیکھنا، اور اس سے باتیں سننا، اور بنی اسرائیل کا گائے ذبح کرنے کا قصہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر سے ملاقات کرنا اور طالوت وجالوت، بلقیس، ذوالقرنین اور اصحاب کہف کے قصے، اور ان دو شخصوں کا قصہ جنھوں نے باہم نزاع کیا تھا، اور باغ والوں کا قصہ، اور حضرت عیسیٰ ؑ کے تین رسولوں کا قصہ اور اس مومن کا قصہ جس کو کفار نے شہید کیا تھا، اور اصحاب فیل کا واقعہ، پس ان تمام قصوں سے یہ مقصود نہیں کہ صرف ان واقعات سے آگاہی حاصل ہوجائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان سے سننے والوں کے ذہن شرک اور معاصی کی برائی کی جانب منتقل ہوں اور اہل شرک ومعاصی پر عذاب خداوندی کی طرف اور مخلصین کے خدا تعالیٰ کی عنایت سے مطمئن ہونے کی طرف دھیان دیا جائے۔

تشریح

[1] سورۂ بقرہ (۲۵۸) [2] سورۂ بقرہ (۲۶۰) [3] سورۂ صافات (۱۱۰، ۱۱۱) [4] سورۂ یوسف (۴، ۱۰۱)
[5] سورۂ قصص (۷، ۳۵) سورۂ طٰہٰ (۳۸، ۴۰)

[6] قولہ ورؤیتہ النار الخ اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ دیکھا تھا وہ آگ نہیں تھی بلکہ حق جل مجدہٗ کا نور تھا جس کو لفظ نار سے اسلئے ذکر کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسکو آگ ہی سمجھ رہے تھے، لیکن بقول امام صحیح یہ ہے کہ انھوں نے آگ ہی دیکھی تھی تاکہ وہ اپنی خبر میں کاذب قرار نہ پائیں اذا الکذب لا یجوز علی الانبیاء، بعض عارفین کا

قول ہے کہ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کی طلب میں نکلے تھے اس لئے مطلوب حقیقی نے ان کے مطلوب مجازی کی صورت میں تجلی فرمائی تاکہ حضرت موسیٰ ہوا اپنے مطلوب کیطرف بڑھیں اور اعراض نہ کریں۔

سہ کنار موسیٰ یرا ما عین حاجتہ ٭ وہو الا لہ ولکن لیس یدریہ

۷ہ قولہ وسماع الکلام منہا الخ شیخ احمد صاوی اپنے حاشیۂ جلالین میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف جہت شجرہ سے کلام سنا بلکہ محققین کا نظریہ یہ ہے کہ آپ نے کلام بلا حرف وصوت جمیع جہات سے سنا، ابن الشیخ نے اپنے حواشی میں لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کا کلام صفتِ ازلی ہے جو ذاتِ باری کے ساتھ قائم ہے، وہ نہ جنس حروف سے ہے نہ جنس اصوات سے لیکن جس طرح حق تعالیٰ کا دیدار غیر مستبعد ہے حالانکہ اسکی ذات نہ جسم ہے نہ عرض۔ اسی طرح اس کے کلام کا سماع بھی غیر مستبعد ہے اگرچہ وہ نہ جنس حروف سے ہے نہ جنس اصوات سے ہے، امام احمد نے وہب سے نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب " یا موسیٰ " سنا تو کئی بار لبیک کہا اور عرض کیا کہ میں تیری آواز سنتا ہوں اور آہٹ پاتا ہوں مگر یہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں ہے، آواز آئی کہ میں تیرے اوپر ہوں، تیرے ساتھ ہوں تیرے سامنے ہوں، تیرے پیچھے ہوں، اور تیری جان سے زیادہ تجھ سے نزدیک ہوں۔" کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام ہر جہت سے اور اپنے ایک ایک بال سے اللہ کا کلام سنتے تھے۔

۸ہ سورۂ بقرہ (۶۷، ۷۳) ۹ہ سورۂ کہف (۶۰، ۸۲) ۱۰ہ سورۂ بقرہ (۲۴۶، ۲۵۱) ۱۱ہ سورۂ نمل (۲۳، ۴۴)
۱۲ہ سورۂ کہف (۸۳، ۹۹) ۱۳ہ سورۂ کہف (۹، ۲۶) ۱۴ہ سورۂ کہف (۳۲، ۴۴) ۱۵ہ سورۂ قلم (۱۷، ۲۳)۔
۱۶ہ سورۂ یٰس (۱۳، ۱۹) ۱۷ہ سورۂ یٰس (۲۰، ۲۹) ۱۸ہ سورۂ فیل

۱۹ہ قولہ بل المقصود الخ سورۂ ہود کے آخر میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے :۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ٥

اور سب چیز بیان کرتے ہیں ہم تیرے پاس رسولوں کے احوال سے جس سے تسلی دیں تیرے دل کو اور آئی تیرے پاس اس صورت میں تحقیقی بات اور نصیحت اور یاد داشت ایمان والوں کو۔

یعنی گذشتہ اقوام و رسل کے واقعات سن کر پیغمبر علیہ السلام کا قلب بیش از بیش ساکن و مطمئن ہوتا ہے اور امت کو تحقیقی باتیں معلوم ہوتی ہیں جن میں نصیحت و تذکر کا بڑا سامان ہے۔ آدمی جب سنتا ہے کہ میرے ابنائے نوع پہلے فلاں فلاں جرائم کی پاداش میں ہلاک ہو چکے ہیں تو ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ فلاں راستہ اختیار کرنے سے پچھلوں کو نجات ملی تو طبعاً اس کی طرف دوڑتا ہے۔ فی الحقیقت قرآن کریم میں قصص کا حصہ اس قدر مؤثر و مذکر واقع ہوا ہے کہ کوئی شخص جس میں تھوڑا سا آدمیت کا جوہر ہو اور خوف خدا کی ذرا سی ٹیس دل میں رکھتا ہو انھیں سنکر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ (فوائد)

٭ ٭ ٭

وَقد ذکرَ جلّ شانُہ من الموت وما بعدَہ کیفیۃَ موتِ الانسان وعجزہٖ فی تلک الساعۃ وعرضَ الجنۃِ والنارِ علیہ بعدَ الموت وظہورَ ملائکۃِ العذاب وقد ذکرَ اشراطَ الساعۃ من نزول عیسیٰ وخروجِ الدجّالِ وخروجِ دابۃِ الارضِ وخروجِ یاجوجَ وماجوج

لغات:- عرض (ض) دکھانا، اشراط جمع شرط علامت، ہر چیز کا اول، الساعۃ قیامت، گھڑی

ترجمہ:- اور ذکر فرمایا ہے حق تعالیٰ نے موت اور اس کے بعد کے واقعات میں سے انسان کی موت کی کیفیت اور اس وقت اس کی بیچارگی کا عالم، اور موت کے بعد جنت دوزخ کو سامنے کرنا، اور عذاب کے فرشتوں کا آنا اور ذکر فرمایا ہے علامات قیامت میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول، اور دجال، دابۃ الارض اور یاجوج ماجوج کا ظہور۔

تشریح

قولہ وعجزہٖ الخ جیسے سورۂ قیٰمۃ میں ارشاد باری ہے

یَسْئَلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ ○ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ○ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ○ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ○ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ ○

پوچھتا ہے کب ہوگا دن قیامت کا، پھر جب چندھیانے لگے آنکھ، اور گہہ جائے چاند، اور اکٹھے ہوں سورج اور چاند، کہیگا آدمی اس دن کہاں چلا جاؤں بھاگ کر

یعنی حق تعالیٰ کی تجلی قہری سے جب آنکھیں چندھیانے لگیں گی اور مارے حیرت کے نگاہیں خیرہ ہو جائینگی اور بے نور ہونے میں چاند اور سورج دونوں شریک ہوں گے۔ اس وقت انسان بدحواس ہوکر کہیگا کہ آج کدھر بھاگوں اور کہاں پناہ لوں۔

قولہ والنار علیہ الخ جیسے سورۂ مومن میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْہَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا

وہ آگ ہے کہ دکھلا دیتے ہیں ان کو صبح اور شام

یعنی دوزخ کا ٹھکانا جس میں وہ قیامت کے دن داخل کئے جائیں گے ہر صبح و شام ان کو دکھلا دیا جاتا ہے تا نمونہ کے طور پر اس آنے والے عذاب کا کچھ مزہ چکھتے رہیں۔ یہ عالم برزخ کا حال ہوا، احادیث سے ثابت ہے کہ اسی طرح ہر کافر کے سامنے دوزخ کا اور ہر مومن کے سامنے جنت کا ٹھکانا روزانہ صبح و شام پیش کیا جاتا ہے (فوائد)

قولہ وظہور ملائکۃ العذاب الخ جیسے سورۂ انفال میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

وَلَوْ تَرٰی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الْمَلٰئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْہَہُمْ وَاَدْبَارَہُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ۔

اور اگر تو دیکھے جس وقت جان قبض کرتے ہیں کافروں کی فرشتے مارتے ہیں ان کے منہ پر اور ان کے پیچھے اور کہتے ہیں چکھو عذاب جلنے کا۔

ھ۵ لیس فی اصل الفارسی الذی ہو عندی ذکر خروج دابۃ الارض ۱۲ عون

قولہ من نزول عیسیٰ الخ جیسے سورۂ زخرف میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔

وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِھَا — اور وہ نشان ہے قیامت کا سو اس میں شک مت کرو۔

یعنی حضرت مسیح ؑ کا اول مرتبہ آنا تو خاص بنی اسرائیل کے لئے ایک نشان تھا کہ بدون باپ کے پیدا ہوئے اور عجیب و غریب معجزات دکھلائے اور دوبارہ آنا قیامت کا نشان ہوگا ان کے نزول سے لوگ معلوم کرلیں گے کہ قیامت بالکل نزدیک آ لگی ہے۔ حضرت ابن عباس رض سے یہی قول منقول ہے کہ اس سے مراد قبل از قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہے، وفی الحدیث "یوشک ان ینزل فیکم ابن مریم حکما وعدلا یکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ وتہلک فی زمانہ الملل کلھا الا الاسلام۔

قولہ دابۃ الارض الخ جیسے سورۂ نمل میں خداوند قدوس جل شانہ کا ارشاد ہے۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْھِمْ اَخْرَجْنَا لَھُمْ دَابَّۃً مِّنَ الْاَرْضِ تُکَلِّمُھُمْ اَنَّ النَّاسَ کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ۝ — اور جب پڑیگی ان پر بات نکالیں گے ہم ان کے آگے ایک جانور زمین سے ان سے باتیں کریگا اسواسطے کہ لوگ ہماری نشانیوں کا یقین نہیں کرتے تھے

قیامت سے پہلے مکہ کا صفا پہاڑ پھٹے گا اور اس میں سے ایک جانور نکلیگا جس کا نام جسّاسہ ہے جیسا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رض کی روایت میں ہے، وہ لوگوں سے باتیں کریگا کہ اب قیامت نزدیک ہے اور سچے ایمان والوں کو اور جھوٹے منکروں کو نشان دیکر جدا کر دیگا، یہ بالکل آخر زمانہ میں طلوع الشمس من المغرب کے دن ہوگا جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے "ان اول الآیات خروجا طلوع الشمس من مغربہا وخروج الدابۃ علی الناس ضحی وایہما کانت قبل صاحبتہا فالاخری علی اثرہا قریبا"۔ ابوداؤد طیالسی نے حضرت ابوہریرہ رض سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ یہ جانور نکلے گا اس حال میں کہ اس کے ساتھ حضرت موسیٰ ؑ کا عصا اور حضرت سلیمان ؑ کی انگوٹھی ہوگی، شاید دابۃ الارض سے یہ دکھلانا ہو کہ جس چیز کو تم پیغمبروں کے کہنے سے نہ مانتے تھے آج وہ ایک جانور کی زبانی ماننی پڑ رہی ہے۔

قولہ یاجوج الخ جیسے سورۂ انبیاء میں ارشاد ہے۔

حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَھُمْ مِّنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ ۝ — یہاں تک کہ جب کھول دیئے جائیں یاجوج اور ماجوج اور وہ ہر اونچان سے پھسلتے چلے آئیں۔

یاجوج اور ماجوج یافث بن نوح کی اولاد میں سے دو قبیلے ہیں جنکی تعداد کی بابت حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ بنی آدم کل کے کل ان کا دسواں حصہ ہیں۔ ؎

چو یوزینکاں آمدہ در وجود — مژہ زرد و رخ سرخ و دیدہ کبود
نماند جز خواب و خور ہیچ کار — نمیرد یکے تا نزاید ہزار

یعنی قیامت کے قریب نزول عیسیٰ ؑ کے بعد سد ذوالقرنین توڑ کر یاجوج ماجوج کا لشکر ٹوٹ پڑے گا اور انکی کثرت و ازدحام کی وجہ سے تمام بلندی و پستی پر چھا جائیں گے، یہ معلوم ہوگا کہ ہر ایک ٹیلہ اور پہاڑ سے ان کی فوجیں پھسلتی چلی آرہی ہیں۔

ونفخة الصعق ونفخة القيام والحشر والنشر والسوال والجواب والميزان واخذ صحف الاعمال باليمين والشمال ودخول المومنين الجنة ودخول الكفار النار واختصام اهل النار من التابعين والمتبوعين فيما بينهم وانكار بعضهم على بعض ولعن بعضهم بعضًا واختصاص اهل الايمان برؤية الله عز وجل وتلوّن انواع التعذيب من السلاسل والاغلال والحميم والغساق والزقوم - وانواع التنعيم من الحور والقصور والانهار والمطاعم الهنية والملابس الناعمة والنساء الجميلة وصحبة اهل الجنة فيما بينهم صحبة طيبة مفرحة للقلوب فتفرقت هذه القصص فى سور مختلفة باجمال وتفصيل بحسب اقتضاء اسلوبها

لغات۔ نفخہ ایک مرتبہ پھونکنا۔ الصعق چیخ، موت۔ میزان ترازو۔ صحف جمع صحیفہ نامۂ اعمال۔ اختصام باہم جھگڑنا تلون مختلف اور طرح طرح کا ہونا۔ سلاسل جمع سلسلہ زنجیر۔ اغلال جمع غل ہتھکڑی، طوق۔ حمیم گرم پانی، غساق بدبودار۔ زقوم تھوہڑ، جہنم کے ایک درخت کا نام۔ حور جمع حوراء سفید و خوبصورت، قصور جمع قصر محل۔ انہار جمع نہر۔ مطاعم جمع مطعم خوراک، ہنیۃ مرغوب، ملابس جمع ملبس لباس۔ ناعمہ نرم۔

ترجمہ:۔ اور صور فنا، صور حشر و نشر، سوال و جواب، میزان، اور نامۂ اعمال کا دائیں یا بائیں ہاتھ میں لینا اور مومنین کا جنت میں اور کفار کا دوزخ میں داخل ہونا، اور دوزخیوں میں پیشواؤں اور مقلدوں کا باہمی تکرار، اور ایک دوسرے کا راہ مارنے سے انکار اور آپس میں ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرنا اور مومنین کا دیدار خداوندی کے شرف سے مختص ہونا اور طرح طرح کے عذاب یعنی بیڑیاں، طوق، کھولتا ہوا گرم پانی، کچ لہو اور زقوم، اور نعمتہائے جنت کی انواع یعنی حور و قصور اور نہریں اور خوشگوار کھانے اور لباسہائے فاخرہ اور خوش جمال عورتیں اور جنتیوں کی باہمی دلکشا صحبتیں، ان قصوں کو مختلف سورتوں میں ان کے اسلوب کے اقتضاء کے حسب حال اجمالاً یا تفصیلاً متفرق طریقہ سے بیان کیا گیا ہے

تشریح۔ قولہ ونفخۃ الصعق الخ جیسے سورۂ زمر میں ارشاد ربانی ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ

اور پھونکا جائے صور میں پھر بیہوش ہو جائے جو کوئی ہے آسمانوں میں اور زمین میں مگر جسکو اللہ چاہے پھر پھونکی جائے دوسری بار تو فوراً وہ کھڑے ہو جائیں ہر طرف دیکھتے ہوئے۔

اکثر علماء محققین کے نزدیک کل دو مرتبہ نفخ صور ہوگا۔ پہلی مرتبہ میں سب کے ہوش اڑ جائیں گے پھر زندے تو مردہ ہو جائیں گے اور جو مر چکے تھے ان کی ارواح پر بیہوشی کی کیفیت طاری ہو جائیگی، بعدہ دوسرا نفخہ ہوگا جس سے مردوں کی ارواح ابدان کی طرف واپس آ جائیں گی اور بے ہوشوں کو افاقہ ہوگا

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

قولہ والمیزان الخ جیسے سورۂ اعراف میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۚ — اور تول اس دن ٹھیک ہوگی

یعنی قیامت کے دن سب کے اعمال کا وزن دیکھا جائیگا جن کے اعمال قلبیہ واعمال جوارح وزنی ہوں گے وہ کامیاب ہیں اور جن کا وزن ہلکا رہا وہ خسارہ میں رہے۔

قولہ واخذ صحف الاعمال الخ جیسے سورۂ انشقاق میں حق جل مجدہٗ کا ارشاد ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیْنِہٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا وَّیَنْقَلِبُ اِلٰٓی اَھْلِہٖ مَسْرُوْرًا وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ وَرَآءَ ظَھْرِہٖ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا وَّیَصْلٰی سَعِیْرًا ○

سو جسکو ملا اعمالنامہ اسکے داہنے ہاتھ میں تو اس سے حساب لینگے آسان حساب اور پھر کر آئیگا اپنے لوگوں کے پاس خوش ہو کر اور جسکو ملا اس کا اعمالنامہ پیٹھ کے پیچھے سے سو وہ پکاریگا موت موت اور پڑیگا آگ میں۔

قولہ واختصام اہل النار الخ جیسے سورۂ بقرہ میں اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِھِمُ الْاَسْبَابُ ○

جبکہ بیزار ہو جاوینگے وہ کہ جنکی پیروی کی تھی اُن سے کہ جو انکے پیرو ہوئے تھے اور وہ دیکھیں گے عذاب اور منقطع ہو جائینگے انکے سب علاقے

یعنی وہ وقت ایسا ہوگا کہ بیزار ہو جائینگے متبوع اپنے تابعداروں سے اور بت پرست اور بتوں میں کوئی علاقہ باقی نہ رہیگا

سورۂ صٓ میں متبوعین وتابعین کا اختصام ذکر کرکے ارشاد باری ہے

اِنَّ ذٰلِکَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَھْلِ النَّارِ ○ — یہ بات ٹھیک ہونی ہے جھگڑا کرنا آپس میں دوزخیوں کا۔

یعنی بظاہر یہ بات خلاف قیاس ہے کہ اس افراتفری میں ایک دوسرے سے جھگڑیں لیکن یاد رکھو ایسا ہو کر رہیگا۔ یہ بالکل یقینی چیز ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں

قولہ واختصاص الخ جیسے سورۂ قیامہ میں حق جل وعلا کا ارشاد ہے۔

وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ ○ — کتنے منہ اس دن تازہ ہیں اپنے رب کی طرف دیکھنے والے۔

یعنی مومنین کے چہرہ اس روز تر وتازہ اور ہشاش بشاش ہوں گے اور انکی آنکھیں محبوب حقیقی کے دیدار سے روشن ہونگی

مومن خدا کو دیکھیں گے جنت میں خوشحال ۔ بے کیف وبے جہت بے شبہ وبے مثال۔

اور سورۂ تطفیف میں مکذبین کی بابت ارشاد ہے۔

کَلَّآ اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ○ — کوئی نہیں وہ اپنے رب سے اس دن روک دئے جائیں گے۔

یعنی مومنین حق تعالیٰ کے دیدار کی دولت سے مشرف ہوں گے اور یہ بدبخت محروم رکھے جائیں گے

چوں دشمن و دوست را چہ باشد
پس فرق دراں میاں چہ باشد

والكلية في مباحث الاحكام انه صلى الله عليه وسلم بُعث بالملة الحنيفية فلزم بقاءُ شرائع تلك الملة وعدمُ التغيير في اُمّهات تلك المسائل سوى تخصيص العموم وزيادة التوقيتات والتحديدات ونحوها

ترجمہ:۔ مباحث احکام کے لئے قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملت حنیفی (ابراہیمی) پر مبعوث ہوئے ہیں اسلئے اس ملت کے طریقوں کا باقی رہنا اور اس کے امہات مسائل میں کسی قسم کے تغیر کا نہ ہونا ضروری ہے سوائے تخصیص عمومات اور اوقات وحدود کی زیادتی وغیرہ کے۔

تشریح:۔ قولہ بالملة الحنيفية الخ اس مقام کی تشریح خود شاہ صاحب کے کلام سے سنیئے، شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وجاء في بعض الاحاديث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال۔ بُعِثتُ بالملة السمحة الحنيفية البيضاء يريد بالسمحة ماليس فيه مشاق الطاعات كما ابتدعه الرهبان بل فيها لكل عذر رخصة يأتي العمل بها القوي والضعيف والمكتسب والفارغ وبالحنيفية ماذكرنا من انها ملة ابراهيم صلوات الله عليه فيها اقامة شعائر الله وكبت شعائر الشرك وابطال التحريف والرسوم الفاسدة وبالبيضاء ان عللها وحكمها والمقاصد التي بنيت عليها واضحة لاريب فيه من تأمل وكان سليم العقل غير مكابر والله اعلم۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھکو آسان، حنیفی، روشن مذہب دیکر بھیجا گیا ہے اسمیں سمحہ سے مراد یہ ہے کہ اس میں ایسی سخت عبادتیں نہیں جنکو راہبوں نے ایجاد کر لیا تھا بلکہ اس میں ہر عذر کے لئے رخصت ہے جس کی وجہ سے قوی وضعیف، کاربند اور بیکار سب عمل کر سکتے ہیں، اور حنیفیہ سے مراد یہ ہے کہ یہ ملت ابراہیمی ہے جس میں شعائر الہٰی کا قیام اور شعار شرک کی برائی اور تحریف ورسوم فاسدہ کا ابطال ہے اور بیضاء سے مراد یہ ہے کہ اس کی علتیں اور حکمتیں اور وہ مقاصد جن پر شریعت کی بنیاد قائم ہے نہایت واضح ہیں جو شخص ان میں تامل کریگا اسکو کچھ شبہ باقی نہ رہیگا بشرطیکہ وہ سلیم العقل ہو اور ہٹ دھرمی کرنے والا نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

(فائدہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث مروی ہے

قال، قيل لرسول الله صلى الله عليه وسلم اي الاديان احب الى الله؟ قال: الحنيفية السمحة

فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا گیا، سب دینوں میں اللہ کو کونسا دین پیارا ہے؟ فرمایا۔ ابراہیم علیہ السلام کا جو نہایت سہل اور آسان تھا (احمد، بزار، طبرانی فی الکبیر والاوسط، بخاری فی الادب المفرد وفی الصحیح تعلیقاً)

قولہ:۔ فلزم بقاء الخ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس مضمون کی تشریح یوں فرمائی ہے،

واعلم ان النبوة كثيرا ماتكون من تحت الملة كما قال

واضح ہو کہ نبوت بسا اوقات ملت کے تابع ہوتی ہے جیسا کہ

اللہ تعالیٰ "مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ" وكما قال "وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ" وسر ذلك انه تنشأ قرون كثيرة على التدين بدين وعلى تعظيم شعائره وتصير احكامه من المشهورات الذائعة اللاحقة بالبديهيات الاولية التي لا تكاد تنكر فتجئ نبوة اخرى لاقامة ما اعوج منها واصلاح ما فسد منها بعد اختلاط رواية نبيها فتفتش عن الاحكام المشهورة عندهم فما كان صحيحًا موافقًا لقواعد السياسة الملية لا تغيره بل تدعو اليه وتحث عليه وما كان سقيمًا قد دخله التحريف فانها تغيره بقدر الحاجة وما كان حريًا ان يزاد فانها تزيده على ما كان عندهم وكثيرًا ما يستدل هذا النبي في مطالبه بما بقي عندهم من الشرائع الاولى فيقال عند ذلك هذا النبي في ملة فلان النبي او من شيعته.

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "دین تمہارے باپ ابراہیم کا" اور فرمایا اور اسی کی راہ والوں میں ہے ابراہیم؛ اور اس کا راز یہ ہے کہ سالہائے دراز تک لوگ ایک مذہب کی پابندی کرتے ہیں اور اس دین کے شعائر کی تعظیم کرتے ہیں، اور اس مذہب کے احکام نہایت مشہور اور شائع بمنزلہ بدیہیات اولیہ کے ہوجاتے ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا، پھر ایک دوسری نبوت کا زمانہ آتا ہے تاکہ پہلے مذہب کی کجی بالکل دور ہوجائے اور اس کی بگڑی ہوئی باتیں درست ہوجائیں، اس مذہب کے نبی کی روایتوں میں اختلاط ہوجانے کے بعد، پس یہ دوسری نبوت لوگوں میں مشہور اور معتبر احکام کی تفتیش کرتی ہے پس جو صحیح سیاست مذہبی کے قواعد کے موافق ہوتے ہیں ان کو نہیں بدلتی بلکہ لوگوں کو انکی رغبت دلاتی ہے اور ان پر عمل کرنے کی تاکید کرتی ہے اور جو احکام کھوٹے ہوتے ہیں جن میں تحریف ہوچکی ہوتی ہے ان میں بقدر ضرورت تبدیلی کردیتی ہے اور جو احکام قابل اضافہ ہوتے ہیں ان کا اضافہ کردیتی ہے، اور بسا اوقات یہ نبی آخر ان امور سے جو پہلی شریعت کے باقی رہ جاتے ہیں اکثر اپنے مطالب اور دعاوی پر استدلال کرتا ہے پس اس وقت یہ کہا جاتا ہے کہ یہ نبی فلاں نبی کی ملت میں ہے یا اس کے گروہ میں سے ہے۔

عہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں ہیں اسلئے ساری امت کے باپ ہوئے، یا یہ مراد ہو کہ عربوں کے باپ ہیں کیونکہ اولین مخاطب قرآن کے وہی تھے ۱۲

عہ انبیاء علیہم السلام اصول دین میں سب ایک راہ پر ہیں اور ہر پچھلا پہلے کی تصدیق کرتا ہے اسی لئے حضرت ابراہیم کو حضرت نوح (علیہما السلام) کے گروہ سے فرمایا "ان ہذہ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاعبدون" ۱۲

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وأراد الله سبحانه وتعالى ان يزكي العرب بحضرة النبي صلى الله عليه وسلم ويزكي سائر الاقاليم بالعرب فلزم ان تكون مادة شريعته صلى الله عليه وسلم على رسوم العرب وعاداتهم

ترجمہ:۔ اور ارادہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کا کہ پاک کرے عرب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات کے ذریعہ اور پاک کرے باقی تمام اقالیم کو عربوں کے ذریعہ سے اسلئے ضروری ہوا کہ شریعت محمدی کا مواد رسوم و عادات عرب ہی سے لیا جائے۔

تشریح

قولہ فلزم ان تکون الخ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس راز کو یوں فاش کیا ہے:۔

الامام الذي يجمع الامم على ملة واحدة يحتاج الى ان يدعو قوما الى السنة الراشدة ويزكيهم ويصلح شانهم ثم يتخذهم بمنزلة جوارحه فيجاهد اهل الارض ويفرقهم في الآفاق وهو قوله تعالى كنتم خير امة اخرجت للناس وذلك لان هذا الامام نفسه لا يتاتى منه مجاهدة امم غير محصورة۔

واذا كان كذلك وجب ان يكون مادة شريعته ما هو بمنزلة المذهب الطبيعي لاهل الاقاليم الصالحة عربهم وعجمهم ثم ما عند قومه من العلم والارتفاقات ويراعى فيه حالهم اكثر من غيرهم ثم يحمل الناس جميعا على اتباع تلك الشريعة لانه لا سبيل الى ان يفوض الامر الى كل قوم او الى ائمة كل عصر اذ لا يحصل منه فائدة التشريع اصلا ولا الى ان ينظر ما عند كل قوم ويمارس كلا منهم فيجعل لكل شريعة اذ الاحاطة بعاداتهم وما عندهم على اختلاف بلدانهم وتباين اديانهم كالممتنع وقد عجز جمهور الرواة عن رواية شريعة واحدة فما ظنك بشرائع مختلفة۔

والاكثر انه لا يكون انقياد الآخرين الا بعد عدد ومدد لا يطول عمر النبي اليها كما وقع في الشرائع

وہ امام جو تمام فرقوں کو ایک مذہب پر جمع کرنا چاہے محتاج ہوتا ہے اسکا کہ وہ انکو راہِ راست کی طرف بلائے، انکے نفوس کا تزکیہ کرے، انکی حالت کو درست کرے، پھر انکو بمنزلہ اپنے اعضا کے بنالے پس تمام عالم میں جہاد کرے اور انکو دنیا میں پھیلا دے یہی مراد ہے قول باری میں "تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں" یہ اسلئے ہے کہ امام تنہا بیشمار قوموں سے جہاد نہیں کرسکتا۔

جب یہ بات ہے تو ضروری ہے کہ اسکی شریعت کا مادہ تمام معتدل اقالیم کے باشندوں کے لئے اور تمام عرب و عجم کے لئے بمنزلہ طبعی مذہب کے ہو پھر وہ مادۂ شریعت اسکی قوم کے علم و ارتفاقات کے موافق ہو اور اس میں دوسروں کی بہ نسبت اسکی قوم کا حال زیادہ ملحوظ ہو پھر تمام لوگوں کو اس شریعت کی پیروی کا حکم دیا جائے کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہر ہر قوم کی حالت کو اسی کے سپرد کر دیا جائے یا ہر زمانہ کے ائمہ پر چھوڑ دیا جائے کہ اس سے تشریع کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور نہ یہ ممکن ہے کہ ہر ہر قوم کے حالات و عادات کو دیکھ کر ہر ایک کے لئے جداگانہ شریعت مقرر کی جائے کیونکہ انکی عادات اور حالات کا احاطہ انکے شہر اور مذاہب کے اختلاف کے باوجود محال کے درجہ میں ہے، جب تمام رواۃ صرف ایک شریعت کی روایت سے عاجز آگئے تو مختلف شرائع کی نسبت کیا خیال کرسکتے ہو، اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک مدت دراز کے بعد دوسرے لوگ شریعت کے مطیع ہوتے ہیں جس کے لئے نبی کی عمر وفا نہیں کرتی جیسا کہ واقع ہوا ہے اس وقت کی موجودہ شریعتوں میں

الموجودة الآن فان اليهود والنصارى والمسلمين ما آمن من اوائلهم الا جمع ثم اصبحوا ظاهرين بعد ذلك فلا احسن ولا ايسر من ان يعتبر فى الشرائع والحدود والارتفاقات عادة قوم المبعوث فيهم ولا يضيق كل التضييق على الآخرين الذين يأتون بعد ويبقى عليهم فى الجملة والاولون يتيسر لهم الاخذ بتلك الشريعة بشهادة قلوبهم وعاداتهم و الآخرون يتيسر لهم ذلك بالرغبة فى سير ائمة الملة والخلفاء فانها كالامر الطبيعى لكل قوم فى كل عصر قديما او حديثاً

والاقاليم الصالحة لتولد الامزجة المعتدلة كانت مجموعة تحت ملكين كبيرين يومئذ احدهما كسرى و كان متسلطاً على العراق واليمن وخراسان وما وليها وكانت ملوك ما وراء النهر والهند تحت حكمه يجبى اليه منهم الخراج كل سنة، والثانى قيصر و كان متسلطا على الشام والروم وما وليهما وكان ملوك مصر والمغرب والافريقية تحت حكمه يجبى اليه منهم الخراج، وكان كسر دولة هذين الملكين والتسلط على ملكهما بمنزلة الغلبة على جميع الارض وكانت عاداتهم فى الترفه سارية فى جميع البلاد التى هى تحت حكمهما وتغيير تلك العادات وردهم عنها مفضيا فى الجملة الى تنبيه جميع البلاد على ذلك وان اختلف امورهم بعده وقد ذكر الهرمزان شيئاً من ذلك حين استشاره عمر رض فى غزوة العجم.

واما سائر النواحى البعيدة عن اعتدال المزاج فليس بها كثير اعتداد فى المصلحة الكلية ولذلك قال النبى صلى الله عليه وسلم

کہ یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے متقدمین میں سے مختصر سی جماعت ایمان لائی پھر ان کو بعد میں غلبہ حاصل ہوگیا تو اس سے زیادہ عمدہ اور سہل طریقہ نہیں ہے کہ شرائع و حدود و تدابیر میں اسی قوم کی عادت کا اعتبار کیا جائے جس میں نبی مبعوث ہوا ہے اور یہ کہ بعد میں آنے والوں پر تنگی نہ کی جائے بلکہ ان کے حق میں قدرے شفقت ہو، متقدمین کے لئے تو آسان ہوتا ہے اس شریعت کو قبول کرنا اپنی دلی شہادت اور عادات کی وجہ سے اور متاخرین کے لئے آسان ہوتا ہے اس مذہب کے ائمہ اور خلفاء کی سیرتوں میں رغبت رکھنے کی وجہ سے کیونکہ یہ امر ہر قوم کے لئے ہر زمانہ میں خواہ وہ قدیم ہو یا جدید بمنزلہ امر طبعی کے ہے۔

اور وہ ممالک جو مزاج معتدل کی تولید کی صلاحیت رکھتے ہیں دو بڑے بادشاہوں کے ماتحت تھے ایک کسریٰ جو عراق، یمن، خراسان اور انکے متصل ملکوں پر متسلط تھا اور ملوک ماوراء النہر اور ہند کے بادشاہ اسکے زیر حکم تھے جو ہر سال اس کو خراج بھیجتے تھے۔ دوسرا قیصر جو شام، روم اور ان کے قرب و جوار کے ملکوں پر متسلط تھا اور مصر، مغرب اور افریقہ کے بادشاہ اس کے زیر فرمان اور باج گزار تھے۔

ان دونوں شہنشاہوں کی طاقت کو متزلزل کر دینا اور ان کے ممالک پر قبضہ کر لینا گویا تمام روئے زمین پر قبضہ کر لینا تھا ان کے عادات و اطوار آسائش تمام ماتحت ملکوں میں پھیلے ہوئے تھے اور ان عادات کو بدلنا اور ان سے باز رکھنا گویا تمام ملکوں کی عادات پر تنبیہ کر دینا تھا اگرچہ بعد میں ان کے امور مختلف ہوگئے، ہرمزان نے کسی قدر ان حالات کا ذکر کیا تھا جبکہ حضرت عمر رض نے عجم کی لڑائیوں میں ان سے مشورہ لیا تھا۔ رہے باقی اطراف عالم جو اعتدال مزاج سے دور تھے سو وہ مصلحت کلی میں قابل اعتبار نہ تھے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (باقی بر ص ۱۲۰)

وَاِذَا نَظَرْتَ اِلٰی مَجْمُوْعِ شَرَائِعِ الْمِلَّةِ الْحَنِیْفِیَّةِ وَلَاحَظْتَ رُسُوْمَ الْعَرَبِ وَعَادَاتِہِمْ وَتَأَمَّلْتَ تَشْرِیْعَہٗ صلی اللہ علیہ وسلم الَّذِیْ بِمَنْزِلَۃِ الْاِصْلَاحِ وَالتَّسْوِیَۃِ تَحَقَّقْتَ لِکُلِّ حُکْمٍ سَبَبًا وَعَلِمْتَ لِکُلِّ اَمْرٍ وَنَہْیٍ مَصْلَحَۃً وَتَفْصِیْلُ الْکَلَامِ طَوِیْلٌ

ترجمہ :- اگر تو ملتِ حنیفی کے جملہ احکام اور عربوں کے رسوم و عادات کو دیکھے پھر شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر جو کہ اصلاح وتکمیل کا رتبہ رکھتی ہے ایک غائر نظر ڈالے تو ہر ایک حکم کیلئے کوئی سبب اور ہر امر ونہی کے لئے کسی خاص مصلحت کا ادراک کریگا، اس کی تفصیل بہت طویل ہے۔

تشریح

قولہ واذا نظرت الخ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں متعدد مقامات پر اس مضمون کی گتھیوں کو واضح کیا ہے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں، موصوف " باب ما کان علیہ حال اہل الجاہلیۃ فاصلحہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم " کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں :-

(بقیہ ص۱۱۹)

اترکوا الترک ما ترکوکم ودعوا الحبشۃ ما ودعوکم، وبالجملۃ فلما اراد اللہ تعالیٰ اقامۃ الملۃ العوجاء وان یخرج للناس امۃ تأمرہم بالمعروف وتنہاہم عن المنکر وتغیر رسومہم الفاسدۃ کان ذلک موقوفا علی زوال دولۃ ہذین متیسرا بالتعرض لحالہما فان حالہما یسری فی جمیع الاقالیم الصالحۃ او یکاد یسری فقضی اللہ بزوال دولتہما واخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بان ہلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ وہلک قیصر فلا قیصر بعدہ ونزل الحق الدامغ لباطل جمیع الارض فی دمغ باطل العرب بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ ودمغ باطل ہذین الملکین بالعرب ودمغ سائر البلاد بملتہما وللہ الحجۃ البالغۃ

"جب تک ترک تم سے کنارہ کریں تم بھی ان سے تعرض نہ کرو اور اہل حبشہ جب تک تم سے نہ لڑیں تم ان سے نہ لڑو۔ الحاصل جب اللہ نے مذہب کی کجی کو دور کرنا اور لوگوں کے لئے ایسا گروہ پیدا کرنا چاہا جو ان کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور ان کی خراب رسموں کو بدل ڈالے تو یہ ان دونوں دولتوں کے زوال پر موقوف تھا اور انکے حال سے تعرض کرنے کے ذریعہ بسہولت حاصل ہوسکتا تھا کیونکہ انکی عادتیں تمام صالح ملکوں میں ساری یا قریب بسرایت تھیں پس خدا نے ان دونوں سلطنتوں کا زوال مقدر کردیا اور آنحضرت صلعم نے فرمادیا کہ قیصر وکسریٰ ہلاک ہوگئے اب ان کے بعد قیصر وکسریٰ نہ ہونگے، اور اس حق کو نازل کیا جو تمام دنیا کی بیہودگی کو دور کرے اس طرح کہ نبی صلعم اور صحابہ کے ذریعہ عرب کی اور عرب کے ذریعہ دونوں سلطنتوں کی اور ان کے ذریعہ تمام عالم کی اصلاح کی گئی

٭ ٭ ٭

ان کنت ترید النظر فی معانی شریعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتحقق اولاً حال الامیین الذین بعث فیہم التی ہی مادۃ تشریعہ وثانیاً کیفیۃ اصلاحہ لہا بالمقاصد المذکورۃ فی باب التشریع والتیسیر واحکام الملۃ، فاعلم انہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث بالملۃ الحنیفیۃ الاسماعیلیۃ لاقامۃ عوجہا وازالۃ تحریفہا واشاعۃ نورہا وذلک قولہ تعالیٰ "ملۃ ابیکم ابراہیم" ولما کان الامر علیٰ ذلک وجب ان تکون اصول تلک الملۃ مسلمۃ وسنتہا مقررۃ اذ النبی اذا بعث الی قوم فیہم بقیۃ سنۃ راشدۃ فلا معنی لتغییرہا وتبدیلہا بل الواجب تقریرہا لانہ اطوع لنفوسہم واثبت عند الاحتجاج علیہم۔

وکان بنو اسماعیل توارثوا منہاج ابیہم اسمٰعیل فکانوا علی تلک الشریعۃ الی ان وجد عمرو بن لحی فادخل فیہا اشیاء برائیہ الکاسد فضلّ واضلّ وشرع عبادۃ الاوثان وسیب السوائب وبحر البحائر فہنالک بطل الدین واختلط الصحیح بالفاسد وغلب علیہم الجہل والشرک والکفر فبعث اللہ سیدنا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم مقیماً لعوجہم ومصلحاً لفسادہم فنظر صلی اللہ علیہ وسلم فی شریعتہم فما کان منہا موافقاً لمنہاج اسماعیل علیہ السلام او من شعائر اللہ ابقاہ وما کان منہا تحریفاً او افساداً او من شعائر الشرک والکفر ابطلہ وسجل علیٰ ابطالہ وما کان من باب العادات وغیرہا فبین آدابہا ومکروہاتہا مما یحترز بہ عن غوائل الرسوم ونہیٰ عن الرسوم الفاسدۃ وامر بالصالحۃ وما کان من مسئلۃ اصلیۃ او عملیۃ ترکت فی الفترۃ

اگر تو شریعت رسول صلعم کے حقائق میں غور کرنا چاہے تو اولاً ان امیوں کے حالات کی تحقیق کر جن میں آپکی بعثت ہوئی جو حالات آپ کی شریعت کا مادہ ہیں، ثانیاً ان کے اصلاح کی اس کیفیت کو دریافت کر جو ایسے مقاصد کی وجہ سے ہے جو باب تشریع وتیسیر اور احکام ملت میں مذکور ہیں سو واضح ہو کہ نبی صلعم کی بعثت ملت حنیفیہ اسماعیلیہ کی کجی کو درست کرنے، اسکی تحریف کو دور کرنے اور اس کے نور کو پھیلانے کے لئے تھی وذلک قولہ تعالیٰ "ملۃ ابیکم ابراہیم" جب حال یہ ہے تو ضروری ہے کہ اس امت کے اصول مسلم اور اس کا طریقہ مقررہ ہو کیونکہ جب نبی ایسی قوم میں مبعوث ہو جن میں عمدہ طریقے باقی ہیں تو ان میں تغیر وتبدل بے معنی ہے بلکہ ان کو باقی رکھنا ضروری ہے کیونکہ انکے نفوس ان کو اچھی طرح سے قبول کرتے ہیں اور ان سے ان پر خوب حجت ہوسکتی ہے۔ بنو اسماعیل اپنے باپ اسماعیل کے طریقہ کو توارثاً لیتے رہے اور اسی شریعت پر ثابت قدم رہے یہاں تک کہ عمرو بن لحی پیدا ہوا اور اس نے اپنی فاسد رائے سے ملت میں بہت سی چیزیں داخل کر دیں پس وہ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا اس نے بت پرستی شروع کی، سانڈ چھوڑے، بحیرہ مقرر کئے اس وقت سے دین خراب ہوگیا اور صحیح چیز غلط کے ساتھ مخلوط ہوگئی، لوگوں پر جہل اور شرک و کفر چھا گیا تب حق تعالیٰ نے نبی کریم صلعم کو ان کی کجی کی درستی اور خرابیوں کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا آپ نے ان کی شریعت میں غور کیا اور جس چیز کو اسمٰعیلی مسلک کے موافق یا منجملہ شعائر الٰہی کے پایا اسکو باقی رکھا اور جس میں تحریف یا خرابی پائی یا اکو شعائر کفر وشرک پایا اسکو مٹایا اور اسکا بطلان مستحکم کر دیا اور جو امور عادات وغیرہ کی قسم سے تھے انکی خوبیاں اور برائیاں اس طرح بیان کر دیں کہ انہیں رسمی آلائشوں سے احتراز کیا جاسکے اور آپنے بری رسموں سے منع کیا اور عمدہ کا حکم فرمایا

اعادہا غضۃ طریۃ کما کانت فتمت بذلک نعمۃ اللہ واستقام دینہ۔

اور جو مسائل اصلی یا عملی زمانہ فترت میں متروک ہوگئے تھے ان کو تروتازہ ویسا ہی کر دیا جیسے کہ وہ تھے اس طرح خدا کا انعام مکمل اور دین مستقیم ہوگیا۔

اسی باب میں آگے چل کر فرماتے ہیں :-

وکان من المعلوم عندہم ان کمال الانسان ان یسلم وجہہ لربہ ویعبدہ اقصیٰ مجہودہ وان من ابواب العبادۃ الطہارۃ ومازال الغسل من الجنابۃ سنۃ معمولۃ عندہم وکانت فیہم الصلوٰۃ والزکوٰۃ وکان فیہم الصوم من الفجر الیٰ غروب الشمس وکانت قریش تصوم عاشوراء فی الجاہلیۃ وکان الجوار فی المسجد وبالجملۃ کان اہل الجاہلیۃ یتحنثون بانواع التحنثات وکانوا علیٰ بقیۃ دین ابراہیم ع فی ترک النجوم وترک الخوض فی دقائق الطبیعیات غیر ما الجأ الیہ البداہۃ وکان بنو اسماعیل علیٰ منہاج ابیہم الیٰ ان وجد فیہم عمرو، وکانت لہم سنن متالدۃ یتلاومون علیٰ ترکہا فی مأکلہم ومشربہم ولباسہم وولائمہم واعیادہم و دفن موتاہم ونکاحہم وطلاقہم وعدتہم واحدادہم، و بیوعہم ومعاملاتہم ومازالوا یحرمون المحارم کالبنات والامہات والاخوات وغیر ہا وکانت لہم مزاجر فی مظالمہم کالقصاص والدیات والقسامۃ وعقوبات علی الزنا والسرقۃ ودخلت فیہم من الاکاسرۃ والقیاصرۃ علوم الارتفاق الثالث والرابع۔

لکن دخلہم الفسوق والتظالم بالسبی والنہب و شیوع الزنا والنکاحات الفاسدۃ والربوا وکانوا ترکوا الصلوٰۃ والذکر واعرضوا عنہما۔

فبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیہم وہذا حالہم فنظر فی جمیع ما عند القوم فما کان بقیۃ الملۃ الصحیحۃ

ان کو بخوبی معلوم تھا کہ انسانی کمال یہی ہے کہ اپنے رب کے سامنے سرنگوں ہو اور انتہائی کوشش سے اسکی عبادت کرے اور یہ کہ ابواب عبادت میں سے طہارت بھی ہے اور غسل جنابت تو انکا ایک معمول ہی تھا اور ان میں نماز و زکوٰۃ بھی مروج تھی اور صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ بھی تھا اور قریشی لوگ زمانہ جاہلیت میں عاشورا کا روزہ رکھتے تھے اور مسجد میں اعتکاف کرنا بھی تھا حاصل یہ کہ اہل جاہلیت مختلف تعلیمات کے ذریعے خدا کی عبادت کرتے تھے وہ بقیہ دین ابراہیم تھے۔ نجوم کو نہ ماننے میں اور دقائق طبیعیات میں غور و خوض نہ کرنے میں سوائے بدیہی چیزوں کے اور بنو اسماعیل اپنے باپ کے طریقے پر تھے یہاں تک کہ انھیں عمرو بن لحی پیدا ہوا۔ ان کے ہاں مستحکم طریقے معین تھے جن کے ترک پر ملامت ہوتی تھی کھانے پینے میں، لباس میں، دعوتوں میں، عیدوں میں دفن مردگان میں، نکاح، طلاق، عدت اور سوگ میں اور خرید و فروخت اور معاملات میں، وہ محارم کو حرام سمجھتے تھے جیسے بیٹیاں مائیں اور بہنیں وغیرہ اور ان کے ہاں سزائیں تھیں ظلم و تعدی پر۔ جیسے قصاص، دیت، قسامت اور سزائیں تھیں زنا اور چوری کی اور ایران و روم کی سلطنتوں کے ذریعے سے ان میں منزلی اور تمدنی علوم بھی آگئے تھے۔

لیکن ان میں بدکاری اور ستم ظرفی آگئی تھی قید کرنے لوٹ مار ڈالنے زنا کرنے اور نکاح فاسد اور سود خوری کی راہ سے اور انھوں نے نماز اور ذکر الٰہی کو بالکل ترک کر دیا تھا۔

پس ان کے ان حالات میں نبی کریم صلعم مبعوث ہوئے اور آپ نے انکے تمام امور میں غور کیا پس جو امور ملت صحیحہ کے باقی تھے (باقی ص ۱۲۳)

وبالجملة فقد كان وقع فى العبادات من الطهارة والصلوٰة والصوم والزكوٰة والحج والذكر فتور عظيم من التساهل فى اقامتها واختلاف الناس فيها بسبب عدم المعرفة فى اكثرها ودخول تحريفات اهل الجاهلية فيها اسقط القرآن عدم النسق منها وسوّاها حتى استقام امرها واما تدابير المنزل فقد كان وقع فيه رسوم ضارة وانواع تعلق وعتو وايضا اختلت احكام السياسة المدنية فضبط القرآن العظيم اصولها وحدودها ووقتها وذكر من هذا الباب انواع الكبائر وكثيرا من الصغائر۔

ترجمہ :- غرض کہ تمام عبادات طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور ذکر وغیرہ میں ایک عظیم فتور برپا ہوگیا تھا یعنی اس کے احکام کے اجراء میں تساہل برتا جاتا تھا اور بوجہ ناواقفیت لوگ باہم اختلاف کرتے تھے اور اس میں اہل جاہلیت کی تحریفات داخل ہوگئی تھیں قرآن پاک نے اس تمام بدنظمی کو دور کرکے اصلاح کی یہاں تک اسکو درست کردیا، تدبیر منزل میں بھی نقصان دہ رسوم اور ظلم وسرکشی نے بری طرح دخل پالیا تھا نیز سیاست مدنیہ کے احکام بھی بالکل مختل ہوچکے تھے قرآن عظیم نے اس کے اصول کو بھی منضبط کیا اور ان کی پوری حدبندی کی اور اس باب کے انواع کبائر اور بہت صغائر بیان کئے۔

(بقیہ ص۱۲۲)

البقاء وحمل على الاخذ به وضبط لهم العبادات بشرع الاسباب والاوقات والشروط والاركان والآداب والمفسدات والرخصة والعزيمة والاداء والقضاء وضبط لهم المعاصي ببيان الاركان والشروط وشرع فيها حدودا ومزاجر وكفارات وتيسر لهم الدين ببيان الترغيب والترهيب وسدّ ذرائع الاثم والحث على المكارم الخيرالى غير ذلك مما سبق ذكره وبالغ فى اشاعة الملة الحنيفية وتغليبها على الملل كلها وما كان من تحريفاتهم نفاه وبالغ فى نفيه وما كان من الارتفاقات الصحيحة سجل عليه وامر به وما كان .... من رسومهم الفاسدة منعهم عنه وقبض على ايديهم وقام بالخلافة الكبرىٰ وجاهد بمن معه من دونهم حتى تم امر الله وهم كارهون (حجۃ اللہ بحذف یسیر۔)

انکو باقی رکھ کر عمل کی تاکید فرمائی اور اسباب واوقات شروط وارکان، آداب مفسدات، رخصت وعزیمت اور ادا، قضا کی تعلیم کرکے ان کے لئے عبادات کو منضبط کیا اور معاصی کو بھی ارکان وشروط بیان کرکے منضبط کیا اور گناہوں کی روک تھام کے لئے حدود، سزائیں اور کفارات معین فرمائے، بیان ترغیب وترہیب کے ذریعہ دین کو آسان کیا، گناہوں کے تمام ذرائع بند کئے اور ان امور پر آمادہ کیا جن سے نیکی کی تکمیل ہوتی ہے۔

اور ملت حنیفیہ کے پھیلانے اور اس کو تمام مذاہب پر غلب کرنے کی انتہائی کوشش فرمائی اور ان کی تمام تحریفات کو مٹانے کی سعی بلیغ فرمائی اور جو رسوم صحیح تھیں انکو باقی رکھا اور ان کا حکم فرمایا اور جو رسوم فاسد تھیں ان سے روک دیا اور ان میں خلافت کبریٰ قائم کی اور اپنے ساتھیوں کی مدد سے غیروں سے جہاد کیا یہاں تک کہ امر خداوندی پورا ہوگیا گو وہ ان پر شاق ہی گذرتا رہا

محمد حنیف غفرلہ
گنگوہی

وذكر مسائل الصلوٰة بطريق الاجمال وذكر فيها لفظ "اقامة الصلوٰة" ففصّلها رسول الله صلى الله عليه وسلم بالاذان وبناء المساجد والجماعة والاوقات وذكر مسائل الزكوٰة ايضا بالاختصار ففصّلها صلى الله عليه وسلم تفصيلاً

ترجمہ:- اور تذکرہ کیا مسائل نماز کا اجمالی طور پر اور ذکر کیا اس کی بابت لفظ "اقامت صلوٰۃ" جسکی تفصیل فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان، بناء مساجد، جماعت اور اوقات سے، اور ذکر کئے مسائل زکوٰۃ بھی مختصر طریقہ سے جنکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری تفصیل فرمائی

تشریح:- قولہ ففصلها الخ حضرت شاہ صاحب "التفہیمات الالٰہیہ" میں تحریر فرماتے ہیں

كشف لى عن اصل الشريعة وعن تبيانها. الحاصل على لسان النبى صلى الله عليه وسلم كما قال عز من قائل:- "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ" مثاله قال الله تعالى "واقيموا الصلوٰة وآتوا الزكوٰة" فالاقامة ماخوذة من قامت السوق اذا وجد فيها البيع والشراء ومعناها ههنا الترويج والاشاعة فبين النبى صلى الله عليه وسلم الترويج المقصود بتوقيت الاوقات وتعيين عدد الركعات وتعليم صفة الصلوٰة وتشريع الاذان وتاكيد امر الجماعة والندب الى بناء المساجد وحضورها، فكل هذه الابواب تبيان لاقامة الصلوٰة ولولا بيانه الواضح المفصل لم نعلم شيئا من ذلك ابدا. وكذلك بيّن ايتاء الزكوٰة بتعيين النصاب والمقدار الواجب اخراجه والجنس الواجب اخراجها منه الى غير ذلك.

ثم عن تبيان تبيانها على السنة الصحابة والتابعين كما اشار اليه النبى صلى الله عليه وسلم حيث قال:- "اقتدوا بالذين من بعدى ابى بكر وعمر" وقال "اصحابى كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم."

حق تعالیٰ نے مجھ پر اصل شریعت کو منکشف کر دیا اور اس کے اس بیان کو جو نبی کریم صلعم کی زبانی حاصل ہوا جیسا کہ ارشاد باری ہے "تاکہ تو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتری ان کے واسطے" اس کی مثال قول باری:- اقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ ہے پس لفظ اقامۃ "قامت السوق" سے ماخوذ ہے جو بازار کے رائج ہونے پر بولتے ہیں، یہاں اس کے معنی رواج دینا اور اشاعت کرنا ہے پس نبی کریم صلعم نے اس ترویج کو جو یہاں مقصود ہے تحدید اوقات تعیین عددِ رکعات، تعلیم صفت نماز، تشریع اذان، تاکید امر جماعت، ترغیب تعمیر مساجد اور ان کی حاضری بجالانے کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ پس یہ تمام امور اقامت صلوٰۃ کا بیان ہے، اگر یہ واضح اور مفصل بیان نہ ہوتا تو ہم کبھی بھی ان میں سے کچھ نہ سمجھ سکتے تھے۔ اسی طرح آپ نے ایتاء زکوٰۃ کو نصاب اور واجب الاخراج مقدار واجب الاخراج جنس کی تعیین کے ساتھ بیان فرمایا ہے پھر اس بیان کی اس وضاحت کو جو صحابہ وتابعین کی زبانی ہوئی ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ، "پیروی کرو ان کی میرے بعد یعنی ابوبکرؓ وعمرؓ کی" اور فرمایا کہ "میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں جسکی پیروی کرلوگے ہدایت پالوگے (باقی برصفحہ ۱۲۵)

وذکر الصوم فی سورة البقرة[1] والحج فیہما[2] فی سورة الحج[3] والجہاد فی سورة البقرة[4] والانفال[5] وفی مواضع متفرقة والحدود فی المائدة[6] وفی النور[7] والمیراث فی سورة النساء والنکاح[8] و الطلاق فی سورة البقرة[9] والنساء[10] والطلاق وغیرہا

ترجمہ:۔ اور ذکر کیا روزہ سورۂ بقرہ میں، اور حج سورۂ بقرہ و سورۂ حج میں اور جہاد سورۂ بقرہ و سورۂ انفال میں اور دوسرے مقاماتِ متفرقہ میں۔ اور حدود سورۂ مائدہ و سورۂ نور میں، اور میراث سورۂ نساء میں، اور نکاح و طلاق سورۂ بقرہ و سورۂ نساء اور سورۂ طلاق وغیرہ میں۔

[1] آیات (۱۸۳، ۱۸۷) [2] (۱۹۷، ۲۰۳) [3] (۲۶، ۲۷) [4] (۱۹۰، ۱۹۵، ۲۱۶، ۲۴۴) [5] (۱۲، ۱۹، ۶۵، ۶۹) [6] (۳۲، ۴۰) [7] (۱، ۱۰۰) [8] (۲۲۶، ۲۴۴) [9] (۱۱، ۱۲، ۱۹، ۲۵، ۳۴، ۳۵، ۱۲۸، ۱۳۰) [10] (۱، ۷)

(بقیہ صفحہ ۱۲۴)

مثالہ قصر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰة فی السفر والسفر عندنا امر مبہم فلحق بہ فعلُ ابن عمرؓ وابن عباسؓ بیاناً انہ اربعة بُرُد

ثم عن ایضاحہا تدوین اصولہا وفروعہا الحاصل علی ایدی المجتہدین المتقدمین مثالہ قال اللہ تعالیٰ:۔ اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ۔ فتکلم المجتہدون ان الغسل معناہ اسالة الماء فقط او یشترط معہا الدلک؟ والوجہ حدہ من کذا وکذا الی کذا وکذا۔ والی المرافق معناہ مع المرافق وہل یکفی مسمی المسح ولو علی شعرة او شعرتین اولابد من مسح ربع الرأس او من مسح کلہ؟ ثم عن شرح مذاہبہم واقاویلہم والتخریج علی قواعدہم الحاصل علی ایدی المتأخرین من الفقہاء، وما اصدق ما قیل فی ذلک ان مثلہ مثل دوحة نبتت منہا غصون کبار ومن تلک الغصون غصون اخری صغار ونبتت فی الغصون الصغار اوراق وازہار اھ

اس کی مثال نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا بحالت سفر نماز میں قصر کرنا ہے اور سفر ہمارے نزدیک ایک امر مبہم ہے جس کے لئے حضرت ابن عمرؓ و ابن عباسؓ کا فعل بیان بن گیا کہ وہ چار بُرد یعنی اڑتالیس میل ہے۔

پھر اس کے اصول و فروع کی تدوین و ایضاح کو مجتہدین متقدمین کے ہاتھوں سے حاصل ہوئی جسکی مثال قول باری ہے "جب تم اٹھو نماز کو تو دھولو اپنے منھ اور ہاتھ کہنیوں تک اور مَل لو اپنے سر کو اور پاؤں ٹخنوں تک۔

پس تحقیق کی ہے مجتہدین نے کہ غسل کے معنی صرف پانی بہانا ہے یا اس میں رگڑنے کی بھی شرط ہے، اور چہرہ کی حد یہاں سے وہاں تک ہے اور الی المرافق بمعنی مع المرافق ہے اور یہ کہ صرف مسمّی مسح کافی ہے گو ایک دو بال پر ہو یا چوتھائی سر یا پورے سر کا مسح کرنا ضروری ہے۔؟

پھر ان کے مذاہب، اقوال کی شرح اور ان کے قواعد کے مطابق تخریجات کو جو فقہائے متاخرین کے ہاتھوں سے حاصل ہوئی ہے۔ اس کی بات کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ اس کی مثال بڑے پھیلے ہوئے درخت کی سی ہے جس میں بڑے بڑے ٹہنے نکلے اور ٹہنوں سے چھوٹی چھوٹی شاخیں اور ان شاخوں میں پتے اور کلیاں۔

واذا عرفتَ القسمَ الذی تعمّ فائدته جمیعَ الامۃِ فھنالک قسمٌ اخر وذلک مثل انه کان یُعرَضُ علیه صلی اللہ علیه وسلم سوال فیُجیب

ترجمہ:۔ جب تو اس قسم کو پہچان چکا جس کا فائدہ تمام افرادِ امت کے لئے عام ہے تو یہاں ایک اور قسم بھی ہے اور وہ یہ کہ مثلاً کوئی سوال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جناب میں پیش کیا گیا اور آپ نے اس کا جواب مرحمت فرمایا۔

تشریح:۔ قولہ سوال الخ مثلاً آفتاب ہمیشہ ایک صورت ایک حالت پر رہتا ہے اور چاند کی صورت بدلتی اور اس کی مقدار بڑھتی گھٹتی رہتی ہے، لوگوں نے چاند کے کم زیادہ ہونے کی وجہ آپ سے دریافت کی اور سورۂ بقرہ میں اس کا جواب دیا۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَہِلَّۃِ قُلْ ہِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ط — تجھ سے پوچھتے ہیں حال نئے چاند کا کہہ دے کہ یہ اوقات مقرر ہیں لوگوں کے واسطے اور حج کے واسطے۔

یعنی ان سے کہدو کہ چاند کا اس طرح پر نکلنا اس سے لوگوں کے معاملات اور عبادات مثل قرض، اجارہ عدت مدت، حمل ورضاعت، روزہ زکوۃ وغیرہ کے اوقات ہر ایک کو بے تکلف معلوم ہو جاتے ہیں بالخصوص حج کہ روزہ وغیرہ کی قضا تو ان کے غیر ایام میں ہوتی ہے حج کی تو قضا بھی ایام مقررہ حج کے سوا دوسرے ایام میں نہیں کر سکتے۔

اسی طرح حضرت فخر عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک جماعت کافروں کے مقابلہ کو بھیجی انہوں نے کافروں کو مارا اور مال لوٹ لائے، مسلمان تو جانتے تھے کہ وہ اخیر دن جمادی الثانی کا ہے اور وہ رجب کا غرہ تھا جو کہ اشہر حرم میں داخل ہے، کافروں نے اس پر بہت طعن کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام مہینوں کو بھی حلال کر دیا اور اپنے لوگوں کو حرام مہینوں میں لوٹ مار کی اجازت دیدی۔ مسلمانوں نے حاضر ہو کر آپ سے پوچھا کہ ہم سے شبہ میں یہ کام ہوا اس کا کیا حکم ہے؟ تو سورۂ بقرہ کی اس آیت میں جواب دیا گیا۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّہْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْہِ قُلْ قِتَالٌ فِیْہِ کَبِیْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَکُفْرٌ بِہٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَہْلِہٖ مِنْہُ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰہِ وَالْفِتْنَۃُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ط — تجھ سے پوچھتے ہیں مہینہ حرام کو کہ اسمیں لڑنا کیسا ہے کہدے لڑائی اسمیں بڑا گناہ ہے اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اسکو نہ ماننا اور مسجد الحرام سے روکنا اور نکال دینا اسکے لوگوں کو وہاں سے اس سے بھی زیادہ گناہ ہے اللہ کے نزدیک اور لوگوں کو دین سے بچلانا قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔

یعنی شہر حرام میں قتال کرنا بیشک گناہ کی بات ہے لیکن حضرات صحابہ نے تو اپنے علم کے موافق جمادی الثانی میں جہاد کیا تھا اسلئے مستحق عفو ہیں ان پر الزام لگانا بے انصافی ہے، نیز لوگوں کو اسلام لانے سے روکنا اور خود دینِ اسلام کو تسلیم نہ کرنا اور زیارت بیت اللہ سے لوگوں کو روکنا اور مکہ کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا یہ باتیں شہر حرام میں مقاتلہ کرنے سے بھی زیادہ گناہ ہیں اور کفار برابر یہ حرکات کرتے رہتے تھے۔ (فوائد)

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

اوبذلِ الانفسِ والاموالِ من اھل الایمان فی حادثۃٍ وامساکِ المنافقین واتباعھم الھوی مدحُ اللہ سبحانہ المؤمنین و ذمّ المنافقین مع تھدیدھم

لغات:- بذل (ن، ض) دینا۔ سخاوت کرنا۔ بذل نفسہ عن فلان۔ فلاں کی حمایت میں اپنی جان لڑادی۔ انفس جمع نفس۔ امساک روکنا۔ الہوی خواہش، مدح مدحًا تعریف کرنا۔ ذم مذمۃً برائی بیان کرنا۔ تہدید دھمکانا، خوف دلانا۔

ترجمہ

یا اہل ایمان کا اپنا جان و مال بے دریغ صرف کرنا کسی خاص حادثہ میں اور منافقین کا بخل کرنا جس پر خدا تعالٰے نے مومنین کی تعریف اور منافقین کی مذمت فرمائی ان کو دھمکانے اور خوف دلانے کے ساتھ

تشریح:- قولہ فی حادثۃ الخ جیسے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر مسلمانوں کو شریک لشکر ہونے کے ساتھ ساتھ زادراہ سواری سلاح جنگ وغیرہ کے لئے روپے کی بھی زیادہ ضرورت تھی اسلئے چندہ کی عام اپیل کی گئی۔ منافقین نے لوگوں کو بہکانے اور مسلمانوں کے لئے مشکلات پیدا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور چندہ دینے میں بھی شرکت نہیں کی اس کے برخلاف حضرت عثمان غنی رض نے اپنا تمام وہ مال تجارت جو شام کی طرف روانہ کرنے والے تھے لشکر کی تیاری کے لئے چندہ میں دیدیا جس کی مقدار نوسو اونٹ، سو گھوڑے، مع سازوسامان اور ایک ہزار دینار طلائی تھی حضرت ابوبکر صدیق رض نے اپنے گھر کا تمام مال واسباب لاکر چندہ میں دیدیا۔ حضرت عمر فاروق رض نے اپنے مال واسباب سے نصف لاکر راہ خدا میں دیدیا اور نصف اہل وعیال کے لئے چھوڑا۔ اس پر مومنین کی تعریف میں سورۂ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔

لٰکِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ جَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ وَاُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْخَیْرٰتُ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥

لیکن رسول اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ساتھ اس کے وہ لڑے ہیں اپنے مال اور جان سے اور انہیں کے لئے ہیں خوبیاں اور وہی ہیں مراد کو پہونچنے والے۔

اور منافقین کی مذمت میں یہ آیت نازل ہوئی۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِھِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَکَرِھُوْٓا اَنْ یُّجَاھِدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَھَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ کَانُوْا یَفْقَھُوْنَ ٥

خوش ہوگئے پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھ رہنے سے جدا ہوکر رسول اللہ سے اور گھبرائے اس سے کہ لڑیں اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں اور بولے کہ مت کوچ کرو گرمی میں تو کہہ دوزخ کی آگ سخت گرم ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی۔

یعنی اگر سمجھ ہوتی تو خیال کرتے کہ یہاں کی گرمی سے بچ کر جس گرمی کی طرف جارہے ہو وہ کہیں زیادہ سخت ہے یہ تو یہی مثال ہوئی کہ دھوپ سے بھاگ کر آگ کی پناہ لی جائے۔ ؎

مقام عیش میسر نمی شود بے رنج ٭ بلی بحکم بلا بستہ اند حکم الست

او وقعت حادثۃٌ من قبیل نصرۃ علی الاعداء وکف ضررھم فمنّ اللہ سبحانہ وتعالیٰ علی المومنین وذکرھم بتلک النعمۃ او عرضت حالۃ تحتاج الی تنبیہ وزجر او تعریض او ایماء او امر او نھی فانزل اللہ سبحانہ فی ذلک الباب فما کان من ھذا القبیل فلابدّ للمفسر من ذکر تلک القصص بطریق الاجمال

لغات:- اعداء جمع عدو دشمن، کفّ روکنا، باز رکھنا۔ ضرر نقصان۔ منّ (ن) منًّا احسان کرنا، زجر ڈانٹ تعریض کسی دوسرے پر ڈھال کے بات کہنا۔ ایماء اشارہ کرنا۔ **ترجمہ**

اور یا کوئی حادثہ دشمنوں پر فتح دینے اور ان کے ضرر سے محفوظ رکھنے کے مانند واقع ہوا ہو اور خدا تعالیٰ نے مومنین پر اس کا احسان جتایا اور ان کو وہ نعمتیں یاد دلائی ہوں یا کوئی ایسی خاص حالت پیدا ہوئی جس پر زجر و تنبیہ یا تعریض و ایماء یا امر و نہی کی ضرورت تھی اور خدا تعالیٰ نے اس بارے میں اس کے مناسب کچھ نازل فرمایا۔ ایسی خاص حالتوں میں مفسر کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان قصوں کو بطریق اختصار بیان کر دے جن کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ **تشریح**:-

قولہ من قبیل نصرۃ الخ جیسا کہ معرکۂ بدر میں پیش آیا جو فی الحقیقت مسلمانوں کے لئے بہت ہی سخت آزمائش کا موقع تھا، وہ تعداد میں تھوڑے، بے سر و سامان، فوجی مقابلے کے لئے تیار ہو کر نہ نکلے تھے۔ مقابلہ پہلی سے تگنی تعداد کا لشکر پورے ساز و سامان سے کبر و غرور کے نشہ میں سرشار ہو کر نکلا تھا، جب کفار کی جمعیت اور تیاری دیکھ کر مسلمانوں کو تشویش ہوئی اور ہر شخص نے نصرت خداوندی کی دعا کی تو فرشتوں کی کمک آسمان سے مدد کے لئے پہونچی جو سورۂ انفال میں مذکور ہے۔

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ ٥ وَمَا جَعَلَہُ اللّٰہُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِہٖ قُلُوْبُکُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ

جب تم لگے فریاد کرنے اپنے رب سے تو وہ پہنچا تمہاری فریاد کو کہ میں مدد کو بھیجوں گا تمہاری ہزار فرشتے لگاتار آنیوالے اور یہ تو دی اللہ نے فقط خوشخبری اور تا کہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل اور مدد نہیں مگر اللہ کی طرف سے۔

سورۂ آل عمران میں اسی نعمت کی یاد دہانی کرائی ہے۔

وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ فَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ٥

اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم کمزور تھے سو ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم احسان مانو

قولہ الی تنبیہ و زجر الخ جیسے اسیران بدر کو فدیہ لیکر چھوڑ دینے کی رائے کی بابت سورۂ انفال میں عتاب آمیز لہجہ سے فرمایا ہے" لَوْلَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ لَمَسَّکُمْ فِیْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ " اگر نہ ہوتی ایک بات جس کو لکھ چکا اللہ پہلے سے تو تم کو پہنچتا اس لینے میں بڑا عذاب۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وقد جاءت تعریضات بقصة بدر فی الانفال وبقصة احد فی اٰل عمران وبالخندق فی الاحزاب وبالحدیبیة فی الفتح وببنی النضیر فی الحشر وجاء الحث علی فتح مکة وغزوة تبوك فی براءة والاشارة الی حجة الوداع فی المائدة والاشارة الی قصة نکاح زینب رضی الله عنها فی الاحزاب وتحریم السریة فی سورة التحریم وقصة الافك فی سورة النور واستماع الجن تلاوته صلی الله علیه وسلم فی سورة الجن والاحقاف وقصة مسجد الضرار فی براءة واشیر الی قصة الاسراء فی اول بنی اسرائیل وهذا القسم ایضا فی الحقیقة من باب التذکیر بایام الله ولکن لما توقف حل التعریضا فیه علی سماع القصة میز من سائر الاقسام

ترجمہ: اور آئے ہیں اشارات قصۂ بدر کی جانب سورۂ انفال میں اور قصہ اُحد کی جانب آل عمران میں اور غزوۂ خندق کی جانب احزاب میں اور حدیبیہ کی جانب سورۂ فتح میں اور بنی نضیر کی جانب سورۂ حشر میں اور فتح مکہ اور غزوۂ تبوک پر آمادگی سورۂ برارت میں اور حجۃ الوداع کی طرف اشارہ سورۂ مائدہ میں اور نکاح زینبؓ کے قصہ کیطرف سورۂ احزاب میں اور تحریم سریہ کی طرف سورۂ تحریم میں اور قصۂ افک کی طرف سورۂ نور میں اور جنات کے تلاوت نبی سننے کیطرف سورۂ جن اور سورۂ احقاف میں اور قصۂ مسجد ضرار کی طرف سورۂ برائت میں اور اشارہ کیا گیا ہے واقعہ معراج کی طرف آغاز بنی اسرائیل میں، اور یہ قسم بھی درحقیقت از قبیل تذکیر بایام اللہ ہے لیکن چونکہ اس کی تعریضات کا حل اصلی قصہ کے سننے پر موقوف ہے اسلئے اسکو باقی اقسام سے علیحدہ رکھا گیا۔

لہ آیات (۵، ۱۱) کہ (۱۵۲، ۱۶۸) ھ۳ (۹، ۲۵) ھ۴ (۱، ۱۰) ھ۵ (۱، ۱۴) لہ (۲۸، ۶۶ ومابعدہا) ھ۷ (۳۰) ھ۸ (۳۶)

ھ۹ قولہ السریہ الخ سُرِّیَّۃ اس لونڈی کو کہتے ہیں جو ہم خوابی کے لئے مخصوص کیجائے اسکی جمع سَرَارِیّ ہے پھر اغلب یہی ہے کہ اس کا اشتقاق سِرّ سے ہے اور بعضوں کے نزدیک سرور سے ہے، سورۂ تحریم میں جس چیز کی حرمت کا ذکر ہے اسکی نسبت روایات مختلف ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ ماریہ قبطیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیز تھیں ان کو کسی ام المؤمنین کے اصرار سے آپنے حرام کیا تھا۔

نلہ قولہ قصۃ الافک الخ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بے داغ دامن پر بہتان عظیم کا قصہ جو سورۂ نور کی آیات (۱۱، ۲۰) میں مذکور ہے۔

لله (۱، ۱۹) ھ۱۲ (۲۹، ۳۲) ھ۱۳ یعنی اس مسجد کا قصہ جس کی بنیاد محض ضد، کفر و نفاق، عداوت اسلام اور مخالفت خدا و رسول پر رکھی گئی تھی۔ جو سورۂ برائت کی آیات (۱۰۷، ۱۱۰) میں میں مذکور ہے۔

الباب الثانی

فی بیانِ وُجوہِ الخفاءِ فی معانی نَظمِ القرآنِ بالنسبۃِ اِلیٰ اَذھانِ اھلِ الزمانِ وازالۃِ ذلک الخفاءِ باوضحِ بیان

لیُعلم اَنّ القرآن قد نزّلَ بلغۃ العرب سَوِیًّا بغیرِ تفاوتٍ وھُم فھموا معنی منطوقہٖ بقریحۃٍ جُبلوا علیھا کما قال "والکتٰب المبین" وقال "قرآناً عربیًّا لعلکم تعقلون" وقال "اُحکمت اٰیاتہٗ ثمّ فُصّلت" وکان من مرضیّ الشارع عدمُ الخوضِ فی تاویلِ متشابہِ القرآن وتصویرِ حقائقِ الصفاتِ الالٰھیۃِ وتسمیۃِ المُبھمِ واستقصاءِ القصصِ وما اَشبہ ذلک ولھذا اَمّا کانوا یسئلونہ صلی اللہ علیہ وسلم عن شیئٍ من ذلک ولھذا رُفِع فی ھذا الباب شیئٌ قلیل۔

توضیح اللغۃ

وجوہ بمعنی طرق، خفاء پوشیدگی، اذہان جمع ذہن، سَوِیّ برابر، ہموار، وَھُم ای العرب، قریحۃ طبیعت۔ جبلوا (ض۔ ن) پیدا کرنا۔ خوض (ن) مشغول ہونا۔ استقصاء بتمام کرنا، تہ کو پہنچنا، قصص جمع قصہ، حکایت رفع بمعنی رُوِیَ

ترجمہ

باب دوم وجوہِ خفاءِ نظم قرآن کے بیان میں جو خفا ہمارے زمانہ کے ذہن والوں کے لحاظ سے ہے اور نہایت وضاحت کے ساتھ اس خفاء کے ازالہ کا بیان۔

جاننا چاہیئے کہ قرآن مجید ٹھیک ٹھیک بلا کسی تفاوت کے محاورۂ عرب کے موافق نازل ہوا ہے اور اہل عرب اپنے جبلی سلیقہ کے ذریعہ سے قرآن پاک کے معنی منطوق کو سمجھ لیتے تھے چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے "قسم ہے اس واضح کتاب کی" اور فرمایا (ہم نے اس کو اتارا ہے) "قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھ لو" اور فرمایا "سجا دیا ہے اس کی باتوں کو پھر کھولی گئی ہیں"۔ اور شارع کی مرضی ہے غور و خوض نہ کرنا متشابہات قرآنی کی تاویل اور صفاتِ خداوندی کے حقائق کی صورت آفرینی، اور مبہمات کی تعیین اور قصوں کی تفصیل میں یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں اس قسم کے سوالات کم پیش کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی بابت سلسلۂ سوالات کچھ کم ہی منقول ہوا ہے۔

تشریح:۔

قولہ اہل الزمان الخ اہل الزمان سے مراد زمانہ نزول سے بعد والے لوگ ہیں پس اس قید کے ذریعہ سے

عـه الترجمۃ الصحیحۃ مکان ہذہ الجملۃ ہکذا " ولہذا اقلّما کانوا یسئلونہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک " لان النص الفارسی ہکذا " ولہذا با آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کم سوال می کردند " ۱۲ عون

زمانِ نزول سے احتراز ہے کیونکہ اس وقت فہم معانی میں کوئی خفاء نہ تھا۔

قولہ قرآناً عربیاً الخ یعنی عربی زبان جو تمام زبانوں میں زیادہ فصیح و وسیع اور منضبط و پُر شوکت زبان ہے نزولِ قرآن کے لئے منتخب کی گئی، جب خود پیغمبر عربی ہیں تو ظاہر ہے کہ دنیا میں اس کے اولین مخاطب عرب ہوں گے پھر عرب کے ذریعہ سے چاروں طرف یہ روشنی پھیلے گی۔

قولہ وتسمیۃ المبہم الخ یعنی جن چیزوں کو حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں مبہم رکھا ہے ان کی تعیین کے پیچھے نہ پڑنا مثلاً اصحاب کہف کے کیا کیا نام[عہ] تھے، ان کے کتے[عہ] کا رنگ کیسا تھا، جو پرندے حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صفت احیاء دکھلانے کے لئے زندہ کئے تھے وہ کون کون سے پرندے[سہ] تھے۔ شہر مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی دو لڑکیوں میں سے جو لڑکی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لئے آئی تھی وہ بڑی صاحبزادی تھی یا چھوٹی، ان کے کیا نام[للعہ] تھے اور حضرت موسیٰؑ نے ان میں سے کس کے ساتھ نکاح کیا تھا؟ جس درخت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف کلام سے نوازا گیا وہ کونسا درخت تھا؟ (باقی برص۱۳۲)

عہ کہتے ہیں کہ غار سے جو تختیاں دستیاب ہوئی تھیں ان میں یہ نام تھے مکسلمینا، املیخا، مرطوکش، نوالس سانیوس، بطلیوس، کشفوطط، حضرت ابن عباسؓ کے بیان کے مطابق یہ ہیں مکسلمینا، تملیخا، مرطونس، بنیونس سارنونس، دوانوانس، کندسلططنوس، حضرت علی رضؓ سے یہ اسماء منقول ہیں۔ یملیخا مکشلینا، مسلینا، مرنوشس دبرنوشس، شاذنوش، کشفطیو۔ ابن اسحاق نے یہ نام نقل کئے ہیں یملیخا، مکسلمینا، محسلمینا، مرطوس، کشفطوس ینیوس، میموس، بطنیوس، کندسلططنوس بسیوطی نے اتقان میں یہ نام ذکر کئے ہیں۔ تملیخا، مَکسَلمِینا، مَرطوشش یَرَاقِش۔ اَیُوکش، اَوِیُسطانُس، شَلطِطنُوس ۱۲

عہ ابن عباس رضؓ سے ایک روایت میں مٹیالا، دوسری میں سُرخ آیا ہے، مقاتل کہتے ہیں کہ زرد تھا، قرطبی کا قول ہے کہ زردی مائل بسرخی تھی، کلبی کے قول میں خلنجی اللون اور بعض کے نزدیک آسمانی رنگ کا تھا ۱۲

سہ حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ وہ غُرنُوق (ایک آبی پرندہ ہے جو سارس کے مشابہ ہوتا ہے) طاؤس (مور) دیک (مرغ)، حمامۃ (کبوتری) تھے، دوسری روایت میں غرنوق اور حمامہ کے بجائے وَزّ (بط) رأل (بچہ شترمرغ) ہے مجاہد اور عکرمہ کے قول میں غرنوق کے بجائے غراب (کوا) ہے اور بعض کے قول میں حمامہ کے بجائے نسر (گدھ) ہے

للعہ ان کا نام لیّا اور صَفُورَیا تھا، صفوریا بڑی تھی۔ یہی بلانے آئی تھی اسی سے آپ کا نکاح ہوا تھا۔ ۱۲

صہ وہ عناب یا سَمُرَۃ (ببول کا درخت) یا سدرہ (بیری) یا عوسج تھا جسکو غرقد کہتے ہیں ۱۲

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

ولكن لما مضت تلك الطبقة وداخلهم العجم وتركت تلك اللغة استصعب فهم المراد في بعض المواضع واحتيج الى تفتيش اللغة والنحو وجاء السوال والجواب بين ذالك وصنفت كتب التفسير فلزم ان نذكر مواضع الصعوبة اجمالاً ونورد امثلة فيها لئلا يحتاج عند الخوض الى زيادة بيان ولا يقع الاضطرار الى المبالغة في الكشف عن تلك المواضع ـــ

توضیح اللغۃ :۔ استصعب استصعاباً مشکل و دشوار پایا، صعوبۃ دشواری، نورد ایراداً پیش کرنا الغا، امثلۃ جمع مثال، اضطرار بے قراری۔ **ترجمہ**

لیکن جب اس طبقہ کا دور گذر گیا اور عجمی لوگ داخل ہونے لگے نیز وہ زبان بھی متروک ہوگئی تو اس وقت بعض مقامات پر شارع کی مراد سمجھنے میں دشواری پیدا ہوئی اور علم لغت وعلم نحو کی چھان بین کی ضرورت پڑی۔ اور سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا اور تفسیر کی کتابیں تصنیف کی جانے لگیں، بدیں وجہ ہمارے ذمہ لازم ہے کہ ہم مشکل مقامات اجمالی طور پر ذکر کریں اور ان کی مثالیں بھی پیش کردیں تاکہ معانی قرآن میں غور وخوض کے وقت طول بیان کی حاجت نہ پڑے اور ان مقامات کو مبالغہ کے ساتھ حل کرنے کے لئے مجبور نہ ہوں۔

(بقیہ ص ۱۳۱)

"الذی عندہ علم من الکتاب" کا مصداق کون ہے[۵] ؟ وغیرہ

(فائدہ) مبہماتِ قرآن کے موضوع پر سب سے پہلے سہیلی نے پھر ابن عساکر نے ان کے بعد قاضی بدرالدین بن جماعہ نے مستقل کتابیں تالیف کی ہیں، حافظ سیوطی نے بھی ایک جامع کتاب لکھی ہے۔

قولہ شیٔ قلیل الخ چنانچہ حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں:۔

ما کان قوم اقل سوالاً من امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سألوہ عن اثنتی عشرۃ مسئلۃ فاجیبوا (بزار)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی بہ نسبت کم سوال کرنے والی کوئی امت نہیں انھوں نے آپ سے صرف بارہ سوالات کئے اور ان کے جوابات دئے گئے

منجملہ ان کے آٹھ سوال سورۂ بقرہ میں ہیں (۱) وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ (۲) یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَہِلَّۃِ (۳) یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ (۴) یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّہْرِ الْحَرَامِ (۵) یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ (۶) یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی (۷) یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (۸) یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ (۹) یَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَاءِ (سورۂ نساء) (۱۰) یَسْتَفْتُوْنَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ۔ ایضاً۔ (۱۱) یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا اُحِلَّ لَہُمْ ـ مائدہ (۱۲) یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ ـ سورۂ انفال

---

[۵] آصف بن برخیا۔ حضرت سلیمانؑ کے میر منشی، یا ذوالنور (یا اسطوم یا تملیخا یا بلخ یا ضبہ) نامی ایک شخص تھا یا حضرت جبرئیل یا حضرت خضر یا کوئی فرشتہ تھا ۱۲

نَقُول اِنّ عدمَ الوصولِ الی فہمِ المرادِ باللفظ یکون تارۃً بسببِ استعمالِ لفظٍ غریبٍ وعلاجُہ نقلُ معنی اللفظ عن الصحابۃ والتابعین وسائرِ اہلِ المعانی وتارۃً یکون ذٰلک لعدمِ تمییزِ المنسوخ من الناسخ وتارۃً یکون لغفلۃٍ عن سبب النزول وتارۃً یکون بسببِ حَذفِ المضافِ او الموصوف اوغیرِہما وتارۃً لِاِبدَالِ شیٍٔ مکانَ شیٔ اٰ و ابدالِ حرفٍ بحرفٍ او اسمٍ باسمٍ اوفعلٍ بفعلٍ اولذکرِ الجمع موضعَ المفردِ وبالعکس اولاستعمالِ الغَیبۃِ مکانَ الخطاب وتارۃً بتقدیمِ ماحقُّہ التاخیرُ وبالعکس وتارۃً بسبب اِنتِشارِ الضمائرِ وتعدُّدِ المرادِ من لفظٍ واحدٍ وتارۃً بسبب التکرارِ والاِطنابِ و تارۃً بسبب الاختصارِ والایجازِ وتارۃً بسببِ استعمالِ الکنایۃِ والتعریضِ و المتشابہِ والمجازِ العقلی فینبغی لاہل السعادۃ من الاَحباب ان یَطّلِعوا فی مَبدأ الکلامِ علیٰ حقیقۃِ ہٰذہ الامور وشیٔ من اَمثلتِہا ویکتفوا فی موضع التفسیر باشارۃٍ ورَمزٍ

ترجمہ :- پس ہم کہتے ہیں کہ کسی لفظ کی مراد نہ سمجھ پانے کا سبب کبھی تو نادر لفظ کا استعمال ہوتا ہے جس کا علاج اس لفظ کے معنی صحابہ وتابعین اور باقی واقف کارانِ معانی سے نقل کرنا ہے اور کبھی اس کا سبب منسوخ کو ناسخ سے شناخت نہ کرسکنا اور کبھی اسبابِ نزول سے غفلت کا ہونا اور کبھی مضاف یا موصوف وغیرہ کا محذوف ہونا اور کبھی ایک شئے کو دوسری شئے سے یا ایک حرف کو دوسرے حرف سے یا ایک اسم کو دوسرے اسم سے یا ایک فعل کو دوسرے فعل سے یا جمع کو مفرد سے یا مفرد کو جمع سے یا غائب کے اسلوب کو مخاطب سے بدل دینا اس کا باعث ہوتا ہے اور کبھی مستحق تاخیر کی تقدیم یا اس کا عکس، اور کبھی اس کا سبب ضمائر کا انتشار اور لفظ واحد سے مراد کا متعدد ہونا اور کبھی تکرار اور مفید طوالت ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کا سبب اختصار وایجاز اور کسی وقت کنایہ، تعریض، متشابہ یا مجاز عقلی کا استعمال ہوتا ہے پس سعادتمند دوستوں کو چاہیئے کہ وہ علم تفسیر میں گفتگو کرنے پہلے ان امور کی حقیقت اور ان کی بعض مثالوں سے آگاہی حاصل کریں اور مقام تفسیر میں رمز واشارہ پر اکتفا کریں۔ تشریح

قولہ اہل المعانی الخ یہاں اہل معانی سے مراد علم معانی وبیان کے واقف کار لوگ نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن کو الفاظ قرآنی کے معانی بیان کرنے کا ملکہ تامہ حاصل ہو چنانچہ ابن الصلاح کا قول ہے "وحیث رأیت فی کتب التفسیر قال اہل المعانی فالمراد بہ مصنفوا الکتب فی معانی القرآن کالزجاج والفراء والاخفش وابن الانباری" کہ تم تفسیر کی کتابوں میں جہاں کہیں "قال اہل المعانی" دیکھو تو اس سے وہی لوگ مراد ہیں جنھوں نے قرآن کے معانی میں کتابیں لکھی ہیں جیسے زجاج، فراء، اخفش، اور ابن الانباری وغیرہ

قولہ لعدم تمییز الخ ان تمام امور کا تفصیلی بیان کتاب میں آگے آرہا ہے :- محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

الفصلُ الاوّلُ

فی شرحِ غریبِ القرآنِ واحسنُ الطُّرُقِ فی شرحِ الغریب ما صَحَّ عن ترجمانِ القرآن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما من طریقِ ابنِ ابی طلحۃ واعتمدہ البخاری فی صحیحہ غالباً

ترجمہ، فصل اوّل قرآن مجید کے الفاظ نادرہ کی شرح کے بیان میں۔ شرح غریبِ قرآن میں سب سے بہتر طریقہ وہ ہے جو مترجم قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضؓ سے درجۂ صحت کو پہنچا ہے ابن ابی طلحہ کے طریق روایت سے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں غالب اعتماد اسی پر کیا ہے۔ تشریح

قولہ غریب القرآن الخ مفسر کیلئے غریب قرآن یعنی اس کے کم استعمال ہونے والے الفاظ کی معرفت حاصل کرنا نہایت ضروری امر ہے ورنہ بقول علامہ زرکشی اس کے لئے کتاب اللہ پر اقدام کرنا حلال نہیں ہے۔ حافظ بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے " اَعْرِبُوا القرآنَ والتمسوا غرائبَہٗ " (قرآن کے معانی سمجھو اور اس کے غریب الفاظ کے معانی تلاش کرو) نیز حضرت ابن عمر رضؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ " جس نے قرآن پڑھا اور اس کے غریب الفاظ کے معانی تلاش کئے تو اسے ہر حرف کے بدلے میں بیس نیکیاں ملیں گی اور جو معانی سمجھے بغیر پڑھے اسے ہر حرف پر دس نیکیاں ملیں گی۔

اسی لئے علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جیسے ابو عبیدہ، ابو عمر الزاھد اور ابن دُرید وغیرہ اس موضوع کی کتابوں میں العزیزی کی کتاب نے زیادہ شہرت پائی ہے کیونکہ یہ اس نے اپنے شیخ ابن الانباری کی مدد سے پندرہ سال کی لگاتار محنت کے بعد لکھی ہے۔ اور جو کتاب اس موضوع پر مقبولِ عام ہوئی ہے وہ راغب اصفہانی کی " مفردات القرآن " ہے (اتقان)

قولہ عن ترجمان القرآن الخ عبد اللہ بن حراش کے طریق پر بواسطہ عوام بن حوشب، مجاہد سے حضرت ابن عباس رضؓ کا قول منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، بیشک ترجمان القرآن تو ہی ہے " ابن جریر نے حضرت ابن مسعود رضؓ کا قول روایت کیا ہے انہ قال " نِعْمَ ترجمان القرآن ابن عباس " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق میں دعا کی تھی " اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل " بارالہا! اسکو دین میں فقیہ بنا اور تاویل (تفسیر) کا علم عطا فرما، حافظ ابو نعیم نے حضرت مجاہد سے روایت کی ہے کہ " ابن عباس اپنی کثرتِ علم کے سبب بحر (دریا) کے نام سے موسوم تھے " ابن الحنفیہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس اس امت کے حبر تھے

قولہ من طریق الخ حضرت ابن عباس رضؓ کے تفسیری اقوال کو مختلف طریقوں سے نقل کیا گیا ہے۔ مثلاً طریقِ قیس بواسطہ عطاء بن السائب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضؓ۔ طریقِ ابن اسحاق بواسطہ محمد بن عکرمہ او عن سعید بن جبیر عن ابن عباس، طریقِ جُویبر بواسطہ ضحاک عن ابن عباس، طریقِ بکر بن سہل دمیاطی بواسطہ عبد الغنی

بن سعید عن موسیٰ بن محمد عن ابن جریج عن ابن سفیان، طریق شبل بن عباد مکی بواسطہ ابو نجیح عن مجاہد عن ابن عباس طریق سدی بواسطہ ابو مالک و ابو صالح عن ابن عباس، طریق کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس طریق مقاتل بن سلیمان، طریق ضحاک بن مزاحم عن ابن عباس، طریق علی بن ابی طلحہ، ان سب طرق میں بہترین طریق علی بن ابی طلحہ کا ہے اس کے بعد طریق ضحاک جیسا کہ شاہ صاحب فرما رہے ہیں۔

قولہ ابن ابی طلحہ الخ علی بن ابی طلحہ سالم بن المخارق الہاشمی (ولاءً) ابو الحسن۔ یعقوب بن سفیان نے گو ان کو ضعیف الحدیث، منکر، لیس محمود المذہب اور لیس ہو بمتروک ولا ہو حجۃ کہا ہے اور امام احمد بن حنبل کہتے ہیں لہ اشیاء منکرات۔ تاہم ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے، امام مسلم نے کتاب النکاح کے باب حکم العزل میں ایک حدیث ان سے روایت کی ہے، دوسرے محدثین نے ان سے فرائض میں بھی حدیث روایت کی ہے، بالخصوص ان کے تفسیری صحیفہ کی صحت پر تو سب کا اتفاق ہے، امام احمد کہتے ہیں کہ "مصر میں فن تفسیر کا ایک صحیفہ ہے جس کو علی بن ابی طلحہ نے روایت کیا ہے اگر کوئی شخص اس کی طلب کا ارادہ کرکے مصر کی طرف جائے تو یہ کچھ بہت (بڑی بات) نہیں"۔ ابو جعفر نحاس نے اپنی کتاب "الناسخ" میں اس قول کو مستند بتایا ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ نسخہ مصر میں ابو صالح کاتب لیث کے پاس تھا جسکو انھوں نے معاویہ بن صالح سے بواسطہ علی بن ابی طلحہ ہاشمی حضرت ابن عباس رضہ سے روایت کیا ہے امام بخاری نے اپنی کتاب میں جو حضرت ابن عباس رض کے اقوال بطریق تعلیق درج کئے ہیں وہ بیشتر ابو صالح کی روایت سے لئے ہیں، اسی لئے ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن المنذر نے بھی بہت سی روایتیں اپنے اور ابو صالح کے مابین چند واسطوں کے ساتھ بیان کی ہیں۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ ابو صالح کے شیخ الشیخ علی بن ابی طلحہ نے خود ابن عباس رضہ سے تفسیر کے متعلق کچھ نہیں سنا بلکہ ان میں مجاہد یا سعید بن جبیر کا واسطہ ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ واسطہ اور یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہے اس روایت کے مان لینے میں کوئی قباحت نہیں خلیلی نے اپنی کتاب "الارشاد" میں کہا ہے کہ ابو صالح کے شیخ معاویہ بن صالح قاضی اندلس کی روایت کو جو وہ بواسطہ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضہ سے روایت کرتے ہیں بڑے بڑے محدثین نے معتبر مانا ہے باوجودیکہ حفاظ حدیث کا اتفاق ہے کہ علی بن ابی طلحہ نے خود ابن عباس سے کچھ نہیں سنا۔

قولہ واعتمدہ البخاری الخ امام بخاری نے اپنی صحیح میں صحیفہ ابن ابی طلحہ کی پوری تفسیر ذکر نہیں کی جیسا کہ حافظ سیوطی کو وہم ہوا ہے بلکہ صرف وہی چیزیں لی ہیں جو شرح معانی الفاظ غریبہ سے متعلق ہیں، اس کے برخلاف ہم ابن جریر کو دیکھتے ہیں کہ وہ بطریق ابن ابی طلحہ آیات کی پوری تفسیر بلکہ ناسخ و منسوخ اور اسباب نزول کو بھی ذکر کرتے ہیں معلوم ہوا کہ ان کا یہ صحیفہ صرف مفردات غریب القرآن ہی کی تفسیر نہیں ہے بلکہ ایک عام و اشمل تفسیر ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ امام بخاری نے غریب القرآن کی تفسیر صرف انہیں کے صحیفہ سے نہیں کی بلکہ حضرت ابن عباس رض کے علاوہ اوروں سے بھی روایات لی ہیں۔

ثُمَّ طَرِیقُ الضَّحَّاکِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَوَابُ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ اَسْئِلَۃِ نَافِعِ بْنِ الْاَزْرَقِ

ترجمہ :۔ اس کے بعد ابن عباسؓ سے ضحاک کے طریق اور نافع بن الازرق کے سوالات پر ابن عباسؓ کے جوابات کا مرتبہ ہے۔ تشریح

قولہ الضحاک الخ ضحاک بن مزاحم ہلالی (ولاءً) بلخی، خراسانی ابوالقاسم متوفی ۱۰۵ھ امام احمد، ابن معین اور ابوزرعہ نے اس کی توثیق کی ہے، سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اس نے حضرت ابن عباسؓ سے ملاقات نہیں کی. ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی تمام مرویات میں نظر ہے یہ تو صرف تفسیر میں مشہور ہے، ابن حجر کہتے ہیں امام بخاری نے قول باری "ثلٰثۃ ایام الا رمزا" کی تفسیر میں کتاب اللعان میں کہا ہے "وقال الضحاک الا رمزا ای اشارۃ"۔

(تنبیہ) ضحاک سے جو روایت جُوَیْبِر کی ہے وہ نہایت ضعیف ہے کیونکہ جویبر بہت کمزور بلکہ متروک راوی ہے ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں سے کسی نے بھی اس طریق سے کوئی چیز روایت نہیں کی، ہاں ابن مردویہ اور ابوالشیخ ابن حبان نے کی ہے۔

قولہ نافع الخ نافع بن الازرق حروری مقتول ۶۵ھ خارجیوں کا رئیس اعظم تھا۔ خوارج کے چھ بڑے فرقوں نجدات، صفریہ، عجاردہ، اباضیہ، ثعالبہ میں ازارقہ فرقہ اسی کی طرف منسوب ہے، حافظ سیوطی نے "الاتقان" میں بسند متصل روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ خانۂ کعبہ کے قریب بیٹھے تھے لوگوں نے ہر طرف سے گھیر کر تفسیری سوالات شروع کر دئے، یہ دیکھ کر نافع نے نجدہ بن عویمر سے کہا آؤ اسکے پاس چلیں جو تفسیر بیان کرنے کی جرأت کر رہا ہے حالانکہ اسے تفسیر کا کوئی علم نہیں ہے، چنانچہ دونوں نے آکر حضرت ابن عباس سے کہا ہم کتاب اللہ کی کچھ باتیں دریافت کرنا چاہتے ہیں آپ ان کی تفسیر کلام عرب کی نظیر پیش کرنے کے ساتھ ساتھ بیان کریں، آپ نے فرمایا، بے تکلف جو چاہو پوچھو' نافع نے کہا قول باری "عن الیمین وعن الشمال عزین" کا مفہوم کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا: عِزُون ساتھیوں اور ہم سفر لوگوں کے حلقہ بنالینے اور ارد گرد جمع ہوجانے کو کہتے ہیں، نافع نے کہا کیا اہل عرب اس بات سے آگاہ ہیں؟ آپ نے فرمایا: بے شک، کیا تم نے عُبَید بن الابرص کا یہ شعر نہیں سنا ہے۔

فَجَاؤُا یُہْرَعُوْنَ اِلَیْہِ حَتّٰی ٭ یَکُوْنُوْا حَوْلَ مِنْبَرِہٖ عِزِیْنَا

وہ دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے تاکہ اس کے منبر کے گرد حلقہ باندھ کر استادہ ہوجائیں۔ اسی طرح سے (۱۹۰) اشعار عرب سے استشہاد نقل کرنے کے بعد حافظ سیوطی کہتے ہیں کہ میں نے ان سوالات میں سے دس سے کچھ زائد سوالات ان کے عام طور پر مشہور ہونے کے خیال سے حذف بھی کر دئے ہیں، ان سوالات کو ائمۂ فن نے فرداً فرداً مختلف اسنادوں کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وقد ذکر السیوطی هذه الطرق الثلاث فی الاتقان ثم ما نقله البخاری من شرح[1] الغریب عن ائمۃ التفسیر ثم ما رواه سائر المفسرین من الصحابۃ والتابعین و اتباع التابعین من شرح الغریب ومن المستحسن عندی ان اجمع فی الباب الخامس من الرسالۃ جملۃ صالحۃ من شرح غریب مع اسباب النزول فاجعلها رسالۃ مستقلۃ فمن شاء ادخلها فی هذه الرسالۃ ومن شاء افردها علی حدۃ۔ ع وللناس فیما یعشقون مذاہب

لغات :- طرق جمع طریق، اتباع جمع تبع پیروی کرنے والا، یعشقون عشقاً محبت کرنا، مذاہب جمع مذہب طریقہ

ترجمہ ذکر کیا ہے علامہ سیوطی رہ نے ان تینوں طریقوں کو اپنی کتاب اتقان میں، پھر اس کا مرتبہ ہے جو نقل کی ہے امام بخاری نے غریب قرآنی کی شرح ائمہ تفسیر سے، اس کے بعد اس کا درجہ ہے جس کو دوسرے مفسرین نے حضرات صحابہ تابعین اور تبع تابعین سے روایت کیا ہے، اور مجھکو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ کے پانچوں باب میں غرائب قرآنی کے تمام معتبر شروح کو مع شان نزول بیان کروں اور اس کو ایک مستقل رسالہ قرار دوں تاکہ جو چاہے اسکو اس رسالہ میں شامل کر لے اور جو چاہے اس کو جدا گانہ یاد کر لے اور لوگوں کی اپنی اپنی پسند کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ تشریح۔

قولہ السیوطی الخ ابوالفضل جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر محمد کمال الدین بن سابق الدین سیوطی مولود ۸۴۹ھ متوفی ۹۱۱ھ سیوط کی طرف منسوب ہیں جسکو اسیوط بھی کہتے ہیں یہ نواح مصر میں دریائے نیل کے مغربی جانب ایک شہر ہے، آپ اپنے عہد کے نہایت باکمال ائمہ فن میں سے تھے، بالخصوص علم حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ کی تصانیف جنکی شمار بقول داؤد مالکی پانچ سو سے بھی اوپر ہے آپکی مجتہدانہ بصیرت، وسعت نظر اور کثرت معلومات کی شاہد عدل ہیں، تفصیلی حالات کے لئے ہماری کتاب "ظفر المحصلین باحوال المصنفین" دیکھیے جس میں (۱۸۴) مصنفین کے تفصیلی حالات درج ہیں۔

قولہ فی الاتقان الخ یہ علوم قرآن پر علامہ سیوطی کی نہایت اہم اور مشہور کتاب ہے جو موصوف نے سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد کم وبیش چار سال کی طویل مدت میں اپنی تفسیر "مجمع البحرین ومطلع البدرین" کے لئے مقدمہ کے طور پر لکھی ہے اور (۸۰) انواع میں علوم قرآن کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

قولہ ائمۃ التفسیر الخ جیسے حضرت مجاہد، حسن، قتادہ، ابن المسیب، ابن عیینہ، معمر وغیرہ۔

قولہ وللناس الخ یہ ابونواس کے اس قطعہ سے اقتباس ہے۔

علی لربع العامریۃ وقفۃ لیملی علی الشوق والدمع کاتب
ومن عادتی حب الدیار لاہلہا وللناس فیما یعشقون مذاہب

[1] یعنی الفوز الکبیر ۱۲

ومما ینبغی ان یُعلَم ھھُنا اَنَّ الصحابۃَ والتابعین رُبّما یُفسِّرون اللفظ بلازمِ معناہ وقد یتعقب المتاخرون التفسیرَ القدیمَ من جھۃِ تَتَبُّعِ اللغۃِ وتفحُّصِ مَواردِ الاستعمالِ و الغرضُ من ھذہ الرسالۃِ سَردُ تفسیراتِ السلفِ بعینھا ولتنقیحِھا ونقدِ ھا موضعٌ غیرُ ھذا الموضعِ ولکلِّ مقامٍ مقالٌ ولکلِ نکتۃٍ مقام

لغات :۔ یتعقب تعقُّباً تلاش کرنا، گرفت کرنا، تتبع تلاش کرنا، تفحص کھود کرید کرنا۔ موارد جمع مَورِد بمعنی راستہ سَرد بتمامہ نقل کرنا۔ تنقیح اصلاح کرنا۔ نقد پرکھنا۔ مقال گفتگو۔

ترجمہ :۔ یہ بات معلوم کرلینا بھی کچھ ضروری سی ہے کہ حضرات صحابہؓ و تابعین کبھی لفظ کی تفسیر اسکے لازمی معنی سے کرتے ہیں اور متاخرین نکتہ چینی کرتے ہیں اس قدیم تفسیر میں لغات کے تتبع اور مواقع استعمال کی کھود کرید کرنے کی جہت سے۔ اس رسالہ میں ہماری غرض صرف تفسیرات سلف کا نقل کرنا ہے اور ان کی تنقیحات و تنقیدات کے لئے اس کے علاوہ دوسرا موقع ہے۔ کیونکہ ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد۔

تشریح :۔ قولہ بلازم معناہ الخ چنانچہ علامہ زرکشیؒ البرہان میں لکھتے ہیں،

یکثر فی معنی الآیۃ اقوالھم واختلافھم ویحکیہ المصنفون للتفسیر بعبارات متباینۃ الالفاظ ویظن من لا فھم عندہ ان فی ذلک اختلافا فیحکیہ اقوالاً ولیس کذلک بل یکون کل واحد منھم ذکر معنی ظھر من الآیۃ وانما اقتصر علیہ لانہ اظھر عند ذلک القائل او لکونہ الیق بحال السائل وقد یکون بعضھم یخبر عن الشی بلازمہ ونظیرہ والآخر بمقصودہ وثمرتہ والکل یؤول الی معنی واحد غالباً والمراد الجمیع فلیتفطن لذلک ولا یفھم من اختلاف العبارات اختلاف المرادات کما قیل ؎

کسی آیت کے معنی میں انکے اقوال بکثرت ہوتے ہیں جنکو مصنفین تفسیر ایسی عبارتوں میں ظاہر کرتے ہیں جو متباین الالفاظ ہوتی ہیں اور ان سے کم علم لوگ یہ سمجھ کر کہ اسکی بابت اختلاف ہے انکو مستقل اقوال کے طور پر نقل کرنے لگتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر شخص وہی معنی ذکر کرتا ہے جو آیت سے ظاہر ہوتے ہیں اور چونکہ قائل کے نزدیک وہی معنی اظہر یا حال سائل کے مناسب ہوتے ہیں اسلئے وہ اسی پر اکتفا کرلیتا ہے نیز کبھی وہ لوگ شے کو اسکے لازم یا نظیر سے اور بعض آخر اس کے مقصود اور نتیجہ سے تعبیر کردیتے ہیں اور ان سب کا مآل ایک ہی معنی کی طرف ہوتا ہے پس اختلاف عبارات سے اختلاف مرادات نہ سمجھنا چاہیئے

عباراتنا شتّٰی وحسنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر

قولہ : وقد یتعقب الخ مع ان تعقیبہ غیر مسلّم بل ھو من قبیل ؎

کم من عائب قولاً صحیحا ٭ وآفتہ من الفھم السقیم

٭ ٭ ٭

الفصلُ الثانی

من المواضِع الصَعبةِ فی فن التفسیر التی ساحتُها واسعة جدًا والاختلافُ فیها کثیرٌ معرفةُ الناسخ والمنسوخ

ترجمہ، فصل دوم :- فن تفسیر کے ان مشکل مواضع میں سے جن کا میدان نہایت وسیع اور جن میں بڑا عظیم اختلاف ہے وہ معرفت ناسخ و منسوخ ہے۔

تشریح

قولہ، معرفة الناسخ والمنسوخ، فن تفسیر میں ناسخ و منسوخ کی معرفت ایک عظیم الشان علم بلکہ تتمۂ اجتہاد ہے، ائمہ کا قول ہے کہ جب تک کوئی شخص قرآن کے ناسخ اور منسوخ کی پوری معرفت حاصل نہ کرلے اسوقت تک اس کے لئے قرآن کی تفسیر کرنا جائز نہیں، حضرت علیؓ نے ایک شخص سے جو قرآن کریم کے معانی و مطالب بیان کیا کرتا تھا دریافت کیا، تجھے قرآن کی ناسخ اور منسوخ آیتوں کا حال معلوم ہے؟ اس نے نفی میں جواب دیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا تو خود بھی ہلاک ہوا اور تونے دوسروں کو بھی ہلاک کیا (اسندهٔ الحازمی فی الاعتبار) اسی لئے بے شمار علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں مثلاً قتادہ بن دعامہ سدوسی تابعی متوفی ۱۱۸ھ مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ، حسین بن واقد مروزی متوفی ۱۵۷ھ، ابوعبید قاسم بن سلام متوفی ۲۲۳ھ، ابوداؤد سجستانی صاحب سنن متوفی ۲۷۵ھ، مکی بن ابی طالب متوفی ۴۳۷ھ ابوبکر بن الانباری متوفی ۳۲۸ھ ابوجعفر نحاس متوفی ۳۳۸ھ وکتابہ "الناسخ والمنسوخ"، ہبۃ اللہ بن سلامہ الضریر متوفی ۴۱۰ھ قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ ابوالفرج ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ وکتابہ اخبار الرسوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ" حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ شیخ حازمی وکتابہ "الاعتبار" شیخ ابن حزم وکتابہ "معرفة الناسخ والمنسوخ" نواب صدیق حسن خاں بھوپالی وکتابہ "افادة الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ"

(فائدہ) یہود کا طعن تھا کہ تمہاری کتاب میں بعض آیات منسوخ ہوتی ہیں اگر یہ کتاب، اللہ کی طرف سے ہوتی تو جس عیب کی وجہ سے اب منسوخ ہوئی اس عیب کی خبر کیا خدا کو پہلے سے نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے آیت،

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں تو بھیج دیتے ہیں اس سے بہتر یا اس کے برابر کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

نازل کرکے بتلا دیا کہ عیب نہ پہلی بات میں تھا نہ پچھلی میں لیکن حاکم مناسب وقت دیکھ کر جو چاہے حکم کرے

رمز نَنْسَخْ آيَةً أَوْ نُنْسِهَا ÷ نَأْتِ خَيْرًا در عقب می دال ہا
ہر شریعت را کہ حق منسوخ کرد ÷ او گیاہ بر دو عوض آوردہ ورد
اندریں شہر حوادث میر اوست ÷ در ممالک مالک تدبیر اوست
آنکہ داند دوخت او داند برید ÷ ہر چہ را بفروخت نیکو تر خرید

وأقوى الوجوه الصعبة اختلاف اصطلاح المتقدمين والمتأخرين

ترجمہ، اور وجوہ مشکلہ میں سے قوی ترین وجہ متقدمین و متاخرین کی اصطلاح کا باہمی اختلاف ہے۔

تشریح

قولہ اختلاف الخ ناسخ و منسوخ کی بحث سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ جو علوم و معارف حق تعالیٰ کی ذات و صفات سے متعلق ہیں اور جو قصص و واقعات حضرات انبیاء علیہم السلام نے بیان فرمائے ہیں اور جو امور قیامت وغیرہ سے متعلق ہیں ان میں کبھی نسخ نہیں ہوتا نسخ صرف احکام عملیہ میں ہوتا ہے اور احکام عملیہ بھی دو قسم پر ہیں اول اصول جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، مکارم اخلاق۔ اسی طرح ممنوعات میں وہ چیزیں جو انسان کی روح پر تاریکی لاتی ہیں جیسے زنا، قتل، ظلم، جھوٹ اور بت پرستی وغیرہ ان میں بھی نسخ نہیں ہوتا، دوم فروع یعنی ان احکام کے قوالب اور صورتیں، متقدمین کا ایک گروہ اس میں بھی نسخ کا قائل نہیں یعنی اس کے نزدیک نہ احکام قرآن میں نسخ ہے نہ آیات کے الفاظ میں چنانچہ علامہ خضری بک مصری نے بیان کیا ہے کہ:۔

"علماء سلف میں جن لوگوں نے قرآن مجید میں کسی آیت کے منسوخ ہونے کا انکار کیا ہے ان میں مفسر اعظم ابو مسلم اصفہانی ہیں، ہم نے ان کے اقوال کو امام رازی کی تفسیر میں دیکھا ہے۔ خود امام رازی کی ضمنی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابو مسلم کی اس رائے کی طرف مائل ہیں۔"

نواب صدیق حسن خاں بھی کسی آیت کو منسوخ نہیں مانتے، نیز علامہ انور شاہ کشمیری کی تحقیق بھی یہی ہے چنانچہ فیض الباری میں ہے کہ "حقیقت میں کوئی آیت بھی منسوخ نہیں کیونکہ نسخ سے میری مراد یہ ہے کہ وہ تمام باتیں جن پر آیت مشتمل ہے اس طرح سے ختم ہو جائیں کہ کسی لفظ اور کسی جزء پر عمل باقی نہ رہے اسطرح کی کوئی آیت قرآن میں نہیں ہے، جو لوگ نسخ کے قائل ہوئے ہیں وہ محض اس وجہ سے کہ آیت کی غایت و انتہا کے سمجھنے سے قاصر رہے، اگر ذرا تدبر اور غور و فکر سے کام لیتے تو یقیناً نسخ کا انکار کر دیتے۔" بلکہ خود شاہ صاحب (صاحب کتاب) کا بھی یہی نظریہ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ہم بعد میں نقل کریں گے لیکن اکثر علماء کے نزدیک قرآن کے بعض احکام میں نسخ ہوا ہے اور یہ قرآن ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ شرائع سابقہ میں بھی یہ بات تھی چنانچہ آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن بھائی کا نکاح درست تھا بلکہ سارا حضرت ابراہیم ع کی علاتی بہن تھیں جیسا کہ تورات میں ہے۔ حضرت نوح ع کے ہاں زمین پر چلنے والا ہر جانور حلال تھا، حضرت یعقوب ع کے عہد میں دو حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح درست تھا چنانچہ لیا اور راحیل دو حقیقی بہنیں بیک وقت حضرت یعقوب ع کے نکاح میں تھیں لیکن موسوی شریعت میں یہ احکام منسوخ ہو گئے، بہرکیف اکثر علماء نسخ کے قائل ہیں اب وہ آیات کتنی ہیں جن کے احکام میں نسخ ہوا ہے اس کی بابت متقدمین و متاخرین کی اصطلاحات مختلف ہیں۔

وما عُلم في هذا الباب من استقراء كلام الصحابة والتابعين انهم كانوا يستعملون النسخ بإزاء المعنى اللغوي الذي هو ازالة شيء بشيء لا بازاء مصطلح الاصوليين

ترجمہ :- اور جو کچھ معلوم ہوتا ہے حضرات صحابۂ کرام اور تابعین کے کلام کے استقراء سے وہ یہ ہے کہ یہ حضرات نسخ کو اس کے لغوی معنی یعنی ایک چیز کے دوسری چیز سے ازالہ میں استعمال کرتے تھے نہ کہ اہل اصول کی اصطلاح کے موافق۔

تشریح

قولہ الذی ہو ازالۃ شی الو نسخ کا اطلاق لغۃً دو معنی پر ہوتا ہے اول ازالہ یعنی محو کرنا، مٹا دینا، یقال نسخت (ف) الریح آثار القوم، ہوا نے قوم کے نشانات مٹا دئے۔ نسخت الشمس الظل۔ آفتاب (یا دھوپ) نے سایہ ختم (یا زائل) کر دیا۔ سورۂ حج کی یہ آیت اسی قبیل سے ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ

اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی سو جب لگا خیال باندھنے شیطان نے ملا دیا اس کے خیال میں پھر اللہ مٹا دیتا ہے شیطان کا ملایا ہوا پھر پکی کر دیتا ہے اپنی باتیں

چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اسکی تفسیر یوں کی ہے :-

ولما ماتت خدیجۃ رضی اللہ عنہا ومات ابو طالب عمہ و تفرقت کلمۃ بنی ہاشم فزع لذلک وکان قد نفث فی صدرہ ان علو کلمتہ فی الہجرۃ نفثا اجمالیا فتلقاہ برویتہ وفکرہ فذہب ذہنہ الی الطائف والی ہجر والی الیمامۃ والی کل مذہب فاستعجل وذہب الی الطائف فلقی عناءً شدیداً ثم الی بنی کنانۃ فلم یر منہم مالیسرہ فعاد الی مکۃ لعہد زمعۃ ونزل وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ۔ قال امنیتہ ای تمنی انجاز الوعد فیما یتفکرہ من قبل نفسہ والقاء الشیطان ان یکون خلاف ما اراد اللہ ونسخہ کشف حقیقۃ الحال و ازالتہ من قلبہ

جب حضرت خدیجہ رضؓ اور آپکے چچا ابو طالب کا انتقال ہو گیا اور بنو ہاشم کی طاقت منتشر ہو گئی تو اسکی وجہ سے آپ بےچین ہو گئے اور اجمالاً آپکے دل میں القاء ہوا تھا کہ ہجرت سے آپکی شان بلند ہوگی اسلئے آپنے اپنے غور وفکر سے ہجرت کا قصد کیا اور آپ کا خیال کبھی طائف کبھی ہجر کبھی یمامہ غرض ہر طرف گیا۔ مگر آپ عجلت کر کے طائف چلے گئے جہاں سخت تکالیف اٹھائیں۔ پھر بنو کنانہ کی طرف گئے وہاں بھی کوئی خوشی کی بات نہ دیکھی تب زمعہ کے عہد میں مکہ آئے اور یہ آیت نازل ہوئی وما ارسلنا الخ آپکی آرزو یہ تھی کہ جن امور کو اپنے دل میں سوچتے تھے ان کے موافق ایفاء وعد کی خواہش رکھتے تھے اور شیطان کا القاء یہ تھا کہ ارادۂ باری کے خلاف ہو اور اس کا نسخ یہ ہے کہ حقیقت حال منکشف ہو اور آپکے دل سے اس خیال کا ازالہ ہو۔

دوسرے معنی ہیں نقل و تحویل یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کرنا، اسی سے تناسخ میراث ہے یعنی ایک شخص کی ملک سے دوسرے شخص کی ملک کی طرف تحویل میراث اور اسی سے ہے نسخت الکتاب میں نے کتاب نقل کرلی، چنانچہ بخاری شریف کی اس حدیث میں ہے :۔

فارسل عثمان رض الی حفصۃ رض ان ارسلی الینا المصحف ننسخہا فی المصاحف ثم نردہا الیک۔	حضرت عثمان رض نے حضرت حفصہ رض کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ وہ قرآن کا محفوظ نسخہ بھیجیں تاکہ اس کی نقل لے کر انھیں کو واپس کردیا جائے۔

اب لفظ نسخ معنی ازالہ میں حقیقت ہے اور معنی نقل میں مجاز یا اس کا عکس ہے یا ان دونوں میں مشترک ہے اسکی بابت چند اقوال ہیں جن کو علامہ ابن حاجب نے کسی ایک کو ترجیح دیئے بغیر ذکر کیا ہے مگر امام رازی نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ معنی نقل معنی زوال سے اخص ہے کیونکہ نقل کے معنی ہیں ایک صفت کو معدوم کرکے دوسری صفت پیدا کرنا اور زوال کے معنی ہیں مطلق اعدام اور ظاہر ہے کہ لفظ کا معنی عام میں حقیقت ہونا اور معنی خاص میں مجاز ہونا اس کے عکس کے مقابلہ میں اولیٰ ہے لتکثیر الفائدۃ۔

قولہ مصطلح الاصولیین الخ اصولیین کے ہاں نسخ کے معنی کسی حکم شرعی کی انتہا ر ایسے شرعی طریق کے ذریعہ سے بیان کرنا ہے جو طریق اس حکم سے مؤخر ہو یہاں تک کہ اسکی تعمیل اور بجا آوری جائز نہ رہے، بالفاظ دیگر نسخ وہ خطاب ہے جو خطاب مقدم سے ثابت شدہ حکم کے ارتفاع پر اسطرح دال ہو کہ اگر وہ نہ ہوتا تو یہ حکم ثابت ہی رہتا۔ ان دونوں تعریفوں کا حاصل یہی ہے کہ منسوخ اس حیثیت میں ہونا چاہئے کہ کسی طرح بھی اس کا حکم باقی نہ رہے۔

(تنبیہ) بعض حضرات نے یہ گمان کرکے کہ نسخ سے معاذ اللہ خدا کی نسبت بداء ہونے کی قباحت لازم آتی ہے نسخ کو قابل اعتراض قرار دیا ہے حالانکہ یہ انکے علم کا قصور ہے کیونکہ نسخ اور بداء دو علیحدہ علیحدہ اصطلاحات ہیں نسخ تو حسب اوقات ان مصالح و امور کی تبدیلی کا نام ہے جو مکلفین پر عائد کیے جاتے ہیں اور بداء یہ ہے کہ اللہ کی مصلحت ہم پر عیاں نہیں تھی وہ ظاہر ہوگئی پس بداء میں غیر ظاہر مصلحت اور نسخ میں ظاہر مصلحت کا ظہور ہوتا ہے، ان دونوں میں اتحاد کی صورت یہی ہے کہ نسخ میں اتحاد فعل، اتحاد وجہ، اتحاد مکلف اور اتحاد وقت پایا جائے اور اس قسم کا نسخ محال ہے مثلاً عید کے دن روزہ رکھنا ممنوع قرار پایا اور نماز عید واجب ہوئی اس میں فعل مختلف ہے نیز پہلے دس تاریخ کو روزہ رکھنا واجب تھا پھر منسوخ ہوکر مستحب ہوگیا پس یہاں وجہ فعل بدل گئی، اسی طرح ایک زمانے تک استقبال بیت المقدس تھا پھر استقبال کعبہ ہوا تو اس میں وقت مختلف ہوگیا یا اتحاد مکلف نہ پایا جائے مثلاً زکوٰۃ بنو ہاشم کے لئے جائز نہیں اور غیروں کے لئے جائز ہے بہرکیف نسخ اور بداء دونوں الگ الگ اصطلاحات ہیں

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فمعنی النسخ عندھم ازالۃ بعض الاوصاف من الآیۃ بآیۃ اُخرٰی اِمّا بانتہاءِ مدّۃِ العمل اوبصرفِ الکلام عن المعنی المتبادرِ الی غیر المتبادرِ اوبیانُ کونِ قیدٍ من القیودِ اتفاقیًا اوتخصیصُ عامٍ اوبیانُ الفارقِ بین المنصوصِ وماقِیسَ علیہ ظاھرًا اوازالۃُ عادۃِ الجاھلیۃِ اوالشریعۃِ السابقۃِ

ترجمہ:- پس نسخ کے معنی ان کے نزدیک ایک آیت کے بعض اوصاف کا ازالہ ہے دوسری آیت کے ذریعہ، خواہ مدت عمل کی انتہاء سے ہو یا کلام کو اس کے متبادر معنی سے غیر متبادر کی جانب پھیرنے سے ہو یا کسی قید کے اتفاقی ہونے کا بیان ہو یا تخصیص عام ہو یا منصوص اور مقیس علیہ ظاہری میں امر فارق کا بیان۔ ہو یا جاہلیت کی کسی عادت یا شریعت سابقہ کا ازالہ ہو۔

تشریح

قولہ عندہم الخ یعنی متقدمین (صحابہ و تابعین وغیرہم) کے نزدیک نسخ کا مفہوم یہ ہے کہ ایک آیت کے بعض اوصاف کا ازالہ دوسری آیت سے کیا جائے عام ازیں کہ یہ ازالہ انتہاء مدت عمل سے ہو یا صرف کلام سے الخ چنانچہ حافظ ابن قیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں۔

مراد عامۃ السلف بالناسخ والمنسوخ رفع الحکم بجملتہ تارۃ وھو اصطلاح المتأخرین ورفع دلالۃ العام والمطلق والظاھر وغیرھا تارۃ اما بتخصیص اوتقیید اوحمل مطلق علی مقید وتفسیر وتبیین حتی انھم یسمون الاستثناء والشرط والصفۃ نسخا لتضمن ذلک رفع دلالۃ الظاھر وبیان المراد بغیر ذلک اللفظ بل بامر خرج عنہ

ناسخ و منسوخ سے مراد عام سلف کے نزدیک کبھی تو حکم کا بالکلیہ منسوخ ہونا ہوتا ہے جو متاخرین کی اصطلاح ہے اور کبھی عام مطلق اور مقید کے حکم کو اٹھا دینا ہے یعنی عام کو خاص کر دینا مطلق کو مقید پر محمول کرنا اور تفسیر و توضیح کرنا ہوتا ہے ـــــ یہاں تک کہ استثناء و شرط اور صفت کو بھی نسخ کہتے ہیں کہ اس میں بھی ظاہر کی دلالت کو اٹھا دینے اور ظاہر لفظ سے جو ترشح ہوتا ہے اس کے علاوہ خارج کو مراد لینے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

قولہ اما بانتہاء الخ مثلاً قرآن میں ایک جگہ مسلمانوں کو حکم ہے کہ کفار سے جو اذیت پہونچے اس پر صبر کریں اور دوسری جگہوں میں پُرزور طریقہ پر جہاد کی ترغیب ہے، بعض علماء نے ان دونوں میں تعارض دیکھ کر آیت جہاد کو آیت صبر کے لئے ناسخ کہدیا حالانکہ حکم صبر اس وقت تھا جب مسلمان کمزور تھے اور جب وہ جنگ کے قابل ہوگئے تو انھیں جہاد کا حکم دیا گیا پس یہ دو حکم الگ الگ ہوئے یعنی اگر مسلمان کمزور ہوں تو انھیں کے مصائب پر صبر کرنا چاہیئے اور اندرونی طور پر کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ قوی ہو جائیں، پھر جب قوی ہو جائیں تو انھیں جہاد کرنا چاہیئے۔

قولہ او بصرف الکلام الخ اسکی مثال یہ ہے کہ بعض لوگ یتیم کے مال میں احتیاط نہ کرتے تھے تو اس پر حکم ہوا تھا۔ ولا تقربوا

مالَ الیتیم اِلَّا بالتی ہِیَ احسن ۰ اور " اِنَّ الَّذِینَ یَاکُلُونَ اَموالَ الیتٰمٰی ظُلماً اِنّمَا یَاکُلُونَ فِی بُطُونِہِم نَاراً " اس پر جو لوگ یتیموں کی پرورش کرتے تھے ڈر گئے اور یتیموں کے کھانے اور خرچ کو بالکل جدا کر دیا کیونکہ شرکت کی حالت میں یتیم کا مال کھانا پڑتا تھا اس میں یہ دشواری ہوئی کہ ایک چیز یتیم کے واسطے تیار کی اب جو کچھ بچتی وہ خراب ہو جاتی اس احتیاط میں یتیموں کا نقصان ہونے لگا اور آپ سے سوال کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی " وَیَسئَلُونَکَ عَنِ الیَتٰمٰی قُل اِصلَاحٌ لَّہُم خَیرٌ وَ اِن تُخَالِطُوہُم فَاِخوَانُکُم " یعنی مقصود تو صرف یہ ہے کہ یتیم کے مال کی اصلاح ہو سو جس موقعہ میں علیحدگی میں یتیم کا نفع ہو تو اسکو اختیار کرنا چاہئے اور جہاں شرکت میں بہتری نظر آئے تو ان کا خرچ شامل کر لو تو کچھ مضائقہ نہیں، بعض لوگوں نے اسکو بھی نسخ میں داخل کر لیا حالانکہ یہ صرف مذکور کے قبیل سے ہے۔

قولہ اتفاقیا الخ جیسے آیت " واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا " (اور جب تم سفر کرو ملک میں تو تم پر گناہ نہیں کہ کچھ کم کرو نماز میں سے اگر تم کو ڈر ہو کہ ستاویں گے تم کو کافر) کی بابت کہا گیا ہے کہ اس میں قصر نماز کی اجازت صرف خوف کی حالت میں ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوف ختم ہو جانے کے بعد بھی قصر ہی فرماتے تھے پس آپ کا فعل آیت کے لئے ناسخ ہے۔

قولہ او تخصیص عام الخ حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ بعض آیات وہ ہیں جو از قسم مخصوص ہیں نہ کہ از قسم منسوخ۔ جیسے " اِنَّ الاِنسَانَ لَفِی خُسرٍ اِلَّا الَّذِینَ آمَنُوا " " وَالشُّعَرَاءُ یَتَّبِعُہُمُ الغَاوُونَ ..... اِلَّا الَّذِینَ آمَنُوا " " فَاعفُوا وَاصفَحُوا حَتّٰی یَاتِیَ اللّٰہُ بِاَمرِہٖ " اسی طرح اور وہ آیتیں جو کسی استثناء یا غایت کے ساتھ مخصوص ہیں، جس نے ان آیات کو منسوخ کے تحت داخل کیا ہے اس نے سخت غلطی کی ہے۔

قولہ او بیان الفارق الخ جیسے اہل جاہلیت جواز ربوا کو حلت بیع پر قیاس کر کے دونوں کو یکساں سمجھتے اور کہتے " اِنَّمَا البَیعُ مِثلُ الرِّبٰوا " حق تعالیٰ نے مقیس و مقیس علیہ کے درمیان امر فارق ظاہر کرتے ہوئے فرمایا " وَاَحَلَّ اللّٰہُ البَیعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا " یعنی بیع اور ربوا میں بڑا فرق ہے کہ بیع کو حق تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام اسلئے کہ بیع میں جو نفع ہوتا ہے وہ مال کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور سود میں نفع بلا عوض ہوتا ہے۔

قولہ او ازالۃ عادۃ الخ حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ بعض آیتیں وہ ہیں جن سے زمانۂ جاہلیت یا ہم سے پہلی شریعتوں یا آغاز اسلام کے وہ احکام دکھائے گئے ہیں جن کا نزول قرآن میں نہیں ہوا تھا مثلاً باپ کی بیویوں سے نکاح کرنے کا ابطال، قصاص اور دیت کی مشروعیت اور طلاق کا تین بار دینے میں انحصار، اس طرح کی آیتوں کو گو ناسخ کی قسم میں داخل کرنا مناسب ہے لیکن نہ کرنا زیادہ بہتر ہے مکی وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے وجہ یہ ہے کہ اگر ان کو بھی ناسخ میں شمار کیا جائے تو پھر پورے قرآن ہی کو ناسخ ماننا پڑیگا۔ کیونکہ قرآن کا کل یا بڑا حصہ رافع امور جاہلیہ ہے

محمد حنیف عفرلہ گنگوہی

فَاتَّسَعَ بَابُ النَّسخِ عندهم وكثر جَوَلَانُ العقل هُنالك وَاتَّسعت دَائرةُ الاختلافِ ولهذا ابلغ عددُ الآياتِ المنسوخةِ خمس مائة وإن تأمَّلتَ مُتَعَمِّقًا فهي غيرُ محصورةٍ والمنسوخُ باصطلاحِ المتأخرين عددٌ قليلٌ لاسِيَّمَا بحسب مَا اخترنا ه من التوجيه وقد ذكرَ الشيخُ جلالُ الدين السيوطي في كتاب الإتقان بتقريرٍ مَبسُوطٍ كما ينبغي بعضَ مَا ذكره العلماءُ ثم حَرَّرَ المنسوخَ الذين فيه رأيُ المتأخرين على وفق الشيخ ابن العربي فعَدَّ ه من عشرين آيةً وللفقيرِ في اكثر تلك العشرين نظرٌ فلنُورِدْ كلامَهُ مع التعقّب

لغات: اتَّسَعَ اتساعًا کشادہ ہونا، جولانٌ (ن) گھومنا، چکر لگانا، متعمق گہری نظر ڈالنے والا، حرّرَ۔ الکتاب تحریرًا خوبصورت و درست لکھنا، وفق مطابق، عدّہ (ن) عدًّا شمار کرنا، تعقّب تلاش کرنا، غلطی پر گرفت کرنا

ترجمہ: پس وسیع ہوگیا نسخ کا باب ان کے ہاں اور بڑھ گئی عقل کی جولانی اور کشادہ ہوگیا اختلاف کا دائرہ، اور اسی لئے پہونچ گئی آیات منسوخہ کی تعداد پانچسو تک اور اگر تو زیادہ گہری نظر ڈالے تو وہ شمار سے باہر ہیں اور متاخرین کی اصطلاح کے موافق آیات منسوخہ کی تعداد بہت کم ہے بالخصوص اس توجیہہ کی رو سے جس کو ہم نے اختیار کیا ہے، شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے ذکر کیا ہے کتاب الاتقان میں مناسب بسط کیساتھ وہ بیان جس کو علماء نے ذکر کیا ہے پھر جو آیات متاخرین کی رائے پر منسوخ ہیں ان کو شیخ ابن العربی کے موافق تحریر کرکے بیس آیتیں گنوائی ہیں لیکن فقیر کو ان بیس میں بھی اکثر کی نسبت کلام ہے ہم اس موقع پر علامہ سیوطی کے کلام کو مع تعقبات پیش کرتے ہیں۔ تشریح:

ؔ قولہ فاتسع الخ یعنی متقدمین کے نسخ کا دائرہ اتنا وسیع ہوگیا کہ ان کی اصطلاح کو سامنے رکھتے ہوئے ان آیات کو دیکھا جائے جن کی بابت نسخ کا قول کیا گیا ہے تو ان کی تعداد پانچسو تک پہونچ جاتی ہے بلکہ اس سے بھی زائد۔

ؔ قولہ بحسب ما اخترناہ الخ شاہ صاحب نے آیات منسوخہ کی جو توجیہات اختیار کی ہیں ان کی رو سے صرف پانچ آیتیں منسوخ قرار پاتی ہیں اور یہ بھی صرف ایک مصلحت پر مبنی ہے ورنہ شاہ صاحب کا نظریہ تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آیت منسوخ نہیں ہے چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد مولانا عبید اللہ سندھی اپنی کتاب ”شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ“ میں فرماتے ہیں ”ہمارے خیال میں شاہ صاحب کا اصل مقصود تو یہی ہے کہ قرآن مجید میں سرے سے کوئی آیت منسوخ نہیں ہے مگر وہ اس بات کو مصلحت کی وجہ سے صراحتًا نہیں کہتے۔ کیونکہ اس طرح صراحتًا کہنے سے ان کی بات معتزلہ کے قول کے مشابہ ہوجاتی اور عام اہل علم اس پر غور کرنا ہی چھوڑ دیتے اور شاہ صاحب جو اصلاح کرنا چاہتے تھے وہ نہ ہوتی اس غرض کے لئے آپ نے یہ حکیمانہ اسلوب اختیار کیا کہ السیوطیؒ نے جو بیسؔ آیتیں منسوخ مانی تھیں ان میں سے جو مشکل تھی ان کو حل کرکے یہ ثابت کردیا کہ منسوخ نہیں ہے اور نہایت آسان آیتوں میں نسخ مان لیا۔

۱۰

قولہ: الشیخ ابن العربی الخ قاضی القضاۃ اشبیلیہ حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن احمد معافری مالکی مولود سنہ ۴۶۸ھ متوفی سنہ ۵۴۳ھ ان کی کتاب احکام القرآن چار ضخیم جلدوں میں ہے اور عارضۃ الاحوذی علی سنن الترمذی وغیرہ کتب مفیدہ کے مصنف ہیں، ان کو ابن العربی الف لام کے ساتھ لکھا اور بولا جاتا ہے تاکہ شیخ محی الدین ابوعبداللہ محمد بن علی بن محمد بن احمد بن عبداللہ حاتمی صوفی۔ ابن عربی مولود سنہ ۵۶۰ھ متوفی سنہ ۶۳۸ھ صاحب فتوحاتِ مکیہ و فصوص الحکم سے تشابہ پیدا نہ ہو۔

قولہ فعدہ من عشرین آیۃ الخ علامہ جلال الدین سیوطی نے الاتقان میں آیات منسوخہ بالتفصیل ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ سب اکیس آیتیں ہیں جو منسوخ مانی گئی ہیں، اگرچہ منجملہ اس کے بعض آیتوں میں کچھ اختلاف بھی ہے اور ان کے سوا اور آیتوں میں نسخ کا دعوی کرنا صحیح نہیں اور استئذان و قسمت کی آیتوں کو محکم ماننا زیادہ صحیح ہے لہذا ان دو آیتوں کو نکالنے کے بعد محض انیس آیتیں منسوخ رہ جاتی ہیں پھر ان پر ایک آیت "فاینما تولوا فثم وجہ اللہ" حسب رائے ابن عباس رضہ اور بھی اضافہ ہو سکتی ہے کیونکہ وہ آیت "فول وجھک شطر المسجد الحرام" کے ساتھ منسوخ مانتے ہیں اور اس طرح پوری بیس آیتیں منسوخ قرار پاتی ہیں اور ان کو میں نے ذیل کے ابیات میں نظم بھی کر دیا ہے۔ ؎

قد اکثر الناس فی المنسوخ من عدد ‖ وادخلوا فیہ آیاً لیس تنحصر
وہاک تحریر آیٍ لا مزید لہا ‖ عشرین حررہا الحذاق والکبر
ای التوجہ حیث المرء کان وان ‖ یوصی لاہلیہ عند الموت محتضر
وحرمۃ الاکل بعد النوم مع رفث ‖ وفدیۃ لمطیق الصوم مشتہر
وحق تقواہ فی ما صح فی اثر ‖ وفی الحرام قتال للاولی کفروا
والاعتداد بحولٍ مع وصیتہا ‖ وان یدان حدیث النفس والفکر
والحلف والحبس للزانی وترک اولی ‖ کفر واشہادہم والصبر والنفر
ومنع عقد لزانٍ او لزانیۃ ‖ وما علی المصطفیٰ فی العقد محتظر
ودفع مہر لمن جارت وآیۃ نجـــوا ‖ کذاک قیام اللیل مستطر
وزید آیۃ الاستئذان من ملکت ‖ وآیۃ القسمۃ الفضلیٰ لمن حضروا

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فمن البقرة قوله تعالى "كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت" الآية منسوخة قيل بآية المواريث وقيل بحديث "لا وصية لوارث" وقيل بالاجماع حكاه ابن العربي قلت بل منسوخة بآية "يوصيكم الله في اولادكم" وحديث "لا وصية" مبين للنسخ

ترجمہ: سورۂ بقرہ سے قول باری ،، کتب علیکم الخ،، یہ آیت منسوخ ہے کہا گیا ہے کہ آیت میراث سے اور کہا گیا ہے کہ حدیث ،، لا وصیۃ لوارث،، سے اور کہا گیا ہے کہ اجماع سے، یہ ابن العربی نے بیان کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ آیت ،، یوصیکم اللہ الخ،، سے منسوخ ہے اور حدیث لاوصیۃ اس نسخ کو بیان کرنیوالی ہے۔

تشریح:

قولہ فمن البقرۃ الخ یہاں سے اکیس[۱] آیتوں کی تفصیل ہے جن کی بابت منسوخ ہونے کا قول ہے سو سورۂ بقرہ میں اس قسم کی چھ آیتیں ہیں (۱) پہلی آیت یہ ہے

كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت ان ترك خيرا ن الوصية للوالدين والاقربين بالمعروف — فرض کردیا گیا تم پر جب حاضر ہو تم میں کسی کو موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال وصیت کرنا ماں باپ کے واسطے اور رشتہ داروں کے لئے انصاف کے ساتھ، زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا دستور تھا کہ ریاد نمود کے طور پر بعیدی لوگوں کے لئے وصیت کرجاتے اور ماں باپ اور سب اقارب محروم رہتے تھے، ابتدائے اسلام میں اس آیت کے ذریعہ سے ارشاد ہوا کہ ماں باپ اور جملہ اقارب کو انصاف کے ساتھ دینا چاہئے پس حسب مصلحت ایک معین وقت تک اس حکم پر عمل ہوا بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

قولہ بآیۃ المواریث الخ اب آیت مذکورہ کے لئے ناسخ کون ہے، اس کی بابت تین قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ آیت میراث سے منسوخ ہے یعنی سورۂ نساء کی اس آیت سے،

يوصيكم الله في اولادكم للذكر مثل حظ الانثيين حکم کرتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد کے حق میں کہ ایک مرد کا حصہ ہے برابر دو عورتوں کے۔

قولہ بحدیث الخ دوسرا قول یہ ہے کہ حدیث ،، لاوصیۃ لوارث ،، سے منسوخ ہے جو دس صحابہ کرام یعنی ابوامامہ، عمرو بن خارجہ، انس بن مالک، ابن عباس، جد عمرو بن شعیب، جابر، زید بن ارقم، براء بن عازب علی بن ابی طالب اور ابن عمر (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے مروی[۱] ہے اور ائمہ کے ہاں مقبول ہے

[۱] ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ عن ابی امامہ، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ عن عمرو بن خارجہ، بلفظ ان اللہ تعالی قد اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث ، احمد، بزار، ابو یعلی الموصلی، حارث بن ابی اسامہ، طبرانی عنہ بلفظ ، فلا تجوز لوارث وصیۃ ، ابن ماجہ، دارقطنی عن انس بلفظ الا لا وصیۃ لوارث ، دارقطنی عن ابن عباس بلفظہ، لاتجوز الوصیۃ (باقی برص ۱۴۸)

(تنبیہ) قرآن غیر قرآن سے منسوخ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس کی بابت ایک قول تو یہ ہے کہ قرآن کا نسخ بجز قرآن کے اور کسی شے سے نہیں ہو سکتا کیونکہ ارشاد باری ہے "ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نأت بخیر منہا أو مثلہا" اور ظاہر ہے کہ قرآن سے بہتر یا اس کے مانند اگر کوئی چیز ہو سکتی ہے تو وہ قرآن ہی ہے نہ کچھ اور، لیکن بعض حضرات کا قول ہے کہ قرآن کا نسخ قرآن ہی پر موقوف نہیں بلکہ سنت سے بھی ہو سکتا ہے (گو از قبیل آحاد ہو) کیونکہ اس کا بھی من جانب اللہ ہونا ثابت ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "وما ینطق عن الہوی" تیسرا قول یہ ہے کہ اگر سنت بحکم الٰہی وحی کے طریق سے ہو تو وہ ناسخ ہو سکتی ہے اور اجتہادی ہو تو اس سے قرآن کا نسخ نہیں ہو سکتا یہ بات ابن حبیب نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں درج کی ہے (اتقان)

ے قولہ دلیل بالاجماع الخ تیسرا قول یہ ہے کہ اجماع کے ذریعہ سے منسوخ ہے، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آیت منسوخ تو ہے لیکن ناسخ نہ حدیث ہے نہ اجماع بلکہ آیت میراث ہے اور حدیث اس نسخ کا بیان ہے"

حضرت قتادہ، طاؤس، اور حسن بصری وغیرہ حضرات آیت کو منسوخ ہی نہیں مانتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ وصیت اور میراث کے درمیان جمع کی صورت ممکن ہے، علامہ شوکانی کہتے ہیں کہ آیت گو عام ہے لیکن وہ معنیٰ کی رو سے خاص ہے اور والدین سے وہ ماں باپ مراد ہیں جو کفر یا رقیت کی وجہ سے وارث نہ ہوں اور اقربین سے مراد ورثہ کے ماسوا دیگر رشتہ دار ہیں، امام شعبی نخعی اور امام مالک سے مروی ہے کہ آیت میں صرف وجوب منسوخ ہے۔ اور ندبیت اور استحباب اب بھی باقی ہے:۔

بعض کے نزدیک آیت بعض وجوہ سے اب بھی معمول بہا ہے یعنی اس صورت میں کہ جب مورث کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ اس کی اولاد حسب شرع میراث تقسیم نہ کرے گی اور یہ گمان ہو کہ اس کے مرنے کے بعد ایک دوسرے پر ظلم کرے گا تو ایسی صورت میں مرنے والے پر جمیع ورثہ کے لئے ان کے حصوں کے مطابق وصیت کر جانا اور اس پر گواہ کر لینا ضروری ہے تاکہ اس کے بعد کوئی دوسرے پر ظلم اور حق تلفی نہ کر سکے اس توجیہ پر آیت وصیت۔۔۔۔۔۔۔ اور آیت میراث میں کوئی تعارض نہیں رہتا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۷) لوارث الا ان یشاء الورثۃ، دار قطنی، ابن عدی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ بلفظ، "لا وصیۃ لوارث" ابن عدی عن جابر نحوہ وعن زید والبزار بلفظ، "ولیس لوارث وصیۃ"، وعن علی نحوہ حارث بن ابی اسامہ عن ابن عمر بلفظ، "وان لا وصیۃ لوارث" ۱۲

قولہ تعالیٰ (۲) وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ، قِيلَ منسوخةٌ بقوله "فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" وَقِيلَ محكمةٌ و"لا" مقدرةٌ قلتُ عندی وجهٌ اٰخر وهو اَنّ المعنى وعلى الذين يُطِيقُونَ الطعامَ فديةٌ هى طعامُ مسكينٍ فأَضمرَ قبلَ الذكرِ لانه متقدمٌ رتبةً وذكّرَ الضميرُ لانّ المرادَ من الفديةِ هو الطعامُ والمرادُ منه صدقةُ الفطرِ عقّبَ اللهُ تعالىٰ الامرَ بالصيامِ فى هذه الاٰيةِ بصدقةِ الفطرِ كما عقّبَ الاٰيةَ الثانيةَ بتكبيراتِ العيدِ

لغات: یطیقونہ الطاقۃ طاقت رکھنا، قادر رہنا، فلیصمہ (ن) صوماً سے امر غائب ہے روزہ رکھنا، محکم وہ آیت جس کے معنی کا ظہور اس حد تک پہنچ جائے کہ اس میں بذریعہ تاویل کوئی اور معنی پیدا کرنے کی گنجائش نہ رہے اور نہ اس میں منسوخ ہونیکا احتمال رہے، طعام کھانا، اضمر اضماراً پوشیدہ کرنا، ضمیر استعمال کرنا، عقب تعقیباً پیچھے لانا:۔ ترجمہ:

قول باری۔ وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ، کی بابت کہا گیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے قول باری، فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ، سے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور اس میں کلمہ "لا"، مقدر ہے میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک ایک دوسرا طریقہ ہے اور وہ یہ کہ آیت کے یہ معنی ہیں، جو لوگ کھانا دینے کی طاقت رکھتے ہیں ان پر فدیہ ہے جو ایک مسکین کا کھانا ہے۔ پس یہاں ضمیر کو اس کے مرجع سے پہلے اس لئے ذکر کیا گیا کہ مرجع رتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے اور ضمیر کو مذکر اس لئے لائے کہ درحقیقت فدیہ سے مراد طعام ہی ہے اور طعام سے مراد صدقۃ الفطر ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے روزوں کے حکم کے بعد صدقۃ الفطر کو بیان فرمایا ہے جیسا کہ دوسری آیت (فمن شہد منکم الشہر) کے بعد (آیت ولتکبروا اللہ علی ما ہداکم، میں) تکبیرات عید کو بیان فرمایا ہے:۔ تشریح:

قولہ وعلی الذین الخ سورہ بقرہ کی دوسری آیت، وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین،، (اور جن کو طاقت ہے روزہ کی ان کے ذمہ بدلا ہے ایک فقیر کا کھانا)، کی بابت ایک قول ہے کہ یہ منسوخ ہے اور ناسخ اس کے بعد والی آیت ہے یعنی، فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ،، (سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور رکھے روزے اس کے) مطلب یہ ہے کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی تو طاقت رکھتے ہیں مگر ابتداء میں چونکہ روزہ کی بالکل عادت نہ تھی اس لئے ایک ماہ کامل پے در پے روزہ رکھنا ان کو نہایت شاق تھا توان کے لئے یہ سہولت فرمادی گئی تھی کہ اگرچہ تم کو کوئی عذر مثل مرض یا سفر کے پیش نہ ہو مگر صرف عادت نہ ہونے کے سبب روزہ تم کو دشوار ہو تو اب تم کو اختیار ہے چاہو روزہ رکھو چاہو روزہ کا بدلہ دو ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ پھر جب وہ روزہ کے عادی ہوگئے تو یہ اجازت باقی نہ رہی بلکہ آیت، فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ، سے منسوخ ہوگئی۔

قولہ وقیل ہنا محکمۃ الخ آیت مذکورہ بالا کی بابت دوسرا قول یہ ہے کہ یہ محکم ہے اور اس میں لائے نافیہ مقدر ہے اور تقدیر عبارت، لا یطیقونہ، ہے جیسے سورہ نساء کی آخری آیت یبین اللہ لکم ان تضلوا، کی بابت کہا گیا ہے کہ اس

میں لا مقدر ہے ای ان لا تفطروا، اس صورت میں آیت شیخ فانی کے حق میں ہوگی اور "یطیقونہ" کی ضمیر صوم کی طرف راجع ہوگی مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ انتہائی عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ ہر روزہ کا فدیہ دیدے۔

قولہ، عندی وجہ آخر الخ شاہ صاحب آیت کو منسوخ ہونے سے بچانے کے لئے ایک اور توجیہ کر رہے ہیں فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک آیت میں طعام مسکین سے مراد صدقۃ الفطر ہے اور معنی یہ ہیں، "وعلی الذین یطیقون الطعام فدیۃ ہی طعام مسکین" کہ جو لوگ صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے کھانا کھلانے پر قادر ہیں ان پر فدیہ واجب ہے جو ایک مسکین کا کھانا ہے، پس حق تعالیٰ نے اولاً "کتب علیکم الصیام" سے روزہ کا حکم فرمایا پھر "وعلی الذین یطیقونہ" سے صدقہ فطر کو واجب کیا اس کے بعد "ولتکبروا اللہ علی ما ہداکم" سے نماز عید کا حکم فرمایا جس کی نفس الامری ترتیب بھی اسی طرح ہے کہ پہلے ماہ صیام کے روزے رکھتے ہیں پھر نماز عید سے پیشتر صدقہ فطر دیتے ہیں اس کے بعد نماز عید کی ادائیگی ہوتی ہے۔

قولہ، فاضمر الخ توجیہ مذکور پر "یطیقونہ" کی ضمیر کا مرجع فدیہ ہے جو بعد میں ہے پس اضمار قبل الذکر لازم آیا جو جائز نہیں۔ شاہ صاحب اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں مرجع رتبۃً مقدم ہے کیونکہ "فدیۃ ہی طعام مسکین" مبتدا مؤخر ہے اور "وعلی الذین یطیقونہ" خبر مقدم ہے اور جب مرجع رتبۃً مقدم ہو تو اضمار قبل الذکر جائز ہوتا ہے، اس پر یہ اشکال ہوا کہ جب ضمیر کا مرجع فدیہ ہے تو یطیقونہ میں ضمیر مذکر کیسے آئی لفظ فدیہ تو مؤنث ہے، اس کا جواب دیتے ہیں کہ لفظ فدیہ بتاویل طعام ہے اور لفظ طعام مذکر ہے فیجوز تذکیر الضمیر۔

(تنبیہ) شاہ صاحب نے جو توجیہ ذکر کی ہے لطائف رشیدیہ میں حضرت گنگوہیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے لیکن بقول صاحب عون یہ توجیہ بہت ہی بعید ہے اس واسطے کہ لغت عرب اور ان کے نہج کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں کسی شی پر قدرت یاب ہونے کی مختلف تعبیرات اور تعسر کی کمی بیشی کے لحاظ سے متعدد درجات ہیں جس کا ادنیٰ درجہ استطاعت اور آخری درجہ اطاقت ہے جو وہیں استعمال ہوتا ہے جہاں کسی کام کے کرنے میں انتہائی مشقت ہو پس یہ نہیں کہا جاتا انی اطیق ان ارفع اللقمۃ الی فمی کہ میں لقمہ اپنے منہ تک اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں کیونکہ اس میں کوئی مشقت ہی نہیں ہاں یہ کہہ سکتے ہیں انی اطیق ان احمل ہذا الحجر الثقیل کہ میں یہ بھاری پتھر اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں پس حق بات وہی ہے جو جمہور نے کہی ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ روزہ انتہائی شدت وتعب اور مشقت عظیم ہی کے ساتھ رکھ پاتے ہوں جیسے شیخ فانی اور بہت ہی بوڑھی عورت تو وہ ہر روزہ کا فدیہ دیدیں چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "ان الآیۃ نزلت فی الشیخ الکبیر الہرم والعجوز الکبیرۃ الہرمۃ" پس آیت کتب علیکم الصیام کے مخاطب تین طرح کے ہوئے اول مقیم اور تندرست لوگ دوم مریض ومسافر ان کے لئے افطار کا جواز اور قضا کا وجوب ہے سوم شیخ فانی وغیرہ ان کے لئے فدیہ ادا کرنا ہے پس نہ آیت منسوخ ہے اور نہ کسی زائد کلمہ کے مقدر ماننے کی احتیاج ہے۔

قوله تعالیٰ: أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ، الآية ناسخة لقوله كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ، لأن مقتضاها الموافقة فيما كان عليهم من تحريم الأكل والوطي بعد النوم ذكره ابن العربي وحكى قولا آخر انه نسخ لما كان بالسنة قلت معنى "كما كتب" التشبيه في نفس الوجوب فلا نسخ انما هو تغيير لما كان عندهم قبل الشرع ولم نجد دليلاً على ان النبي صلى الله عليه وسلم شرع لهم ذلك ولو سلم فانما كان ذلك بالسنة

ترجمہ: قول باری،، احل لکم اھ،، یہ ناسخ ہے،، کما کتب اھ،، کے لئے کیونکہ اس کا مقتضیٰ موافقت کا ہونا ہے ان امور میں جو اگلی امتوں پر تھے یعنی سو جانے کے بعد کھانے پینے اور وطی کی حرمت میں یہ ابن العربی نے ذکر کیا ہے اور ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ نسخ ہے اس حکم کا جو ثابت تھا سنت سے، میں کہتا ہوں کہ کما کتب کا مقصد تشبیہ دینا ہے نفس وجوب میں پس یہاں نسخ نہیں ہے بلکہ اس حال کی تغیر ہے جو اس اجازت سے پہلے تھا اور ہم نے کوئی دلیل نہیں پائی اس بات کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے یہ مشروع کیا تھا اور اگر اسے مان بھی لیا جائے تو بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ ثابت بالسنۃ تھا۔ **تشریح:**

قولہ احل لکم الخ شروع میں یہ حکم تھا کہ رمضان میں اول شب میں کھانے پینے اور عورتوں کے پاس جانے کی اجازت تھی مگر سو رہنے کے بعد ان چیزوں کی ممانعت تھی جیسا کہ امام احمدؒ وغیرہ نے کعب بن مالک سے روایت کیا ہے بعض لوگوں نے سونے کے بعد عورتوں سے قربت کی پھر حاضر خدمت ہو کر ندامت کا اظہار کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی ،، احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم اھ،، کہ حلال ہوا تم کو روزہ کی رات میں بے حجاب ہونا اپنی عورتوں سے، پس اس آیت نے قول باری،، کما کتب علی الذین من قبلکم،، کے حکم کو منسوخ کر دیا کیونکہ کما کتب میں مقتضائے تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح سابقہ امتوں پر ایام صیام میں شب کے وقت سو جانے کے بعد پھر اٹھ کر کھانے پینے اور مباشرت کرنے کی حرمت تھی ویسے ہی یہ باتیں مسلمانوں پر بھی حرام ہیں حالانکہ آیت ،، احل لکم اھ،، میں ان کی اجازت دیدی گئی قولہ انہ نسخ الخ شیخ ابن العربی نے دوسرا قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ آیت ،، احل لکم ،، اس حکم حرمت وطی کے لئے ناسخ ہے جو ان کے ہاں ارشاد نبوی سے ثابت اور معمول بہ تھا۔

قولہ التشبیہ الخ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آیت ،، کما کتب،، میں طریق ادا اور تحدید اوقات وغیرہ ہر امر میں تشبیہ مقصود نہیں بلکہ صرف فرضیت و وجوب میں تشبیہ مقصود ہے ای کتب فرض علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم پس یہاں نسخ نہیں ہے بلکہ عادت جاہلیت کی تغییر ہے کہ ان کے ہاں روزہ کی ابتدا بعد النوم ہوتی تھی اسلام میں اس کی ابتدا فجر سے قرار دی گئی ہے۔ قولہ ولم نجد الخ یعنی ابن العربی کا یہ کہنا کہ آیت ثابت بالسنۃ حکم کے لئے ناسخ ہے اول تو تسلیم نہیں کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم مذکور مشروع کیا تھا اور اگر تسلیم بھی کر لیں تو بس یہی ہوگا کہ جو حکم ثابت بالسنۃ تھا وہ آیت سے منسوخ ہو گیا نہ یہ کہ خود آیت ،،کما کتب،، منسوخ ہو گئی

قولہ تعالیٰ «يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ» الآيۃ منسوخۃ بقولہٖ «وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً» اخرجہ ابن جریر عن عطاء بن میسرۃ قلت هذه الآيۃ لا تدل على تحريم القتال بل تدل على تجويزه وهی من قبيل تسليم العلۃ واظهار المانع فالمعنى ان القتال فی الشهر الحرام كبير شديد ولكن الفتنۃ اشد منه فجاز فی مقابلتها وهذا التوجيہ ظاهر من سياقها كما لا يخفى

ترجمہ: قول باری ،، یسئلونک ،، آیت ،، وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً ،، سے منسوخ ہے، اس روایت نسخ کو ابن جریر نے عطا بن میسرہ سے نقل کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ آیت حرمتِ قتال پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور یہ حکم کی علت کو مان کر اس کے موانع کے اظہار کے قبیل سے ہے اب معنٰی یہ ہو گئے کہ اگرچہ شہر حرام میں قتال نہایت سخت ہے لیکن فتنہ کفر و شرک اس سے بھی زیادہ سخت ہے لہذا اس کے مقابلہ میں قتال جائز ہے ،، یہ توجیہ سیاقِ آیت سے عیاں ہے۔

تشریح:

قولہ یسئلونک الخ سورۂ بقرہ کی چوتھی آیت ،، یسئلونک ،، ہے جس کی بابت کہا گیا ہے کہ یہ منسوخ ہے اور ناسخ سورۂ توبہ کی یہ آیت ہے ،، وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ،، (اور لڑو سب مشرکین سے ہر حال میں جیسے وہ لڑتے ہیں تم سب سے ہر حال میں) شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ آیت یعنی ،، یسئلونک عن الشہر الحرام اھ مشرکین سے جنگ کی حرمت پر دال نہیں بلکہ اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور یہ اس قبیل سے ہے کہ حکم کی علت کو مان کر اس کے موانع بھی ظاہر کئے جائیں، یہ پوری آیت یوں ہے،

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ط

تجھ سے پوچھتے ہیں مہینہ حرام کو کہ اس میں لڑنا کیسا؟ کہہ دے لڑائی اس میں بڑا گناہ ہے اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اس کو نہ ماننا اور مسجد الحرام سے روکنا اور نکال دینا اس کے لوگوں کو وہاں سے اس سے بھی زیادہ گناہ ہے اللہ کے نزدیک

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ شہر حرام میں قتال کرنا بے شک گناہ کی بات ہے لیکن لوگوں کو اسلام لانے سے روکنا اور خود دین اسلام کو تسلیم نہ کرنا اور زیارت بیت اللہ سے لوگوں کو روکنا اور مکہ کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا یہ باتیں شہر حرام میں مقاتلہ کرنے سے بھی زیادہ گناہ ہیں اور کفار برابر یہ حرکات کرتے رہتے ہیں۔ خلاصہ یہ شہر حرام میں بلا وجہ اور ناحق لڑنا بیشک اشد گناہ ہے مگر جو لوگ کہ حرم میں بھی کفر پھیلائیں اور بڑے بڑے فساد کریں ان سے لڑنا منع نہیں بلکہ ان کی حرکات کی روک تھام کے لئے مقاتلہ جائز ہے کیونکہ اخف کے مقابلہ میں اشد کی مدافعت ضروری ہے:-

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

قولہ تعالیٰ ۔ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ ۔ الی قولہ مَتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ ۔ الآیۃ منسوخۃ بآیۃ "اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ وَعَشْرًا" والوصیۃ منسوخۃ بالمیراث والسکنیٰ ثابتۃ عند قوم منسوخۃ عند آخرین بحدیث "ولا سکنیٰ" قلت ھی کما قال منسوخۃ عند جمھور المفسرین ویمکن ان یقال یستحب او یجوز للمیت الوصیۃ ولا یجب علی المرأۃ ان تسکن فی وصیتہ وعلیہ ابن عباس وھذا التوجیہ ظاھر من الآیۃ

لغات: یتوفون توفی فلاں فلاں مرگیا، متاع سامان زندگی، جس سے فائدہ اٹھایا جائے، الحول سال سکنی رہائش گاہ:۔ ترجمہ:

قول باری "والذین یتوفون" تا "متاعا الی الحول" یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے "اربعۃ اشھر وعشرا" اور وصیت میراث سے منسوخ ہے اور سکنی ایک جماعت کے نزدیک باقی ہے اور ایک جماعت کے نزدیک وہ بھی حدیث لاسکنی سے منسوخ ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ آیت جیسا کہ علامہ نے بیان کیا جمہور مفسرین کے نزدیک منسوخ ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وصیت میت کے لئے مستحب یا جائز ہے مگر عورت پر زمانہ وصیت میں سکونت واجب نہیں ہے حضرت ابن عباس کا مذہب ہے اور یہ آیت سے ظاہر ہے:۔ تشریح:

قولہ والذین الخ سورۂ بقرہ کی پانچویں آیت جس کو منسوخ کہا گیا ہے یہ ہے:۔

"والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج	اور جو لوگ تم میں سے مرجائیں اور چھوڑ جائیں اپنی عورتیں تو وصیت کردیں اپنی عورتوں کے واسطے خرچ دینا

ایک برس تک بغیر نکالنے کے گھر سے، سال بھر شوہر کا اور نفقہ وسکنی کی وصیت کرنا ابتداء میں تھا پس سال کی مدت اس آیت سے منسوخ ہوگئی "والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا"، (اور جو لوگ مرجائیں تم میں سے اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں تو چاہیے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپکو چار مہینے اور دس دن)، اور وصیت نفقہ میراث سے منسوخ ہوگئی اور ان کا ربع یا ثمن مقرر کردیا گیا، اب رہی وصیت سکنی سو احناف کے نزدیک یہ بھی ساقط ہوگئی کیونکہ موت کی وجہ سے شوہر کی ملک منقطع ہوگئی اور اس کا مال ورثہ کی میراث ہوگیا البتہ امام شافعی اس کے قائل ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، امکثی فی بیتک حتی یبلغ الکتاب اجلہ۔

قولہ ویمکن ان یقال الخ اس توجیہ پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ مرد کے ذمہ اپنی زوجہ کے لئے ایک سال کا نفقہ اور سکنی کی وصیت ہے مگر عورت پر خواہ مخواہ ایک سال تک اس کے گھر میں رہنا ضروری نہیں بلکہ صرف اپنی مرضی

عہ لعلہ اشار الی قول عطاء فانہ قال "ثم جاء المیراث فنسخ السکنی فتعتد حیث شاءت ولا سکنی لہا" (بخاری) ۱۲ عون

عہ قال عطاء قال ابن عباس نسخت ہذہ الآیۃ یعنی فان خرجن) عدتہا عند اہلہا فتعتد حیث شاءت بخاری ۱۲ منہ

قولہٗ تعالیٰ "وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ" الآيةُ منسوخةٌ بقولہ بعدہٗ "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" قلتُ ھو من بابِ تخصیصِ العام بَیَّنَتِ الآیۃُ المتاخرۃُ اَنَّ المرادَ ما فی انفسکم من الاخلاصِ والنفاقِ لا من احادیثِ النفسِ التی لا اختیارَ فیھا فانَّ التکلیفَ لا یکون اِلّا فیما ھو فی وسعِ الانسانِ

لغات تبدوا ابداء ظاہر کرنا، تخفو اخفاء چھپانا، یحاسبکم محاسبۃ حسابات کی جانچ کرنا، یکلف تکلیفاً کسی امر کا حکم دینا، وسع طاقت، احادیث النفس وہ خیالات باطلہ جو دل میں آئیں:۔ ترجمہ:

قول باری، "وَاِنْ تبدوا الخ" منسوخ ہے اس کے بعد والی آیت "لا یکلف اللہ الخ" سے، میں کہتا ہوں کہ یہ تخصیص عام کی قسم سے ہے اور پچھلی آیت نے بیان کردیا کہ "مَا فی اَنفسکم" سے مراد اخلاص و نفاق ہے نہ کہ دلی وساوس جن پر انسان کا کچھ اختیار نہیں کیونکہ تکلیف شرعی ان ہی امور میں ہوتی ہے جو انسان کی قدرت میں ہوں۔

تشریح:

قولہ وَان تبدوا الخ سورۃ بقرہ کی چھٹی آیت جس کی بابت منسوخ ہونیکا قول ہے یہ ہے،
وَاِن تبدوا مَا فی اَنفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ] اگر ظاہر کروگے اپنے جی کی بات یا چھپاؤگے حساب لیگا اسکا اللہ
جب یہ آیت نازل ہوئی اور معلوم ہوا کہ دل کے خیالات پر بھی حساب اور گرفت ہے تو صحابہ کرام گھبرائے اور ڈرے کیونکہ ان چیزوں سے احتراز ممکن نہیں تو حق تعالیٰ نے اس کے بعد یہ آیت نازل فرماکر یہ حکم منسوخ کردیا،
لَا یُکَلِّفُ اللہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا ـــــ اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جسقدر اس کی گنجائش ہے،
یعنی مقدور سے باہر کسی کو تکلیف نہیں دیجاتی اب اگر کوئی دل میں گناہ کا خیال اور خطرہ پائے اور اس پر عمل نہ کرے تو کچھ گناہ نہیں ہے۔

قولہ تخصیص العام الخ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ نسخ کی ضرورت نہیں کیونکہ آیت از قبیل تخصیص عام ہے پس "مَا فی انفسکم" میں جو تعمیم تھی بعد والی آیت نے بتادیا کہ یہ تعمیم مقصود نہیں یہانتک کہ دلی وساوس پر بھی گرفت ہو بلکہ صرف اخلاص اور نفاق مراد ہے کیونکہ تکلیف مقدور بھر ہوتی ہے اور وساوس پر کسی کو قدرت نہیں،
قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "ان اللہ تجاوز عن امتی ما وسوست بہ صدورہا مالم تعمل بہ او تکلم" کہ حق تعالیٰ نے میری امت سے ان وساوس کو درگذر فرمادیا جو ان کے دلوں میں آئیں جبتک کہ وہ ان پر عمل نہ کریں یا زبان پر نہ لائیں (رواہ البخاری ومسلم عن ابی ہریرۃ)۔

(بقیہ ص۱۵۳) چار مہینے دس دن، اس توجیہ کی بنا پر کوئی آیت منسوخ نہ ہوگی قال بہ ابن عباسؓ والبخاری و ابن تیمیہ بد حاشیہ

ومن آل عمران، قوله تعالیٰ "اتقوا الله حق تقاته" قیل انه منسوخ بقوله "فاتقوا الله ما استطعتم" وقیل لا بل هو محکم ولیس فیها آیة یصح فیها دعوی النسخ غیر هذه الآیة قلت "حق تقاته" فی الشرك والکفر وما یرجع الی الاعتقاد و "ما استطعتم" فی الاعمال من لم یستطع الوضوء یتیمم ومن لم یستطع القیام یصلی قاعدا وهذا التوجیه ظاهر من سیاق الآیة وهو قوله "ولا تموتن الا وانتم مسلمون"

ترجمہ: اور سورۂ آل عمران سے قول باری "اتقوا اللہ حق تقاتہ" کہا گیا ہے کہ یہ منسوخ ہے "فاتقوا اللہ ما استطعتم" سے اور کہا گیا ہے کہ نہیں بلکہ یہ محکم ہے اور سورۂ آل عمران میں کوئی آیت ایسی نہیں جس کی نسبت دعویٰ نسخ صحیح ہو سوائے اس آیت کے، میں کہتا ہوں کہ حق تقاتہ "شرک وکفر اور امور اعتقادیہ میں ہے اور ما استطعتم" اعمال میں ہے کہ جسکو وضو کی قدرت نہ ہو وہ تیمم کرلے اور جس کو قیام کی طاقت نہ ہو وہ بیٹھ کر نماز پڑھ لے، یہ توجیہ سیاق آیت "ولا تموتن الا وانتم مسلمون" سے ظاہر ہے (نہ مرنا تم مگر اسلام کی حالت میں)

تشریح:

قولہ اتقوا اللہ الخ ساتویں آیت جس کی نسبت منسوخ ہونے کا قول ہے سورۂ آل عمران کی یہ آیت ہے،

یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون ہ	اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے جیسا چاہیئے ڈرنا اور نہ مریو مگر مسلمان

اس آیت میں اللہ سے اس کے شایان شان ڈرنے کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی نہیں کرسکتا کیونکہ خدا کا امر متناہی ہے اور اس کا حق غیر متناہی اس واسطے کہ بقاء امر بقاء تکلیف سے ہے اور مدار التکلیف دنیا ہے جو متناہی ہے بخلاف حق باری کے کہ اس کی بقاء بقاء ذات ہے اور ذات باری غیر محدود ہے پس اس کے حق کے مطابق کوئی نہیں ڈر سکتا، ادھر نزول آیت کے بعد صحابہ نے پوری پوری رات نماز میں کھڑے ہو کر گذارنی شروع کردی یہانتک کہ ان کے پاؤں ورم گئے تو حق تعالیٰ نے سورۂ تغابن کی آیت "فاتقوا اللہ ما استطعتم" (سو ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے) نازل فرماکر حکم سابق کو منسوخ کردیا۔

قولہ فی الشرک الخ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آیت منسوخ نہیں بلکہ حق تقاتہ شرک وکفر اور اعتقادی امور سے متعلق ہے اور دوسری آیت "ما استطعتم" کا تعلق اعمال سے ہے اور یہ توجیہ آیت کے الفاظ "ولا تموتن الا وانتم مسلمون" سے ظاہر ہے کہ اس قسم کے مواقع میں اسلام سے اعمال نہیں ہوتے بلکہ قلبی ایمان مراد ہوتا ہے کیونکہ بوقت موت اعمال کا سلسلہ تو تقریباً ختم ہی ہوجاتا ہے، علامہ زرکشی نے البرہان میں اس توجیہ کو شیخ عارف ابوالحسن شاذلی سے نقل کیا ہے انہوں نے پہلی آیت کو توحید پر اور دوسری کو اعمال پر محمول کیا ہے، ابن عطار فرماتے ہیں کہ پہلی آیت مقربین کے حق میں ہے اور دوسری آیت ابرار کے حق میں ہے فان حال المقربین الخروج عن الوجود المجازی بالکلیۃ وہو حق التقوی، وقال القاشانی فاتقوا اللہ فی ہذہ المخالفات والآفات فی مواضع البلیات ما استطعتم بحسب مقامکم ووسعکم حسب قدر مقامکم ومرتبتکم (روح البیان) ہـ روی ذلک عن ابن عباس رض ۱۲

ومن النساء قوله تعالیٰ "وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ" الآية منسوخة بقوله "وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ" قُلْتُ ظاهرُ الآية اَنَّ الميراث للموالي والبر والصلة لمولى الموالاة فلا نسخ

لغات: عقدت (ض) عقدا۔ الیمین قسم کو پکا کرنا، معاہدہ کرنا ایمان جمع یمین قسم، نصیب حصہ، حق، ارحام جمع رحم، موالی جمع مولیٰ بمعنی قریب، رشتہ دار، بر نیکی، صلہ عطیہ، احسان، موالاۃ دوستی کرنا، مدد کرنا مولی الموالاۃ جو کسی کے ہاتھ پر اسلام لائے اور اس سے عہد و پیمان کرلے۔ **ترجمہ:** اور سورۂ نساء سے قول باری "والذین عقدت الخ" منسوخ ہے قول باری "واولوا الارحام الخ" سے، میں کہتا ہوں کہ آیت کے ظاہر معنی یہ ہیں کہ میراث موالی کے لئے ہے اور صلہ نیک مولی الموالات کے لئے ہے پس نسخ نہیں رہا۔ **تشریح:**

قولہ "والذین الخ" آٹھویں منسوخ آیت سورۂ نساء کی ہے یعنی "والذین عقدت ایمانکم فاتوہم نصیبہم" (اور جن سے معاہدہ ہوا تمہارا ان کو دیدو ان کا حصہ)......................

ابتداء اسلام میں توارث کا اعتبار مواخاۃ، ہجرت، موالاۃ فی الدین وغیرہ سے ہوتا تھا قرابت کا لحاظ نہیں تھا چنانچہ مہاجرین حضرات جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وطن چھوڑا، بھائی بندوں سے ٹوٹے ان میں اکثر لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکیلے اکیلے مسلمان ہوگئے تھے اور ان سب کا کنبہ اور تمام اقرباء کافر چلے آتے تھے تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مہاجرین اور انصار مدینہ میں سے دو دو آدمیوں کو آپس میں بھائی بنا دیا تھا، یہی دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے، بعد میں جب مہاجرین کے دوسرے قرابت دار بھی مسلمان ہوگئے تو آیت "واولوا الارحام الخ" نے یہ حکم منسوخ کر دیا اور بتا دیا کہ قدرتی رشتہ ناتا اس بھائی چارہ سے مقدم ہے، میراث رشتہ ناتے کے موافق تقسیم ہوگی، ہاں زندگی میں سلوک و احسان ان رفیقوں سے بھی کئے جاؤ اور مرتے وقت ان کے لئے کچھ وصیت کر جاؤ تو مناسب ہے مگر میراث میں کچھ حصہ نہیں، اسی طرح ایک حلیف یعنی بیوفائی نہ کرنے کا عہد و پیمان کرنے والا اپنے حلیف کے مال کا چھٹا حصہ پاتا تھا یہ بھی منسوخ ہوگیا۔ قولہ قلت الخ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ظاہر آیت "واولوا الارحام" سے معلوم ہوتا ہے کہ میراث تو اقرباء کے لئے ہے اور بر و صلہ مولی الموالات کیلئے ہے اور یہی "فاتوہم نصیبہم" میں مراد ہے لہٰذا یہاں نسخ نہیں ہے، لیکن یہ توجیہ سورۂ احزاب کی آیت "واولوا الارحام بعضہم اولی ببعض فی کتٰب اللہ من المؤمنین والمہاجرین الا ان تفعلوا الی اولیاءکم معروفا" میں تو صحیح ہے رہی سورۂ نساء کی آیت "فاتوہم نصیبہم" سو اس کے لحاظ سے یہ توجیہ بہت بعید ہے اس میں تو حق وہی ہے جو امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ جو شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام لائے اور وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف تاوان دینے اور وارث ہونے کا معاہدہ کریں تو یہ معاہدہ صحیح ہے اب اس کی طرف سے تاوان بھی دینا ہوگا اور کسی طرح کے وارث نہ ہونے کی صورت میں وہ اس کا وارث بھی ہوگا: حاصل یہ کہ سورۂ احزاب و الانفال کا مفاد یہ ہے کہ میراث اقرباء کے لئے ہے جبکہ وہ موجود ہوں اور حسن سلوک، احسان، وصیت، نصرت و مدد اور سہارا دینا اور خیر خواہی کرنا مولی الموالات کیلئے ہے اور سورۂ نساء کی آیت مولی الموالاۃ کی میراث سے بحث کرتی ہے کہ جب ذوی الفروض، عصبات اور ذوی الارحام نہ ہوں تو وراثت ان کو ملے گی۔

قوله تعالیٰ ”وَاِذَاحَضَرَ الْقِسْمَةَ“ الآیۃ قیل منسوخۃ وقیل لاولکن تہاون الناس فی العمل بہا قلت قال ابن عباس رض ہی محکمۃ والامر للاستحباب وھذا اظھر قولہ تعالیٰ ”وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ“ الآیۃ منسوخۃ بآیۃ النور قلت لانسخ فی ذلک بل ھو ممتد الی الغایۃ فلما جاءت الغایۃ بیّن النبی صلی اللہ علیہ وسلم السبیل الموعود کذا وکذا فلانسخ

لغات: قسمت تقسیم، تہاون سستی۔ فاحشہ قبیح گناہ، زنا، غایۃ انتہاء، سبیل راہ، طریق۔ ترجمہ:

قول باری، ”وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ“، یہ آیت کہا گیا ہے کہ منسوخ ہے اور کہا گیا ہے کہ نہیں مگر لوگ اس پر عمل کرنے میں سستی کرتے تھے حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے، اور امر استحبابی ہے اور یہی ظاہر تر ہے، قول باری، ”وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ“، یہ آیت نور سے منسوخ ہے میں کہتا ہوں کہ اس میں نسخ نہیں بلکہ یہ ممتد الی الغایۃ تھی جب اس کی انتہا کا وقت آپہونچا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے راہ موعود کو بیان فرمادیا کہ یہ ہے تو اب نسخ نہیں رہا۔

تشریح:

قولہ واذا حضر الخ نویں آیت جس کی بابت منسوخ ہونے کا قول ہے سورۃ نساء کی یہ آیت ہے،

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ه	جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور محتاج تو ان کو کچھ کھلادو اس میں سے اور کہہ دو ان کو معقول بات

یعنی تقسیم میراث کے وقت برادری اور کنبہ کے لوگ جمع ہوں جن کو میراث کا حصہ نہیں پہنچتا یتیم اور محتاج ہوں ان کو کچھ کھلاکر حسب موقع ترکہ میں سے کوئی چیز دے کر رخصت کردو، یہ آیت مواریث سے پہلے تھا جب آیات مواریث میں مال کے حقدار معین کردئے گئے تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

قولہ وہذا اظہر الخ یعنی آیت کا منسوخ نہ ہونا بلکہ بقول ابن عباس رض اس کا محکم ہونا اور امر کا استحبابی ہونا ظاہر تر ہے کیونکہ اگر مذکورین کا حق معین ہوتا تو خداوند تعالیٰ اس کو ضرور بیان فرماتے۔

قولہ والتی الخ دسویں آیت جس کی بابت منسوخ ہونے کا قول ہے سورۃ نساء کی یہ آیت ہے:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ه	اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ لاؤ ان پر چار مرد اپنوں میں سے پھر اگر وہ گواہی دیدیں تو بند رکھو ان عورتوں کو گھروں میں یہانتک کہ اٹھالیوے ان کو موت یا مقرر کردے اللہ ان کے لئے کوئی راہ

یعنی اگر کسی کی زوجہ کا مرتکب زنا ہونا معلوم ہو تو اس کے لئے چار گواہ قائم ہونے چاہئیں اور ان کی گواہی کے بعد عورت کو گھر میں مقید رکھنا چاہیئے یہانتک کہ وہ مرجائے یا اللہ اس کے لئے کوئی سزا مقرر فرمائے، اس وقت تک (ربانی بر

ومن المائدة قوله تعالىٰ "ولا الشهر الحرام" الآية منسوخة باباحة القتال فيه قلتُ لا نجد في القرآن ناسخًا له ولا في السنة الصحيحة ولكنّ المعنى ان القتال المحرم يكون في شهر الحرام أشدّ تغليظًا كما قال النبي صلى الله عليه وسلم في الخطبة "الا انّ دِمائكم واموالكم حرامٌ عليكم كحرمة يومكم هذا في شهركم هذا في بلدكم هذا

ترجمہ: سورۂ مائدہ سے قول باری "ولا الشهر الحرام" منسوخ ہے اشہر حرم میں اباحت قتل سے، میں کہتا ہوں کہ ہم اس کا ناسخ نہ قرآن میں پاتے ہیں نہ حدیث صحیح میں، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جو قتال حرام ہے وہ شہر محرمہ میں اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا کہ تمہاری جان اور مال تمہارے اوپر اسی طرح حرام ہے جیسے تمہارا یہ دن تمہارے اس مہینہ تمہارے اس شہر میں حرمت رکھتا ہے۔ تشریح:

قولہ ولا الشهر الخ گیارہویں آیت جس کی بابت منسوخ ہونیکا قول ہے سورۂ مائدہ کی یہ آیت ہے،

یاایها الذین آمنوا لاتحلوا شعائر اللہ ولا الشهر الحرام۔ اے ایمان والو احلال نہ سمجھو اللہ کی نشانیوں کو اور نہ ادب والے مہینہ کو، یہ آیت قول باری "فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم" اور "وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ" سے منسوخ ہے جس کی تشریح آیت ۳ میں گذر چکی، امام شعبی کا قول ہے کہ سورۂ مائدہ کی صرف یہی آیت منسوخ ہے۔

قولہ لانجد الخ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ منسوخ نہیں کیونکہ اس کا ناسخ نہ قرآن میں ہے نہ حدیث صحیح میں بلکہ آیت کا مقصد صرف اس بات کو ظاہر کرنا ہے کہ جو قتال حرام ہے وہ اشہر حرم میں اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے۔

لہ رواہ البخاری وغیرہ عن ابن عباسؓ بالفاظ ۱۲ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

(بقیہ ۱۵۱)

زانیہ کے لئے کوئی حد مقرر نہیں تھی کچھ عرصہ کے بعد سورۂ نور میں اس کی حد نازل فرمادی کہ باکرہ کیلئے سو کوڑے اور ثیبہ کے واسطے سنگسار کرنا ہے۔

قولہ بل ہو ممتد الخ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آیت منسوخ نہیں بلکہ اس پر دال ہے کہ عورتوں کو گھروں میں مقید رکھو یہاں تک کہ حق تعالیٰ ان کے لئے کوئی سبیل نکالے، اب وہ سبیل مجمل ہے جس کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "خذوا عنی قد جعل اللہ لہن سبیلا" بیان ہے نہ یہ کہ اس کیلئے ناسخ ہے۔

(فائدہ) یہ بات کہ آیت نساء پر عمل کیا جائے گا؟ اور کیا جائے گا تو کس طرح؟ شاہ صاحب نے اس سے تعرض نہیں کیا سو اس پر عمل اس وقت ضروری ہے جب مسلمانوں کو اجراء حدود کی طاقت نہ ہو چنانچہ سورۂ نساء کی آیت کا نزول اسی دور میں ہے جب اسلام کا غلبہ نہیں تھا اور جب غلبہ اور شوکت وقوت حاصل ہوگئی تو آیات حدود نازل ہوگئیں۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

قولہ تعالیٰ "فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ" الآیة منسوخة بقولہ "وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ" قلتُ معناه إن اخترت الحكم فاحكم بما أنزل الله ولا تتبع أهواءهم فالحاصل انه لنا ان نترك اهل الذمة ان يرفعوا القضية إلى زعمائهم فيحكموا بما عندهم ولنا ان نحكم بينهم بما انزل الله علينا۔

قولہ تعالیٰ "أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ" منسوخ بقولہ "وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ" قلتُ قال احمد بظاهر الآية ومعناها عند غيره او آخران من غير أقاربكم يكونون من سائر المسلمين

لغات: اہواء جمع ہوی خواہش، اہل الذمۃ جزیہ دے کر دار الاسلام میں رہنے والے، زعماء جمع زعیم یعنی سردار، رئیس، عدل عادل، اقارب رشتہ دار۔ ترجمہ:

قول باری ,, فان جاؤک اھ،، منسوخ ہے قول باری ,, وان احکم بینہم اھ،، سے، میں کہتا ہوں کہ آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ اگر تو حکم دینا اختیار کرے تو ما انزل اللہ کے موافق حکم کر اور ان کی خواہشوں کی پیروی مت کر، الحاصل۔ ہمارے لئے جائز ہے کہ ہم ذمیوں کو چھوڑ دیں اس بات کے لئے کہ وہ مقدمات کا مرافعہ اپنے عمائد کے یہاں کریں۔ اور وہ اپنے شرائع کے موافق اس کا فیصلہ کریں اور یہ بھی جائز ہے کہ ہم خود اپنے منزل من اللہ احکام سے ان کا فیصلہ کر دیں، قول باری ,, او آخران من غیرکم،، منسوخ ہے آیت ,, واشہدوا ذوی عدل منکم،، سے میں کہتا ہوں کہ امام احمدؒ ظاہر آیت کے قائل ہیں اور دوسروں کے نزدیک اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ یا وہ دو تمہارے قرابت داروں کے علاوہ سے ہوں یس گواہان وصیت مسلمانان غیر قرابت داروں میں سے ہوں گے۔ تشریح:

قولہ فان جاؤک الخ بارہویں آیت جس کی بابت منسوخ ہونے کا قول ہے سورۂ مائدہ کی یہ آیت ہے فان جاؤک فاحکم بینہم او اعرض عنہم سو اگر آویں وہ تیرے پاس تو فیصلہ کر دے ان میں یا منہ پھیر لے حضرت ابن عباس، مجاہد اور عکرمہ وغیرہ اکابر سلف سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار ابتداء میں تھا اخیر میں جب اسلام کا تسلط اور نفوذ کامل ہو گیا تو ارشاد ہوا۔ وان احکم بینہم بما انزل اللہ، یعنی ان کے نزاعات کا فیصلہ قانون شریعت کے موافق کرو اعراض کا اختیار نہیں۔

قولہ قلت معناہ الخ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت کے یہ معنیٰ ہیں کہ اگر تجھے خود حکم دینا منظور ہو تو قانون خداوندی کے موافق حکم کرنا اور ان کی خواہشوں کی پیروی مت کرنا، الحاصل ہمارے لئے دونوں باتیں جائز ہیں اگر ہم چاہیں تو ذمیوں کو اجازت دے سکتے ہیں کہ وہ مقدمات کا مرافعہ اپنے عمائد کے یہاں کریں تاکہ وہ اپنے شرائع کے موافق اس کا فیصلہ کر دیں اور چاہیں تو ہم خود اپنے منزل من اللہ احکام سے ان کا قضیہ چکا دیں۔

(باقی بر صفحہ ۱۶۰)

وَمِنَ الْاَنْفَالِ قَوْلُهٗ تَعَالٰی: "اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ" اَلْاٰیَۃُ مَنْسُوْخَۃٌ بِالْاٰیَۃِ بَعْدَھَا قُلْتُ ھِیَ کَمَا قَالَ مَنْسُوْخَۃٌ

ترجمہ:۔ سورۂ انفال سے قول باری، "ان یکن منکم الخ" اسکے بعد والی آیت سے منسوخ ہے، میں کہتا ہوں کہ بیشک منسوخ ہے جیسا کہ علامہ نے کہا ہے ۔

تشریح

قولہ ان یکن الخ چودھویں آیت جو منسوخ ہے وہ سورۂ انفال کی یہ آیت ہے ۔

اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ ۝

اگر ہوں تم میں بیس ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں دو سو پر اور اگر ہوں تم میں سو تو غالب ہوں ہزار کافروں پر اس واسطے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے ۔

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْکُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفَیْنِ ۔

اب بوجھ ہلکا کر دیا اللہ نے تم پر سے اور جانا کہ تم میں سستی ہے سو اگر ہوں تم میں سو ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں دو سو پر اور اگر ہوں تم میں ہزار تو غالب ہوں دو ہزار پر ۔

قولہ منسوخۃ الخ بخاری میں حضرت ابن عباس رضؓ سے منقول ہے کہ پہلی آیت میں مسلمانوں کو دس گنا کافروں کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنے کا حکم تھا ۔ جب لوگوں کو بھاری معلوم ہوا تو اس کے بعد دوسری آیت نازل ہوئی، یعنی خدا نے تمہاری ایک قسم کی کمزوری دیکھ کر پہلا حکم اٹھالیا اب صرف اپنے سے دوگنی تعداد کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ضروری اور بھاگنا حرام ہے

(بقیہ ص۱۵۹) قولہ او آخران الخ تیرھویں منسوخ آیت سورۃ مائدہ کی ہے اور وہ یہ ہے،

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَھَادَۃُ بَیْنِکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّۃِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِکُمْ

اے ایمان والو! گواہ درمیان تمہارے جبکہ پہنچے کسی کو تم میں موت وصیت کے وقت دو شخص معتبر ہونے چاہئیں تم میں سے یا دو شاہد اور ہوں تمہارے سوا

یعنی مسلمان اگر مرتے وقت کسی کو اپنا مال وغیرہ حوالے کرے تو بہتر ہے کہ دو معتبر مسلمانوں کو گواہ کرے مسلمان اگر نہ ملیں جیسے سفر وغیرہ میں اتفاق ہوجاتا ہے تو دو کافروں کو گواہ بنائے امام احمد اور متاخرین کی ایک جماعت اسی کی قائل ہے لیکن دوسرے حضرات کے نزدیک گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے جیسا کہ سورۃ طلاق کی آیت، وَاَشْھِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ، میں ہے پس، اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِکُمْ، سورۃ طلاق کی اس آیت سے منسوخ ہے ۔

قولہ عند غیرہ الخ یعنی امام احمد کے علاوہ دیگر علماء کے نزدیک، اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِکُمْ، کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہوں تو مسلمان مگر تمہارے قرابت دار نہ ہوں بلکہ اجنبی ہوں اس صورت میں نسخ نہ ہوگا، مگر یہ تفسیر اس لئے بے وجہ ہے کہ آیت میں اولاً خطاب اہل ایمان سے ہے تو اسی میں غیریت مانی جائے گی ۔

ومن براءة قوله تعالى "اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا" منسوخة بآيات العذر وهي قوله "لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ" الآية وقوله "لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ" الآيتين قلتُ خِفافًا اي مع اقلِّ ما يتأتّى به الجهادُ من مَركوبٍ وعبدٍ للخدمة ونفقةٍ يقنع بها وثِقالًا مع الخدمِ الكثيرةِ والمَراكبِ الكثيرةِ فلا نسخَ اونقولُ ليس النسخُ متعينًا

لغات:- انفروا (ض) نفوراً، نفیراً لڑائی کے لئے چل پڑنا، خفاف جمع خفیف ہلکا، ثقال جمع ثقیل بوجھل۔ الاعمی نابینا، ضعفاء جمع ضعیف کمزور۔ مرکوب سواری جمع مراکب۔ نفقہ زادراہ۔ خدم جمع خادم۔

ترجمہ:- سورۂ برائت سے قول باری "انفروا الخ" منسوخ ہے عذر والی آیات سے یعنی قول باری "لیس علی الاعمی الخ" اور "لیس علی الضعفاء الخ" سے۔ میں کہتا ہوں کہ خفافاً سے مراد یہ ہے کہ ضروریات جہاد مثلاً مراکب، غلامانِ خدمت، سامان خورونوش کی کم از کم مقدار کے ساتھ ہوں اور ثقالاً یہ کہ کثیر خدام اور کثیر سواریوں کے ساتھ ہوں پس نسخ نہیں ہے یا ہم کہتے ہیں کہ نسخ متعین نہیں ہے۔ تشریح:-

قولہ انفروا الخ پندرہویں آیت جس کی بابت منسوخ ہونے کا قول ہے سورۂ برائت کی یہ آیت ہے:-

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ — نکلو ہلکے اور بوجھل اور لڑو اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں۔

یعنی پیادہ ہوں یا سوار، فقیر ہوں یا غنی، جوان ہوں یا بوڑھے، تندرست ہوں یا بیمار، مجرد ہوں یا اہل وعیال والے جس حالت میں ہوں نکل کھڑے ہوں، یہ حکم آیات عذر سے منسوخ ہوگیا، روایت میں ہے کہ حضرت ابن ام مکتومؓ نے (جو نابینا تھے) عرض کیا یا رسول اللہ! کیا مجھ پر بھی نکلنا لازم ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، پس یہ ہتھیار پہن کر تیار ہوگئے اس پر آیت فتح "لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ" یعنی ان معذور لوگوں پر جہاد فرض نہیں، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت برائت "لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ" سے منسوخ ہے۔

قولہ ای مع اقل الخ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آیت میں معذور وغیر معذور ہر شخص کے لئے حکم عام نہیں ہے بلکہ حکم انھیں کے لئے ہے جو جہاد پر قادر ہوں اور قدرت سے مراد یہ ہے کہ ضروریات جہاد کی کم از کم مقدار پر قادر ہوں پس آیت منسوخ نہیں ہو پاتی۔

قولہ اونقول الخ یا ہم کہتے ہیں کہ نسخ متعین نہیں بلکہ جس وقت دشمن کا ہجوم سخت ہو اور امیر وقت کیطرف سے نفیر عام ہو تو ایسی صورت میں ہر شخص کو نکلنا ضروری ہے کوئی عذر پیش نہیں لاسکتا پیادہ ہو یا سوار، فقیر ہو یا مالدار، تندرست ہو یا بیمار بشرط الامکان والقدرۃ فی الجملۃ۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

ومن النور قولہ تعالیٰ "الزانی لاینکح الا زانیۃ" الآیۃ منسوخۃ بقولہ تعالیٰ "وانکحوا الایامی منکم" قلت قال احمد بظاہر الآیۃ ومعناہا عند غیرہ ان مرتکب الکبیرۃ لیس بکفء الا للزانیۃ اولا یستحب اختیار الزانیۃ وقولہ "وحرم ذلک" اشارۃ الی الزنا والشرک فلا نسخ واما قولہ "وانکحوا الایامی" فعام لاینسخ الخاص

لغات: زانی بدکار، الایامی جمع ایم رانڈ، بیوہ، الکبیرۃ مراد زنا، کفء مثل، نظیر۔ ترجمہ: سورہ نور سے قول باری "الزانی لاینکح الا زانیۃ" منسوخ ہے قول باری "وانکحوا الایامی منکم" سے میں کہتا ہوں کہ امام احمد ظاہر آیت کے قائل ہیں اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ مرتکب کبیرہ زانیہ ہی کا کفو ہے یا یہ کہ زانیہ کو اختیار کرنا مستحب نہیں ہے اور آیت میں "حرم ذلک" سے زنا و شرک کی طرف اشارہ ہے اس لئے نسخ نہیں ہے اور قول باری "وانکحوا الایامی" عام ہے وہ خاص کو منسوخ نہیں کرسکتا۔

تشریح: قولہ الزانی الخ سولہویں آیت جس کی بابت منسوخ ہونیکا قول ہے سورہ نور کی یہ آیت ہے۔

الزانی لاینکح الا زانیۃ او مشرکۃ والزانیۃ لاینکحہا الا زان او مشرک وحرم ذلک علی المومنین۔ | زانی نہیں نکاح کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ سے اور زانیہ سے نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک اور یہ حرام ہوا ہے مومنین پر، یہ آیت سورۂ نور کی اس آیت سے منسوخ ہے۔

وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم وامائکم | اور نکاح کردو رانڈوں کا اپنے اندر اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں

یعنی جن کا نکاح نہیں ہوا یا ہوکر بیوہ اور رنڈوے ہوگئے تو موقع مناسب ملنے پر ان کا نکاح کردیا کرو حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی تین کاموں میں دیر نہ کر، نماز فرض کا جب وقت آجائے جنازہ جب موجود ہو اور رانڈ عورت جب اس کا کفو مل جائے۔ قولہ قال احمد الخ امام احمدؒ ظاہر آیت کے قائل ہیں یعنی ان کے ہاں زانی اور زانیہ کا نکاح جائز نہیں یہانتک کہ وہ تائب ہوجائیں۔ ائمہ ثلثہ کے نزدیک جائز ہے۔ قولہ ومعناہا الخ یعنی دوسرے ائمہ کے نزدیک آیت کے یہ معنیٰ ہیں کہ زانی پاکدامن کا کفو نہیں بلکہ زانیہ ہی کا کفو ہے یعنی جو مرد یا عورت اس عادت شنیع میں مبتلا ہوں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ کسی عفیف مسلمان سے ان کا تعلق ازدواج قائم کیا جائے ان کے مناسب تو یہی ہے کہ ایسے ہی کسی بدکار و تباہ حال سے ان کا تعلق ہو

کند ہم جنس باہم جنس پرواز ✣ کبوتر با کبوتر باز با باز

ہر کس مناسب گہر خود گرفت یار ✣ بلبل بباغ رفت و زغن سوئے خارزار

اور حرم ذلک سے زنا اور شرک کی طرف اشارہ ہے یعنی زنا مومنین پر حرام ہے نکاح مراد نہیں بلکہ ایک مومن مومن رہتے ہوئے یہ حرکت کیسے کریگا حدیث میں ہے "لایزنی الزانی حین یزنی وہو مومن"۔

قولہ تعالٰی "لِیَسْتَاذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ" الآیۃ قیل منسوخۃ وقیل لا ولکن تہاون الناس فی العمل بہا قلت مذہب ابن عباس انہا لیست بمنسوخۃ وھذا اوجہ واولی بالاعتماد، ومن الاحزاب قولہ تعالٰی "لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ" الآیۃ منسوخۃ بقولہ تعالٰی "اِنَّا اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْ" الآیۃ قلت یحتمل ان یکون الناسخ مقدمًا فی التلاوۃ وھو الاظہر عندی

ترجمہ: قول باری "لیستاذنکم اھ" کہا گیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور کہا گیا ہے کہ نہیں مگر لوگوں نے اس پر عمل کرنے میں تساہل سے کام لیا ہے، میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس کا مذہب یہ ہے کہ وہ منسوخ نہیں اور اولٰی زیادہ قابل اعتبار ہے، سورہ احزاب سے آیت "لا یحل لک النساء من بعد" قول باری "انا احللنا لک اھ" سے منسوخ ہے میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے ناسخ باعتبار تلاوت منسوخ سے مقدم ہو اور میرے نزدیک یہی بات زیادہ ظاہر ہے۔

تشریح:

قولہ لیستاذنکم الخ سترہویں آیت جس کی بابت منسوخ ہونیکا قول ہے سورہ نور کی یہ آیت ہے

یاایہا الذین آمنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلث مرات	اے ایمان والو اجازت لیکر آئیں جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں اور جو کہ نہیں پہونچے بلوغ کو تم میں تین بار

قولہ وقیل لا الخ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہوگئی بخدا! منسوخ نہیں ہوئی مگر لوگوں نے اس پر عمل کرنے میں تساہل برتا ہے۔ قولہ مذہب الخ حضرت ابن عباس کا مذہب بھی یہی ہے کہ آیت منسوخ نہیں چنانچہ عکرمہ ناقل ہیں کہ دو عراقی آدمیوں نے ابن عباس سے اس آیت کی بابت دریافت کیا! آپ نے فرمایا: حق تعالٰی پردہ پوش ہے پردہ کو پسند کرتا ہے، بات یہ ہے کہ شروع میں لوگوں کے دروازوں پر پردے نہ تھے خدام بے روک ٹوک آتے اور غیر دیدنی جگہوں پر ان کی نظر پڑجاتی اس لئے استیذان کا حکم دیا گیا: بعد میں جب کشائش ہوگئی تو لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اب اس کی ضرورت نہیں رہی

قولہ لا یحل لک الخ اٹھارہویں آیت جو منسوخ ہے وہ سورۂ احزاب کی یہ آیت ہے

لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بہن من ازواج ولو اعجبک حسنہن	حلال نہیں تجھکو عورتیں اس کے بعد اور نہ یہ کہ ان کے بدلے کرلے اور عورتیں اگرچہ خوش لگے تجھ کو ان کی صورت

اور ناسخ یہ آیت ہے "یاایہا النبی انا احللنا لک ازواجک التی آتیت اجورہن اھ" جو تلاوت میں آیت منسوخہ سے مقدم ہے، مطلب یہ ہے کہ جتنی ہیں "انا احللنا اھ" میں فرمادیں اس سے زیادہ حلال نہیں اور جو موجود ہیں ان کو بدلنا حلال نہیں، حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ یہ ممانعت آخر کو موقوف ہوگئی مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ نے نہ اس کے بعد کوئی نکاح کیا نہ ان میں سے کسی کو بدلا۔

ومن المجادلة قوله تعالیٰ اذا ناجیتم الرسول فقدموا ۱۹ الاٰیۃ منسوخۃ بالاٰیۃ بعدھا قلت ھذا کما قال ومن الممتحنۃ قوله تعالیٰ فاٰتوا الذین ذھبت ازواجھم مثل ما انفقوا ۲۰ قیل منسوخۃ باٰیۃ السیف وقیل باٰیۃ الغنیمۃ وقیل محکمۃ قلت الاظھر انھا محکمۃ ولکن الحکم فی المھادنۃ وعند قوۃ الکفار

لغات: ناجیتم مناجاۃ سرگوشی کرنا، ازواج جمع زوج، مہادنۃ مصالحت،، ترجمہ: سورۂ مجادلہ سے قول باری،، اذا ناجیتم الخ،، منسوخ ہے اس کے بعد والی آیت سے میں کہتا ہوں کہ یہ بات اسی طرح ہے. جیسے علامہ نے کہا، اور سورۂ ممتحنہ سے قول باری،، فاٰتوا الذین الخ،، کہا گیا ہے کہ منسوخ ہے آیت سیف سے اور کہا گیا ہے کہ منسوخ ہے آیت غنیمت سے اور کہا گیا ہے کہ محکم ہے،، میں کہتا ہوں کہ اس کا محکم ہونا ظاہر تر ہے لیکن یہ حکم صلح اور قوت کفار کے وقت کیلئے خاص ہے. تشریح:

قولہ اذا ناجیتم الخ انیسویں آیت جو منسوخ ہے سورۂ مجادلہ کی یہ آیت ہے،

یا ایہا الذین آمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقۃ" | اے ایمان والو جب تم کان میں بات کہنا چاہو رسول سے تو آگے بھیجو اپنی بات کہنے سے پہلے خیرات

منافق بے فائدہ باتیں حضرت سے کان میں کرتے کہ لوگوں میں اپنی بڑائی جتائیں اور بعض مسلمان غیر مہم باتوں میں سرگوشی کر کے اتنا وقت لے لیتے تھے کہ دوسروں کو آپ سے مستفید ہونیکا موقع نہ ملتا تھا اس وقت یہ حکم ہوا کہ جو مقدرت والا آدمی آپ سے سرگوشی کرنا چاہے وہ اس سے پہلے کچھ خیرات کر کے آیا کرے، جب یہ حکم اترا تو منافقین نے مارے بخل کے وہ عادت چھوڑ دی اور مسلمان بھی سمجھ گئے کہ زیادہ سرگوشیاں کرنا اللہ کو پسند نہیں، پھر بعد والی آیت سے یہ حکم منسوخ ہو گیا اور وہ یہ ہے،،

ءاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجوٰکم صدقٰت فاذ لم تفعلوا وتاب اللہ علیکم فاقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ الاٰیۃ | کیا تم ڈر گئے کہ آگے بھیجا کرو کان کی بات سے پہلے۔ خیراتیں سو جب تم نے نہ کیا اور اللہ نے معاف کر دیا۔ تم کو تو اب قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ

یعنی جب صدقہ کا حکم دینے سے جو مقصد تھا حاصل ہو گیا تو اب ہم نے یہ وقتی حکم اٹھا لیا۔

(فائدہ) ،، فاذ لم تفعلوا ،، سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم پر عام طور سے عمل کرنے کی نوبت نہیں آئی بعض روایات میں حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس حکم پر امت میں سے صرف میں نے عمل کیا میرے پاس ایک دینار تھا اس سے میں نے دس درہم خریدے پس میں ہر روز ایک درہم خیرات کرتا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک کام کی بات دریافت کر لیتا ۵

بدنیا توانی کہ عقبیٰ خری ۔۔ بخر جانِ من ورنہ حسرت خوری،، (باقی بر ص ۱۶۵)

ومن المزمل قوله تعالیٰ "قم اللیل الا قلیلا" منسوخ باٰخر السورة ثم نسخ الاٰخر بالصلوات الخمس قلت دعوی النسخ بالصلوات الخمس غیر متجھة بل الحق ان اول السورة فی تاکید الندب الی قیام اللیل واٰخرھا نسخ التاکید الی مجرد الندب قال السیوطی موافقا لابن العربی فھذہ احدی وعشرون اٰیة منسوخة علیٰ خلاف فی بعضھا ولا یصح دعوی النسخ فی غیرھا والاصح فی اٰیتی الاستئذان و القسمة الاحکام وعدم النسخ نصارت تسع عشرة وعلیٰ ما حررنا لا یتعین النسخ الا فی خمس آیات

ترجمہ: سورۂ مزمل سے قول باری، "قم اللیل الا قلیلا" سورہ کی آخری آیتوں سے منسوخ ہے اور پھر وہ بھی نماز پنجگانہ سے منسوخ ہے، میں کہتا ہوں کہ نماز پنجگانہ سے نسخ کا دعوی مدلل نہیں ہے بلکہ حق بات یہ ہے کہ سورۂ مزمل کے ابتداء میں استحباب قیام لیل کی تاکید ہے اور آخر میں صرف اس تاکید کا نسخ کر کے استحباب غیر مؤکد کو باقی رکھا گیا ہے۔

علامہ سیوطی نے ابن العربی کے ساتھ اتفاق کر کے کہا ہے کہ یہ اکیس آیتیں منسوخ ہیں باوجودیکہ ان میں بھی

(بقیہ صفحہ ۱۶۴)

قولہ، فاتوا الذین الخ بیسویں آیت جس کی بابت منسوخ ہونیکا قول ہے سورۂ ممتحنہ کی یہ آیت ہے،

وان فاتکم شیء من ازواجکم الی الکفار فعاقبتم فاتوا الذین ذھبت ازواجھم مثل ما انفقوا ط	اور اگر جاتی رہیں تمہارے ہاتھ سے کچھ عورتیں کافروں کی طرف پھر تم ہاتھ مارو تو دیدو ان کو جن کی عورتیں جاتی رہیں جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا،

اس کی تشریح یہ ہے کہ اگر زوجین میں سے ایک مسلمان اور دوسرا مشرک ہو تو اختلاف دارین کے بعد تعلق نکاح قائم نہیں رہتا پس اگر کسی کافر کی عورت مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آجائے تو حکم یہ ہے کہ جو مسلمان اس سے نکاح کرے اس کے ذمہ ہے کہ اس کافر نے جتنا مہر اس پر خرچ کیا تھا وہ اسے واپس کر دے اور اب عورت کا جو مہر قرار پائے وہ جدا اپنے ذمہ رکھے، اس کے مقابل دوسرا حکم یہ ہے کہ جس مسلمان کی.... عورت کافر رہ گئی ہے وہ اس کو چھوڑ دے پھر جو کافر اس سے نکاح کرے اس مسلمان کا خرچ کیا ہوا مہر واپس کرے اس طرح دونوں فریق ایک دوسرے سے اپنا حق طلب کرلیں، جب یہ حکم اترا تو مسلمان تیار ہوئے دینے کو بھی اور لینے کو بھی لیکن کافروں نے دینا قبول نہ کیا تب آیت مذکورہ نازل ہوئی اور بتایا کہ جس مسلمان کی عورت گئی اور کافر اس کا خرچ کیا ہوا نہیں پھیرتے تو جس کافر کی عورت مسلمانوں کے ہاں آئے اس کا جو خرچ دینا تھا اس کافر کو نہ دیں بلکہ اسی مسلمان کو دیں جس کا حق مارا گیا ہے ہاں اس مسلمان کا حق دے کر جو بچ رہے وہ واپس کر دیں، پھر یہ حکم آیت سیف یعنی "وقاتلوا المشرکین کافۃ" سے یا آیت غنیمت یعنی "واعلموا انما غنمتم من شیء" الخ سے منسوخ ہو گیا ـــ قولہ الاظہر الخ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آیت منسوخ نہیں بلکہ اس کا محکم ہونا ہی اظہر ہے لیکن یہ حکم صلح اور قوت کفار کے وقت کیلئے ہی خاص ہے

بعض کی نسبت اختلاف ہے، ان کے علاوہ کسی اور آیت میں دعویٰ نسخ صحیح نہیں اور آیت استیذان و آیت قسمت میں صحیح تر ان کا محکم ہونا اور منسوخ نہ ہونا ہے پس صرف انیس ۱۹ آیتیں منسوخ رہ گئیں، اور ہماری تحریر کے بموجب صرف پانچ ہی آیتوں میں نسخ ہوسکتا ہے۔ تشریح:

قولہ قم اللیل الخ اکیسویں آیت جس کی بابت منسوخ ہونے کا قول ہے سورۂ مزمل کی یہ آیت ہے

یاایہا المزمل قم اللیل الا قلیلا نصفہ او انقص منہ قلیلا او زد علیہ	اے کپڑے لپیٹنے والے کھڑا رہ رات کو مگر تھوڑا سا، آدھی رات یا اس میں سے کم کردے تھوڑا سا یا زیادہ کر اس پر،

یعنی رات کو اللہ کی عبادت میں کھڑے رہو ہاں تھوڑا سا ۔ نصف، حصہ شب کا اگر آرام کر دو تو مضائقہ نہیں یا آدھی رات سے کچھ کم جو تہائی تک پہونچ سکتی ہے، یا آدھی سے زیادہ جو دو تہائی تک ہو، اس سے معلوم ہوا کہ شروع میں رات کو جاگنا اور بطریق مذکور تہجد پڑھنا فرض تھا جس کی آنحضرت صلی اللہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے تقریباً ایک سال تک پوری تعمیل کی کبھی آدھی کبھی تہائی اور کبھی دو تہائی رات کے قریب اللہ کی عبادت میں گذاری چنانچہ روایات میں ہے کہ صحابہ کے پاؤں راتوں کو کھڑے کھڑے سوج جاتے اور پھٹنے لگتے تھے، اس کے بعد سورۂ مزمل کی آخری آیت یعنی

علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم فاقرءوا ما تیسر من القرآن	اس نے جانا کہ تم اس کو پورا نہ کرسکو گے سو تم پر معافی بھیجدی اب پڑھو جتنا آسان ہو قرآن سے

سے اس فرضیت کو منسوخ کردیا اور فرمادیا کہ تم ہمیشہ اس کو پوری طرح نبھا نہ سکو گے، پھر، ,فاقرءوا،، سے جو بظاہر وجوب مفہوم ہوتا تھا وہ نماز پنجگانہ سے اٹھادیا پس اب امت کے حق میں نہ نماز تہجد فرض ہے نہ وقت یا مقدار تلاوت کی کوئی قید ہے۔

قولہ بل الحق الخ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ نماز پنجگانہ سے نسخ کا دعویٰ مدلل نہیں بلکہ حق بات یہ ہے کہ سورۃ کے ابتداء میں نماز تہجد کے استحباب کی تاکید ہے اور آخر میں اس تاکید کو اٹھا کر صرف استحباب کو باقی رکھا ہے لہٰذا آیت کو منسوخ کہنا بے جا ہے۔

قولہ والاصح الخ لفظ والاصح مبتدا ہے اور الاحکام اس کی خبر ہے اور، ,وعدم النسخ،، الاحکام پر معطوف ہے اور آیت استیذان سے مراد آیت ۱۱ اور آیت قسمت سے مراد آیت ۹ ہے۔

قولہ الا فی خمس الخ اور وہ پہلی، پانچویں، چودھویں، اٹھارہویں اور انیسویں آیت ہے۔

(تنبیہ) علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ انیس آیات مذکورہ پر ایک آیت یعنی، ,فاینما تولوا فثم وجہ اللہ،، حسب رائے ابن عباس اور بھی اضافہ ہوسکتی ہے کیونکہ وہ آیت، ,فول وجہک شطر المسجد الحرام،، کے ساتھ منسوخ مانتے ہیں اس طرح بجائے بیس آیتیں منسوخ قرار پاتی ہیں جن کو میں نے اشعار میں نظم بھی کردیا ہے، موصوف نے دس اشعار اتقان میں تحریر کئے ہیں من شاء فلیراجع الیہ۔

فصلٌ وايضًا من المواضعِ الصعبةِ معرفةُ أسبابِ النزولِ ووجهُ الصعوبةِ فيها ايضًا اختلافُ المتقدمين والمتأخرين

ترجمہ: فصل (سوم) نیز دشوار ترین مقامات سے معرفت اسباب نزول ہے اور اس میں بھی دشواری کی وجہ متقدمین و متاخرین کا اختلاف ہے۔ تشریح:

قولہ معرفۃ اسباب النزول الخ معرفت اسباب نزول بھی علم تفسیر کا ایک دشوار ترین مسئلہ ہے، علماء نے اس موضوع پر بہت مختلف کتابیں لکھی ہیں جن میں اولیت کا شرف امام بخاری کے شیخ علی ابن المدینی کو حاصل ہے لیکن ان میں واحدی کی تصنیف زیادہ مشہور ہے کیونکہ وہ ایسی معلومات پر مشتمل ہے جن کی مفسرین کو بڑی ضرورت رہتی ہے، جعبری نے اس کی سندیں حذف کر کے اس کا مختصر تیار کیا ہے، حافظ ابن حجر نے بھی ایک قابل قدر کتاب لکھی تھی مگر افسوس کہ تکمیل سے قبل ہی موصوف کا انتقال ہو گیا، شیخ جلال الدین سیوطی کی "لباب النقول فی اسباب النزول" بھی بہت عمدہ کتاب ہے جو تفسیر جلالین کے حاشیہ پر مطبوع ہے۔

(فائدہ) معرفت اسباب نزول کے بہت سے فائدے ہیں (۱) حکم کے مشروع ہونے کی حکمت کا علم (۲) حکم کا سبب کے ساتھ مخصوص ہونا (جن کے نزدیک سبب کی خصوصیت کا اعتبار ہے) (۳) کبھی لفظ عام ہوتا ہے مگر اس کی تخصیص پر کوئی دلیل (عقلی یا نقلی) قائم ہو جاتی ہے اس لئے جس وقت سبب نزول معلوم ہو جائے گا تو اس سبب کی صورت کے ماسوا پر تخصیص کا اقتصار ہو جائے گا (۴) سبب نزول کی معرفت سے آیات کے معانی واضح ہو جاتے ہیں اور ان کے سمجھنے میں الجھن نہیں ہوتی، واحدی کا قول ہے "سبب نزول سے واقفیت کے بغیر اس آیت کی تفسیر کرنا ممکن ہی نہیں" ابن دقیق العید کا قول ہے "معانی قرآن کے سمجھنے کے لئے ایک قوی طریقہ اسباب نزول کا بیان ہے" شیخ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ "سبب نزول کی معرفت آیت کے سمجھنے میں مدد دیتی ہے کیونکہ سبب کے علم سے مسبب کا علم حاصل ہونا ضروری ہے" (۵) سبب نزول کے علم سے حصر کا وہم دور ہو جاتا ہے امام شافعی آیت "قل لا اجد فیما اوحی الی محرمًا الخ" کی بابت فرماتے ہیں کہ جب کفار نے خدا کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور حرام کردہ کو حلال قرار دیا تو ان کی ضد کی مقابلہ میں ضد کا اظہار ہوا کہ جن چیزوں کو (مردار، خون سور کے گوشت، غیر خدا کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کو) تم نے حلال قرار دیا ہے یہی تو حرام ہیں، اس موقع پر ان چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں کا حلال ہونا مراد نہیں کیونکہ یہاں صرف حرمت ثابت کرنا ہے حلت سے بحث نہیں، امام الحرمین فرماتے ہیں کہ یہ قول نہایت عمدہ ہے (۶) سبب نزول ہی کے ذریعہ اس شخص کا نام معلوم ہوتا ہے جس کے بارے میں کوئی آیت اتری ہے اور آیت کے مبہم حصہ کی تعیین بھی اسی کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے مثلاً مروان ابن الحکم نے آیت "والذی قال لوالدیہ اف لکما" کے متعلق کہا تھا کہ یہ حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (باقی بر صفحہ ۱۶۸)

والذی یظہر من استقراء کلام الصحابۃ والتابعین انہم لا یستعملون "نزلت فی کذا" لمحض قصۃ کانت فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم وھی سبب نزول الآیۃ بل ربما یذکرون بعض ما صدقت علیہ الآیۃ مما کان فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم او بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم ویقولون "نزلت فی کذا" ولا یلزم ھناک انطباق جمیع القیود بل یکفی انطباق اصل الحکم فقط۔

ترجمہ: کلام صحابہ وتابعین کے استقراء سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حضرات "نزلت فی کذا" صرف ایسے قصہ کے لئے استعمال نہیں کرتے جو زمانہ نبوی میں واقع ہو کر نزول آیت کا سبب ہوا ہو بلکہ بسا اوقات آیت کے کسی ایسے مصداق کو جس کا وجود زمانہ نبوی یا اس کے بعد ہوا ہو ذکر کر کے "نزلت فی کذا" کہدیا کرتے ہیں تو ایسے موقع پر تمام قیود کا انطباق ضروری نہیں بلکہ اصل حکم کا انطباق کافی ہے۔

تشریح:

قولہ والذی یظہر الخ حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ سبب نزول کی شناخت ایک ایسی بات ہے جو صرف صحابہ کو ان قرائن کے ذریعہ سے معلوم ہوتی تھی جو کہ ان معاملات کے ساتھ وابستہ ہوتے تھے اور اس پر بھی بسا اوقات کسی صحابی نے سبب نزول کو یقین اور جزم کے ساتھ بیان نہیں کیا بلکہ یہی کہا "احسب ہذہ الآیۃ نزلت فی کذا" ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ صحابہ کا یہ قول "نزلت فی کذا" کبھی یہ معنیٰ رکھتا ہے کہ اس کے نزول کا فلاں سبب تھا اور کبھی اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اگرچہ یہ سبب نزول نہیں لیکن ایسا مفہوم آیت میں داخل ہے۔ جیسے تو یوں کہے "عنی بہذہ الآیۃ کذا" اس آیت سے یہ مراد لی گئی ہے، زرکشی نے "البرہان" میں بیان کیا ہے کہ صحابہ وتابعین کی عادت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب ان میں کوئی کہتا ہے "نزلت ہذہ الآیۃ فی کذا" تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ آیت فلاں حکم کو شامل ہے نہ یہ کہ ذکر کردہ وجہ آیت کا سبب نزول ہے اور ان کا یہ کہنا آیت کیساتھ حکم پر استدلال کرنے کے قبیل سے ہوتا ہے نہ کہ از قبیل بیان سبب وقوع، اس کی ایک مثال عامر بن ربیعہؓ کی روایت ہے کہ ہم اندھیری رات میں سفر میں تھے قبلہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس طرف ہے اس لئے ہر شخص نے اپنے قیاس کے مطابق نماز پڑھ لی، صبح ہونے پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی "فاینما تولوا فثم وجہ اللہ" اسی طرح حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ تشریف لاتے وقت اپنی سواری پر جدھر اس کا منہ تھا نفل نماز ادا فرمائی، پھر آیت "وللہ المشرق والمغرب" پڑھ کر کہا یہ اسی کی بابت نازل ہوئی ہے (ترمذی)

(بقیہ صفحہ ۱۶۷)

کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو حضرت عائشہؓ نے مروان کے قول کی تردید کی اور اس آیت کا صحیح سبب نزول بیان فرمایا۔

محمد حنیف عفرلہ گنگوہی

وقد یعترون سوالاً سُئِل عنه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او حادثۃ تحققت فی تلک الایام المبارکۃ واستنبط صلی اللہ علیہ وسلم حکمہا من آیۃ وتلاھا فی ذلک الباب ویقولون "نزلت فی کذا" وربما یقولون فی ھذہ الصورۃ "فانزل اللہ تعالٰی قولہ کذا او فنزلت" فکأنہ اشارۃ الی ان استنباطہ صلی اللہ علیہ وسلم من ھذہ الآیۃ و القاءھا فی تلک الساعۃ بخاطرہ المبارک ایضاً نوع من الوحی و النفث فی الروع فلذلک یمکن ان یقال "فانزلت" و یمکن ایضاً ان یعبّر فی ھذہ الصورۃ بتکرار النزول

ترجمہ:- اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں کوئی سوال پیش ہوا یا آپ کے زمانہ مبارک میں کوئی حادثہ واقع ہوا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم کسی آیت سے مستنبط فرمایا اور اس آیت کو اس موقع پر تلاوت کیا تو ایسے واقعات کو بیان کرتے ہوئے بھی کہہ دیا کرتے ہیں ،،نزلت فی کذا،، اور کبھی ایسی خاص صورتوں میں ،،فانزل اللہ تعالٰی قولہ کذا،، یا صرف ،،فنزلت،، بھی استعمال کرتے ہیں اور گویا یہ اشارہ ہوتا ہے اس بات کی طرف کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی آیت سے استنباط، اور آپکے قلب مبارک میں اس وقت اس آیت کا القاء بھی وحی اور نفث فی الروع کی ایک قسم ہے، اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے ،،فانزلت،، اور اگر کوئی اس کو تکرار نزول کے ساتھ تعبیر کرے تو یہ بھی ممکن ہے۔

تشریح:

قولہ وتلاھا فی ذلک الباب الخ اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے امام ترمذی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گذرا تو اس نے آپ سے دریافت کیا: ابوالقاسم! آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالٰی آسمانوں کو ایک انگلی پر، زمینوں کو دوسری، ... سمندروں کو تیسری، پہاڑوں کو چوتھی اور تمام مخلوقات کو پانچویں انگلی پر رکھ لے؟ اسی وقت آیت ،،وَمَاقدروا اللہ حق قدرہ،، نازل ہوئی ،، یہ حدیث صحیح بخاری میں ،،فتلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،، الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔ دوسری مثال وہ حدیث ہے جسے امام بخاری نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ ،،عبداللہ بن سلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر سنی تو وہ آپ کے پاس آئے اور عرض کیا: میں آپ سے ایسی تین باتیں دریافت کرتا ہوں جن کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا (۱) قیامت کا پہلا نشان کیا ہے (۲) اہل جنت کا پہلا کھانا کیا ہوگا (۳) اولاد کو اس کے باپ یا ماں سے کونسی چیز مشابہ کرتی ہے؟ آپ نے فرمایا: جبرئیلؑ ان باتوں کی خبر مجھے اسی وقت دی ہے، انہوں نے کہا: جبرئیل نے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، یہ سن کر وہ کہنے لگے: یہ فرشتہ یہودیوں کا دشمن ہے، اس وقت آپ نے یہ آیت پڑھی ،،مَن کان عدواً لجبریل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ،، ابن حجر شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ سیاق عبارت حدیث سے عیاں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت یہودیوں کے عقیدہ کی تردید کیلئے پڑھی تھی اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آیت اسی وقت اتری ہو۔　　محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

وَيذكرُ المحدِّثون في ذيلِ اٰياتِ القراٰنِ كثيرًا من الاشياءِ ليست من قسمِ سببِ النزولِ في الحقيقة مثل استشهادِ الصحابةِ في مُناظراتهم بايةٍ اوتمثيلهم بايةٍ اوتلاوتِه صلى الله عليه وسلم اٰيةً للاستشهادِ في كلامِه الشريفِ اوروايةِ حديثٍ وَافق الاٰيةَ في اصلِ الغرضِ اوتعيينِ موضعِ النُزولِ اوتعيينِ اسماءِ المذكورين بطريقِ الابهامِ اوبيان طريقِ التلفظِ بكلمةٍ قراٰنيةٍ اوفضلِ سُوَرٍ و اٰياتٍ من القراٰنِ اوصورةِ امتثالِه صلى الله عليه وسلم بامرٍ من اوامرِ القراٰن ونحوِ ذٰلك وليس شئٌ من هذا في الحقيقة من اسباب النزول ولا يشترط احاطةُ المُفسّرِ بهذه الاشياء انما شرط المُفسّرِ امرانِ الاوّلُ ما تُعَرِّضُ به الاٰياتُ من القَصصِ فلا يَتيسّرُ فهمُ الإيماءِ بتلكَ الاٰياتِ الّا بمعرفةِ تلك القَصصِ والثاني ما يُخصّصُ العامَّ بالقصة او مثل ذٰلك من وُجوه صَرْفِ الكلامِ عن الظاهرِ فلا يتيسّر فهمُ المقصودِ من الاٰياتِ بدونها

ترجمہ

محدثین آیات قرآنی کے ذیل میں ایسی بہت سی اشیاء ذکر کر جاتے ہیں جو فی الحقیقۃ اسباب نزول میں داخل نہیں ہوتیں مثلاً صحابہ کا اپنے باہمی مناظرات میں کسی آیت سے استشہاد، یا تمثیل دینا، یا اپنے کلام کے استشہاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی آیت کو تلاوت فرمانا، یا محدثین کا کسی ایسی حدیث کو روایت کرنا جس کو آیت کے ساتھ اس کی غرض، یا موقع نزول، یا اسماء مذکورہ فی الآیۃ کے مبہم کی تعیین میں موافقت حاصل ہو، یا کلمہ قرآنی کے لئے ادائے تلفظ کا طریقہ، یا سورتوں اور آیتوں کے فضائل، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتثال امر قرآنی وغیرہ کی صحیح تصویر، درحقیقت یہ تمام باتیں اسباب نزول میں شمار نہیں ہیں اور نہ ان کا احاطہ کرنا مفسر کی شرائط میں داخل ہے، مفسر کے لئے تو صرف دو چیزوں کی معرفت شرط ہے ایک وہ واقعات جن کی طرف آیات مُشیر ہوں کہ ایسی آیات کے ایماء کا سمجھنا واقعات کے علم کے بغیر میسر نہیں آسکتا۔ دوسرے وہ قصے جن سے عام کی تخصیص یا اور کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہو۔ مثلاً آیت کو اس کے ظاہری معنی سے پھیرتے ہوں وغیرہ کہ آیات کے اصل مقصد کا علم اُن قصص کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

عہ قولہ "ونحو ذلک" لیس فی الاصل ولعلہ من زیادۃ المترجم ۱۲ عون عہ عُرِّض بہ: قال قولہ وہو تعیینہ ویریدہ دلم یُصرح ۱۲ عون

وممايَنبغي اَن يُعلم ههُنا انّ قصصَ الانبياءِ السابقين لاتُذكر في الحديث الّا علىٰ سبيل القلّة فالقصصُ الطويلةُ العريضةُ التي تكلّف المفسّرون روايتها كلّها منقولةٌ عن علماءِ اهلِ الكتاب الّا ما شاءالله تعالىٰ وقد جاء في صحيح البخاري مرفوعًا لا تُصدّقوا اَهلَ الكتاب ولاتكذّبوهم [۱]

ترجمہ :- یہاں یہ جان لینا مناسب ہے کہ حضرات انبیاءِ سابقین کے قصے احادیث میں کم مذکور ہیں ۔ اور ان کے وہ لمبے چوڑے تذکرے جن کے بیان کرنے کی تکلیف عام مفسرین برداشت کرتے ہیں وہ سب علماء اہل کتاب سے منقول ہیں الا ماشاء اللہ، صحیح بخاری میں مرفوعًا مروی ہے " تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب ۔"

تشریح

قولہ فی صحیح البخاری الخ صحیح بخاری (کتاب التفسیر . باب قول اللہ تعالیٰ " قُولُوا آمَنَّا بِاللهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا) میں حضرت ابوہریرہ رضہ سے مروی ہے قال :-

کان اہل الکتاب یقرؤن التوراۃ بالعبرانیۃ ویفسرونہا بالعربیۃ لاہل الاسلام فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتصدقوا اہل الکتاب ولاتکذبوہم وقولوا آمنا باللہ وما انزل الینا الخ

اہل کتاب عبرانی میں تورات پڑھتے اور مسلمانوں کے لئے عربی میں اسکی تفسیر کرتے تھے تو رسول کریم صلعم نے ارشاد فرمایا، تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب اور یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اترا ہم پہ اھ

کیونکہ دونوں صورتوں میں غلطی کا اندیشہ ہے اگر جھوٹ کہیں اور وہ سچ ہو یا سچ کہیں اور وہ جھوٹ ہو لیکن صحیح بخاری کی حدیث عبداللہ بن عمرو

بلّغوا عنی ولو آیۃ وحدّثوا عن بنی اسرائیل ولاحرج ومن کذب علیّ متعمدًا فلیتبوأ مقعدہ من النار

میری طرف سے دوسروں کو پہنچا دو گو ایک ہی بات ہو اور بنی اسرائیل سے روایت کرو اس میں کوئی حرج نہیں اور جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔

حدیث بالا کے معارض ہے، اس کی بابت حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ آغاز اسلام میں بنی اسرائیل سے حکایت کرنا اور ان کی باتیں سننا منہی عنہ تھا لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شائع ہوجانے کی وجہ سے انکے اور آپ کے کلام میں التباس کا خوف جاتا رہا اور احبار اہل کتاب کی تحریف کردہ کتب سماویہ کی

[۱] ای اذا کان مایخبرونکم بہ محتملًا لئلا یکون فی نفس الامر صدقًا فتکذبوہ او کذبًا فتصدقوہ فتقعوا فی الحرج ولم یرد النہی عن تکذیبہم فیما ورد شرعنا بخلافہ ولا عن تصدیقہم فیما ورد شرعنا بوفاقہ نبہ علی ذلک الشافعی ۱۲ ف

باتیں سنکر مسلمانوں کے دل میں اپنے دین کی بابت شکوک وشبہات پیدا ہونے کا اندیشہ نہ رہا تو اہل کتاب سے روایت کرنے کی اجازت ہوگئی۔ حضرت شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

اقول الروایۃ عن اہل الکتاب تجوز فیما سبیلہ سبیل الاعتبار وحیث یکون الامن عن الاختلاط فی شرائع الدین ولا تجوز فیما سوی ذلک

میں کہتا ہوں کہ قابل عبرت امور میں اور جہاں احکام دین میں اختلاط ہونے سے امن ہو ان میں بنی اسرائیل سے روایت کرنا جائز ہے اسکے ماسوا میں جائز نہیں۔

علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :-

الاحادیث الاسرائیلیۃ تذکر للاستشہاد، لا للاعتضاد فانہا علی ثلاثۃ اقسام احدہا ما علمنا صحتہ مما بایدینا مما یشہد لہ بالصدق فذاک صحیح والثانی ما علمنا کذبہ مما عندنا مما یخالفہ والثالث ما ہو مسکوت عنہ لا من ہذا القبیل ولا من ہذا القبیل فلا نؤمن بہ ولا نکذبہ

احادیث اسرائیلیہ برائے استشہاد ذکر کی جاسکتی ہیں نہ کہ برائے اعتضاد کیونکہ ان کی تین قسمیں ہیں اول وہ جنکی صحت کا ہمیں اپنی کتاب کے ذریعہ سے علم ہے جو انکی صداقت پر شاہد ہیں یہ قسم تو صحیح ودرست ہے دوم وہ جنکے کذب کا علم ہے جو ہماری کتاب کے خلاف ہے۔ سوم وہ جو مسکوت عنہ ہے نہ از قبیل اول ہے نہ از قبیل دوم سو اسکی نہ ہم تصدیق کریں گے نہ تکذیب۔

علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ جو بات ان سے منقول ہو اگر وہ صحیح ہو اور ہماری شریعت کے موافق ہو تو ہم اس کی تصدیق بھی کریں گے اور اس پر عمل بھی کریں گے۔ اور اگر وہ صحیح تو ہو لیکن ہماری شریعت کے موافق نہ ہو تو اس کی تصدیق تو کریں گے لیکن اس پر عمل نہ کریں گے اور وہ نسخ یا تحریف پر محمول ہوگی اور اگر وہ صحیح ہی نہ ہو یا اس کی اصل کا انکشاف نہ ہو تو اس کی نہ تصدیق کریں گے نہ تکذیب۔ صرف اجمالی طور پر یہ کہیں گے کہ جو بات اللہ کی طرف سے ہے وہ حق ہے

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

ﮧ وقال السید جمال الدین وجہ التوفیق بین النہی عن الاشتغال بما جاء عنہم وبین الترخیص المفہوم من ہذا الحدیث ان المراد بالتحدث ہہنا التحدث بالقصص من الآیات العجیبۃ (کحکایۃ قتل بنی اسرائیل انفسہم فی توبتہم وتفصیل القصص المذکورۃ فی القرآن لان فی ذلک عبرۃ وموعظۃ) والمراد بالنہی ہناک نقل احکام کتبہم لان جمیع الشرائع منسوخۃ بشریعۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، وقال القاری الحرج الضیق والاثم وہذا لیس علی معنی اباحۃ الکذب علیہم بل دفع لتوہم الحرج فی التحدیث عنہم وان لم یعلم صحتہ واسنادہ لبعد الزمان کذا فی شرح السنۃ وتبعہ زین العرب واشار الیہ المظہر وہو مقید بما اذا لم یکذب ما قالوہ علما او ظنا (کذا فی المرقاۃ) وقال المناوی المأذون فیہ التحدیث بقصصہم والمنہی عنہ العمل بالاحکام لنسخہا (کذا فی السراج المنیر) ۱۲

وليعلموا أنّ الصحابة والتابعين رُبّما كانوا يذكرون قصصًا جزئية لمذاهب المشركين واليهود وعاداتهم من الجهالات لتتّضح تلك العقائد والعادات ويقولون نزلت الآية في كذا ويُريدون بذلك انها نزلت في هذا القبيل سواءٌ كان هذا او ما أشبهه او ما يُقارِبه ويقصدون اظهار تلك الصورة لا بخصوصها بل لأجل انّ التصوير صالح لتلك الامور الكلية ولهذا تختلف اقوالهم في كثير من المواضع وكل يجرّ الكلام الى جانب وفي الحقيقة المطالب متحدة والى هذه النكتة اشار ابو الدرداء رض حيث قال لا يكون احدٌ فقيهًا حتى يحمل الآية الواحدة على محامل متعددة

ترجمہ

یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ حضرات صحابہ وتابعین بعض اوقات مشرکین و یہود کے مذاہب اور ان کی جاہلانہ عادات کے مخصوص قصے اس لئے ذکر کرتے ہیں تاکہ وہ عقائد و عادات اچھی طرح واضح ہوجائیں اور کہہ دیتے ہیں نزلت الآیۃ فی کذا، اس سے انکی مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں آیت اسی طرح کے موقعہ پر نازل ہوئی عام ازیں کہ سبب نزول بعینہ وہی واقعہ ہو یا اس کے مانند یا اس کے قریب اور کوئی ہو' اس صورت خاص کے اظہار سے ان کا مقصد اس کی تخصیص کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ صرف یہ بتانا ہوتا ہے کہ یہ صورت ان امور کلیہ کے لئے ایک اچھی تصویر ہے۔ اسی لئے بہت سے مواضع میں ان کے اقوال باہم مختلف اور اپنی اپنی طرف کھینچے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں سب کا مطلب ایک ہی ہوتا ہے، حضرت ابوالدرداء رض نے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کوئی شخص فقیہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس میں ایک آیت کو متعدد معانی پر حمل کرنے کا ملکہ پیدا نہ ہوجائے۔

تشریح

قولہ حتی یحمل الخ علامہ زرکشی نے برہان میں کہاہے کہ بعض علماء نے اس بات کو قرآن کا معجزہ قرار دیا ہے کہ اس کا ایک ایک کلمہ بیس یا کم وبیش وجوہ پر دائر ہے اور یہ بات انسان کے کلام میں پائی نہیں جاتی مقاتل نے اپنی کتاب کے آغاز میں یہ حدیث ذکر کی ہے" لایکون احدٌ اھ "جس کا مطلب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ شخص ایک لفظ کو متعدد معانی کا محتمل دیکھے اور لفظ کو ان پر وارد کرے بشرطیکہ وہ معانی باہم متضاد نہ ہوں' بعض نے کہا ہے کہ اس حدیث کی مراد اشارات باطنی کا بھی استعمال کرنا نہ یہ کہ صرف ظاہری تفسیر پر اکتفا کرنا۔

لہ اخرجہ ابن سعد موقوفًا بلفظ "لایفقہ الرجل کل الفقہ" وابن عساکر فی تاریخہ بلفظ "انک لن تفقہ کل الفقہ حتی تری للقرآن وجوہًا" وذکرہ مقاتل مرفوعًا بلفظ "لایکون الرجل فقیہًا کل الفقہ حتی یریٰ للقرآن وجوہًا کثیرۃ" ۱۲

وعلی ھذا الأسلوب کثیرًا ما یُذکر فی القرآن العظیم صورتان صورۃ سعید یُذکر فیھا بعضُ اوصافِ السعادۃِ وصورۃ شقیٍّ یُذکر فیھا بعضُ اوصافِ الشقاوۃ ویکون الغرضُ من ذلك بیان احکامِ تلك الاوصافِ والاعمالِ لا التعریفِ بشخصٍ معیّنٍ کما قال سبحانہ "وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسَانًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ کُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ کُرْهًا" ثم ذکر صورتَین صورۃ سعیدٍ وصورۃ شقیٍّ

ترجمہ :۔ اسی اسلوب پر بکثرت بیان ہوتی ہیں قرآن عظیم میں دو صورتیں ایک سعید کی جسکے ذیل میں بعض اوصاف سعادت ذکر کیے جاتے ہیں اور ایک شقی کی جس کے تحت میں بعض اوصاف شقاوت مذکور ہوتے ہیں اور اس سے غرض صرف ان اوصاف واعمال ہی کے احکام کا بیان کرنا ہوتا ہے کسی خاص شخص کی جانب تعریض نہیں ہوتی چنانچہ ارشادِ باری ہے" اور ہم نے حکم کر دیا انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی کا، پیٹ میں رکھا اسکو اس کی ماں نے تکلیف سے اور جنا اسکو تکلیف سے" اس کے بعد شقی اور سعید کی دو صورتیں ذکر فرمائیں۔

تشریح

قولہ بوالدیہ الخ حدیث میں ماں کی خدمت گذاری کا تین مرتبہ حکم فرما کر باپ کی خدمتگذاری کا ایک مرتبہ حکم فرمایا ہے، لطف یہ ہے کہ آیۂ ہٰذا میں والد کا ذکر صرف ایک مرتبہ لفظ والدیہ میں ہوا اور والدہ کا تین مرتبہ ذکر آیا لفظ "والدیہ" میں پھر "حملتہ امہ" میں پھر "وضعتہ" میں۔ (فوائد)

قولہ ثم ذکر صورتین الخ اور وہ یہ ہیں :۔

حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔

یہاں تک کہ جب پہنچا اپنی قوت کو اور پہنچ گیا چالیس برس کو کہنے لگا اے رب میرے میری قسمت میں کر کہ شکر کروں تیرے احسان کا جو تو نے مجھ پر کیا اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں نیک کام جس سے تو راضی ہو اور مجھ کو دے نیک اولاد میری میں نے توبہ کی تیری طرف اور میں ہوں حکم بردار ۔

یعنی سعادتمند آدمی ایسا ہوتا ہے جو احسانات کا شکر اور نیک عمل کرنے کی توفیق خدا سے چاہے۔

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّکُمَآ اَتَعِدٰنِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ

اور جس نے کہا اپنے ماں باپ کو میں بیزار ہوں تم سے کیا وعدہ دیتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا قبر سے اور گذر چکی ہیں بہت جماعتیں مجھ سے پہلے اور وہ دونوں فریاد کرتے ہیں اللہ سے کہ اے خرابی تیری تو ایمان لے آبیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے پھر کہتا ہے یہ سب کہانیاں ہیں پہلوں کی۔

یہ بے ادب، نافرمان اور نالائق اولاد کا ذکر ہے کہ والدین اسکو ایمان کی بات سمجھاتے ہیں وہ نہیں سمجھتا اور نہایت گستاخانہ خطاب کرکے ایذا پہنچاتا ہے۔

ومثلُ ذلک قولہ تعالیٰ "وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ وَ قِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا خَيْرًا" وعلیٰ مثلِ ھذا تحمل قولہ تعٰ "وَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً" وقولہ تعالیٰ "هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا" الآیۃ وقولہ تعالیٰ "قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ" وقولہ تعالیٰ "وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَهِينٍ" ولا یلزم فی ھذہ الصورۃ ان توجدَ تلک الخصوصیاتُ بعینِھا فی شخصٍ کما لا یلزم فی قولہ تعالیٰ "كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ" ان توجد حبّۃٌ بھذہ الصفۃ انما المقصودُ تصویرُ زیادۃِ الاجرِ لا غیرُ فان وُجدت صورۃٌ توافقُ المذکورَ فی اکثرِ الخصوصیاتِ او کلِّھا کان من قبیلِ لزومِ مالا یلزم

ترجمہ

اسی کے مثل ہے قول باری "اور جب کہا جائے ان سے کہ کیا اُتارا ہے تمہارے رب نے تو کہیں کہانیاں ہیں پہلوں کی" اور کہا گیا پرہیزگاروں کو کیا اتارا تمہارے رب نے بولے نیک بات" اور اسی پر محمول کرنا چاہئے قول باری" اور بتلائی اللہ نے ایک مثال، ایک بستی تھی چین امن سے" اور قول باری "وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان سے اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا تاکہ اس کے پاس آرام پکڑے۔ پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا" اور قول باری "کام نکال لیا ایمان والوں نے جو اپنی نماز میں جھکنے والے ہیں" اور قول باری "اور تو کہا مت مان کسی قسمیں کھانے والے بیقدر کا" اور اس صورت میں یہ بات کچھ ضروری نہیں کہ بعینہ وہ خصوصیات کسی فرد میں پائی بھی جاتی ہوں جیسے قول باری" جیسے ایک دانہ اس سے اُگیں سات بالیں ہر بال میں سو سو دانے" میں لازم نہیں آتا کہ اس صفت کا کوئی دانہ پایا بھی جائے یہاں تو صرف کثرتِ اجر کی تصویر مقصود ہے اگر کوئی صورت پائی بھی جائے جو مذکور کے موافق ہو اکثر یا تمام خصوصیات میں تو وہ "لزوم مالا یلزم" کے قبیل سے ہوگی۔

تشریح

قولہ وضرب اللہ الخ تفسیر کواشی وغیرہ میں ہے کہ آیت میں قریہ سے مراد قریہ ایلہ ہے جو بلخ اور مصر کے درمیان ہے اس کے باشندے نہایت آرمیدہ و آسودہ تھے مگر وہ کفرانِ نعمت میں مبتلا ہوئے یہاں تک کہ روٹی سے استنجا کرنے لگے، بعض علماء کے نزدیک بستی سے مراد مکہ معظمہ ہے (جیسا کہ حضرت ابن عباس رض سے مروی ہے) جہاں ہر قسم کا امن چین تھا اور باوجود وادی غیر ذی زرع ہونے کے طرح طرح کے پھل

---

[1] نحل ۲۴ [2] نحل ۳۰ [3] نحل ۱۱۲ [4] اعراف ۱۸۹ [5] مؤمنون ۱-۲ [6] قلم ۱۰ [7] بقرہ ۲۶۱

اور میوے کھنچے چلے آتے تھے۔ اہل مکہ نے ان نعمتوں کی کچھ قدر نہ جانی، شرک و عصیان، بے حیائی اور اوہام پرستی میں منہمک ہو گئے، لیکن شاہ صاحب اور دیگر مفسرین کہتے ہیں کہ ان آیات میں کسی معین بستی کا تذکرہ نہیں معض بطور تمثیل کسی تباہ شدہ بستی کا لاعلی التعیین حوالہ دیکر کفار مکہ کو آگاہ کیا گیا ہے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو تمھارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہو سکتا ہے۔

قولہ ہوالذی خلقکم الخ اکثر سلف سے یہی منقول ہے کہ ان آیات میں صرف آدم و حواء کا قصہ بیان فرمایا ہے لیکن حضرت حسن بصری وغیرہ کی رائے کے موافق خاص آدم و حواء کا نہیں بلکہ عام انسانوں کی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے شاہ صاحب کی رائے بھی یہی ہے، اور آدم و حواء کی طرف بچہ کا نام عبدالحارث رکھنے کی نسبت حدیث مرفوع جو ترمذی میں ہے حافظ عماد الدین ابن کثیر نے بتلایا ہے کہ وہ تین وجہ سے معلول ہے۔ رہے آثار وہ غالباً اہل کتاب کی روایات سے ماخوذ ہیں (فوائد بحذف و تغیر)

قولہ ولا تطع الخ سورۂ القلم کی ان چار پانچ آیتوں میں چند اوصاف مذکور ہیں، بہت قسمیں کھانے والا۔ بے قدر۔ طعنے دینے والا۔ چغل خور، بھلے کام سے روکنے والا۔ حد سے بڑھنے والا، بڑا گنہگار۔ اُجڈ۔ بدنام کہتے ہیں کہ قریش کا ایک سردار ولید بن مغیرہ تھا اس میں یہ سب اوصاف مجتمع تھے۔ لیکن حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "یہ سب کافر کے وصف ہیں۔ آدمی اپنے اندر دیکھے اور یہ خصلتیں چھوڑے۔

قولہ انما المقصود الخ یعنی آیت "کمثل حبۃ الخ" جو تمثیل ہے اس میں صرف کثرت اجر کی تصویر مقصود ہے کہ اللہ کی راہ میں تھوڑے مال کا بھی ثواب بہت ہے۔ سات سو، سات سو سے سات ہزار اور اس سے بھی زیادہ جیسا کہ حضرت عمران بن حصین رض کی مرفوع حدیث اس پر دال ہے۔

من ارسل بنفقۃ فی سبیل اللہ واقام فی بیتہ فلہ بکل درہم سبعمائۃ درہم یوم القیامۃ ومن غزا فی سبیل اللہ وانفق فی جہۃ ذلک فلہ بکل درہم سبعمائۃ الف درہم۔ ثم تلا ہذہ الآیۃ واللہ یضاعف لمن یشاء۔

جس نے خرچ بھیجا جہاد کیلئے اور خود بیٹھ رہا اپنے گھر تو اسکے لئے ہر درہم کے بدلے سات سو درہم ہوں گے قیامت کے روز۔ اور جو جہاد کرے اور اس میں خرچ بھی کرے تو اس کے لئے ہر درہم کے عوض سات لاکھ درہم ہونگے پھر آپنے یہ آیت پڑھی واللہ یضاعف لمن یشأ

نیز ابن مردویہ، ابو حاتم اور ابن حبان نے حضرت ابن عمر رض سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "مثل الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا رب زد امتی تو اسکے بعد یہ آیت نازل ہوئی "من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا۔ آپنے پھر عرض کیا رب زد امتی" تو حق تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "انما یوفی الصابرون اجرہم بغیر حساب۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وربما تدفع شبهةٌ ظاهرةُ الورودِ او يُجاب عن سوالٍ قريبِ الفهم بقصدِ ايضاحِ الكلامِ السابقِ لا لاجلِ سوالِ سائلٍ وقعَ فی ذلك العصرِ او شبهةٍ حدثت بالفعلِ وكثيراً ما يفعلُ الصحابةُ فی تقريرِ ذلك المقام سوالاً فيقررون المطلبَ فی صورةِ الجوابِ والسوالِ وان نظرنا بالتحقيقِ والتفحصِ فالكلُّ كلامٌ واحدٌ متسقٌ لايسع نزولُ بعضِه عقيبَ بعضٍ جملةٌ واحدةٌ منتظمةٌ ولايتأتى فكُّ القيودِ على قاعدةٍ وقد يذكرُ الصحابةُ تقدمًا وتأخرًا والمرادُ بذلك التقدمُ والتأخرُ الرُّتبی كما قال ابنُ عمرؓ فی اية وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ. هذا قبلَ ان تنزلَ الزكاةُ فلما نزلت جعلها اللهُ طُهرةً للاموالِ ومن المعلومِ انَّ سورةَ براءةٍ متأخرةٌ فی السُّوَرِ وهذه الآيةُ فی تضاعيفِ القصصِ المتأخرةِ وكانت فرضيةُ الزكاةِ متقدمةً بسنينَ ولكن مرادُ ابن عمر تقدمُ الاجمالِ رتبةً على التفصيلِ وبالجملة فشرطُ المفسرِ لايزيدُ على نوعينِ من هذه الانواعِ الاولُ قصصُ الغزواتِ وغيرِها مما وقعَ فی الآياتِ الايماءُ الى خصوصياتِها فمالم تُعلم تلك القصصُ لايتأتى فهمُ حقيقتِها والثانی فوائدُ بعضِ القيودِ وسببُ التشديدِ فی بعضِ المواضعِ مما يتوقفُ على معرفةِ حالِ النزولِ وهذا المبحثُ الاخيرُ فی الحقيقةِ فنٌّ من فنونِ التوجيه

توضیح اللغة

التفحص کھود کرید کرنا، متسق اتسق۔ الامر: مرتب ہونا، یسع سعۃ گنجائش ہونا، عقیب بعد، لایتأتی تأتیاً سہل و آسان ہونا، فک جدا کرنا، یکنزون (ض) کنزاً۔ المال: جمع کرنا، طہرۃ پاکی، سور جمع سورۃ، سنین جمع سنۃ بمعنی سال (حالت جری میں ہے) الایماء اشارہ، تشدد سختی۔ **ترجمہ،**

کبھی ظاہر الورود شبہ کو دور کیا جاتا یا کسی قریب الفہم سوال کا جواب محض کلام سابق کے ایضاح مطلب کے قصد سے دیا جاتا ہے نہ کسی ایسے سوال کی وجہ سے جو واقع ہوا ہو اس زمانہ میں یا کسی ایسے شبہ کی وجہ سے جو پیدا ہوا ہو بالفعل، اور بسا اوقات صحابہ ایسے مقام کی تقریر کرتے ہوئے کوئی سوال بطور خود تجویز کرتے اور مطلب کو سوال و جواب کی صورت میں بیان فرماتے ہیں اگر ہم بنظر تحقیق خوب چھان بین سے کام لیں تو یہ تمام کلام باہم مربوط و متصل معلوم ہوتا ہے جس میں قبلیت و بعدیت کی گنجائش نہیں۔

اور ایک ایسا منتظم جملہ نظر آتا ہے جس کی قیود کا تجزیہ کسی قاعدہ پر نہیں ہو سکتا، بعض اوقات صحابہ تقدم و تأخر ذکر کرتے ہیں جس سے مراد تقدم و تاخر باعتبار مرتبہ کے ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابن عمرؓ نے .... آیت، والذین اھ،، (اور جو لوگ گاڑھ رکھتے ہیں سونا اور چاندی)

کی بابت کہا ہے کہ یہ نزول زکوٰۃ سے پہلے ہے جب زکوۃ نازل ہوئی تو خدا وند تعالیٰ نے اس کو مالوں کے لئے پاکی بنایا، حالانکہ یہ معلوم ہے کہ سورۂ براۃ سب سورتوں سے بعد میں نازل ہوئی اور یہ آیت ان قصص میں ہے جو سب میں متاخر ہیں اور زکوۃ کی فرضیت سالہا سال پہلے ہو چکی ہے، لیکن ابن عمرؓ کی مراد یہ ہے کہ اجمال مرتبۃً تفصیل سے مقدم ہے، بالجملہ جو امور مفسر کیلئے شرط ہیں وہ ان دو نوعوں سے زیادہ نہیں ہیں

ایک غزوات وغیرہ کے قصے جن کی خصوصیات کی جانب مختلف آیتوں میں ایسی تعریضات ہیں کہ جب تک اُن واقعات کا علم نہ ہو اسوقت تک آیات کی حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی، دوسرے بعض قیود کے فوائد اور بعض مقامات میں تشدد کے ایسے اسباب جن کا علم کیفیت نزول کی معرفت پر موقوف ہوتا ہے

اور یہ بحث اخیر دراصل فنون توجیہ میں سے ایک فن ہے۔ تشریح:

قولہ تقصد ایضاح الکلام الخ اس کو ایک مثال سے سمجھو، امام بخاری نے کتاب التفسیر میں حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ آیت "کلو واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود" نازل ہوئی تو لوگوں نے یہ کیا کہ جب روزہ رکھنے کا ارادہ کرتے تو اپنے دونوں پاؤں میں سفید و سیاہ دو دھاگے باندھ لیتے اور جب تک وہ صاف طور پر ممتاز نظر نہ آتے کھاتے رہتے اس پر حق تعالیٰ نے لفظ "من الفجر" نازل فرمایا تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ خیط ابیض و خیط اسود سے مراد سواد لیل و بیاض نہار ہے۔

قولہ کما قال ابن عمرؓ الخ امام بخاری نے حدیث زہری میں خالد بن اسلم سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ "ہم حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ نکلے تو آپ نے فرمایا، ہذا قبل ان تنزل الزکوۃ فلما نزلت جعلہا اللہ طہرۃ للاموال"، کہ یہ آیت (والذین یکنزون الخ) نزول زکوۃ سے پہلے ہے جب زکوۃ نازل ہوئی تو حق تعالیٰ نے اس کو مالوں کے لئے پاکی بنایا، حالانکہ یہ معلوم ہے کہ آیت مذکورہ سورہ براءۃ کی ہے جو سب سورتوں سے بعد میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ امام بخاری نے حضرت براءؓ سے روایت کیا ہے، "آخر آیۃ نزلت (یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ) و آخر سورۃ نزلت براءۃ" حضرت عثمان رضؓ کی مشہور حدیث میں بھی یہی ہے کہ سورہ براءت سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے اور زکوۃ کی فرضیت سالہا سال پہلے ہو چکی تھی کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت سنہ۲ھ میں ہوئی ہے (اشار الیہ النووی فی باب السیر من الروضۃ) پس حضرت ابن عمرؓ کے قول مذکور میں حقیقی تقدم و تاخر مراد نہیں ہو سکتا بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ اجمال مرتبۃً تفصیل سے مقدم ہے

تو آیت محکمہ کی تفسیر آیت مفصلہ سے کی جائے گی اور معنی یہ ہونگے کہ، جو لوگ دولت اکٹھی کرتے ہیں اور خدا کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے یعنی زکوۃ کو اس کے طریقہ کے مطابق ادا نہیں کرتے ان کی سزا یہ ہے:۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

ومعنى التوجيهِ بيانُ وجهِ الكلامِ وحاصلُ هذه الكلمةِ انه قد تكون في آيةٍ من الآياتِ شبهةٌ ظاهرةٌ من استبعادِ صورةٍ هي مدلولُ الآيةِ او تناقضٍ بين الآيتَيْنِ او اشكالِ تصوّرِ مصداقِ الآيةِ على ذهنِ المبتدي اوخفاءِ فائدةِ قيدٍ من القيودِ عليه فاذا حلَّ المفسّرُ هذا الاشكالَ سُمّي ذلك الحلُّ توجيهًا كما في آيةِ "يَا أُخْتَ هٰرُوْنَ" فانهم سُئِلوا عما استشكلوه من انه كان بين موسى وعيسى عليهما السلام مدة كثيرة فكيف يكون هارون اخا مريم كأنَّ السائلَ أضمرَ في خاطره انّ هارون هذا هو هارون اخو موسى فأجابَ عنه صلى الله عليه وسلم بان بني اسرائيل كانوا يسمّون بأسماءِ الصالحين من السلفِ وكما سألوا كيف يمشي الانسانُ يومَ الحشرِ على وجهه فقال إنّ الذي أمشاه في الدنيا على رِجليْهِ لقادرٌ ان يمشيه على وجههِ

ترجمہ

اور توجیہ کے معنی ہیں صورت کلام کا بیان اور اس کلمہ کا حاصل یہ ہے کہ کبھی کسی آیت میں شبہ ظاہرہ ہوتا ہے اس صورت کے استبعاد کی وجہ سے جو مدلول آیت ہے یا دو آیتوں کے باہمی تناقض یا ذہن مبتدی پر تصور مصداق آیت کے دشوار ہونے یا کسی قید کے فائدہ کے مخفی ہونے کی وجہ سے پس جب مفسر اس اشکال کو حل کرتا ہے تو اس کا نام توجیہ رکھا جاتا ہے جیسے آیت ،، یا اخت ہارون ،، میں ان سے سوال کیا گیا اس کی بابت جو انہیں اشکال ہوا تھا کہ حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے درمیان طویل مدت ہے تو ہارون مریم کے بھائی کیسے ہو سکتے ہیں گویا سائل نے اپنے ذہن میں یہ ٹھہرا لیا تھا کہ یہ ہارون وہی حضرت موسیٰؑ کے بھائی ہیں اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ بنی اسرائیل سلف صالحین کے ناموں پر نام رکھتے تھے، اور جیسے انہوں نے سوال کیا کہ محشر میں آدمی منھ کے بل کس طرح چلیں گے؟ آپ نے فرمایا: جس نے دنیا میں انسان کو پاؤں کے بل چلایا وہ اس پر قادر ہے کہ اس کو منھ کے بل چلا دے:۔

تشریح:

قولہ، ومعنی التوجیہ الخ توجیہ کی جو تعریف حضرت شاہ صاحب نے ذکر کی ہے (اور ترجمہ سے ظاہر ہے) وہی صحیح ہے، علامہ زرکشی نے برہان میں اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ کلام میں ایسا لفظ استعمال کیا جائے جو دو معنی کا محتمل ہو جیسے حضرت موسیٰؑ کی بہن کی حکایت کرتے ہوئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے،، هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ ،، (کیا میں بتلاؤں تم کو ایک گھر والے کہ اس کو پال دیں تمہارے لئے اور وہ اس کا بھلا چاہنے والے ہیں) کہ اس میں ،، لہ ،، کی ضمیر حضرت موسیٰؑ اور فرعون دونوں کی طرف لوٹنے کا احتمال ہے، ابن جریج کہتے ہیں کہ جب فرعون کے گھر والوں نے کہا: انک عرفتہ، تو حضرت موسیٰ کی بہن اسی احتمال مذکور کی وجہ سے یہ کہہ کر بچ گئیں ،، اردت ناصحون للملک ،، اس کی نظیر ابن الجوزی کا جواب ہے، کسی نے ان سے پوچھا: حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ابوبکر افضل تھے یا علی؟ انہوں نے جواب دیا .... من کانت ابنتہ

تحتہ" پس وہ ابنتہ اور تحتہ کی ضمیر کے چکر میں پڑ گیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ ...... حضرت علیؓ کے نکاح میں تھیں اور حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں لیکن توجیہ کے یہ معنی غیر مناسب بلکہ معنی توریہ کے قریب ہیں صحیح تعریف وہی ہے جو حضرت شاہ صاحب نے ذکر کی ہے:۔

قولہ کمانی آیۃ یا اخت ہارون الخ یہاں سے بطریق لف ونشر غیر مرتب توجیہ کی امثلہ بیان کر رہے ہیں، ...

"یا اخت ہارون" اشکال تصور مصداق آیت کی مثال ہے، امام احمد، مسلم، ترمذی، نسائی نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کیا ہے کہ مجھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نجران کی طرف بھیجا۔ وہاں لوگوں نے مجھ سے کہا: کیا تم نہیں پڑھتے "یا اخت ہارون" حالانکہ حضرت موسیٰ وعیسیٰ کے درمیان ایک طویل مدت کا فاصلہ ہے، میں نے واپس ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا آپ نے فرمایا: تو نے ان کو کیوں نہیں بتلادیا کہ بنی اسرائیل انبیاء وصالحین کے ناموں پر نام رکھتے تھے۔ حاصل یہ کہ حضرت مریم کے بھائی کا نام بھی ہارون تھا جو ایک مرد صالح تھا، حافظ قتادہ کہتے ہیں، ہم کو معلوم ہوا ہے کہ جس روز اس شخص کا انتقال ہوا تو اس کے جنازہ میں چالیس ہزار بنی اسرائیل نے شرکت کی جن میں سے ہر ایک کا نام ہارون تھا۔

قولہ وکما سألوا الخ اس صورت کے استبعاد کی مثال ہے جو مدلول آیت ہے، سورۂ بنی اسرائیل میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا	اور اٹھائیں گے ہم ان کو قیامت کے دن چلیں گے منہ کے بل اندھے اور بہرے اور گونگے

شیخین اور امام احمد نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے

قیل یارسول اللہ! کیف یحشر الناس علی وجوھھم؟ قال الذی امشاھم علی ارجلھم قادر علی ان یمشیھم علی وجوھھم	صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! منہ کے بل کس طرح چلیں گے؟ فرمایا جس نے آدمی کو پاؤں کے بل چلایا وہ قادر ہے اس پر کہ منہ کے بل چلادے

(فائدہ) یہ قیامت کے بعض مواطن میں ہوگا کہ کافر منہ کے بل اندھے گونگے کر کے چلائے جائیں گے ... باقی فرشتوں کا جہنمیوں کو منہ کے بل گھسیٹنا سو وہ دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ہوگا جس کا ذکر ... سورۂ القمر کی اس آیت میں ہے

يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ	جس دن گھسیٹے جائیں گے آگ میں اوندھے منہ چکھو مزہ آگ کا

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وكما سألوا ابنَ عباسٍ رضی اللہ عنہ عن وجه التطبيق بين قوله تعالىٰ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَاءَلُونَ" وبين آيةٍ اُخرىٰ "وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَاءَلُونَ" فقال رضی اللہ عنہ عدمُ التساؤلِ يومَ الحشرِ والتساؤلُ بعدَ دخولِ الجنة وسألوا عائشةَ رضی اللہ عنہا فقالوا ان كان السعيُ بين الصفا والمروة واجباً فما وجهُ "لاجُنَاحَ" فاجابتْ رضی اللہ عنہا بان قوماً كانوا يَتجنّبُونَه وبهذا السبب قال عزوجل لاجُناحَ وعمرُ رضی اللہ عنہ سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن قيدِ "إنْ خِفْتُمْ" ما معناه فقال صلی اللہ علیہ وسلم صَدَقةٌ تَصَدَّقَ اللهُ بها يعنی لايكون عند الكرماءِ فی الصدقة مضايقةٌ فلو يذكرِ اللهُ سبحانه وتعالىٰ هذا القيدَ للمضايقةِ بل القيدُ اتفاقیٌ وامثلةُ التوجيه كثيرةٌ والمقصودُ التنبيهُ على معناها ومما يناسب عندی ان أذكرَ فی الباب الخامس ما نقلَ البخاری والترمذی والحاكمُ فی تفاسيرهم من اسباب النزول وتوجيهِ المشكل بسندٍ جيّدٍ الى الصحابة او الى حضرته صلی اللہ علیہ وسلم بطريقِ التنقيحِ والاختصارِ لفائدتين الاولىٰ ان حفظَ هذا القدرِ من الآثار لابُدَّ منه للمفسر كما لابد مما ذكرناه من شرح غريب القرآنِ وَالاُخرىٰ ان يعلم ان اكثرَ اسباب النزولِ لامَدخلَ لها فی فهمِ معانی الآياتِ اللّٰهم الّا شیءٌ قليل من القصص يذكر فی هذه التفاسيرِ الثلاثةِ التی هی اصحُّ التفاسير عند المحدثين

توضیح اللغۃ

نفخ (ن) نفخاً منھ سے پھونک مارنا، صور نرسنگھا، انساب جمع نسب رشتہ داری، یتساءلون تساءلاً ایک دوسرے سے پوچھنا، جناح حرج گناہ، یجتنبونہ تجنباً دور رہنا، کرماء جمع کریم، مضایقۃ تنگی

ترجمہ: اور جیسے دریافت کی ابن عباسؓ سے تطبیق کی صورت قول باری، ،پھر جب پھونک ماریں صور میں تو نہ قرابتیں ہیں ان میں اس دن اور نہ ایک دوسرے کو پوچھے،، اور دوسری آیت ،،منہ کیا بعضوں نے بعضوں کی طرف لگے پوچھنے،، کے درمیان تو انہوں نے جواب دیا کہ عدم سوال میدان حشر میں ہوگا۔

اور سوال جنت میں جانیکے بعد، اور سوال کیا حضرت عائشہؓ سے کہ اگر صفا و مروہ کے درمیان سعی واجب ہے تو لفظ لاجناح کا کیا مطلب؟ انہوں نے جواب دیا کہ کچھ لوگ اس سے پرہیز کرتے تھے اس لئے حق تعالیٰ نے لاجناح فرمایا، حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ،، ان خفتم ،، قید کے کیا معنی ـــــ؟

عه متعلق بنقل ۱۲ اللہ ه متعلق باذکر ۱۲ مه مفعول لہ لاذکر ۱۲ للعه ای فی فتح الخبیر ۱۲ مه ای فی تفاسیر البخاری والترمذی والحاکم ۱۲ عون

..... فرمایا کہ یہ انعام ہے جو اللہ نے دیا ہے یعنی کریموں کے یہاں انعام میں تنگی نہیں ہوتی پس حق تعالیٰ نے یہ قید تنگی کے لئے ذکر نہیں کی بلکہ یہ قید اتفاقی ہے، توجیہ کی مثالیں بکثرت ہیں اور مقصود صرف اس کے معنی پر تنبیہ کرنا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جن اسباب نزول و توجیہات مشکل کو بخاری و ترمذی اور حاکم نے اپنی اپنی تفاسیر میں صحابہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد صحیحہ سے نقل کیا ہے میں بھی ان کو بطور تنقیح و اختصار باب پنجم میں دو فائدوں کی غرض سے ذکر کردوں اول یہ کہ اتنے آثار کا حفظ کرنا مفسر کے لئے ضروری ہے جیسے غرائب قرآن کی وہ شرح ضروری ہے جو ہم نے ذکر کی ہے دوم یہ معلوم ہو جائے کہ اکثر اسباب نزول کو آیات کے معانی دریافت کرنے میں کوئی دخل نہیں بجز ان چند قصوں کے جن کا ذکر ان تینوں تفسیروں میں ہے جو محدثین کے نزدیک صحیح ترین ہیں۔ تشریح:

قولہ من وجہ التطبیق الخ تناقض بین الآیتین کی مثال ہے کیونکہ پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے بیزار ہونگے کوئی کسی کی بات نہ پوچھے گا اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں مختلف اوقات میں ہونگی لہذا تناقض نہیں ہے۔

قولہ وسألوا عائشۃ رض الخ ذہن مبتدی پر فائدہ قید کے خفاء کی مثال ہے، امام مسلم، احمد، ابوداؤد وغیرہ نے حضرت عروہ بن الزبیر رض سے روایت کیا ہے کہ، میں نے حضرت عائشہ رض سے کہا: میرا خیال ہے کہ اگر کوئی صفا و مروہ کا طواف نہ کرے تو کوئی قباحت نہیں، حضرت عائشہ رض نے پوچھا: کیوں؟ میں نے کہا: اس لئے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فلا جناح علیہ ان یطوف بہما، فرمایا جو ان کا طواف نہ کرے اس کا حج اور عمرہ ہی تام نہ ہوگا، اگر یہی بات ہوتی تو یوں ہوتا، فلا جناح علیہ ان لا یطوف بہما، جانتے ہو یہ کس صورت میں نازل ہوئی ہے؟ یہ انصار کے حق میں اتری ہے جو حج کیا کرتے تھے دو بتوں کی تعظیم کے لئے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کو برا جانتے تھے: جب دین اسلام سے مشرف ہوئے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اسوقت یہ آیت نازل ہوئی کہ صفا و مروہ اللہ کی نشانیاں ہیں، یعنی ان کا طواف کرنا چاہیئے اس میں کوئی گناہ اور خرابی نہیں۔

قولہ وعمر رض سأل الخ ذہن مبتدی پر فائدہ قید کے خفاء کی دوسری مثال ہے، امام مسلم، امام احمد وغیرہ نے یعلی بن امیہ سے روایت کیا ہے کہ، میں نے حضرت عمر رض سے عرض کیا: حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم پر گناہ نہیں کہ کچھ کم کردو نماز میں سے اگر تمکو ڈر ہو کہ ستادیں گے تم کو کافر، اور اب لوگ امن چین سے ہیں، فرمایا مجھے بھی اس سے تعجب ہوا تھا جس سے تمہیں تعجب ہورہا ہے پس میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل و احسان ہے تو اس کو شکریہ کے ساتھ قبول کرو۔ حاصل یہ کہ، ان خفتم، قید احترازی نہیں اتفاقی ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاَمَّا اِفْرَاطُ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ وَالْوَاقِدِیْ وَالْکَلْبِیْ وَمَا ذَکَرُوْا تَحْتَ کُلِّ اٰیَۃٍ مِنْ قِصَّۃٍ فَاَکْثَرُہٗ غَیْرُ صَحِیْحٍ عِنْدَ الْمُحَدِّثِیْنَ وَفِیْ اِسْنَادِہٖ نَظْرٌ وَمِنَ الْخَطَاءِ الْبَیِّنِ اَنْ یُّعَدَّ ذٰلِکَ مِنْ شُرُوْطِ التَّفْسِیْرِ وَالَّذِیْ یَرٰی اَنَّ تَدَبُّرَ کِتَابِ اللّٰہِ مَوْقُوْفٌ عَلٰی حِفْظِہٖ فَقَدْ فَاتَ حَظُّہٗ مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ

ترجمہ:۔

رہا محمد بن اسحاق اور واقدی و کلبی کا افراط اور جو انہوں نے ذکر کیا ہے ہر آیت کے تحت میں قصہ سو اس کا اکثر حصہ صحیح نہیں محدثین کے نزدیک اور اس کے اسناد میں نظر ہے اور صریح غلطی ہے ان کے اس افراط کو علم تفسیر کے لئے شرط سمجھنا اور جو یہ سمجھتا ہے کہ فہم کتاب اللہ اس پر موقوف ہے تو اس کا حصہ کتاب اللہ سے فوت ہو چکا اور نہیں ہے توفیق مگر اللہ کی مدد سے اسی پر میرا بھروسہ ہے اور وہی مالک ہے عرش عظیم کا۔

تشریح:

قولہ محمد بن اسحاق الخ ابن یسار المطلبی المدنی، قدیم مورخین عرب میں سے ہے اور مغازی و سیر میں ایک مقام رکھتا ہے، مذہباً قدری تھا، اس نے منصور عباسی کے لئے ،، السیرۃ النبویہ ،، کتاب لکھی ہے جس کو ابن ہشام نے روایت کیا ہے اور یہ کتاب آج بھی موجود ہے، مورخین کا دعویٰ ہے کہ یہ فن تاریخ کی پہلی کتاب ہے لیکن صحیح ہے کہ اس سے پہلے موسیٰ بن عقبہ متوفی ۱۴۱ھ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی قلمبند کئے تھے۔ ذہبی نے میزان میں لکھا ہے کہ، میرے نزدیک اس کا گناہ نہیں بجز اس کے کہ اس نے سیرت میں اشیاء منکرہ منقطعہ اور جھوٹی باتیں بھر دیں، توفی ۱۵۱ھ:۔

قولہ الواقدی الخ محمد بن عمر واقد السہمی الاسلمی المدنی، قدیم و مشہور اسلامی مورخ ہے ۱۳۰ھ میں مدینہ میں پیدا ہوا پھر عراق کی طرف منتقل ہو گیا جہاں ایک عرصہ تک قاضی رہا اور ۲۰۷ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ اس کی ایک کتاب ،، المغازی النبویہ ،، ہے جس کو اس کے کاتب محمد بن سعد صاحب طبقات کبریٰ نے روایت کیا ہے اور ایک ،، کتاب التفسیر،، بھی ہے، اس کو امام بخاری نے متروک اور امام احمد نے کذاب کہا ہے۔

قولہ الکلبی الخ محمد بن السائب بن بشر بن عمرو الکلبی الکوفی متوفی ۱۴۶ھ واقف النساب، عالم التفسیر اور ماہر اخبار و ایام عرب ہے، اس کی تفسیر سے زیادہ طویل اور پر از تفصیل کسی دوسرے مفسر کی نہیں پائی جاتی، .... امام نسائی اور ابن عدی کہتے ہیں کہ اس سے ثقات نے روایت کی ہے اور تفسیر میں اس کو پسند کیا ہے۔ لیکن اس کی حدیث میں منکرات ہیں، ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس کی حدیث کے ترک پر لوگوں کا اجماع ہے اور ایک جماعت نے اس کو وضع حدیث کے ساتھ متہم کیا ہے، حافظ سیوطی .... کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس ؓ سے تفسیر کا سب سے بودا اور بجز طریق طریق کلبی ہے۔

فصلٌ فی بقیۃ مباحث الباب

حذفُ بعضِ الاجزاءِ او ادواتِ الکلامِ ممایوجب الخفاءَ وکذلک اِبدالُ الشیٔ بشیٔ وتقدیمُ ما حقہ التاخیرُ وتاخیرُ ماحقہ التقدیمُ او استعمالُ المتشابہاتِ والتعریضاتِ والکنایاتِ خصوصًا تصویرُ المعنی المرادِ بصورۃٍ محسوسۃٍ لذلک المعنی فی العادۃِ والاستعارۃِ المکنیۃِ والمجازِ العقلی فلنذکرْ شیئًا من ھذہ الامثلۃِ بطریق الاختصارِ لتکونَ علی بصیرۃٍ

ترجمہ

فصل (چہارم) اس باب کے باقی مباحث کے بیان میں بعض اجزاء جملہ یا حروف کلام کا حذف کرنا موجب خفاء ہوتا ہے اسی طرح ایک شی کو دوسری شی سے بدلنا اور مستحق تاخیر کی تقدیم اور مستحق تقدیم کی تاخیر اور متشابہات، تعریضات، کنایات کا استعمال علی الخصوص معنی مقصود کی تصویر ایسی محسوس صورت کے ذریعہ سے جو عادۃً اس معنی کے لئے لازم ہو۔ اور استعارہ مکنیہ اور مجاز عقلی کا استعمال، ہم مختصر طور پر کچھ امثلہ ذکر کرتے ہیں تاکہ بصیرت حاصل ہو: **تشریح**۔

قولہ فصل الخ اس فصل میں حذف اجزاء وادوات کلام کا بیان ہے اور فصل پنجم میں محکم ومتشابہ تعریض وکنایہ اور استعارہ مکنیہ ومجاز عقلی کی تعریف آرہی ہے ہر ایک کی تشریح انشاء اللہ موقع بموقع کی جائے گی،

یہاں یہ معلوم ہو جانا چاہیئے کہ حذف سے جہاں خفاء آتا ہے وہیں اس کے متعدد فوائد بھی ہیں (۱) محض اختصار واحتراز عن العبث جیسے الہلال واللہ۔ ای ہذا (۲) اس بات پر تنبیہ کرنا کہ وقت کی کمی کی وجہ سے محذوف کے ذکر کی مہلت نہیں یہی فائدہ تحذیر واغراء کا ہوتا ہے اور قول باری ،، ناقۃ اللہ وسقیاہا ،، میں دونوں جمع ہیں — کیونکہ ناقۃ اللہ تحذیر ہے جس میں ذروا مقدر ہے اور سقیاہا اغراء ہے جس میں الزموا مقدر ہے (۳)۔۔ حصول تخفیف کثرت استعمال کی وجہ سے جیسے ،، یوسف اعرض عن ہذا ،، میں حرف ندا کا ،، واللیل اذا یسر ،، میں یا کا حذف (۴) تعظیم جیسے ،، رب ارنی انظر الیک ،، ای ذاتک (۵) تحقیر جیسے ،، صم بکم ،، یعنی منافقین بہرے گونگے ہیں (۶) قصد عموم جیسے ،، واللہ یدعو الی دار السلام ،، ای کل انسان (۷) رعایت فاصلہ جیسے ...... ،، ما ودعک ربک وما قلی ،، ای وما قلاک۔

(تنبیہ) بلا دلیل حذف جائز نہیں کوئی دلیل ہونی چاہیئے، دلیل حالی ہو جیسے ،، قالوا اسلاما ،، ای سلمنا سلاما، یا دلیل مقالی ہو جیسے ،، ماذا انزل ربکم قالوا خیرا ،، ای انزل خیرا، یا دلیل عقلی ہو جو صرف حذف پر دال ہو جیسے ،، حرمت علیکم المیتۃ ،، ای اکلہا، یا حذف اور تعیین محذوف دونوں پر دال ہو جیسے ،، وجاء ربک ،، ای امر ربک ،، یا دلیل عادی ہو کہ لفظ کو بلا حذف اس کے ظاہر پر رہنے دینے سے عادت مانع ہو جیسے ،، ولو نعلم قتالا لاتبعناکم ،، ای مکان قتال۔

أمّا الحذف فعلى أقسام حذف المضاف والموصوف والمتعلق وغيرها كقوله تعالى "ولكنّ[1] البرّ من آمن" أي برّ من آمن "وآتينا[2] ثمود الناقة مبصرة" أي آية مبصرة لا أنها مبصرة غير عمياء "وأشربوا[3] في قلوبهم العجل" أي حب العجل "أقتلت نفسًا زكية بغير نفس" أي بغير قتل نفس "أو[4] فساد" أي بغير فساد "من[5] في السموات والأرض" أي من في السموات ومن في الأرض لا أنّ شيئًا واحدًا هو في السموات والأرض "ضعف[6] الحيوة وضعف الممات" أي ضعف عذاب الحياة وضعف عذاب الممات "واسأل[7] القرية" أي أهل القرية "بدّلوا[8] نعمة الله كفرًا" أي فعلوا مكان شكر نعمة الله كفرًا "يهدي للتي[9] هي أقوم" أي للخصلة التي هي أقوم "بالتي[10] هي أحسن" أي بالخصلة التي هي أحسن "سبقت[11] لهم منا الحسنى" أي الكلمة الحسنى والعدة الحسنى "على[12] ملك سليمان" أي على عهد ملك سليمان "وعدتنا[13] على رسلك" أي على ألسنة رسلك

ترجمہ

بہرحال حذف سو اس کی کئی قسمیں ہیں حذف مضاف، حذف موصوف، حذف متعلق وغیرہ جیسے قول باری "لیکن نیکی وہ ہے جو ایمان لائے" یعنی اس کی نیکی ہے جو ایمان لائے، "اور دی ہم نے ثمود کو اونٹنی بصیرت والی" یعنی بصیرت افروز نشانی، یہ مراد نہیں کہ وہ بینا تھی نہ کہ اندھی، "اور پلائے گئے وہ اپنے دلوں میں بچھڑا" یعنی بچھڑے کی محبت "کیا تو نے قتل کیا معصوم نفس کو بغیر نفس کے" یعنی بدون قتل نفس کے، "یا فساد کے" یعنی بغیر فساد کے، "وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہے" یعنی جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، یہ مطلب نہیں کہ شی واحد آسمانوں اور زمین میں ہے "دونا زندگی کا اور دونا موت کا" یعنی دونا عذاب زندگی کا اور دونا عذاب موت کا، "پوچھ لے بستی سے" یعنی بستی والوں سے "بدلا انہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے" یعنی کی انہوں نے اللہ کی نعمت کے شکر کے بجائے ناشکری "ہدایت کرتا ہے اس کی طرف جو سیدھی ہے" یعنی اس خصلت کی طرف جو سیدھی ہے "اس کے ساتھ جو احسن ہے" یعنی اس خصلت کیساتھ جو عمدہ ہے، "پہلے سے ٹھہر چکی ان کے لئے ہماری طرف سے نیکی" یعنی نیک کلمہ یا نیک وعدہ، "سلیمان کے ملک پر" یعنی سلیمان کی بادشاہت کے وقت، "وعدہ کیا ہے تو نے ہم سے اپنے رسولوں پر" یعنی اپنے رسولوں کی زبان پر۔

---

[1] ١٧٧-٢- بقرہ۔ اسمیں حذف مضاف ہے ١٢ [2] ٥٩-١٥- بنی اسرائیل۔ اس میں حذف موصوف ہے ١٢ [3] ٩٣-١- بقرہ۔ اس میں حذف مضاف ہے ١٢ [4] ٧٤-١٥- کہف۔ اسمیں حذف مضاف ہے ١٢ [5] ٣٢-٦- مائدہ۔ اس میں حذف مضاف ہے ١٢ [6] کئی جگہ آیا ہے اس میں حذف موصول ہے ١٢ [7] ٧٥-١٥- اسراء۔ اس میں حذف مضاف ہے ١٢ [8] ٨٢-١٣- یوسف۔ اسمیں حذف مضاف اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کرنا ہے ١٢ [9] ٢٨-١٣- ابراہیم۔ اس میں حذف مضاف و مضاف الیہ ہے ١٢ [10] ٩-١٥- اسراء اس میں حذف موصوف ہے ١٢ [11] نحل و حم السجدۃ۔ ایضاً ١٢ [12] ١٠١-١٧- انبیاء۔ ایضاً ١٢ [13] ١٠٢-١- بقرہ اس میں حذف مضاف ہے ١٢ [14] ١٩٤-٤- آل عمران۔ ایضاً ١٢

۱ "إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ" ای انزلنا القرآن وان لم یسبق له ذکر ۲ "حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ" ای توارت الشمس ۳ "وَمَا يُلَقَّاهَا" ای خصلة الصبر ۴ "وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ" فیمن قرأ بالنصب ای جعل منهم من عبد الطاغوت ۵ "فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا" ای جعل له نسبا وصهرا ۶ "وَاخْتَارَ مُوسٰى قَوْمَهُ" ای من قومه ۷ "أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ" ای کفروا نعمة ربهم او کفروا بربهم بنزع الخافض ۸ "تَفْتَؤُا" ای لا تفتؤ ومعناه لا تزال ۹ "مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى" ای یقولون مانعبدهم ۱۰ "إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ" ای الذین اتخذوا العجل الٰهًا ۱۱ "تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ" ای وعن الشمال ۱۲ "فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ۱۳ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ" ای تقولون انا لمغرمون ۱۴ "لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلٰئِكَةً" ای بدلا منکم ۱۵ "كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ" ای امض

ترجمہ

"ہم نے اس کو اتارا شب قدر میں" یعنی ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا، گو پہلے اس کا ذکر نہیں آیا "یہاں تک کہ چھپ گیا اوٹ میں" یعنی چھپ گیا سورج "اور نہیں حاصل کرتا اس کو" یعنی خصلت صبر کو "اور بندگی کی شیطان کی" جنہوں نے پڑھا ہے نصب کے ساتھ یعنی کر دیا ان میں سے بعض کو جنہوں نے بندگی کی شیطان کی "پھر ٹھہرایا اس کو نسب اور سسرال" یعنی ٹھہرایا اس کے لئے نسب اور سسرال "اور چن لیا موسیٰ نے اپنی قوم کو" یعنی اپنی قوم میں سے "سن لو عاد نے کفر کیا اپنے رب کا" یعنی ناشکری کی اپنے رب کی نعمت کی یا منکر ہوئے اپنے رب سے "تو چھوڑے گا" یعنی نہ چھوڑے گا "نہیں پوجتے ہم ان کو مگر اس لئے تاکہ قریب کر دیں ہم کو اللہ سے" یعنی وہ کہتے ہیں ہم نہیں پوجتے "البتہ جنہوں نے بنا لیا بچھڑے کو" یعنی جنہوں نے بنا لیا بچھڑے کو معبود "آتے تھے ہم پر داہنی طرف سے" یعنی اور بائیں طرف سے "پھر تم رہو باتیں بناتے ہم تو قرضدار رہ گئے" یعنی رہو کہتے کہ ہم تو قرضدار رہ گئے "اگر ہم چاہیں نکالیں تم میں سے فرشتے" یعنی تمہارے بدلے "جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے" یعنی کر گذر۔

۱ ۳۰۔ قدر۔ اس میں حذف مرجع ضمیر ہے۔ قال الزرکشی اضمر القرآن لان الانزال یدل علیہ ۱۲ ۲ ۲۳-۲۳۔ ص اس میں حذف فاعل ہے جسکو کسائی نے مطلقاً جائز رکھا ہے ۱۲ ۳ ۳۵-۲۴۔ حٰم السجدۃ۔ اسمیں حذف مرجع ضمیر ہے ۱۲ ۴ ۶۰-۶۔ مائدہ۔ اسمیں حذف موصول ہے جمہور نے اس کو باء کے فتحہ اور تاء کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے تو عبد فعل ماضی معروف ہے جس میں ضمیر مَن موصولہ کی طرف راجع ہے حمزہ کی قرأت بضم باء ہے جو طاغوت کی طرف مضاف ہے پس عَبُد عَبْد کی جمع ہے ۱۲ ۵ ۵۴-۱۹۔ فرقان۔ اسمیں حذف جار اور ایصال فعل الی المجرور ہے ۱۲ ۶ ۱۵۵-۹۔ اعراف۔ ایضاً ۱۲ ۷ ۶۰-۱۲۔ ہود۔ اس میں حذف مضاف یا حذف جار ہے ۱۲ ۸ ۸۵-۱۳۔ یوسف۔ اسمیں حرف لا محذوف ہے ۱۲ ۹ ۳-۲۳۔ الزمر۔ اس میں حذف قول ہے ۱۲ ۱۰ ۱۵۲-۹۔ اعراف۔ اس میں حذف مفعول ثانی ہے ۱۲ ۱۱ ۲۸-۲۳۔ الصّٰفّٰت۔ اسمیں حذف جزو جملہ ہے ۱۲ ۱۲ ۱۳ ۶۵-۲۷۔ واقعۃ۔ اسمیں حذف قول ہے ۱۲ ۱۴ ۶۰-۲۵۔ الزخرف۔ اس میں حذف مفعول ہے ۱۲ ۱۵ ۵-۹۔ انفال۔ اس میں حذف فعل ہے ۱۲

وليُعلمْ أنّ حذفَ خبرِ إنَّ او جزاءِ الشرطِ أو مفعولِ الفعلِ او مبتدأ الجملة وما اشبه ذلك مُطّرِدٌ في القرآن اذا كان فيما بعدُ دلالة على حذفهِ. فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ اى لوشاء هدايتكم لهداكم "الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ" اى هذا الحقُّ من ربك "لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا" اى لايستوى مَن أنفق من قبلِ الفتحِ ومَن أنفق من بعدِ الفتحِ بحذف الثانى لدلالة قوله "أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ" وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ" اى اذا قيل لهم اتقوا ما بين ايديكم وما خلفكم اعرضوا ــــــــ

ترجمہ: اور جاننا چاہیے کہ انّ کی خبر، جزا شرط، مفعول فعل اور مبتدا جملہ وغیرہ کا حذف قرآن میں عام طور پر شائع ہے جبکہ مابعد میں ان کے حذف پر دلالت ہو، سو اگر وہ چاہتا تو ہدایت کر دیتا تم سب کو، یعنی اگر تمہاری ہدایت چاہتا تو تمہیں ہدایت کر دیتا، حق تیرے رب کی طرف سے، یعنی یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے، برابر نہیں تم میں جس نے خرچ کیا فتح سے پہلے اور لڑائی کی ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان سے جو کہ خرچ کریں اس کے بعد اور لڑائی کریں، یعنی برابر نہیں وہ جس نے خرچ کیا فتح سے پہلے اور جس نے خرچ کیا فتح کے بعد، پس ثانی کو حذف کر دیا۔

کیونکہ قول باری، اُولٰئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً اہ، اس پر دال ہے، اور جب کہتے ان سے بچو اس سے جو تمہارے سامنے آتا ہے اور پیچھے چھوڑتے ہو شاید تم پر رحم ہو، اور کوئی حکم نہیں پہنچتا ان کو اپنے رب کے حکموں سے جسکو وہ ٹال نہیں جاتے، یعنی جب کہتے ان کو بچو اس سے جو تمہارے سامنے آتا ہے اور جو پیچھے چھوڑتے ہو تو وہ اس سے اعراض کرتے ہیں۔ **تشریح**

قولہ لوشاء ہدایتکم الخ فعل مشیت کے مفعول کو عموماً حذف ہی کرتے ہیں جس کی علت بقول تنوخی یہ ہے کہ مشیئۃ اور شیٔ کا مادہ ایک ہی ہے مشیئۃ کے معنی ہیں جعل الیس بشیٔ شیئاً پس مشیت کا معمول مشیت سے متأثر نہ ہوگا اور شیٔ کو کے بعد نفی ہوتی ہے لاستغنائہ فی الجواب پس انتفاء شیٔ کے لئے انتفاء مشیت لازم ہے گویا انتفاء شیٔ بالوضع ہوتا ہے اور انتفاء مشیت باللزوم اس لئے مفعول کو حذف کر دیتے ہیں تاکہ استفادہ مشیت کی طرف راجع ہو جائے فیکون انتفاء مفعولہا تابعًا لہا ــــــــ

لہ ۱۴۹ ـ ۸ الانعام۔ اس میں حذف مفعول ہے ۱۲ سلہ ۱۴۷ ـ ۲ ـ بقرہ۔ اس میں حذف مبتدا ہے ۱۲ سلہ ۱۰ ـ ۲ ـ الحدید اس میں حذف بعض جملہ یعنی حذف معطوف ہے جس کو حذف اکتفار کہتے ہیں ۱۲

سلہ ۴۵ ـ ۲۳ ـ یٰس ـ اس میں جزاء شرط محذوف ہے جس پر بعد والی آیت دال ہے ۱۲

وليُعلموا ايضًا انّ الاصل فی مثل "وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ، وَاِذْ قَالَ مُوسٰى" ان يكون اِذْ ظرفًا لفعلٍ من الافعال ولكنه نُقِل ههُنا لمعنى التهويل والتخويفِ فمثل ذلك مثل مَن يَذكر المواضعَ الهائلةَ او الوقائعَ الهائلةَ على سبيل التعدادِ من غيرِ تركيب جملةٍ ومن غير وقوعِها فی حَيّزِ الاعراب بل المقصودُ من ذكرِها ان ترتسمَ صورتُها فی ذهن المخاطَب ويَستولیَ من تلك الحادثةِ خوفٌ على ضميرہ فالتحقيقُ انه لايلزم فی مثل هذہ المواضع تفتيشُ العاملِ والله اعلم وليُعلموا ايضًا انّ حذفَ الجار من "اَنْ" المصدريةِ مطّردٌ فی كلام العرب والمعنى لأن او بأن اووقتَ ان وليُعلم ايضًا انّ الاصلَ فی مثل "وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ، وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ" ان يُحذَفَ جوابُ الشرط لكن صار هذا التركيبُ منقولاً لمعنى التعجب فلاحاجةَ الى تفتيشِ المحذوفِ والله اعلم

توضيح اللغة :-

تہویل گھبراہٹ میں ڈالنا، تخویف ڈرانا، ہائلہ خوفناک، وقائع جمع وقیعہ لڑائی، حیز جگہ، ترتسم پیوست ہو جائے یستولی استیلاء غالب ہونا، ضمیر دل، غمرات جمع غمرۃ سختی ۔ ترجمہ!

اور جاننا چاہیئے کہ اصل ،،واذ قال ربک،، واذ قال موسیٰ ،، جیسی ترکیبوں میں یہ ہے کہ ہو لفظ اذ ظرف کسی فعل کا لیکن یہاں اس کو گھبرا دینے اور ڈرانے کے معنی کیلئے نقل کر لیا گیا پس یہ ایسے ہے جیسے کوئی خوفناک مواضع اور دہشت ناک واقعات کو بطریق تعداد ذکر کرے جملہ کی ترکیب اور اس کے حیز اعراب میں وقوع کے بغیر کیونکہ ان کے ذکر سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کی صورت ذہن سامع میں اچھی طرح جم جائے۔ اور اس حادثہ کے ذریعہ اس کے قلب پر ایک گہرا خوف چھا جائے پس تحقیق یہ ہے کہ ایسے مقامات میں عامل کی جستجو ضروری نہیں واللہ اعلم، اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ اَنْ مصدریہ کے شروع سے جار کو حذف کرنا کلام عرب میں شائع ہے اس کے معنی لاَن، باَن، وقت اَن ہوتے ہیں، یہ بھی جاننا چاہیئے کہ ،،اگر تو دیکھے جس وقت کہ ظالم ہوں موت کی سختیوں میں، اگر دیکھ لیں یہ ظالم اس وقت کو جبکہ دیکھیں گے عذاب،، جیسے کلام میں اصل یہ ہے کہ جواب شرط کو حذف کر دیا جائے مگر یہ ترکیب معنی تعجب کے لئے منقول ہو گئی اس لئے محذوف کی تلاش کی حاجت نہیں واللہ اعلم۔ تشریح:۔

قولہ ان یحذف الخ یعنی لو اور لولا کے جواب میں اصل یہ ہے کہ اس کو حذف کر دیا جائے جس کی تقدیر لرأیت عجبًا، امرًا عظیمًا، لرأیت سوء منقلبہم، سوء حالہم وغیرہ ہوتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ دو جملوں کو آپس میں ربط دے کر جملہ واحدہ کی طرح کر دیتے ہیں جس سے کافی طول آجاتا ہے اس لئے حذف کے ذریعہ تخفیف کر دیتے ہیں

سلہ پ ۳۰-۱- البقرہ ۱۲ سلہ ۴ ۵ - ۱ - البقرہ ۱۲ سلہ ۹۳ - ۷ - انعام ۱۲ سلہ ۱۶۵ - ۲ - البقرہ ۱۲

أَمَّا الإِبْدَالُ فَانه تصرّفُ كثيرُ الفنون قد يُذكر فعلٌ مكانَ فعلٍ لاغراضٍ شتّىٰ وليس استقصاء تلك الاغراض من وظيفةِ هذا الكتاب "أَهٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ" اى يَسبُّ اٰلهتكم كان اصلُ الكلام اهذا الذى يسب ولكن كره ذكرُ السّبِّ فأبدل بالذكر ومن هذا القبيل ما يقال فى العرفِ عرض الشئ لاعداءِ فلانٍ والمرادُ لفلان ويقولون شرفنا بالمجئ عبيدُ الحضرة اوعبيدُ الجناب العالى مطّلعون على هذه المقدمة والمرادُ تشريفُ الجناب العالى واطلاعُ الجناب العالى "وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُونَ" اى منا لاينصرون لما كانت النصرةُ لا تتصوّر بدون الاجتماع والصحبةِ ذكر "يصحبون" بدله "ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اى خفيت لانَّ الشئَ اذا خفى علمهُ ثقلَ على اهل السماواتِ والارضِ "فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا" اى عفون لكم عن شئ عن طيبةٍ من نفوسهن

توضيح اللغة :-

شتّی جمع شتیت بمعنی متفرق، استقصار مسئلہ کی تہ کو پہونچا، آلہتہ جمع الٰہ معبود، یسبّ سبًا گالی دینا، سبّ گالی، اعدار جمع عدو دشمن، عبید جمع عبد، ثقلت ذک ثقلاً بھاری ہونا، طیبۃ خوشدلی: **ترجمہ :**

ابدال ایک کثیر الفنون تصرف کا نام ہے، کبھی ذکر کیا جاتا ہے ایک فعل دوسرے فعل کی جگہ مختلف اغراض کیلئے اور نہیں ہے ان اغراض کا احاطہ کرنا اس کتاب کا مقصد، "کیا یہی ہے جو نام لیتا ہے تمہارے معبودوں کا" یعنی تمہارے معبودوں کو گالی دیتا ہے اصل کلام یوں تھا اہذا الذی یَسُبُّ لیکن لفظ سَبّ کا ذکر برا معلوم ہوا اس لئے ذکر سے بدلدیا گیا، اسی قبیل سے ہے جو عرف میں بولا جاتا ہے کہ فلاں کے دشمن بیماری میں مبتلا ہوگئے اور مراد فلاں ہوتا ہے، اور کہتے ہیں کہ بندگان جناب یہاں تشریف لائے یا بندگان عالی جناب اس امر سے واقف ہیں اور مراد جناب عالی کا تشریف لانا اور واقف ہونا ہوتا ہے، "اور نہ ان کی ہماری طرف سے رفاقت ہوگی" یعنی نہ ہماری طرف سے ان کی مدد ہوگی، چونکہ نصرت بلا ملاقات و صحبت نہیں ہوسکتی اس لئے اس کے بدلہ یصحبون لائے، "وہ بھاری بات ہے آسمانوں اور زمین میں" یعنی پوشیدہ ہے کیونکہ جب کسی شی کا علم پوشیدہ ہو تو وہ آسمانوں اور زمین والوں پر گراں ہوتی ہے "پھر اگر وہ اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تم کو اپنی خوشی سے" **تشریح:**

قولہ اما الابدال الخ ابدال کسی حرف یا کلمہ کیجگہ دوسرے کو لانا ہے حرف کی مثال ابن فارس نے "فانفلق" یعنی فانفرق بتائی ہے اسکے بعد میں "فکان کل فرق" آیا ہے، فارسی نے "انی احببت حب الخیر" کو بھی اسی سے مانا ہے اور کہا ہے کہ خیر کی جگہ خیل تھا اور وہی مراد ہے (اتقان) کلمہ کی امثلہ کتاب میں موجود ہیں:-

---

۳۶-۱۷-انبیار- اسمیں یسبّ کیجگہ یذکر ہے ۱۲ اسکہ ۴۳-۱۷-انبیار- اسمیں ینصرون کی جگہ یصحبون ہے ۱۲ کہ ۱۸۷-۹-اعراف- اس میں خفیت کی جگہ ثقلت ہے ۱۲ اسکہ ۴-۴-نسار- اس میں عفون کی جگہ طبن ہے ۱۲

وقد یذکر اسمٌ مکان اسمٍ "فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ" ای خاضعۃً "وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ" ای من القانتات "وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّاصِرِيْنَ" ای من ناصرٍ "فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ" ای عنه حاجز "وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ" ای افراد بنی آدم افرد اللفظ لانہ اسم جنس "يَا اَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا" المعنی یا بنی آدم انکم افرد اللفظ لانہ اسم جنس "وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ" یعنی افراد الانسان "كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحٍ اِلْمُرْسَلِيْنَ" ای نوحًا وحدہٗ

توضیح اللغۃ:

ظلت افعال ناقصہ میں سے ہے، اعناق جمع عنق گردن، خاضعین سرنگندہ، قانتین قنوت سے ہے فرمانبردار، ناصر مددگار، حاجز روکنے والا، خسر ٹوٹا، کادح مشقت اٹھانیوالا۔ ترجمہ:

کبھی ذکر کیا جاتا ہے ایک اسم دوسرے اسم کی جگہ، "پھر رہ جائیں ان کی گردنیں اس کے آگے نیچی" اور وہ تھی بندگی کرنیوالوں میں، یعنی بندگی کرنیوالیوں میں "اور کوئی نہیں ان کا مددگاروں میں" یعنی کوئی نہیں مددگار، "پھر تم کوئی نہیں اس سے روکنے والے" یعنی روکنے والا، "قسم ہے عصر کی تحقیق انسان ٹوٹے میں ہے" یعنی ہر فرد بنی آدم، انسان کو مفرد اس لئے لائے کہ وہ اسم جنس ہے "اے آدمی تو تکلیف اٹھانیوالا ہے اپنے رب تک پہونچنے میں کھپ کھپ کر" یعنی اے بنی آدم تم کو، لفظ انسان کو مفرد اس لئے لائے کہ وہ اسم جنس ہے "اور اٹھالیا اس کو انسان نے" یعنی افراد انسان نے "جھٹلایا نوح کی قوم نے پیغام لانیوالوں کو" یعنی تنہا حضرت نوح کو۔ تشریح:

قولہ من القانتین الخ یہاں قانتات کے بجائے قانتین یہ بتلانے کیلئے ہے کہ حضرت مریم کامل مردوں کی طرح بندگی وطاعت پر ثابت قدم تھی، بعض نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ قانتین کے خاندان سے تھی۔

قولہ انک کادح الخ یعنی رب تک پہونچنے سے ہر آدمی اپنی استعداد کے موافق مختلف قسم کی جد وجہد کرتا ہے کوئی اس کی طاعت میں محنت ومشقت اٹھاتا ہے کوئی بدی اور نافرمانی میں جان کھپاتا ہے پھر خیر کی جانب ہو یا شر کی، طرح طرح کی تکلیفیں سہہ سہہ کر آخر پروردگار سے ملتا اور اپنے اعمال کے نتائج سے دوچار ہوتا ہے۔ (فوائد)

قولہ ای نوحًا الخ یعنی قوم نے حضرت نوحؑ کی تکذیب کی اور چونکہ تمام انبیاء علیہم السلام دمدایت کی تعلیم کرتے ہیں تو ایک کی تکذیب گویا تمام کی تکذیب ہے اس لئے نوحًا کی جگہ "المرسلین" لائے۔

سلہ ۔ ۹ ۱۔ الشعراء ۔ اس میں خاضعین خاضعۃً کی جگہ میں ہے ۱۲ سلہ ۱۲ ۔ ۲۸ ۔ تحریم ۱۲ سلہ ۹ ۔ ۵ ۔ ۳ ۔ آل عمران ۔ اس میں ناصرین ناصر کی جگہ میں ہے ۱۲ سلہ ۴۷ ۔ ۲۹ ۔ الحاقہ ۔ اس میں حاجزین حاجز کی جگہ میں ہے ۱۲ سلہ ۶ ۔ ۳۰ ۔ انشقاق ۱۲ سلہ ۷۲ ۔ ۲۲ ۔ احزاب ۱۲ سلہ ۱۰۵ ۔ ۱۹ ۔ الشعراء ۱۲

"اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ" اى انى فتحت لك "اِنَّا لَقَادِرُوْنَ" اى انى لقادر "وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ" اى يسلط محمدًا صلى الله عليه وسلم "اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ" اى عروة الثقفى وحده ـــ "فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ" اى طعم الجوع ابدل الطعم باللباس ايذانا بان الجوع له اثر من النحول والذبول يعم البدن ويشمله كاللباس "صِبْغَةَ اللّٰهِ" اى دين الله ابدل بالصبغة ايذانا بانه كالصبغ تتلون به النفس او مشاكلة بقول النصارى فى المعمودية "وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ" اى طور سينا "سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ" اى على الياس قلب الاسمان للاسزدواج

يسلط تسليطاً غالب بنانا، جوع بھوک، طعم مزہ، ایذان خبردار کرنا، نحول کمزوری، ذبول پژمردہ ہونا، صبغ رنگنا، تتلون رنگین ہونا، معمودیہ بپتسمہ۔ ترجمہ:

۔ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے، یعنی میں نے فیصلہ کر دیا تیرے لئے، تحقیق ہم قادر ہیں، یعنی میں قادر ہوں، لیکن اللہ غلبہ دیتا ہے اپنے رسولوں کو، یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو، جنکو کہا لوگوں نے، یعنی عروہ ثقفی نے، پھر چکھایا اس کو اللہ نے بھوک کا لباس، یعنی بھوک کا مزہ۔ یہاں طعم کو لباس سے اسلئے بدلا ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ لاغری و پژمردگی انسان کے لئے بھوک کا اثر ہے جو تمام بدن کو مثل لباس کے عام اور شامل ہوتی ہے، قبول کر لیا رنگ اللہ کا، یعنی دین اللہ کا، دین کو صبغۃ سے اس لئے بدلا ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ دین سے نفوس ایسے رنگے جاتے ہیں جیسے رنگ سے کپڑا، یا قول۔ نصاریٰ کی مشاکلت ہے کہ وہ بوقت ولادت رنگ میں غوطہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دین میں داخل ہو گیا، اور طور سینین کی، یعنی طور سینا کی، سلام ہے ال یاسین پر، یعنی الیاس پر۔ دونوں اسم رعایت فاصلہ کی وجہ سے بدلے گئے ہیں۔ تشریح:

قولہ لباس الجوع الخ یعنی ان کی ناشکری اور کفران نعمت کا مزہ چکھایا امن و چین کی جگہ خوف و ہراس نے اور فراخ روزی کی جگہ بھوک اور قحط کی مصیبت نے ان کو اس طرح گھیر لیا جیسے کپڑا بدن کو گھیر لیتا ہے۔

قولہ فی المعمودیۃ الخ یہ لفظ سریانی الاصل ہے، یا عمد بمعنی تری سے ماخوذ و مولد ہے، نصرانیوں کے یہاں ایک زرد رنگ کا پانی تھا جس کے متعلق ان کا دعویٰ تھا کہ یہ وہ پانی ہے جس میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش ہوئی تھی، ان کا دستور تھا کہ جب ان کے بچہ پیدا ہوتا یا کوئی ان کے دین میں آتا تو اب، ابن اور روح القدس کا نام لے کر اس کو اس رنگ میں غوطہ دیتے اور کہتے کہ خاصہ پاکیزہ نصرانی ہو گیا، سو حق تعالیٰ نے (باقی بر صـ ۱۹۲)

سلہ ۱۔ ۲۶۔ فتح ۱۲ سلہ ۳۰۔ ۲۹۔ معارج ۱۲ سلہ ۶۔ ۲۸۔ الحشر ۱۲ سلہ ۴۔ ۱۷۳۔ آل عمران ۱۲ سلہ ۵۔ ۱۱۲۔ نحل ۱۲ سلہ ۶۔ ۱۳۸۔ بقرہ ۱۲ سلہ ۲۔ ۱۳۰۔ الصّٰفّٰت ۱۲

وقد يُذكر حرفٌ مكان حرفٍ "فلما[1] تجلّىٰ ربُّه لِلجَبَلِ" اي على الجبل كما تجلى في المرة الاولىٰ على الشجرة "وَهُمْ[2] لَهَا سَابِقُونَ" اي اليها سابقون "لَا يَخَافُ[3] لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ" اي لكن من ظلم استيناف "لَاُصَلِّبَنَّكُمْ[4] فِي جُذُوْعِ النَّخْلِ" اي على جذوع النخل "اَمْ[5] لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ" اي يستمعون عليه "اَلسَّمَاۗءُ[6] مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ" اي منفطر فيه "وَ[7] مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ" اي عنه "اَخَذَتْهُ[8] الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ" اي حملته العزة على الاثم "فَسْئَلْ[9] بِهٖ خَبِيْرًا" اي فاسئل عنه "لَا تَاْكُلُوْا[10] اَمْوَالَهُمْ اِلٰى اَمْوَالِكُمْ" اي مع اموالكم "اِلَى[11] الْمَرَافِقِ" اي مع المرافق "يَشْرَبُ[12] بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ" اي يشرب منها "وَمَا قَدَرُوا[13] اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِذْ قَالُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ" اي ان قالوا

ترجمہ

کبھی کسی حرف کو دوسرے حرف کی جگہ لاتے ہیں "پھر جب تجلی کی اس کے رب نے پہاڑ کی طرف" یعنی پہاڑ پر جیسے تجلی کی تھی اس سے پہلے شجر پر "وہ ان کیلئے بڑھنے والے ہیں" یعنی ان کی طرف بڑھنے والے ہیں "میرے پاس نہیں ڈرتے رسول، مگر جس نے زیادتی کی" یعنی لیکن جس نے زیادتی کی، یہ علیحدہ کلام ہے "سولی دوں گا تم کو کھجور کے تنہ میں" یعنی کھجور کے تنہ پر "کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس میں سن آتے ہیں" یعنی جس پر سن آتے ہیں "آسمان پھٹ جائیگا اس دن کے ساتھ" یعنی اس دن میں "تکبر کرتے ہوئے اس کے ساتھ" یعنی اس سے "آمادہ کرے اسکو غرور گناہ سے" یعنی گناہ پر "سو پوچھ اس سے جو اس کی خبر رکھتا ہو" یعنی اس کے بارے میں "نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کی طرف" یعنی اپنے مالوں کے ساتھ "کہنیوں تک" یعنی کہنیوں سمیت "جس سے پیتے ہیں اللہ کے بندے" "نہیں پہچانا انہوں نے اللہ کو پورا پہچاننا جب کہنے لگے نہیں اتاری اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز"۔

(بقیہ ص۱۹۱)

نے فرمایا کہ اے مسلمان کہو کہ ہم نے خدا کا رنگ یعنی دین حق قبول کیا جس میں اگر ہر طرح کی ناپاکی سے پاک ہوتا ہے۔

قولہ طور سینین الخ طور سینین یعنی طور سینا، وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ کو اللہ نے شرف ہمکلامی بخشا، تورات کے اخیر میں ہے "اللہ طور سینا سے آیا، ساعیر سے چمکا جو بیت المقدس کا پہاڑ ہے، اور فاران سے بلند ہو کر پھیلا" فاران مکہ کے پہاڑ ہیں، فوائد۔

قولہ ال یاسین الخ اس سے مراد بقول ابن اسحاق الیاس بن یاسین بن فنحاس بن العیزار بن ہارون بن عمران ہیں، الیاس کا ہمزہ قطعی ہے اور یہ عبرانی نام ہے، آیت میں اس کے آخر یا اور نون زیادہ کیا گیا ہے جیسے بعض لوگوں نے ادریس میں ادراسین کہا ہے، بعض نے الیاسین سے مراد حضرت الیاس کے متبعین لئے ہیں اور بعض نے آل یاسین بھی پڑھا ہے کیونکہ ان کے باپ کا نام یاسین تھا۔

[1] اعراف ۱۴۳-۹، ۱۲ [2] مومنون ۶۱-۱۸، ۱۲ [3] نمل ۱۰-۱۹، ۱۲ [4] طہ ۷۱-۱۶، ۱۲ [5] طور ۳۸-۲۷، ۱۲ [6] مزمل ۱۸-۲۹، ۱۲ [7] مومنون ۶۷-۱۸، ۱۲ [8] بقرہ ۲۰۶-۲، ۱۲ [9] فرقان ۵۹-۱۹، ۱۲ [10] نساء ۲-۴، ۱۲ [11] مائدہ ۶-۶، ۱۲ [12] دہر ۶-۲۹، ۱۲ [13] انعام ۹۱-۷، ۱۲

وقد یوردون جملۃً مکان جملۃٍ مثلاً اذا دلّت جملۃٌ علی حاصلِ مضمونِ جملۃٍ ثانیۃٍ وسببِ وجودِھا اُبدلت منھا "وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ" ای وان تخالطوھم لاباس بذلک لانھم اخوانکم وشانُ الاخ ان یخالط اخاہُ "لَمَثُوبَةٌ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ" ای لوجدوا ثواباً ومثوبۃٌ من عند اللّٰہ خیرٌ "إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ" ای ان سرق فلا عجبَ لانہ سرق اخٌ لہ من قبل "مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ" ای من کان عدوًّا لجبریل فانَّ اللّٰہ عدوٌّ لہ فانہ نزلہ علی قلبک باذنہ فعدوّہ یستحق ان یُعادِیہ اللّٰہ تعالیٰ فحُذف فان اللّٰہ عدوٌ لہ بدلیل الآیۃ التالیۃ واُبدل منہ فانہ نزلہ علی قلبک

ترجمہ:۔

اور کبھی کسی جملہ کو دوسرے جملہ کی جگہ لاتے ہیں مثلاً جب ایک جملہ دوسرے جملہ کے حاصل معنیٰ اور اس کے وجود کے سبب پر دلالت کرے تو جملہ اولیٰ کو دوسرے جملہ سے بدل دیا جاتا ہے "اور اگر ان کا خرچ ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں" یعنی اگر ان کا خرچ شامل کرلو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ وہ تمہارے بھائی ہیں اور بھائی کی شان باہمی مخالطت اور میل جول ہے "البتہ ثواب اللہ کے پاس سے بہتر ہے" یعنی بدلا پاتے اور بدلا اللہ کے ہاں سے بہتر ہے "اگر اس نے چرایا تو چوری کی تھی اس کے بھائی نے اس سے پہلے" یعنی اگر اس نے چرایا تو کوئی تعجب نہیں کیونکہ چوری کی تھی اس کے ایک بھائی نے اس سے پہلے "جو کوئی ہووے دشمن جبریل کا سو اس نے تو اتارا ہے یہ کلام تیرے دل پر اللہ کے حکم سے" یعنی جو شخص جبریل کا دشمن ہے تحقیق اللہ اس کا دشمن ہے کیونکہ جبریل تیرے قلب پر اسی کے حکم سے نازل کرتا ہے پس جبریل کا دشمن اس امر کا مستحق ہے کہ اللہ اس سے دشمنی کرے، یہاں آیت ثانیہ کی وجہ سے فان اللہ عدو لہ کو حذف کرکے اس کے بدلے فانہ نزلہ علی قلبک لائے ہیں۔

تشریح:

قولہ ان یسرق الخ یعنی بھائیوں نے کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ اس سے پہلے اس کے ایک بھائی نے بھی چوری کی تھی، یہ اشارہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف تھا، اپنی پاکبازی جتانے کے لئے محض ناحق کوشش اور عناد سے بنیامین کے جرم کو پختہ کردیا اور اتنی مدت کے بعد بھی یوسف معصوم پر جھوٹی تہمت لگانے سے نہ شرمائے، بہرکیف آیت ثانیہ سے چونکہ وہ معنی سمجھے جاتے تھے اس لئے جملہ اولیٰ کی ضرورت نہ رہی؛

قولہ فان اللہ عدو لہ الخ بعض حضرات نے یہ معنی کئے ہیں "من کان عدو الجبریل فلیمت غیظاً لانہ نزلہ اھ" کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہو سو وہ اس غصہ میں مرا کرے کیونکہ جبریل تیرے قلب پر اھ۔

لے ۲۲۰۔ ۲۔ بقرہ ۱۲ سکہ ۱۰۳۔ ۱۔ بقرہ ۱۲ سکہ ۷۷۔ ۱۲۔ یوسف ۱۲ سکہ ۹۷۔ ۱۔ بقرہ ۱۲۵

وربما يقتضي اصلُ الكلامِ التنكيرَ فيتصرّفُ فيه بادخال اللامِ والاضافةِ والمعنى على التنكير الاول "وَقِيلِهٖ يٰرَبِّ" اي قيل له يارب فابدل بقيله لانه أخصرُ في اللفظ "حَقُّ الْيَقِيْنِ" اي حق يقين أضيف ليكون أيسرَ في اللفظ وقد يكون سَنَنُ الكلام الطبيعيُّ تذكيرَ الضمير او تانيثه او إفرادَه فيُخرِجون الكلامَ من ذلك السَّنَن الطبيعي و يذكرون المؤنثَ وبالعكس ويجمعون المفردَ لميل المعنى "فَلَمَّا رَاٰ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ" "مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ" "مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّآ اَضَاۗءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ" وقد يُذكر المفردُ مكانَ التثنيةِ "وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ" "اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ" والاصلُ فعميتا فافرد لانهما كشئٍ واحدٍ ومثلُه اللّٰهُ ورسولُه اَعْلَم۔

ترجمہ:۔

اور بعض اوقات اصل کلام تنکیر کو چاہتا ہے لیکن اس میں لام یا اضافت داخل کر کے تصرف کر لیا جاتا ہے اور معنی اس سابق تنکیر پر رہتے ہیں "اور نبی کے اس قول کا کہ اے رب" ای قیل یارب "قیلہ" سے اس لئے بدلا گیا ہے کہ یہ اس سے زیادہ مختصر ہے۔ "لائق یقین کے" اضافت کر دی گئی تاکہ تلفظ میں زیادہ آسان ہو جائے، کبھی کلام کی صفت طبعی کا اقتضاء تذکیر ضمیر یا تانیث یا افراد ہوتا ہے مگر اس کو اقتضاء طبعی سے ہٹا کر مذکر کے بدلے مونث اور اس کا عکس اور مفرد کے عوض جمع صرف معنی کا خیال کر کے لے آتے ہیں، "پھر جب دیکھا سورج جھلکتا ہوا بولا یہ ہے میرا رب یہ سب سے بڑا ہے، گنہگار لوگوں سے، پھر جب روشن کر دیا آگ نے اس کے آس پاس کو تو زائل کر دی اللہ نے ان کی روشنی"

کبھی تثنیہ کی جگہ مفرد ذکر کر دیا جاتا ہے "اور یہ سب کچھ اسی کا بدلہ تھا کہ دولتمند کر دیا ان کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل کے، اگر میں ہوں صاف راستہ پر اپنے رب کے اور اس نے بھیجی مجھ پر رحمت اپنے پاس سے پھر وہ تم پر مخفی کر دی گئی۔

اصل میں فعمیتا تھا مفرد اس لئے لائے کہ دونوں مثل شئی واحد کے ہیں، اور اسی کے مثل ہے اللہ ورسولہ اعلم۔ تشریح

قولہ وقیلہ الخ اس سے دو آیت قبل جو لفظ الساعۃ ہے اس پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے ای عندہ علم الساعۃ و علم قولہ علیہ السلام یارب الخ "قیل" لا یہ میں ضمیر کا مرجع اللہ ہے اور قائل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں معنی یہ ہیں کہ قیامت کا علم صرف اللہ کو ہے اور نبی کا یہ کہنا بھی اللہ کو معلوم ہے کہ اے رب یہ لوگ ہیں کہ یقین نہیں لاتے پس قیل کو ضمیر کی طرف مضاف کر دیا گیا لانہ اخصر فی اللفظ۔

لے ۸۸۔ ۲۵۔ الزخرف ۱۲ ؏ ۹۵۔ ۲۷۔ واقعہ ۱۲ ؏ ۷۸۔ ۷۔ انعام۔ یہ مؤنث کی جگہ مذکر لانے کی مثال ہے ۱۲

ؔ ۲۸۔ ۱۸۔ مومنون۔ یہ مفرد کی جگہ جمع لانے کی مثال ہے کیونکہ لفظ قوم مفرد ہے تو اس کی صفت مفرد ہونی چاہیے

ؔ ۱۷۔ ۱۔ بقرہ۔ استوقد میں ضمیر موصول کی رعایت سے مفرد لائی گئی اور بنورھم میں معنی الذی کی مراعات سے جمع لائی گئی ۱۲

ؔ ۷۴۔ ۱۰۔ توبہ ۱۲ ؏ ۲۸۔ ۱۲۔ ہود ۱۲ ؏ و الاصل اعلمان ۱۲

وقد تقتضي طبيعة الكلام ان يذكر الجزاء في صورة الجزاء والشرط في صورة الشرط و
جواب القسم في صورة جواب القسم فيتصرفون في الكلام ويجعلون ذلك الجزء من
الجملة جملة مستقلة مستانفة لتنتظم بالمعنى ويقيمون شيئا يدل عليه بوجه من
الوجوه " وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا فَالْمُدَبِّرٰتِ
أَمْرًا يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ " المعنى البعث والحشر حق يدل عليه يوم ترجف " وَالسَّمَاءِ
ذَاتِ الْبُرُوْجِ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ " المعنى
المجازاة على الاعمال حق " اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ وَاِذَا الْاَرْضُ
مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ
كَادِحٌ " المعنى الحساب والجزاء كائن

توضیح اللغۃ

نازعات جمع نازعۃ۔ نزع (ن) نزعاً۔ الکھینچنا، غرقاً ڈوبنا، ناشطات جمع ناشطۃ۔ نشط (ن) نشطاً گرہ کھولنا۔
سابحات جمع سابحۃ سبح (ف) سبحاً تیرنا، سابقات جمع سابقۃ۔ سبق (ن) ض سبقاً آگے بڑھنا ترجف (ن) رجفاً کانپنا،
بروج جمع برج، الخدود لمبا گڑھا، انشقت انشقاقاً پھٹنا، مدت (ن) مداً پھیلانا، تخلت تخلیاً خالی ہونا۔
کادح (ف) کدحاً مشقت اٹھانا۔

ترجمہ:

اور کبھی مقتضی ہوتی ہے طبیعت کلام اس کی کہ ذکر کیا جائے جزاء کو صورت جزاء میں، شرط کو صورت شرط میں، جواب قسم کو صورت جواب قسم میں پر کسی خاص معنی کی رعایت سے کلام میں تصرف کرتے اور جملہ کے اس جزء کو مستقل جملہ بنا دیتے ہیں اور کوئی قرینہ قائم کر دیتے ہیں جو اس پر کسی نہ کسی طریق سے دال ہو، "قسم ہے گھسیٹ لانیوالوں کی غوطہ لگا کر اور بند چھڑا دینے والوں کی کھولکر اور تیرنیوالوں کی تیزی سے پھر آگے بڑھنے والوں کی دوڑ کر پھر کام بنانیوالوں کی حکم سے، مطلب یہ ہے کہ حشر و نشر حق ہے جس پر یوم ترجف دال ہے۔

"قسم ہے آسمان کی جسمیں برج ہیں اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے اور اس دن کی جو حاضر ہوتا ہے اور اس دن کی جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں مارے گئے کھائیاں کھودنیوالے معنی یہ ہیں کہ اعمال کا بدلہ حق ہے، جب آسمان پھٹ جائے اور سن لے حکم اپنے رب کا اور وہ اسی لائق ہے اور جب زمین پھیلا دی جائے اور نکال ڈالے جو کچھ اسمیں ہے اور خالی ہو جائے اور سن لے حکم اپنے رب کا اور وہ اسی لائق ہے اے آدمی۔ تو تکلیف اٹھانیوالا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حساب و کتاب اور بدلہ ہونیوالا ہے۔

لے ا تا ٦۔ ۳۰۔ النزعت ۱۲ ۱۵ ۵ دلیل التقدیر لتبعثن ولتحاسبن، بدلیل، أئنا لمردودون فی الحافرۃ ۱۲ ۱۵ ۵
ا تا ۴۔ ۳۰۔ بروج ۱۲ ۵ دلیل التقدیر، انہم ملعونون، بدلیل، قتل اصحاب الاخدود ۱۲ عون

وقد یقع فی اُسلوب الکلام قَلْبٌ فیقتضی اسلوبُ الکلام خطابًا ویُورَدُ فی صورۃ الغائب "حَتّٰی إِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ وَجَرَیْنَ بِہِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَۃٍ"

اور کبھی اسلوب کلام میں قلب واقع ہوجاتا ہے کہ اسلوب کلام مقتضی خطاب ہوتا ہے اور بغائب کی صورت میں لے آتے ہیں یہاں تک کہ جب تم بیٹھے کشتیوں میں اور لے کر چلیں وہ لوگوں کو اچھی ہوا سے " تشریح :

قولہ وقد یقع الخ اسی کو اہل معانی کے ہاں التفات کہتے ہیں جس کی مشہور تعریف یہ ہے کہ کسی معنی کو طرق ثلاثہ تکلم، خطاب، غیبت میں سے کسی ایک طریق سے تعبیر کرنیکے بعد اسی معنی کو دوسرے طریقہ سے تعبیر کیا جائے یہ التفات الانسان سے ماخوذ ہے کہ جس طرح انسان دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں طرف ملتفت ہوتا ہے اسی طرح متکلم ایک طریق سے دوسرے طریق کی طرف ملتفت ہوجاتا ہے " ابن الاثیر نے کنز البلاغۃ میں ذکر کیا ہے کہ اسکو "شجاعۃ العرب" سے یاد کرتے ہیں، اس کی خوبی کی ایک عام وجہ یہ ہے کہ جب کلام ایک طریق سے دوسرے طریق کی طرف نقل کیا جاتا ہے تو یہ سامع کی نشاط وسرور قلب کا ذریعہ بن جاتا ہے کیونکہ ہر نئی چیز لذیذ ہوتی ہے اگر ایک ہی طریقہ سے گفتگو کی جائے تو اس سے طبیعت اکتانے لگتی ہے۔ قولہ وجرین بہم الخ اس کی اصل وجرین بکم ہے اور اس تبدیلی اسلوب کا نکتہ یہ ہے کہ جن لوگوں سے خطاب ہے وہ جہاز پر سوار ہونیکے وقت حاضر تھے اور ہلاکت اور ہوائے مخالف کے غلبہ سے ڈرتے تھے لہٰذا ان سے حاضرین کا سا خطاب کیا گیا پھر جب خوشگوار ہوا چلی اور وہ ہلاکت کے خوف سے مطمئن ہو گئے اس وقت ان کا وہ حضور قلب۔ باقی نہ رہا جو ابتداء میں تھا اور یہ انسان کی عادت ہے کہ وہ اطمینان قلب کی حالت میں خدا کو بھول جاتا ہے پس جب وہ خدا کی طرف سے غائب ہو گئے تو حق تعالیٰ نے بھی ان کا ذکر غائب کے صیغہ سے کیا، ابن ابی حاتم نے عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ حتیٰ اذا کنتم میں ان لوگوں کی باتیں بیان ہوئیں پھر ان کے غیر کا ذکر چھیڑ دیا گیا (اتقان بتصرف)

(فائدہ) : التفات کی چھ صورتیں ہیں جن کی تفصیل مع امثلہ ذیل میں درج کی جاتی ہے :۔

نمبر	طریق التفات	مثال	اصل	
۱	تکلم سے خطاب کیطرف	ومالی لا اعبد الذی فطرنی والیہ ترجعون	ارجع	
۲	" غیبت "	انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ	لنغفر لک	
۳	خطاب سے تکلم کی طرف	یہ قسم قرآن میں نہیں ہے		
۴	" غیبت "	حتی اذا کنتم فی الفلک وجرین بہم	وجرین بکم	
۵	غیبت سے تکلم کی طرف	اللہ الذی یرسل الریاح فتثیر سحابا فسقناہ	فساقہ اللہ	
۶	" خطاب "	وسقاہم ربہم شرابا طہورا ان ہذا کان لکم جزاء	کان لہم	

(باقی برص ۱۹۷)

وقد يُذكر الانشاءُ مكانَ الإخبارِ والإخبارُ مكانَ الانشاءِ " فامشوا في مناكبها " اى لتمشوا " إن كنتم مؤمنين " اى ايمانكم يقتضى هذا " مِن أجلِ ذلكَ كتبنا على بني إسرائيلَ " المعنى على قياس حال ابن آدم كتبنا او على مثال حال ابن آدم. فابدل منه " مِن اجل ذلك " لان القياس لا يكون الا بملاحظة العلة فكأن القياس نوع من التعليل " أرأيتَ " فى الاصل بمعنى الاستفهام من الروية ثم نقل ههنا ليكون تنبيها على استماع كلام يأتى بعده كما يقال فى العرف هل ترى شيئا هل تسمع شيئا

ترجمہ: کبھی ذکر کیا جاتا ہے انشار خبر کی جگہ اور خبر انشاء کی جگہ۔ اب چلو پھرو اس کے کندھوں پر " ای لتمشوا " اگر ہو تم ایمان والے یعنی تمہارا ایمان مقتضی ہے اسکا " اسی سبب سے لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر " معنی یہ ہیں کہ بنی آدم کے حال پر قیاس کر کے یا اولاد آدم کی مثال حال پر قیاس کر کے ہم نے لکھا " مثال حال سے " من اجل ذلک " بدلا گیا کیونکہ قیاس بدون ملاحظہ علت نہیں ہوتا گویا کہ قیاس تعلیل کی ایک قسم ہے " تو نے دیکھا " اصل میں رویت سے استفہام ہے مگر آئندہ کلام کے استماع پر تنبیہ کے لئے استفہام سے نقل کر لیا گیا جیسے عرف میں بولتے ہیں ذرا بی بی ہی ایسی شوی کچھ دیکھتا ہے، کچھ سنتا ہے،

(بقیہ ص ١٩٦)

علامہ تنوخی اور ابن الاثیر نے بیان کیا ہے کہ واحد، تثنیہ یا جمع کے خطاب سے دوسرے عدد کے خطاب کی طرف کلام کو منتقل کر دینا بھی التفات کے قریب قریب ہے اور اس کی بھی چھ قسمیں ہیں جو حسب منشا ذیل میں درج ہیں

اصل	مثال	طریق التفات	نمبر
وتکون لک	قالوا أجئتنا لتلفتنا عما وجدنا علیه آبائنا وتکون لکما الکبریاء	واحد سے اثنین کی طرف	١
اذ اطلقت	یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء	" " جمع " "	٢
فتشقیان	فلا یخرجنکما من الجنۃ فتشقی	اثنین سے واحد کی طرف	٣
بیوتکما	ان تبوا لقومکما بمصر بیوتا واجعلوا بیوتکم قبلۃ	" " جمع " "	٤
وبشروا	واقیموا الصلوۃ وبشر المومنین	جمع سے واحد کی طرف	٥
ربکم تکذبون	ان استطعتم فبای آلاء ربکما تکذبان	" " اثنین "	٦

سلہ ١٥٥-٢٩-الملک ١٢ ا ٣٥٢-٩٣-١-بقرہ ١٢ ا ٣٣٥-٣٢-٦-مائدہ ١٢

وقد يُوجب التقديمُ والتاخيرُ ايضًا صعوبةً فى فهم المُراد كما فى الشعر المشهور

بُثَيْنَةُ شَانُهَا سَلَبَتْ فُؤَادِيْ ❊ بِلَا جُرْمٍ اَتَيْتُ بِهٖ سَلَامَا

ترجمہ

اور کبھی تقدیم وتاخیر بھی مراد کے سمجھنے میں دشواری پیدا کر دیتی ہے جیسے مشہور شعر میں ہے ؎

بثینہ نے میرا دل چھین لیا بلا کسی قصور کے جو میں نے کیا ہو ....

تشریح:

قولہ وقد یوجب الخ کبھی تقدیم وتاخیر سے بھی معنی کے سمجھنے میں دشواری پیدا ہو جاتی ہے اور ایسی آیات کی دو قسمیں ہیں قسم اول وہ ہے جس کے معنی میں بحسب ظاہر اشکال واقع ہوتا ہے اور جب یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ تقدیم وتاخیر کے باب سے ہے تو اس کے معنی واضح ہو جاتے ہیں جیسے ابن ابی حاتم نے آیت ”فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا“ کے بارے میں قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اس میں تقدیم وتاخیر ہے اصل کلام یوں ہے ”لا تعجبك اموالهم ولا اولادهم فى الحيوة الدنيا انما يريد الله ليعذبهم بها فى الآخرة“ اسی طرح آیت ”اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا قَيِّمًا“ کی اصل ”انزل على عبده الكتاب قيما ولم يجعل له عوجا“ ہے، دوسری قسم وہ ہے جس کے معنی میں ظاہری طور پر کوئی اشکال نہیں ہوتا لیکن کلام میں تقدیم وتاخیر موجود ہو جس کے دس اسباب ہیں (۱) تعظیم جیسے ”اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ اھ“ (۲) تبرک جیسے ”واعلموا انما غنمتم من شئ فان لله خمسه“ (۳) تشریف مثلاً نر کو مادہ پر، آزاد کو غلام پر، زندہ کو مردہ پر، سماعت کو بصارت پر مقدم کرنا جیسے ”اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ اھ“ ”الحر بالحر والعبد بالعبد، وما يستوى الاحياء ولا الاموات، اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ“ (۴) مناسبت جیسے ”ولكم فيها جمال حين تريحون وحين تسرحون“ کیونکہ اراحت واونٹوں کے بوقت شام چراگاہ سے واپس آنے کی حالت زیادہ قابل فخر ہوتی ہے اس لئے کہ وہ شکم سیر ہونے کی وجہ سے فربہ نظر آتے ہیں (۵) ہمت بندھانا تاکہ سستی نہ آنے پائے جیسے ”من بعد وصية يوصى بها او دين“ کہ اس میں باوجودیکہ قرض کی ادائگی شرعًا مقدم ہے وصیت کو پہلے اس لئے لایا گیا ہے تاکہ تعمیل وصیت میں سستی نہ ہونے پائے (۶) سبقت زمانی۔ باعتبار ایجاد ہو مثلاً لیل کا تقدم نہار پر، ظلمات کا نور پر، ملائکہ کا انسانوں پر، ازواج کا ذریت پر جیسے ”وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى، وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ، اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ“ یا باعتبار نزول ہو جیسے صحف ابراہیم وموسیٰ ”وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ“ یا باعتبار وجوب وتکلیف ہو جیسے ”ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا، فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ“ یا سبقت بالذات ہو جیسے ”مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ“

(۷) سببیت جیسے ”يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ“ میں غض بصر کا پہلے حکم دیا گیا کیونکہ ....

❊ ❊ ❊

نگاہ ہی بدی کی طرف جانیکا سبب بنتی ہے (٨) کثرت جیسے "فمنکم کافر ومنکم مؤمن"، "السارق والسارقۃ" کہ مؤمن کے مقابلہ میں کافر کی اور سارقہ کے مقابلہ میں سارق کی کثرت ہے (٩) ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی جیسے "الھم ارجل یمشون بہا ام لہم اید یبطشون بہا" کہ ید رجل سے، عین ید سے، سمع بصر سے اشرف ہے (١٠) اعلیٰ سے ادنیٰ کی جانب تنزل جیسے "لا تأخذہ سنۃ ولا نوم" (اتقان بحذف)۔

قولہ کما فی الشعر الخ یہ شعر ابو عمرو جمیل بن عبد اللہ بن معمر عذری کا ہے جو عرب کے مشہور عشاق میں سے تھا شعر میں "بثینہ" جو "سلبت" کا فاعل ہے اس کو مقدم کیا گیا ہے نیز "شاہہا" اور اس کی خبر "سلاما" کے درمیان فصل کثیر ہے جس کی وجہ سے فہم معنی میں دشواری ہوگئی، اصل کلام یوں ہے "سلبت بثینۃ فؤادی بلا جرم اتیت بہ شاہہا سلاما"

قولہ بثینہ الخ بثینہ (کجہینہ) بنت حبا بن ثعلبہ بن الہوذ بن عمرو بن الاحب بن حر بن ربیعہ عذریہ جمیل مذکور کی معشوقہ تھی جس کی کنیت "ام عبد الملک" ہے وفیہا یقول جمیل ؎

یا ام عبد الملک اصرمینی ۞ وبینی صرمک او صلینی

یہ اپنے زمانہ کی نہایت حسین وجمیل عورت تھی کسی نے کہا ہے ؎

وما کل مخضوب البنان بثینۃ ۞ ولا کل مصقول الحدید یمانی

خود جمیل نے اس کے حسن کی بابت بہت کچھ کہا ہے، اس کے ایک طویل قصیدہ میں ہے ؎

ہی البدر حسنا والنساء کواکب ۞ وشتان ما بین الکواکب والبدر

لقد فضلت حسنا علی الناس مثل ما ۞ علی الف شہر فضلت لیلۃ القدر

جمیل بچپن ہی میں اس کا عاشق ہوگیا تھا جس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ یہ اپنے اونٹ لیکر وادی بغیض میں پہنچا اور ان کو چراگاہ میں چھوڑ کر لیٹ گیا، بثینہ کے گھر والے بھی وہیں قریب میں رہتے تھے، بثینہ اپنی ایک ہمدرسن کے ساتھ پانی کیلئے وہیں آنکلی، اونٹوں کے بچے بیٹھے ہوئے تھے، بثینہ کا بچپن تھا اس نے انکو چھیڑا، جمیل نے جھنجھلا کر اسے گالی دی اس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا، بس اس کی گالی جمیل کے دل میں گھر کر گئی اور اسی وقت سے اس کا عاشق ہوگیا وفی ذلک یقول ؎

واول ما قاد المودۃ بیننا ۞ بوادی بغیض یا بثین سباب

وقلنا لہا قولا فجاءت بمثلہ ۞ لکل کلام یا بثین جواب

کہتے ہیں کہ جب مصر میں جمیل کا انتقال ہوا اور ایک قاصد نے بثینہ کے قبیلہ میں آکر یہ اشعار پڑھے

صدع النعی وما کنی بجمیل ۞ وثوی بمصر ثواء غیر قفول

ولقد اجر الذیل فی وادی القری ۞ نشوان بین مزارع ونخیل

قومی بثینۃ فاندبی بعویل ۞ وابکی خلیلک دون کل خلیل

تو بثینہ ان اشعار کو بار بار پڑھتی رہی یہانتک کہ تین روز بعد اس کا بھی انتقال ہوگیا۔

والتعلق ببعيد ایضا مما یوجب صعوبۃ وما یکون من ھذا القبیل "إِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا امْرَاَتَهٗ" اُدخل الاستثناء علی الاستثناء فصعب "فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ" متعلق بقولہ "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ" "يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ" ای یدعوا من ضرہ "لَتَنُوْٓءُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ" ای لتنوء العصبۃ بہا "وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ" ای اغسلوا ارجلکم "وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى" ای ولولا کلمۃ سبقت من ربک واجل مسمی لکان لزاما "اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ" متصل بقولہ "لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ" "اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ" متصل بقولہ "قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ" "يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا" ای یسئلونک عنہا کانک حفی

توضیح اللغۃ:-

صعب دک، صعوبۃ دشوار ہونا، تقویم اندازہ کرنا، ضر نقصان، تنوء دن، نوءاً مشکل سے اٹھانا، العصبۃ جماعت، ارجل جمع رجل پاؤں، اجل موت، اسوہ نمونہ، حفی پوری طرح علم رکھنے والا۔ ترجمہ:

اور امر بعید سے تعلق اور اس کے مماثل اشیاء بھی موجب صعوبت ہوتی ہیں "مگر لوط کے گھر والے ہم ان کو بچالیں گے سب کو مگر اس کی عورت" یہاں استثناء پر استثناء داخل کرنے سے دشواری ہوگئی "پھر تو اس کے پیچھے کیوں جھٹلائے بدلا ملنے کو" یہ اس قول سے متعلق ہے "ہم نے بنایا آدمی کو خوب سے انداز پر" پکارے جاتا ہے اسکو جس کا ضرر پہلے پہنچے نفع سے "تھک جاتے اٹھانے سے کئی مرد زورآور" اور مل لو اپنے سر کو اور پاؤں ٹخنوں تک "یعنی دھولو اپنے پاؤں "اگر نہ ہوتی ایک بات کہ نکل چکی تیرے رب کی طرف سے تو ضرور ہو جاتی مٹھ بھیڑ اور نہ ہوتا وعدہ مقرر کیا گیا" یعنی اگر نہ ہوتی ایک بات کہ نکل چکی تیرے رب کی طرف سے اور نہ ہوتا وعدہ مقرر کیا گیا تو لازمی طور پر ان کو عذاب آگھیرتا "اگر تم یوں نہ کرو گے تو پھیلے گا فتنہ" یہ اس قول سے متصل ہے "تم کو چال چلنی چاہیئے اچھی ابراہیم کی" "تجھ سے پوچھنے لگتے ہیں کہ گویا تو اس کی تلاش میں لگا ہوا ہے" یعنی تجھ سے پوچھتے ہیں اس کی بات گویا تو کھوج میں ہے۔ تشریح:-

قولہ لتنوء الخ یہ بقول ابوزید لوء بالحمل سے ہے اور آیت میں قلب ہے اور اصل یہ ہے "لتنوء العصبۃ بہا" اور بعض کے نزدیک ناء بہ الحمل سے ہے اور باء برائے تعدیہ ہے جیسے ذہبت بہ میں ہے۔

قولہ ای اغسلوا الخ یعنی ارجلکم مکسور نہیں جو امسحوا کے تحت میں ہو بلکہ منصوب ہے اور اغسلوا فعل محذوف ہے۔

بہ محمد حنیف غفر لہ گنگوہی

سلہ ۹ ۵۹ ۔ نہ ۱۴۔ الحجر ۱۵ ع ۲ ۔ ۵۹ ۶۰۔ سہ التین ۱۲ سہ ۴۔ الحج ۱۲ ع ۲۲ ۔ ۱۲ ۱۳۔ القصص ۲۰ ع ۸ ۷۶ ۔ مائدہ ۶ ۔ ۶ ۔ طٰہٰ ۱۲۹ ۔ ۱۶ ع ۸ ۔ انفال ۱۰ ۷۳ ۔ ممتحنہ ۲۸ ع ۱ ۴ ۔ الاعراف ۹ ع ۲۳ ۱۸۷

والزیادۃ على السنن الطبیعیۃ ایضا على اقسام قد تکون ذلک بالصفۃ "ولا طائر یطیر بجناحیہ" ان الانسان خلق ھلوعا اذا مسہ الشر جزوعا واذا مسہ الخیر منوعا

توضیح اللغات: سنن بمعنی طریقہ، اسی معنی کے لحاظ سے۔ الطبیعۃ مؤنث لایا گیا ہے۔ طائر پرندہ، جناحیہ جناح بمعنی بازو کا تثنیہ ہے (جناحین تھا نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، ھلوع ڈرپوک اور لالچی بخیل، جزوع بہت بے صبرا، منوع بہت زیادہ روکنے والا، کنجوس۔ ترجمہ!

طریق طبعی پر زیادتی کی بھی چند اقسام ہیں، کبھی یہ صفت سے حاصل ہوتی ہے "اور نہ کوئی پرندہ کہ اڑتا ہے اپنے دو بازوؤں سے، بیشک آدمی بنا ہے جی کا کچا جب پہونچے اس کو برائی تو بے صبرا اور جب ہونچے اس کو بھلائی تو ناشکرا۔

تشریح:۔ قولہ والزیادۃ الخ قرآن پاک میں زوائد کا وقوع ہے یا نہیں؟ بعض حضرات نے اس کا انکار کیا ہے چنانچہ طرطوسی نے "العمدہ" میں مبرد کا قول نقل کیا ہے کہ قرآن میں کوئی صلہ نہیں ہے، لیکن عام علماء، فقہاء اور مفسرین اس سے متفق ہیں کہ قرآن میں صلات کا وقوع ہے ابن خباز نے "التوجیہ" میں کہا ہے کہ ابن سراج کے نزدیک کلام عرب میں کوئی زائد لفظ نہیں ہے اور جو بظاہر زائد معلوم ہوتے ہیں وہ تاکید پر محمول ہیں، ابن جنی کا قول ہے کہ کلام عرب میں جو حرف زائد کیا جاتا ہے وہ اعادۂ جملہ کے قائم مقام ہوتا ہے اور اکثر حضرات نے کلام الٰہی میں اس عبارت کے اطلاق کا انکار کیا ہے اور اس کا نام تاکید رکھا ہے اسی کو بعض نے صلہ سے اور بعض نے متمم سے تعبیر کیا ہے، حاصل یہ کہ کسی حرف کے زائد ہونیکا مطلب یہ ہے کہ اصل معنی اس کے بغیر حاصل ہوں اور زائد حرف کے آنے سے تاکید کا فائدہ حاصل ہو جائے والواضع الحکیم لایضع الشیٔ الا لفائدۃ۔

قولہ ولا طائر الخ اس میں طائر کی صفت یطیر اس بات کی تاکید کے لئے لائی گئی ہے کہ یہاں طائر سے مراد حقیقۃً پرندہ ہی ہے ورنہ کبھی اس کا اطلاق بطریق مجاز پرندے کے سوا اور جانور پر بھی کر دیا جاتا ہے۔ اور "بجناحیہ" حقیقت طیران کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے کیونکہ بعض اوقات طیران کا اطلاق مجازاً تیز رفتاری پر بھی کر دیا جاتا ہے، اس کی نظیر "یقولون بالسنتھم" ہے کیونکہ مجازاً قول کا اطلاق غیر لسانی قول پر بھی ہوتا ہے بدلیل قولہ تعالیٰ "ویقولون فی انفسھم"۔

قولہ ھلوعا الخ ھلوع "ناقۃ ھلوع" بمعنی سریعۃ السیر سے ہے ایسے شخص کو کہتے ہیں جو کسی طرف بھی تنگی نہ دکھلائے برائی اور سختی آئے تو بے صبر ہو کر گھبرا اٹھے اور بھلائی اور فراخی ملے تو ہاتھ روک لے کنجوس بن جائے،

وسئل ابن عباس عن الھلوع فقال ہو کما قال اللہ تعالیٰ "اذا مسہ الشر" بشر بن ابی حازم کا شعر ہے دیا تی برص ۲۰۲،

طہٰ ۳۸۔ ۷۔ انعام ۱۲ ۱۹۵۔ ۲۹۔ معارج ۱۲

وقد تكون بالإبدال "لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ" وقد تكون بالعطف التفسيري "حَتّٰى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً" وقد تكون بالتكرار "وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ" اصل الكلام وما يتبع الذين يدعون من دون الله شركاء الا الظن

ترجمہ

اور کبھی ابدال سے "غریب لوگوں کو کہ جو ان میں ایمان لا چکے تھے" اور کبھی عطف تفسیری سے "یہاں تک کہ جب پہونچا اپنی قوت کو اور پہنچ گیا چالیس برس کو" اور کبھی تکرار سے "اور یہ جو پیچھے پڑے ہیں اللہ کے سوا شریکوں کو کارنے والے سو یہ کچھ نہیں مگر پیچھے پڑے ہیں اپنے خیال کے۔" اصل کلام یوں ہے "وما یتبع الذین اھ"۔

تشریح قولہ للذین الخ اس میں بدل کے ساتھ زیادتی ہے جس سے ابہام کے بعد وضاحت مقصود ہوتی ہے اور اس کا فائدہ بیان اور تاکید ہے، فائدہ بیان تو ظاہر ہے اور فائدہ تاکید اس طرح ہے کہ بدل عامل کی تکرار کی وجہ سے آتا ہے اس لئے گویا بدل اور مبدل منہ دو جملوں کے دو لفظ ہیں، صاحب روح المعانی کہتے ہیں کہ "لمن امن منہم" موصول سے بدل ہے عامل کے اعادہ کے ساتھ یعنی بدل کل من الکل جیسے مررت بزید باخیک، اور ضمیر مجرور "قوم" کی طرف راجع ہے۔

(بقیہ ص۲۰۱)

لا مانعاً لیتیم نحلته ٭ ولا مکبًّا لخلقه ہلعا

آیت میں جزوع اور منوع دونوں وصف ہلوع کی صفت کاشفہ ہیں، اس کی نظیر اوس بن حجر کا یہ شعر ہے

الالمعی الذی یظن بک الظن ٭ کان قد رای وقد سمعا

المعی تیز فہم کو کہتے ہیں، "الذی یظن اھ" اسی کی تفسیر کر رہا ہے، شاعر یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ ایسی روشن دماغ ہستی ہے کہ اگر کسی چیز کے متعلق ظن بھی کرے تو ایسا سمجھو کہ وہ بمنزلہ یقین ہے۔

(فائدہ) صفت کئی اغراض کے لئے استعمال ہوتی ہے (۱) تخصیص نکرہ۔ جیسے "تحریر رقبۃ مومنۃ" (۲) توضیح معرفہ۔ جیسے "الرسول النبی الامی" (۳) برائے مدح وثنا۔ جس میں صفات باری تعالیٰ بھی شامل ہیں جیسے بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العلمین (۴) بیان مذمت جیسے "فاستعذ باللہ من الشیطن الرجیم" (۵) تاکید رفع ابہام جیسے "لا تتخذوا الٰہین اثنین" یہاں چونکہ "الٰہین" تثنیہ کے لئے آچکا ہے اس لئے اس کے بعد "اثنین" کا لفظ صفت مؤکدہ ہے جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک کرنے سے ممانعت کے لئے آیا ہے اگر صرف "لا تتخذوا الٰہین" کہا جاتا تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ممانعت آلہہ کے دو جنسوں کو معبود بنانے کی بابت ہے ایک ہی نوع کے متعدد معبودوں کو اختیار کرنا ممنوع نہیں۔

قولہ وبلغ اربعین الخ ظاہر یہی ہے کہ بلوغ اربعین ہی بلوغ اشد ہے اور عطف برائے تاکید ہے کیونکہ چالیس برس کی عمر میں عموماً انسان کی عقلی اور اخلاقی قوتیں پختہ ہوجاتی ہیں اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی بعثت چالیس برس سے پہلے نہ ہوتی تھی، حدیث میں ہے "ان الشیطان یجر یدہ علی وجہ من زاد علی الاربعین ولم یتب ویقول: بابی: وجہ لایفلح" کہ جو شخص چالیس سال سے متجاوز ہوجائے اور پھر بھی تائب نہ ہو تو شیطان اس کے چہرہ پر ہاتھ پھیرتا اور قسم کھا کر کہتا ہے کہ یہ شخص فلاح کو نہیں پہونچ سکتا :-

قولہ بالتکرار الخ کبھی زیادتی تکریر کے ساتھ ہوتی ہے جو تاکید سے بلیغ تر ہونے کے علاوہ محاسن فصاحت میں سے ایک خوبی ہے اور اس کے بہت سے فائدے ہیں :-

(۱) تقریر یعنی تحقیق و ثبوت اکیونکہ مشہور مقولہ ہے "الکلام اذا تکرر تقرر" جب کسی بات کو دوبار کہا گیا تو وہ پایۂ ثبوت یا تقرر کو پہونچ گئی وقد قال تبارک وتعالیٰ "وصرفنا فیہ من الوعید لعلہم یتقون او یحدث لہم ذکرا" :-

(۲) تاکید (۳) اس چیز پر تنبیہ کی زیادتی جو تہمت کی نفی کرتی ہے تاکہ کلام کی قبولیت پایۂ تکمیل کو پہونچ جائے جیسے "یاقوم اتبعون اہدکم سبیل الرشاد یاقوم انما ہذہ الحیٰوۃ الدنیا متاع" اس میں تنبیہ مذکور کے لئے نداء کو مکرر لایا گیا ہے

(۴) کلام سابق کی تازگی اور اس کے عہد کی تجدید "جب بات بڑھ جائے اور یہ اندیشہ ہو کہ مخاطب آغاز کلام کو بھول جائے گا جیسے "ثم ان ربک للذین ہاجروا من بعد ما فتنوا ثم جاھدوا وصبروا ان ربک من بعدہا"، ——
انی رایت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رایتہم"

(۵) بیانِ عظمت اور خوف دلانا جیسے "الحاقۃ ما الحاقۃ، القارعۃ ما القارعۃ، واصحاب الیمین ما اصحاب الیمین"
حرفِ اضراب کو مکرر لانا جیسے "بل قالوا اضغاث احلام بل افتراہ بل ہو شاعر" اور امثال کا مکرر لانا جیسے "وما یستوی الاعمیٰ والبصیر ولا الظلمٰت ولا النور ولا الظل ولا الحرور"
اور قصص کا مکرر لانا بھی از قبیل تکرار ہی ہے :-

(فائدہ) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "وان منہم لفریقا یلوٗن السنتہم بالکتاب لتحسبوہ من الکتاب وما ہو من الکتاب" اس میں لفظ کتاب تین بار مذکور ہے، امام راغب کہتے ہیں کہ پہلا لفظ کتاب اس نوشتہ پر دال ہے جسے ان لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا تھا جس کا ذکر "فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیہم" میں آیا ہے اور دوسرے لفظ کتاب سے توراۃ مراد ہے اور تیسرے لفظ کتاب سے مراد جنس کتب الٰہیہ مراد ہے -

(اتقان بتہذیب وحذف)

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ، وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ ، يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ " اى هى مواقيت للناس باعتبار ان الله شرع لهم التوقيت بها و للحج باعتبار ان التوقيت بها حاصل للحج ولو قيل " هى مواقيت للناس فى حجهم كان أخصر ولكن أطنب " لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ " اى تنذر ام القرى يوم الجمع " وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً " اى ترى الجبال جامدة أدخل الحسبان لان الرؤية تجئ لمعان والمراد ههنا معنى الحسبان

توضیح اللغۃ

ذریۃ اولاد، ضعاف جمع ضعیف، اہلۃ جمع ہلال چاند، مواقیت جمع میقات مقرر وقت، تنذر انذاراً ڈرانا، ام القری مکہ، جامدہ ساکن، حسبان گمان۔ ترجمہ:

اور جب پہونچی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف سے جو سچا بتاتی ہے اس کتاب کو جو ان کے پاس ہے اور پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر پھر جب پہونچا ان کو جس کو پہچان رکھا تھا تو اس سے منکر ہوگئے، اور چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑی ہے اپنے پیچھے اولاد ضعیف تو ان پر اندیشہ کریں تو چاہیئے کہ ڈریں اللہ سے، "مجھ سے پوچھتے ہیں حال نئے چاند کا کہدے کہ یہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے واسطے "یعنی وہ اوقات ہیں لوگوں کیلئے بایں اعتبار کہ اللہ نے شروع کیا ہے ان کے لئے ان کے ساتھ توقیت کو اور حج کے لئے بایں اعتبار کہ ان سے توقیت حاصل ہے اگر "ہی مواقیت للناس فی حجہم" کہا جاتا تو مختصر ضرور ہوتا مگر کلام طویل لایا گیا ہے۔

"تاکہ ڈر سنادے بڑے گاؤں کو اور اس کے آس پاس والوں کو اور خبر سنادے جمع ہونے کے دن کی یعنی تو ڈرادے بڑے گاؤں کو جمع ہونے کے دن سے" اور تو دیکھے پہاڑوں کو سمجھے کہ وہ جم رہے ہیں" چونکہ رویت چند معنی کے لئے آتی ہے اس لئے حسبان زیادہ کردیا تاکہ معلوم ہوجائے کہ یہاں مراد معنی حسبان ہیں۔ تشریح:

قولہ ماعرفوا الخ ماعرفوا سے مراد کتاب مقدم ہے اور تکرار بیان کمال مخالفت کے لئے ہے پس "کفروا بہ" پہلے لما کا جواب ہے اور دوسرے لما کی تکریر طول عہد کی وجہ سے ہے۔

قولہ فلیتقوا الخ اس میں تکرار من غیر لفظہ ہے کیونکہ پہلے فلیخش ہے پھر فلیتقوا۔

قولہ ولکن اطنب الخ بعض کے نزدیک آیت میں نہ تکرار ہے نہ اطناب بلکہ تخصیص بعد التعمیم ہے مطلب یہ کہ چاند سے لوگوں کے معاملات اور عبادات کے اوقات ہر ایک کو بے تکلف معلوم ہوجاتے ہیں بالخصوص حج کہ اس کی قضا بھی ایام مقررہ حج کے سوا دوسرے ایام میں نہیں کرسکتے

سلہ ۹۱ - البقرہ ۱۲ سلہ ۹ - م - نساء ۱۲ سلہ ۱۸۹ - ۲ - بقرہ ۱۲ سلہ ۲۵۰۷ - الشوریٰ ۱۲ سلہ ۸۸ - ۲۰ - النمل ۱۲

"كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" اُدْخِلَ " وما اختلف فيه الا الذين اوتوه " فى تضاعيف الكلام المنتظم بعضه ببعض بيانًا لضميرِ" اختلفوا " وإيذانًا بانَّ المرادَ من الاختلاف ههنا هو الاختلافُ الواقعُ فى امة الدعوة بعدَ نزولِ الكتاب بان اٰمَنَ بعضٌ وكفَرَ بعضٌ وقد يُزاد حرفُ الجر على الفاعل والمفعول لتوكيد الوُصْلَةِ فيكون معمولًا للفعل بواسطة حرف الجر " يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا " اى تحمى هى " وَقَفَّيْنَا عَلٰى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ " اى قفينا بعيسى بن مريم

ترجمہ

" تھے سب لوگ ایک دین پر پھر بھیجے اللہ نے پیغمبر خوشخبری سنانیوالے اور ڈرانیوالے اور اتاری ان کے ساتھ کتاب سچی کہ فیصلہ کرے لوگوں میں جس بات میں وہ جھگڑا کریں اور نہیں جھگڑا ڈالا کتاب میں مگر انہی لوگوں نے جن کو کتاب ملی تھی اس کے بعد کہ ان کو پہنچ چکے صاف حکم آپس کی ضد سے پھر اب ہدایت کی اللہ نے ایمان والوں کو اس سچی بات کی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے اور اللہ بتلاتا ہے جس کو چاہے سیدھا راستہ " داخل کیا ہے جملہ " وما اختلف فيه الا الذين اوتوه " منتظم کلام کے درمیان " اختلفوا " کی ضمیر بیان کرنے کے لئے اور یہ بتلانے کے لئے کہ یہاں اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو واقع ہوا ہے امت دعوت میں نزول کتاب کے بعد بایں طور کہ بعض ایمان لائے اور بعض نے کفر کیا، اور کبھی زیادہ کیا جاتا ہے حرف جر فاعل پر اور مفعول پر تاکید اتصال کے لئے پس وہ ہوتا ہے فعل کا معمول حرف جر کے واسطے سے۔ " جس دن کہ آگ دہکائی جائے گی اس مال پر " یعنی وہ مال گرم کیا جائے گا " اور پیچھے بھیجا ہم نے انہی کے قدموں پر عیسیٰ مریم کے بیٹے کو "۔ تشریح!

قولہ یوم یحمٰی الخ احماء - الحدید بہت زیادہ گرم کرنا، یہ اصل میں " تحمی ہی بالنار " تھا، النار کو حذف کر کے تانیث سے تذکیر کی طرف منتقل کر لیا جیسے " رفعت القصة الی الامیر " میں قصہ کو گرا دینے کے بعد " رفع الی الامیر " کہتے ہیں حاصل یہ کہ " علیہا " موضع رفع میں ہے کیونکہ یہ فاعل کے قائم مقام ہے۔

قولہ وقفینا الخ ای ارسلنا عقیبہم وجئنا بہ بعدہم، قفینا فعل ایک مفعول کی طرف بنفسہ اور دوسرے کی طرف بواسطہ حرف جار متعدی ہے اور ضمیر مجرور نبیین کی طرف راجع ہے تقدیر کلام یوں ہے، قفیناہم بعیسی بن مریم، پس مفعول کو حذف کر کے، علی آثارہم، کو اس کے قائم مقام کر دیا:

لہ ۲۱۳ - ۲ - بقرہ ۱۲ سے ۳۵ - ۱۰ - توبہ ۱۲ سے ۴۶ - ۶ - مائدہ ۱۲ عہ مصدر بمعنی الاتصال ۱۲

ومما ینبغی ان یُعلم فی هذا المقام نکتةٌ وهی ان الواوَ تُستعمل فی کثیرٍ من المواضع لتوکید الوُصلة لا للعطف "اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ - الی قوله تعالٰی - وَکُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً" "وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا"، "وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ" وکذلک تُزاد الفاءُ ایضًا قال القسطلانی فی شرح کتاب الحج فی باب المعتمر اذا طاف طواف العمرة ثم خرج هل یجزیه من طواف الوداع ویجوز توسّط العاطف بین الصفة والموصوف لتاکید لصوقها بالموصوف نحو "اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ" قال سیبویه هو مثل مررت بزیدٍ وصاحبك اذا اردتَ بصاحبك زیدًا وقال الزمخشری فی قوله تعالٰی "وَمَا اَهْلَکْنَا مِنْ قَرْیَةٍ اِلَّا وَلَهَا کِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ" جملةٌ واقعةٌ صفةٌ لقریةٍ والقیاسُ ان لا تتوسّط الواوُ بینهما کما فی قوله تعالٰی "وَمَا اَهْلَکْنَا مِنْ قَرْیَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ" وانما توسّطتْ لتاکیدِ لصوقِ الصفةِ بالموصوفِ کما یقال فی الحال جاءنی زید علیه ثوب وجاءنی زید وعلیه ثوب انتهٰی

ترجمہ

یہاں یہ نکتہ بھی معلوم ہوجانا چاہیئے کہ واؤ استعمال کیاجاتا ہے بہت سے مواضع میں تاکید اتصال کیلئے نہ کہ عطف کے لئے، "جب ہو پڑے ہو پڑنیوالی (الی قولہ) اور تم ہوجاؤ تین قسم پر، اور کھولے گئے اس کے دروازے، اور تاکہ پاک صاف کرے اللہ"، اور اسی طرح فا بھی زیادہ کی جاتی ہے، قسطلانی نے شرح کتاب الحج "باب المعتمر اذا طاف طواف العمرۃ ثم خرج ہل یجزیہ من طواف الوداع" میں بیان کیا ہے کہ جائز ہے صفت وموصوف کے درمیان عاطف کو لانا موصوف کے ساتھ صفت کے لصوق کی تاکید کے لئے جیسے "جب کہنے لگے منافق جن کے دلوں میں بیماری ہے" سیبویہ کہتا ہے کہ یہ مررت بزید وصاحبک کے مثل ہے جبکہ صاحب سے مراد زید ہی ہو، اور زمخشری نے قول باری "اور کوئی بستی ہم نے غارت نہیں کی مگر اس کا وقت لکھا ہوا تھا مقرر" کے ذیل میں کہا ہے کہ ولہا کتاب معلوم، جملہ لفظ قریہ کی صفت واقع ہے اور قیاس یہ ہے کہ ان میں واؤ نہ آئے جیسے قول باری "اور کوئی بستی نہیں غارت کی ہم نے مگر یہ کہ تھے اس کے لئے ڈرانیوالے" میں نہیں ہے مگر صفت وموصوف کے اتصال کی تاکید کیلئے آگیا ہے جیسے حال میں کہا جاتا ہے جاءنی زید علیہ ثوب اور جاءنی زید وعلیہ ثوب انتہٰی۔

تشریح: قولہ وفتحت الخ یعنی وکنتم ازواجا ثلثۃ، وفتحت ابوابہا، ولیمحص اللہ تینوں مثالیں تاکید اتصال

۱۔ ۲۷-۲۔ واقعہ ۱۲ ۔۔۔ ۳-۷۔ الزمر ۱۲ ۔۔۔ ۴-۱۔ آل عمران ۱۲ ۔۔۔ ۴-۱۰۔ انفال ۱۲ ۔۔۔ ۱۲-۴۔ الحجر ۱۲ ۔۔۔ ۲۰۸-۱۹۔ الشعراء ۱۲ ۔۔۔ من صحیح البخاری ۱۲ ۔۔۔ ای کلام الزمخشری وبہ انتہی النقل عن القسطلانی ایضا ۱۲

کی ہیں ان میں واؤ عطف کے لئے نہیں ہے، مگر مشہور یہی ہے کہ "وفتحت ابوابہا" میں واؤ حال کے لئے ہے اور جملہ بتقدیر قد حالیہ ہے۔ اور مقصد یہ ہے کہ جس طرح مہمانوں کیلئے ان کی آمد سے پہلے از راہِ اعزاز و احترام مہمان خانہ کا دروازہ کھلا رکھا جاتا ہے جنتی وہاں پہونچ کر جنت کے دروازے کھلے پائیں گے کما قال فی موضع آخر "مفتحۃ لہم الابواب"، اور جس طرح دنیا میں جیل خانہ کا پھاٹک کھلا نہیں رہتا بلکہ جب کسی قیدی کو داخل کرنا ہوتا ہے کھول کر داخل کرتے اور پھر بند کر دیتے ہیں ایسے ہی جب دوزخی دوزخ کے قریب جائیں گے تو دروازے کھول کر اس میں دھکیل دیا جائے گا اسی لئے کفار کے حق میں بلا واؤ فرمایا گیا، "حتی اذا جاؤہا فتحت ابوابہا"۔

قولہ، القسطلانی الخ، احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبد الملک القسطلانی، القتیبی، المصری۔ مولود ۸۵۱ھ متوفی ۹۲۳ھ مشہور علماء حدیث میں سے ہیں، ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری اور المواہب اللدنیہ وغیرہ آپکی مشہور کتابیں ہیں:۔

قولہ، اذ یقول المنافقون الخ، رائے بالا کے مطابق اس آیت میں منافقون اور الذین موصوف صفت ہیں اور حرف واؤ جو درمیان میں آیا ہے عطف کے لئے نہیں تاکید اتصال کے واسطے ہے، لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک واو عاطفہ ہے اور الذین فی قلوبہم مرض سے مراد ضعیف القلب کلمہ گو ہیں۔

قولہ، سیبویہ الخ، ابو بشر عمرو بن عثمان بن قنبر الحارثی (ولاءً) المعروف بسیبویہ، متقدمین و متاخرین سب سے زیادہ عالم نحو ہیں، شیراز کی ایک بستی میں ۱۴۵ھ میں پیدا ہوئے اور بصرہ آکر خلیل بن احمد کی مجلس درس کو لازم پکڑا، یونس بن حبیب اور عیسیٰ بن عمر وغیرہ سے بھی علم حاصل کیا، آپ سے ابو الحسن اخفش اور قطرب وغیرہ نے تعلیم پائی، بغداد پہنچے اور وہاں جا کر کسائی سے مناظرہ کیا جس پر ہارون رشید نے دس ہزار درہم بخشش کئے، پھر اہواز واپس ہوئے اور ۱۸۰ھ میں رحلت کر گئے آپ کی تصنیف "کتاب سیبویہ" علم نحو کی بے نظیر کتاب ہے۔

قولہ، الزمخشری الخ، ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر زمخشری، بروز چہار شنبہ ۲۷ رجب ۴۶۷ھ میں بمقام زمخشر (جو کہ خوارزم کا ایک قصبہ ہے) پیدا ہوئے اور ایک مدت تک مکہ معظمہ میں سکونت پذیر رہے اسی لئے جار اللہ (اللہ کے پڑوسی) کہلاتے ہیں، آپ نے علم ادب ابو الحسن علی بن مظفر نیشاپوری، ابو نعیم اصفہانی اور ابو منصور نصر وغیرہ سے حاصل کیا اور زین بقالی محمد بن ابی القاسم وغیرہ نے آپ سے تعلیم پائی، آپ تفسیر و حدیث، کلام و لغت، معانی و بیان، بالخصوص ادب و نحو کے زبردست عالم تھے، جرجانیہ خوارزم میں عرفہ کی شب میں ۵۳۸ھ میں آپ نے وفات پائی، کشاف، مفصل، اساس البلاغہ، الفائق، ربیع الابرار وغیرہ آپ کی مشہور کتابیں ہیں؎:۔

؎ مزید حالات کے لئے دیکھئے ہماری کتاب "ظفر المحصلین باحوال المصنفین" جو جدید اضافوں کے ساتھ شائع ہو چکی ہے ۱۲

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وربما تكون الصعوبة في فهم المراد لانتشار الضمائر وارادة المعنيين من كلمة واحدة "وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ" يعني ان الشياطين ليصدون الناس عن السبيل ويحسب الناس انهم مهتدون "قَالَ قَرِينُهُ" في موضع واحد المراد به الشياطين وفي الموضع الآخر الملك "يَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ" "وَيَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ" فالاول معناه اي انفاق ينفقون واي نوع من الانفاق ينفقون وهو صادق بالسوال عن المصرف لان الانفاق يصير باعتبار المصارف انواعًا والثاني معناه اي مال ينفقون

توضیح اللغۃ :-

صعوبۃ دشواری، انتشار پھیلنا، متفرق ہونا ضمائر جمع ضمیر، یصدون (ن) صدًا روکنا، سبیل راستہ، قرین ساتھی، ملک فرشتہ، انفاق خرچ کرنا، مصرف خرچ کرنیکا محل :- ترجمہ :-

کبھی ہوتی ہے دشواری مراد سمجھنے میں انتشار ضمائر اور ایک کلمہ سے دو معنی مراد لینے کی وجہ سے اور وہ ان کو روکتے ہیں راہ سے اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں "یعنی شیاطین آدمیوں کو راہ سے روکتے ہیں اور آدمی سمجھتے ہیں کہ شیاطین راہ پر ہیں" بولا اس کا ساتھی "ایک جگہ اس سے مراد شیاطین ہیں اور دوسری جگہ فرشتے" تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں کہدے جو کچھ تم خرچ کرو مال اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہدے جو بچے اپنے خرچ سے، پس پہلے کے معنی ہیں کہ جو بھی خرچ کریں اور خرچ کی جس قسم سے وہ خرچ کریں اور یہ مصرف سے دریافت کرنے پر صادق ہے کیونکہ خرچ کرنا مصارف کے اعتبار سے چند قسم پر ہے اور دوسرے کے معنی ہیں کہ جو مال خرچ کرتے ہیں :- تشریح !

قولہ وانہم لیصدونہم الخ اس میں ہم ضمیر شیاطین کی طرف راجع ہے اور لیصدونہم کی ضمیر ناس کی طرف اور یحسبون کی ضمیر فاعل سے مراد ناس ہیں پس یہ انتشار ضمائر کی مثال ہے :-

قولہ فی موضع واحد الخ یعنی آیت "قال قرینہ ربنا ما اطغیتہ" میں قرین سے مراد شیاطین ہیں اور آیت "وقال قرینہ ھذا ما لدی عتید" میں فرشتہ مراد ہے پس یہ ایک کلمہ سے دو معنی مراد لینے کی مثال ہے -

(فائدہ) بعض اوقات ضمائر کے مابین تنافر سے بچنے کے واسطے ان کو مختلف بھی کر دیتے ہیں جیسے آیت "منہا اربعۃ حرم" میں ضمیر کا مرجع "اثنی عشر" ہے اور اس کے بعد "فلا تظلموا فیہن" میں پہلی ضمیر کے خلاف جمع مؤنث کی ضمیر آئی ہے کیونکہ یہ اربعۃ کی طرف راجع ہے :-

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

ط ۲۷ - ۲۵ - الزخرف ۱۲ سکہ ۲۳ د ۲۷ - ۲۶ - قٓ ۱۲ سکہ ۲۱۵ - ۲ - البقرہ ۱۲ سکہ ۲۱۹ - ۲ - البقرہ ۱۲

ومن هذا القبيل يجئ لفظ جعل و شئ ونحوهما لمعانٍ شتى قد يجئ جعل بمعنى خلق "وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ" وقد يكون بمعنى اعتقد "وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ" و شئ يجئ مكانَ الفاعلِ ومكانَ المفعولِ به وقد يجئ مكانَ المفعولِ المطلق وغيرها "اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ" اى من غير خالق "فَلَا تَسْئَلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ" اى من شئ مما تتوقف فيه من امرى وقد يريدون بالامر والنبأ والخطب المخبر عنه "هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ" اى قصة عجيبة وكذلك الخير والشر وما فى معناهما يختلفان بحسب المواضع

ترجمہ: اور اسی قبیل سے ہے لفظ جعل اور شی وغیرہ کا مختلف معانی کیلئے آنا، لفظ جعل کبھی تو بمعنی خلق آتا ہے بنایا اندھیرا اور اُجالا، اور کبھی بمعنی اعتقد، اور ٹھہراتے ہیں اللہ کا اس کی پیدا کی ہوئی میں سے "اور لفظ شی فاعل، مفعول بہ اور مفعول مطلق وغیرہ کی جگہ آتا ہے۔ کیا وہ پیدا ہو گئے بغیر کسی شئ کے یعنی بغیر کسی پیدا کرنے والے کے" تو مت پوچھے مجھ سے کوئی چیز، یعنی ایسی بات جس کی نسبت تجھکو تامل ہو میرے کاموں میں، اور کبھی امر ونبا اور خطب سے مخبر عنہ یعنی قصہ مراد لیتے ہیں،" وہ ایک بڑی خبر ہے۔ یعنی ایک عجیب قصہ ہے، اسی طرح خیر و شر اور ان کے ہم معنی الفاظ حسب موقعہ مختلف ہو جاتے ہیں:

تشریح:

قولہ لفظ جعل الخ امام راغب کہتے ہیں کہ تمام افعال میں ایک عام لفظ ہے جیسے فعل، صنع اور اس کے دیگر تمام ہم معنی الفاظ سے زیادہ عموم پایا جاتا ہے اور اس کا استعمال پانچ طریقہ پر ہوتا ہے اول یہ کہ صار اور طفق کا قائم مقام ہوتا ہے اور متعدی نہیں ہوتا نحو جعل زید یقول کذا، دوم یہ کہ بمعنی خلق واوجد آتا ہے اور ایسے موقعہ پر ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے "وجعل الظلمت والنور" سوم یہ کہ ایک چیز سے دوسری چیز پیدا کرے اور وجود میں لانے کے معنی میں آتا ہے جیسے جعل لکم من انفسکم ازواجا، وجعل لکم من الجبال اکنانا" چہارم یہ کہ ایک شی کو ایک خاص حالت سے دوسری حالت میں کر دینے کے معنی میں آتا ہے جیسے "الذی جعل لکم الارض فراشا، وجعل القمر فیهن نورا" پنجم یہ کہ ایک شی سے اسی شی پر حکم لگانیکا فائدہ دیتا ہے خواہ بطریق حق ہو جیسے "وجاعلوہ من المرسلین" یا بطریق باطل ہو جیسے "ویجعلون للہ البنات" "الذین جعلوا القرآن عضین"۔

قولہ فلا تسئلنی الخ یہ حضرت خضر کا قول ہے یعنی اگر کوئی بات بظاہر ناحق نظر آئے تو مجھ سے فوراً دریافت نہ کرنا جب تک میں خود اپنی طرف سے کہنا شروع نہ کروں۔

سلہ ۱ - ۷ - انعام ۱۲ سلہ ۶ ۱۳ - ۷ - انعام ۱۲ سلہ ۳۵ - ۲۷ - طور ۱۲ سلہ ۷۰ - ۱۲ - کہف ۱۲ سلہ ۶ - ۲۳ - ص ۱۲

محمد حنیف غفر لہ گنگوہی

ومن هذا القبيل انتشارُ الآياتِ فقد يُبادرون الى آيةٍ مقامُها الاصلي بعد ايراد القصةِ فيذكرونها قبلَ تمامِ القصةِ ثم يعودون الى القصة فيتمّونها وقد تكون الآيةُ متقدمةً في النزولِ متأخرةً في التلاوة " قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ " مقدمةٌ في النزول و" سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ " متأخرةٌ وفي التلاوة بالعكس وقد يدرج الجواب في أثناءِ قولِ الكفارِ " وَلَا تُؤْمِنُوْا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ يُّؤْتٰى اَحَدٌ مِّثْلَ مَا اُوْتِيْتُمْ " وبالجملة فهذه المباحث تحتاج الى تفصيلٍ كثيرٍ ولكن يكفي هذا القدرُ مما ذكرنا ومَن طالعه من اهل السعادة وَاستحضرَ هذه الامورَ وأخطرَها بالبالِ في أثناءِ المطالعة يدرك الغرضَ من الكلام بادنىٰ تأملٍ ويقيس غيرَ المذكورِ على المذكور وينتقل من مثالٍ الى امثلةٍ أُخر

توضیح اللغات: یبادرون مبادرۃً جلدی کرنا، تقلب پھرانا، بار بار کرنا، سفہاء جمع سفیہ بیوقوف، یدرج ادراجاً داخل کرنا، اثناء درمیان، اخطر الشیٔ یاد دلانا، بال دل۔

ترجمہ:- اسی قبیل سے انتشار آیات ہے کہ آیت کو جس کا اصلی مقام اختتام قصہ کے بعد ہے قصہ تمام ہونے سے پیشتر ہی ذکر کر دیتے ہیں اور پھر قصہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کو پورا کرتے ہیں اور کبھی کوئی آیت نزول میں مقدم اور تلاوت میں مؤخر ہوتی ہے، "بیشک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھانا تیرے منہ کا" یہ نزول میں مقدم ہے" اور اب کہیں گے بیوقوف" مؤخر ہے اور تلاوت میں اس کا عکس ہے، اور کبھی جواب کو کلام کفار کے درمیان ذکر کیا جاتا ہے،، اور نہ مانیو مگر اس کی جو چلے تمہارے دین پر کہدے کہ بےشک ہدایت وہی ہے جو اللہ ہدایت کرے اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اور کسی کو بھی کیوں مل گیا جیسا کچھ تم کو ملا تھا،، الحاصل یہ مباحث بہت تفصیل چاہتے ہیں لیکن جس قدر ہم نے بیان کیا وہ کافی ہے جو سعادتمند اس کا مطالعہ کرے اور ان امور کو دل میں جاگزیں کرلے تو وہ ادنیٰ غور سے کلام کا مقصد پالے گا اور امور غیر مذکور کو مذکور پر قیاس کرکے ایک مثال سے دوسری مثالوں تک پہونچ جائے گا۔ تشریح:-

قولہ قل ان الهدیٰ الخ یہ فعل اور اس کے متعلق کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور "ان یؤتیٰ" بتقدیر لام فعل محذوف کی علت ہے ای قلتم ذلک القول ودبرتم الکید لان یعطی احد مثل ما اعطیتم، اور اعراض مذکور کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے چار آیت قبل کہا تھا،، واللہ ولی المؤمنین، اب یہاں بتلایا کہ جب مومنین کا ولی اللہ ہے اور اسی لئے اپنے لطف وکرم اور مہربانی سے اسلام کی توفیق دی تو ان کا داؤ کم پر کیا چل سکتا ہے۔

سلہ ۱۴۳-۲- بقرہ ۱۲ سلہ ۱۴۲-۲- بقرہ ۱۲ سلہ ۷۳-۳- آل عمران ۱۲

(فصل ۵) ليعلوان المحكم مالم يفهم منه العارف باللغة الا معنى واحدا والمعتبر فهم العرب الاول لافهم مدققي زماننا فان التدقيق الفارغ داء عضال يجعل المحكم متشابها والمعلوم مجهولا

توضیح اللغۃ: الاول اولیٰ مؤنث کی جمع ہے، مدققی، مدققین تھا نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، دقق فی الشئ سے ہے باریک بینی سے کام لینا، داء بیماری، عضال لاعلاج۔ ترجمہ: فصل پنجم

جاننا چاہیئے کہ محکم اس کو کہتے ہیں جس سے زبان کا جاننے والا سوائے ایک معنی کے نہ سمجھ سکے اور اس میں پہلے عربوں کی سمجھ کا اعتبار ہے نہ کہ ہمارے زمانہ کے بال کی کھال نکالنے والوں کی سمجھ کا کیونکہ تدقیق محض ایسا لاعلاج مرض ہے جو محکم کو متشابہ اور معلوم کو مجہول بنا ڈالتا ہے۔ تشریح۔

قولہ اعلم ان المحکم الخ سورۂ آل عمران کے پہلے رکوع میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

ہو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیت محکمت ہن ام الکتاب واخر متشابہات	وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب اسمیں بعض آیتیں ہیں محکم وہ اصل ہیں کتاب کی اور دوسری ہیں متشابہ

ابن حبیب نیشاپوری نے اس مسئلہ میں تین قول ذکر کئے ہیں (۱) آیت "کتاب احکمت آیاتہ" کے لحاظ سے پورا قرآن محکم ہے (۲) آیت "کتابا متشابہا مثانی" کے پیش نظر سارا قرآن متشابہ ہے (۳) صحیح قول یہ ہے کہ آیت بالا کے بموجب بعض آیات محکم ہیں جو فی الحقیقت کتاب کی ساری تعلیمات کی جڑ اور اصل اصول ہیں، اور بعض دیگر متشابہات ہیں، لغت میں محکم کے اصل معنی منع کرنے اور باز رکھنے کے ہیں نقول "احکمت" بمعنی رددت ومنعت اسی سے "حکمۃ اللجام" ہے یعنی لگام کا وہ حصہ جو گھوڑے کے دونوں جبڑوں کی جانب ہو، کیونکہ وہ گھوڑے کو اضطراب سے روکتا ہے۔

اصطلاحی معنی کی بابت علامہ سیوطی نے متعدد اقوال نقل کئے ہیں (۱) جس امر کی مراد صاف طور پر یا بذریعہ تاویل معلوم ہو وہ محکم ہے اور جس کا علم خدا نے اپنے ہی لئے خاص کیا ہے جیسے قیام ساعت، خروج دجال، اوائل سور کے حروف مقطعہ یہ سب متشابہ ہیں (۲) جس کے معنی واضح اور کھلے ہیں وہ محکم ہے اور جو اس کے خلاف ہو وہ متشابہ ہے (۳) جس امر کی تاویل ایک ہی وجہ پر ہو سکے وہ محکم ہے اور جس کی تاویل کئی وجوہ کا احتمال رکھتی ہو وہ متشابہ ہے (۴) جس بات کے معنی عقل قبول کرتی ہو وہ محکم ہے اور جو اس کے خلاف ہو وہ متشابہ ہے مثلاً نمازوں کی تعداد، روزوں کا ماہ رمضان ہی کے لئے خاص ہونا (۵) جو شئی مستقل بنفسہ ہو وہ محکم ہے اور جو فہم معنی میں غیر کی محتاج ہو وہ متشابہ ہے (۶) جس کے الفاظ مکرر نہ آئے ہوں وہ محکم ہے اور جو اس کے برعکس ہو وہ متشابہ ہے (۷) محکم نام ہے فرائض اور وعدو وعید کا اور متشابہ قصص وامثال کو کہتے ہیں (۸) ابن ابی حاتم نے بطریق علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ محکمات قرآن کے ناسخ، حلال، حرام، حدود، فرائض اور ان باتوں کا نام ہے جن پر ایمان لایا جاتا اور عمل کیا جاتا ہے اور متشابہات قرآن کے منسوخ، مقدم، مؤخر، امثال، قسموں اور ان باتوں کا نام ہے کہ جن پر ایمان تو لایا جاتا ہے مگر ان پر عمل نہیں کیا جاتا، حضرت شاہ صاحب کے نزدیک مختار یہ ہے کہ محکم وہ ہے جس میں ایک وجہ کے علاوہ (باقی بر ۲۱۲)

والمتشابہ ما احتمل معنيين لاحتمال رجوع الضمير الى المرجعين كما اذا قال شخص اما ان الامير امرني ان العن فلانا لعنه الله او لاشتراك كلمة في المعنيين نحو "لمستم" في الجماع واللمس باليد او لاحتمال العطف على القريب والبعيد نحو "وامسحوا برؤسكم وارجلكم" في قراءة الكسر او لاحتمال العطف والاستئناف نحو "وما يعلم تاويله الا الله والراسخون في العلم"

ترجمہ:

اور متشابہ وہ ہے جو دو معنی کا محتمل ہو ضمیر کے دو مرجعوں کی جانب لوٹنے کے احتمال کی وجہ سے جیسے کوئی کہے "مجھ کو امیر نے حکم کیا ہے کہ فلاں شخص کو لعنت کروں اللہ اسکو لعنت کرے" یا دو معنوں میں کلمہ کے مشترک ہونے کی وجہ سے جیسے "لمستم" جماع اور ہاتھ سے چھونے میں مشترک ہے یا قریب اور بعید دونوں پر عطف کے احتمال کی وجہ سے جیسے "مل لو اپنے سروں کو اور اپنے پاؤں کو" درصورت قرأت کسر یا عطف واستیناف دونوں کے احتمال کی وجہ سے جیسے "اور ان کا مطلب کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور مضبوط علم والے" تشریح:

قولہ والمتشابہ الخ محکم کے ذیل میں متشابہ کی بھی قدرے تفصیل گذر چکی، متشابہ وہ ہے جس میں دو معنی کا احتمال ہو، یا تو اس لئے کہ ضمیر میں دو مرجعوں کی جانب لوٹنے کا احتمال ہے جیسے یہ کہے "ان الامیر امرنی ان العن فلانا لعنہ اللہ" کہ اسمیں لعنہ اللہ کی بابت اشتباہ ہے کہ اس کو لعنت کرنے سے کیا مراد ہے آیا شخص مامور پر لعنت کرے یا آمر پر یعنی لعنہ کی ضمیر فلانا کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے اور الامیر کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے۔

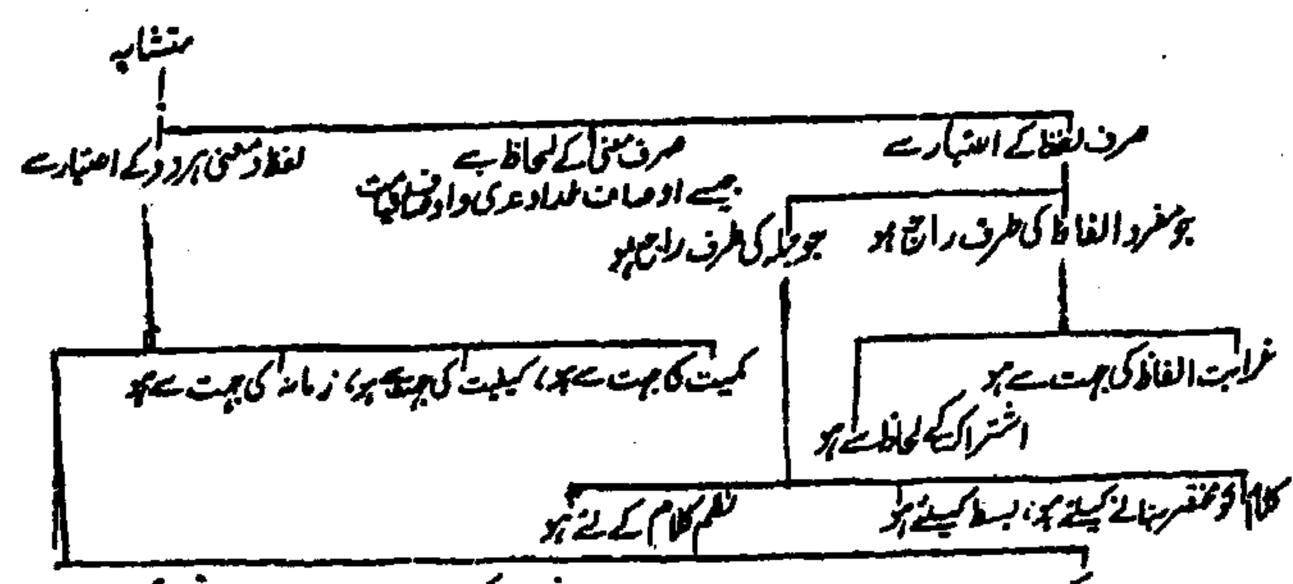
(بقیہ صـ۲۱۱)

کا احتمال نہ ہو اور متشابہ وہ ہے جسمیں چند احتمالات ہوں، چنانچہ موصوف حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ "منہ آیت محکمات واخر متشابہات" اقول الظاہر ان المحکم ما لم یحتمل الا وجہا واحدا مثل "حرمت علیکم امہاتکم وبنٰتکم واخواتکم" والمتشابہ ما احتمل وجوہا وانما المراد بعضہا کقولہ تعالیٰ "لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصلحت جناح فیما طعموا" حملہا الذین ... علی اباحۃ الخمر ما لم یکن بغی او فساد فی الارض والصحیح حملہا علی شاربیہا قبل التحریم۔

ارشاد باری ہے اس میں سے بعض آیتیں محکم ہیں جو کتاب کی اصل ہیں اور بعض دوسری متشابہ ہیں" میں کہتا ہوں ظاہر یہی ہے کہ محکم وہ ہے جس میں صرف ایک ہی وجہ کا احتمال ہو جیسے "حرام کردی گئیں تم پر تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں" اور متشابہ وہ ہے جس میں چند احتمال ہوں اور ان میں سے بعض مراد ہوں جیسے قول باری "نہیں ہے ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک کام کئے کوئی گناہ اس میں جو انہوں کھایا، محمول کیا ہے اس کو کچھ لوگوں نے شراب کی اباحت پر جبتک کسی پر ظلم یا زمین میں فساد نہ ہو اور صحیح یہ ہے کہ یہ ان کے حق میں ہے جو پیتے تھے تحریم سے پیشتر

(فائدہ ۷) علامہ راغب نے "مفردات القرآن" میں بیان کیا ہے کہ قرآنی آیات میں سے بعض کو بعض کے مقابلہ پر رکھ کر دیکھا جائے تو ان کی تین قسمیں قرار پاتی ہیں (۱) مطلقاً محکم (۲) مطلقاً متشابہ (۳) من وجہ محکم اور من وجہ متشابہ پھر متشابہ یا تو فقط لفظ کے اعتبار سے ہوگا یا فقط معنی کے لحاظ سے یا ہر دو کی جہت سے، اوّل یعنی متشابہ من جہۃ اللفظ کی دو قسمیں ہیں ۱؎ جو مفرد الفاظ کی طرف راجع ہو خواہ غرابت الفاظ کی جہت سے ہو مثلاً الأبّ اور یزفّون یا اشتراک کے لحاظ سے ہو جیسے الید اور الیمین ۲؎ جو جملہ کی طرف راجع ہو اس کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو کلام کو مختصر بنانے کے لئے آتی ہے جیسے "وإن خفتم ألّا تقسطوا في اليتامى فانكحوا ما طاب لكم" اور ایک وہ جو بسط کلام کے لئے آتی ہے جیسے "ليس كمثله شيء" اور ایک وہ جو نظم کلام کے لئے آتی ہے جیسے "أنزل على عبده الكتاب ولم يجعل له عوجا قيّما" دوم یعنی متشابہ من جہۃ المعنی میں اوصاف خداوندی اور اوصاف قیامت کو شمار کرنا چاہیئے کیونکہ یہ اوصاف ہمارے تصور میں نہیں آتے۔ سوم یعنی لفظ و معنی ہر دو کی جہت سے متشابہ کی پانچ قسمیں ہیں (۱) عموم و خصوص کی طرح کمیت کی جہت سے جیسے "اقتلوا المشركين" (۲) وجوب و ندب کے طریقے پر کیفیت کی جہت سے جیسے "فانكحوا ما طاب لكم من النساء" (۳) ناسخ و منسوخ کی طرح زمانہ کی جہت سے "اتقوا الله حق تقاته" (۴) مکان اور ان امور کی جہت سے جن میں آیت کا نزول ہوا ہو جیسے "وليس البرّ بأن تأتوا البيوت من ظهورها" (۵) ان شرطوں کی جہت سے جن کے ساتھ فعل صحیح اور فاسد ہوتا ہے جیسے نماز اور نکاح کی شرطیں، اس مضمون کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لئے اس نقشہ میں ڈھال لو



مکان اور ان امور کی جہت سے ہو جن میں آیت کا نزول ہوا ہے، ان شرطوں کی جہت سے ہو جن کے ساتھ فعل صحیح یا فاسد ہوتا ہے۔

قولہ، وما يعلم تأويله الخ اسمیں اختلاف ہے کہ آیا متشابہ قرآن کے علم پر آگاہ ہونا ممکن ہے یا اس کا علم خدا کے سوا اور کسی کو نہیں؟ اور یہ اختلاف "والراسخون في العلم" کے عطف و استیناف پر مبنی ہے چنانچہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ "والراسخون في العلم" اللہ پر معطوف ہے اور "يقولون" اس کا حال واقع ہو رہا ہے اور مطلب یہ ہے کہ راسخ فی العلم لوگوں کو اس کی تاویل معلوم ہے امام نووی نے اسی قول کو پسند کیا ہے چنانچہ وہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ "بیشک یہ صحیح ترین قول ہے کیونکہ یہ بات بعید از فہم ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں سے ایسی باتوں کے ساتھ خطاب فرمائے جنکو اس کی مخلوق میں سے کوئی جان ہی نہ سکے (باقی بر صفحہ ۲۱۴)

والکنایۃ ان یُثبتَ حکمٌ من الاحکام ولا یُقصد بہ ثبوتُ عینہ بل المقصودُ انتقالُ ذھنِ المخاطب الیٰ ما یلزمہ لزومًا عادیًا او عقلیًا کما فی "عظیمُ الرّمادِ" فان المعنی کثرۃ الضیافۃ ویُفھم من "بَلْ یَدَاہُ مَبْسُوْطَتٰنِ" معنی الکرم والسخاوۃ

ترجمہ:۔

اور کنایہ یہ ہے کہ ثابت کیا جائے کوئی حکم اور مقصود بعینہ اس کا ثبوت نہ ہو بلکہ ذہن مخاطب کا منتقل ہونا ہو اس شی کی طرف جو اس حکم کو لازم ہو عادۃً یا عقلاً جیسے "عظیم الرماد" کثرت مہمانداری اور "بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں" سے کرم وسخاوت مفہوم ہوتی ہے۔ **تشریح:۔**

قولہ والکنایۃ الخ بلغاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مجاز حقیقت سے اور کنایہ تصریح سے ابلغ تر ہے اور وجہ یہ ہے کہ مجاز اور کنایہ میں انتقال ملزوم سے لازم کی طرف ہوتا ہے جو "آفتاب آمد دلیل آفتاب" کا مصداق ہے کیونکہ وجود ملزوم مقتضی وجود لازم ہوتا ہے اس لئے کہ ملزوم لازم سے منفک نہیں ہوتا پس "فلان کثیر الرماد" ایسا ہے جیسے یوں کہیں فلان کریم لانہ کثیر الرماد طرطوسی کہتے ہیں کہ عرب کی تمام ترفصیح امثال کنایات کے طریق پر جاری ہیں جیسے فلان عفیف الازار طاہر الذیل، حدیث میں ہے "کان اذا دخل العشر ایقظ اہلہ وشد المئزر" پس شد مئزر کے ذریعہ ترک وطی سے کنایہ ہے اسی طرح حدیث میں عسیلہ کے ذریعہ جماع سے اور قواریر کے ذریعہ عورتوں سے کنایہ ہے، نیز قرآن پاک میں ملامست، مباشرۃ، افضاء، رفث، دخول، سر، اور غشیان کے ذریعہ جماع سے کنایہ موجود ہے:۔

قولہ ان یثبت الخ کنایۃ لغت کے لحاظ سے کنیت یا کنوت بکذا عن کذا کا مصدر ہے بمعنی کسی چیز کی تصریح نہ کرنا، یائی ہونے کی صورت میں مضارع رمی یرمی کی طرح آئیگا اور وادی ہونے کی صورت میں دعا یدعو۔

(بقیہ ص ۲۱۳)

لیکن صحابہ، تابعین، تبع تابعین، اور دیگر علماء مفسرین خصوصًا اہلسنت والجماعت کے نزدیک "والراسخون فی العلم" مبتدا ہے اور "یقولون" اس کی خبر اور "والراسخون" کا واؤ عاطفہ نہیں استینافیہ ہے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مضبوط علم رکھتے ہیں وہ محکمات اور متشابہات سب کو حق جانتے ہیں اور جو حصہ ان کے دائرہ فہم سے باہر ہے اسے اللہ پر چھوڑتے ہیں کہ وہی بہتر جانے ہم کو ایمان سے کام ہے، حضرت ابن عباسؓ کی قرأت "وما یعلم تاویلہ الا اللہ ویقول الراسخون فی العلم آمنا بہ" صاف طور سے دلالت کرتی ہے کہ اس آیت میں واؤ عاطفہ نہیں بلکہ استینافیہ ہے، اور اس روایت کا گو قرأت ہونا ثابت نہیں ہوتا تاہم کم از کم اس کو یہ درجہ ضرور حاصل ہے کہ صحیح اسناد کے ساتھ یہ ترجمان القرآن (ابن عباسؓ) کا قول تسلیم کیا گیا اور تفسیر کے بارے میں ان کا بیان دوسروں کے بیان پر بہرحال مقدم ہوگا، اس کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ خود آیۃ کریمہ نے متشابہ کے پیچھے پڑنے والوں کو برا کہا اور کج روی ومفسدہ پردازی کا خواہاں بتایا ہے (اتقان مختصرا)

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

کی طرح، اہل بیان کی اصطلاح میں کنایہ اس لفظ کو کہتے ہیں جس سے اس کے معنی کا لازم مراد لیا گیا ہو اور ملزوم کا ارادہ کرنا بھی جائز ہو جیسے فلان طویل النجاد کہ اس میں طول نجاد سے مراد طول قامت ہے لیکن اس کے حقیقی معنی کا ارادہ کرنا بھی جائز ہے کہ فلاں لمبے پرتلے والا ہے۔

قولہ عظیم الرماد الخ اس مثال میں کثرت ضیافت سے کنایہ ہے بایں طور کہ عظیم الرماد سے بکثرت لکڑیاں جلانے کی طرف اور اس سے بکثرت کھانیں پکنے کی طرف پھر بہت سے کھانے والوں کی طرف اس کے بعد مہمانوں کے بہت ہونے کی طرف پھر معنی مقصود یعنی کثرت ضیافت کی طرف انتقال ہے۔ اسی طرح یہ آیت ہے " واشتعل الراس شیبا " کہ یہ " واشتعل شیب الراس " سے بلیغ تر ہے کیونکہ یہ تمام سر کے لئے شیب کے عام ہو جانے کا فائدہ دیتا ہے ومثلہ قولہ تعالیٰ " واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ "۔

(فائدہ) بدر الدین بن مالک نے کتاب المصباح میں بیان کیا ہے کہ صریح باتوں سے کنایہ کی طرف ایک باریکی کے ارادہ سے عدول کیا جاتا ہے مثلاً وضاحت کرنے موصوف کا حال بیان کرنے یا اس کے حال کی مقدار بتانے یا مدح وذم، پردہ پوشی، نگہداشت، تعمیہ اور الغاز کے قصد سے یا دشوار امر کی تعبیر آسان بات سے اور برے معنی کی تعبیر اچھے الفاظ کے ساتھ کرنے کے لئے کنایہ کو لایا جاتا ہے۔

" قولہ بل یداہ مبسوطتان الخ سورہ مائدہ میں قول یہود کی حکایت کرتے ہوئے ارشاد ہے

وَقَالَتِ الیھود یدُ اللہِ مَغلولۃٌ غلت ایدیھم وَلعنوا بما قالوا بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء

یہود کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا انہیں کے ہاتھ بند ہو جائیں اور لعنت ہے ان کو اس کہنے پر بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں خرچ کرتا ہے جس طرح چاہے

اس میں " ید اللہ مغلولۃ " سے ان کی مراد یا تو وہی ہے جو " ان اللہ فقیر " سے ہے کہ معاذ اللہ تنگدست ہو گیا اس کے خزانہ میں کچھ نہیں رہا، یا فعل ید بخل وامساک سے کنایہ ہے یعنی تنگدست تو نہیں مگر آجکل بخل کرنے لگا ہے والعیاذ باللہ " بل یداہ مبسوطتان " میں اسی کا جواب ہے جو حق تعالیٰ کے جود وکرم کی نہایت وسعت سے کنایہ ہے۔

(تنبیہ) حق تعالیٰ کے لئے جہاں ہاتھ پاؤں آنکھ وغیرہ نعوت ذکر کی گئی ہیں ان سے بھول کر بھی یہ وہم نہ ہونا چاہیے کہ وہ معاذ اللہ مخلوق کی طرح جسم اور اعضاء جسمانیت رکھتا ہے بس جس طرح خدا کی ذات اور وجود، حیات، علم وغیرہ تمامی صفات کی کوئی نظیر اور مثال اور کیفیت اس کے سوا بیان نہیں ہو سکتی۔

ای برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم ۔ وز ہرچہ گفتہ اند شنیدیم وخواندہ ایم
منزل تمام گشت وبپایاں رسید عمر ۔ ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

اسی طرح ان نعوت وصفات کو خیال کرو، خلاصہ یہ کہ جیسے خدا کی ذات بے چوں و بے چگوں ہے اس کے سمع، بصر، ید وغیرہ نعوت وصفات کے معانی بھی اس کی ذات اور شان اقدس کے لائق اور ہمارے کیف وکم اور تعبیر وبیان کے احاطہ سے بالکل وراء الوراء ہیں۔ (فوائد)

ومن هذا القبيل تصويرُ المعنى المرادِ بصورةِ المحسوسِ وذلك بابٌ واسعٌ في أشعار العرب وخطبهم والقرآن والسنة نبينا صلى الله عليه وسلم مشحونةٌ به "وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ" شبَّه برئيس السارقين حيث يُنادى اصحابه فيقول تعالوا من هذه الجهة وادخلوا من تلك الجهة "وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا، إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا" شبّه إعراضهم عن تدبّر الآيات بمن غُلّت يداه او بُنى حواليه سدٌّ من كل جهة فلا يستطيع الرؤية اصلاً. "وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ" يعنى اجمعْ خاطرَكَ من الانتشار ونظيرُ ذلك فى العرف انهم اذا قرّروا شجاعة رجلٍ يُشيرون بالسيف انه يضرب هكذا ويضرب هكذا ولا يقصد به إلّا الغلبة اهل الآفاقِ بصفةِ الشجاعةِ وان لم يكن أخذَ السيفَ بيدِه مرّةً من الدهر وكذلك يقولون يقول فلان لا ارى احداً فى الارض يُبارزُنى او يقولون فلان يفعل هكذا ويشيرون بهيئةِ اهلِ المبارزةِ فى وقت مغالبةِ الخصم ولو لم يكن يفعل هذا الشخصُ هذا الفعلَ ولا صدرَ عنه هذا القولُ او يقولون خنقنى فلان وجرَّ اللقمةَ مِن داخلِ الفمِ

توضيح اللغة:—

خطب جمع خطبۃ تقریر، مشحونۃ بھری ہوئی، اجلب۔ علی الفرس چلاکر آگے بڑھنے پر اکسانا، خیل گھوڑا مراد سوار، رجل جمع راجل پیدل چلنے والا، سدّ دیوار، اعناق جمع عنق گردن، اغلال جمع غل ہتھکڑی، حوالی اطراف، جناح بازو رہب خوف، خاطر دل، شجاعۃ بہادری، سیف تلوار، بیارز مبارزۃ لڑائی کے لئے مقابلہ پر نکلنا، خنقنی (ن) خنقاً گلا گھونٹنا، فم منہ۔

ترجمہ:—

اور اسی قبیل سے ہے مقصودی معنی کی تصویر محسوس کی صورت سے اور یہ ایک نہایت وسیع باب ہے عربوں کے اشعار وخطبات میں اور قرآن وسنت اس سے پُر ہیں، اور لے آان پر اپنے سوار اور پیادے تشبیہ دی ہے ڈاکوؤں کے سردار سے جبکہ وہ للکارتا ہے اپنے ساتھیوں کو کہ ادھر سے آؤ اور اس طرف سے گھس پڑو، ہم نے ڈالے ہیں ان کی گردنوں میں طوق، تشبیہ دی ہے تدبر آیات سے کفار کے اعراض کو اس کے ساتھ جس کے ہاتھ جکڑ دیے گئے ہیں یا اس کے چاروں طرف دیواریں کھڑی کر دی گئی ہوں تاکہ وہ کچھ دیکھ نہ سکے، اور ملالے اپنی طرف اپنا بازو ڈر سے یعنی خاطر جمع رکھ پریشانی سے اور اس کی نظیر عرف میں یہ ہے کہ جب کسی کی بہادری بیان کرتے ہیں تو اشارہ کرتے ہیں تلوار سے کہ وہ یوں تلوار چلاتا ہے گو اس نے مدت العمر تلوار ہاتھ میں نہ پکڑی ہو، مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ بہادر ہے، اسی طرح کسی کا مقولہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کہتا ہے کہ زمین پر کسی کو ایسا بہادر نہیں پاتا جو مجھ سے مقابلہ کی تاب رکھتا ہو، یا کہتے ہیں کہ فلاں ایسا کرتا ہے اور ایسی ہیئت سے اشارہ کرتے ہیں جس کا اظہار لڑائی والے اپنے حریف کے مغلوب ہونیکے وقت کرتے ہیں اگرچہ اس نے کبھی یہ کلمہ نہ کہا ہو یا یہ فعل نہ کیا ہو، یا کہتے ہیں کہ فلاں میرا گلا گھیر رہا ہے یا فلاں نے میرے منہ سے لقمہ نکال لیا۔

لے ۶۴-۱۵- اسراء ۱۲ سے ۹ ۸-۲۲- یس ۱۲ سے ۳۲-۲۰- قصص ۱۲

والتعریض ان یذکر حکم عام او منکر ویقصد بہ تقریر حال شخص خاص او التنبیہ علی حال رجل معین وربما یجئ فی اثناء الکلام بعض خصوصیات ذلک الشخص ولا یطلع المخاطب علی ذلک الشخص فیتحیر قاری القرآن فی مثل ھذا الموضع وینتظر القصۃ ویحتاج الیہا وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا انکر علی شخص یقول "ما بال اقوام یفعلون کذا وکذا" کما فی قولہ تعالی "وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا" الآیۃ تعریض بقصۃ زینب واخیہا

ترجمہ

اور تعریض یہ ہے کہ کوئی عام حکم ذکر کیا جائے اور اس سے کسی خاص شخص کا حال بیان کرنا یا کسی شخص خاص کے حال پر تنبیہ کرنا مقصود ہو، بعض اوقات اثناء کلام میں اس شخص کی بعض خصوصیات آجاتی ہیں اور مخاطب اس شخص پر مطلع نہیں ہوتا پس ایسے مقام میں قاری قرآن متحیر ہو کر منتظر قصہ ہوتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے فعل پر انکار کرنا چاہتے تو فرماتے، کیا حال ہے ان لوگوں کا جو ایسا کرتے ہیں" جیسے اس آیت میں ہے" اور کام نہیں کسی ایماندار مرد کا اور نہ ایماندار عورت کا جب کہ مقرر کر دے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام کہ ان کو رہے اختیار اپنے کام کا" یہ حضرت زینب اور ان کے بھائی کے قصہ کی طرف اشارہ ہے:۔

تشریح

قولہ والتعریض الخ تعریض بھی محاسن کلام میں سے ایک عمدہ نوع ہے شیخ جرجانی کہتے ہیں کہ بلغاء کا اس پر اجماع ہے کہ کنایہ افصاح سے ابلغ اور تعریض تصریح سے اوقع ہے، لغت میں تعریض کے معنی ہیں دوسرے پر ڈھال کے بات کہنا، اصطلاح میں تعریض اس کو کہتے ہیں کہ حکم تو ہو عام لیکن مقصود کسی خاص شخص کا حال بیان کرنا یا اس کے حال پر تنبیہ کرنا ہو، علامہ سکاکی کہتے ہیں کہ تعریض وہ ہے جس کا سوق غیر مذکور موصوف کے لیئے ہو اور منجملہ تعریض کے ایک بات یہ ہے کہ خطاب ایک شخص کے ساتھ ہو اور مراد اس کا غیر ہو، یہ چونکہ بات کے اس پہلو کی طرف جس کے ساتھ دوسرے امر کی جانب اشارہ ہوتا ہے جہت ہی مائل ہوتی ہے اسلئے اسکو تعریض کہتے ہیں یقال "نظر الیہ عن عرض وکلمہ عن عرض"، اس نے گوشۂ چشم سے دیکھا اور ایک جانب ہو کر گفتگو کی:۔

(فائدہ) کنایہ اور تعریض کے درمیان فرق ظاہر کرتے ہوئے زمخشری نے کہا ہے کہ شی کو اسکے موضوع لہ لفظ کے سوا دوسرے لفظ کے ساتھ ذکر کرنا کنایہ ہے اور تعریض اس بات کا نام ہے کہ ایک شی کا ذکر اس غرض سے کیا جائے کہ اس سے کسی غیر مذکور شی پر دلالت قائم ہو سکے، علامہ سبکی نے "الاغریض فی الفرق بین الکنایۃ والتعریض" میں لکھا ہے کہ کنایہ وہ لفظ ہے جس کا استعمال اسکے معنی میں یوں ہو کہ اس سے اسکے معنی کا لازم مراد ہو اور تعریض وہ لفظ ہے جو اپنے ہی معنی میں اس غرض سے استعمال ہو کہ وہ اپنے غیر کی طرف اشارہ کرے:۔

(باقی ص ۲۱۸)

سلہ لقصد السبتر علیہ لیکن ایلا فی الاستعطاف ۱۲ سنہ ۳۶ - ۲۲ - احزاب ۱۲

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ "تعریض" بابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ففی هذه الصورة ما لم يطلعوا على تلك القصة لا يدركون مطلب الكلام

ترجمہ

"اور قسم نہ کھائیں بڑے درجہ والے تم میں سے اور کشائش والے" یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے، پس ایسی صورت میں جب تک قصہ پر آگہی نہ ہو کلام کا مطلب نہیں سمجھ سکتے:۔

تشریح:۔ قولہ ولا یأتل الخ حضرت عائشہؓ پر طوفان اٹھانے والوں میں بعض مسلمان بھی نادانی سے شریک ہو گئے تھے اور ان میں سے ایک حضرت مسطح تھے جو ایک مفلس مہاجر ہونے کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں، قصہ افک سے پہلے حضرت صدیق اکبر انکی امداد اور خبرگیری کیا کرتے تھے جب یہ قصہ ختم ہوا اور عائشہ صدیقہ کی برارت آسمان سے نازل ہو چکی، تو حضرت ابوبکرؓ نے قسم کھائی کہ آئندہ مسطح کی امداد نہ کروں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی تم میں سے جن کو اللہ نے دین کی بزرگی اور دنیا کی وسعت دی ہے انہیں لائق نہیں کہ ایسی قسم کھائیں ان کا ظرف بہت بڑا اور ان کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں (باقی صفحہ ۲۱۷)

تولہ وما کان لمؤمن الخ حضرت زینب بنت جحش بن رباب اسدی۔ امیمہ بنت عبد المطلب کی بیٹی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن نہایت حسینہ جمیلہ اور قریش کے اعلیٰ خاندان سے تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کا نکاح زید بن حارثہ سے کردیں جو اصل سے شریف عرب تھے لیکن لڑکپن میں کوئی ظالم ان کو پکڑ لایا اور غلام بنا کر کے بازار میں بیچ گیا اور حضرت خدیجہؓ نے خرید کر کچھ دنوں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کردیا، جب یہ ہوشیار ہوئے تو ایک تجارتی سفر کی تقریب سے اپنے وطن کے قریب سے گذرے وہاں انکے اعزہ کو پتہ لگ گیا تو انکے والد، چچا اور بھائی حضرت کی خدمت میں پہنچے کہ آپ معاوضہ لیکر ہمارے حوالے کردیں، فرمایا کہ معاوضہ کی ضرورت نہیں اگر تمہارے ساتھ جانا چاہے خوشی سے لیجاؤ، انہوں نے حضرت زید سے دریافت کیا انہوں نے کہا کہ میں حضرت کے پاس سے جانا نہیں چاہتا آپ مجھے اولاد سے بڑھ کر عزیز رکھتے ہیں اور ماں باپ سے زیادہ چاہتے ہیں، حضرت نے ان کو آزاد کردیا اور متبنیٰ بنالیا، بہرکیف حضرت زینب کی خاندانی حیثیت چونکہ بہت بلند تھی اور زید بظاہر داغ غلامی اٹھا کر آزاد ہوئے تھے ویسے بھی کچھ سیاہ رنگ تھے اس لیے زینب اور ان کے بھائی عبداللہ کی مرضی زید سے نکاح کرنے کی نہ تھی لیکن اللہ و رسول کو یہی منظور تھا اس لیے آپ نے ان پر زور دیا کہ وہ اس کو قبول کرلیں اسی پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان لوگوں نے اپنی مرضی کو اللہ و رسول کی مرضی پر قربان کردیا ؎

عاشقاں را گر در آتش می نشاند قہر دوست ❊ تنگ چشمم گر نظر در چشمۂ کوثر کنم

اور دس اشرفی اور ساٹھ درہم مہر پر حضرت زینب کا نکاح حضرت زید بن حارثہ سے ہوگیا۔

والمجازُ العقلی ان یُسندَ الفعلُ الی غیرِ فاعلِہ اویُقام مالیس مفعولاً بہ مقامَ المفعولِ بہ لعلاقۃ المشابھۃِ بینھما وادّعاء المتکلِم انہ داخلٌ فی عدادِہ وھو واحدٌ من ذلک الجنس کما یُقال بنیَ الامیرُ القصرَ مع انّ البانی بعضُ البنّائین لا الامیر انما ھو الآمرُ بالبناء وانبتَ الربیعُ البقلَ مع انّ المُنبِتَ ھو الحقُ سبحانہ فی موسم الربیع واللّٰہ اعلم۔

ترجمہ

اور مجاز عقلی یہ ہے کہ منسوب کیا جائے فعل کو اس کے فاعل کے غیر کی طرف یا رکھدیا جائے اس کو جو مفعول بہ نہیں ہے مفعول بہ کی جگہ اس علاقہ مشابہت کی وجہ سے جو ان دونوں میں ہو اور متکلم کے اس دعوی کی وجہ سے کہ وہ بھی اسی شمار میں داخل اور اسی جنس کا ایک فرد ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے محل بنایا، حالانکہ محل بنانے والے معمار ہوتے ہیں نہ کہ بادشاہ وہ تو بنانے کا حکم کرنے والا ہے، اور موسم بہار نے سبزہ اگایا، حالانکہ موسم بہار میں اگانے والے حق سبحانہ ہیں واللہ اعلم:۔ تشریح:

قولہ والمجاز العقلی الخ لفظ مجاز جاز المکان اذا تعداہ سے ماخوذ ہے اس کو مجاز اس لیئے کہتے ہیں کہ متکلم اس اسناد کے ذریعہ اصل اور حقیقت سے تجاوز کرتا ہے، مجاز عقلی جس کو مجاز حکمی مجاز فی الاثبات اور اسناد مجازی

(بقیہ ص ۲۱۸

بڑی جوانمردی تو یہی ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے، محتاج رشتہ داروں اور خدا کیلئے وطن چھوڑ نیوالوں کی اعانت سے دست کش ہو جانا بزرگوں اور بہادروں کا کام نہیں، اگر قسم کھائی ہے تو ایسی قسم کو پورا مت کرو اس کا کفارہ ادا کردو، تمہاری شان یہ ہونی چاہیئے کہ خطا کاروں کی خطا سے اغماض اور درگذر کرو ع ؎ در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست ؎ ایسا کروگے تو حق تعالیٰ تمہاری کوتاہیوں سے درگزر کرے گا کیا تم حق تعالیٰ سے عفو و درگذر کی امید اور خواہش نہیں رکھتے ؎ ؎

من کان یرجو عفو من فوقہ ؎ فلیعف عن ذنب الذی دونہ

احادیث میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب سنا ، الا تحبون ان یغفر اللہ لکم ، تو فوراً بول اٹھے، بلی یاربنا انا نحب ، یہ کہکر مسطح کی جو امداد کرتے تھے بدستور جاری فرمادی بلکہ معجم طبرانی کی روایت میں ہے کہ پہلے سے دگنی کردی (فوائد بزیادۃ و حذف):۔

قولہ اولوا الفضل الخ انسان العیون میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ حضور صلعم کے پاس بیٹھے تھے حضرت علی تشریف لائے تو آپ نے اپنی جگہ سے ہٹ کر درمیان میں بٹھایا اس پر حضور صلعم نے خوش ہو کر فرمایا لایعرف الفضل لاہل الفضل الا

اولوا الفضل سہ بود چنداں کرامت و فضلش ؎ کہ اولوا الفضل خواند ذوا الفضل
صورت و سیرتش ہمہ جاں بود ؎ زاں از چشم عوام پنہاں بود
روز و شب سال و ماہ در ہمکار ؎ ثانی اثنین اذ ہما فی الغار

بھی کہتے ہیں یہ ہے کہ فعل کو ایسے شخص کی طرف منسوب کریں جو حقیقت میں اس کا فاعل نہیں ہے جیسے انبت الربیع البقل (موسم بہار نے ساگ پات اگایا) اس میں انبات کی نسبت ربیع کی طرف مجازاً ہے اور حقیقت میں اگانے والے حق تعالیٰ ہیں۔

(فائدہ) جمہور کے نزدیک قرآن پاک میں حقائق کی طرح مجاز عقلی بھی موجود ہے، فرق ضالہ میں سے فرقہ ظاہریہ کا نظریہ ہے کہ قرآن میں نہ مجاز لغوی ہے نہ مجاز عقلی، شوافع میں سے ابن القاص اور مالکیہ میں سے ابن خویز منداد بھی وقوع مجاز کا منکر ہے، ان کا کہنا ہے کہ مجاز ایک قسم کا کذب ہے اور قرآن شائبہ کذب سے بھی منزہ ہے، مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ قرآن میں ایک دو جگہ نہیں ہزاروں جگہ مجاز موجود ہے جسکے انکار کی گنجائش ہی نہیں رہا ایہام کذب سو یہ وہم محض ہے کیونکہ قرائن کے ہوتے ہوئے یہ بات بے معنی ہے، نیز مجاز عقلی کے انکار سے قرآن پاک کا ایسے بے شمار محاسن ولطائف سے خالی ہونا لازم آتا ہے جن کا تعلق مجاز واستعارہ کے ساتھ ہے قولہ ان یسند الفعل الخ طرفین کے اعتبار سے مجاز عقلی کی چار قسمیں ہیں (۱) مسند ومسند الیہ دونوں حقیقی ہوں، جیسے، واذا تلیت علیہم آیاتہ زادتہم ایمانا، (۲) دونوں مجازی ہوں جیسے، فما ربحت تجارتہم، (۳) طرف اول مجازی ہو (۴) طرف دوم مجازی ہو جیسے، ام انزلنا علیہم سلطانا، حتی تضع الحرب اوزارہا۔

(فائدہ) مجاز کی دوسری قسم مجاز لغوی ہے جس کی بہت سی قسمیں ہیں (۱) کل کا اطلاق جزء پر جیسے، واذا رأیتہم تعجبک اجسامہم، (۲) جزء کا اطلاق کل پر جیسے، ویبقی وجہ ربک، (۳) خاص کا اطلاق عام پر جیسے، انا رسول رب العٰلمین، (۴) عام کا اطلاق خاص پر جیسے، ویستغفرون لمن فی الارض، (۵) لازم کا اطلاق ملزوم پر جیسے، ہل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدۃ، (۶) مسبب کا اطلاق سبب پر جیسے ینزل لکم من السماء رزقا، (۷) سبب کا اطلاق مسبب پر جیسے، ماکانوا یستطیعون السمع، (۸) ایک شئی کو اسکے انجام کے نام سے موسوم کرنا جیسے، انی ارانی اعصر خمرا، (۹) حال کا اطلاق محل پر جیسے، ففی رحمۃ اللہ ہم فیہا خالدون، (۱۰) محل کا اطلاق حال پر جیسے، فلیدع نادیہ، (۱۱) ایک شئی کو اسکے آلہ کے نام سے موسوم کرنا جیسے، واجعل لی لسان صدق فی الآخرین، (۱۲) ایک شئی کا نام اسکی ضد کے نام پر رکھنا جیسے، فبشرہم بعذاب الیم، (۱۳) فعل کی اضافت بطریق تشبیہ ایسی شئی کی طرف کرنا کہ اس سے اس فعل کا صدور ناممکن ہو جیسے، یرید ان ینقض۔

قولہ وانبت الربیع الخ ربیع کی جانب انبات کی اسناد اس حدیث میں آئی ہے جس کو امام بخاری نے کتاب الرقاق میں حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے قال

لایأتی الخیر الا بالخیر ان ہذا المال خضرۃ حلوۃ و ان کل ما انبت الربیع یقتل حبطا او یلم الا آکلۃ الخضرۃ تاکل حتی اذا امتدت خاصرتاہا استقبلت الشمس فاجترت وثلطت و بالت ثم عادت فاکلت الخ

خیر سے خیر ہی آتی ہے، یہ مال بہت خوشگوار شیریں (گھاس کی مانند) ہے، جو جانور ربیع کی پیداوار میں سے زیادہ کھالے یہ اسے ہلاکت کے قریب یا ہلاک کر دیتی ہے اور جو پیٹ بھر کے کھائے اور کوکھیں چڑھا کر سورج کی طرف ہو کے جگالی کرے اور لید پیشاب کر کے پھر کھائے الخ

الباب الثالث

في بديع أسلوب القرآن ولنبيّن هذا المبحث في ثلاثة فصول[1]

(الفصل الاول) لم يجعل القرآن مبوّبًا مفصّلاً ليطلب كل مطلب منه في باب او فصل بل كان كمجموع المكتوبات فرضا كما يكتب الملوك الى رعايا هم بحسب اقتضاء الحال مثالاً وبعد زمان يكتبون مثالاً آخر وعلى هذا القياس حتى تجتمع امثلة كثيرة فيدوّنها شخص حتى يصير مجموعًا مرتبًا كذلك لنزل الملك على الاطلاق جلّ شانه على نبيه صلى الله عليه وسلم لهداية عباده سورة بعد سورة بحسب اقتضاء الحال

ترجمہ

باب سوم قرآن مجید کے اسلوب بدیع کے بیان میں اور ہم یہ بحث تین فصلوں میں بیان کرتے ہیں
فصل اول قرآن مجید کو اس طرح باب وار اور فصل وار نہیں کیا گیا کہ اسکے ہر مبحث کو ایک جداگانہ باب یا فصل میں بیان کیا جاتا بلکہ قرآن پاک کو مجموعہ مکتوبات کے مثل فرض کرنا چاہیئے جس طرح بادشاہ اپنی رعایا کو حسب ضرورت وقت ایک فرمان لکھتے ہیں اس کے بعد دوسرا یہاں تک کہ بہت سے شاہی فرامین جمع ہو جاتے ہیں اور کوئی شخص ان کو جمع کر کے ایک مجموعہ مرتب کر دیتا ہے اسی طرح شاہ مطلق (خدا) نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بندوں کی ہدایت کے لیئے حسب ضرورت یکے بعد دیگرے سورتیں نازل فرمائیں :۔ **تشریح**

قولہ بل کان الخ یہاں سے ،، حتیٰ یصیر مجموعًا مرتبا ،، تک فارسی عبارت یوں ہے ،،
بلکہ قرآن را مانند مجموعۂ مکتوبات فرض کن چنانکہ بادشاہان برعایائے خود بحسب اقتضائے حال مثالی می نویسند و بعد زمانے مثال دیگر و علی ہذا القیاس تا آنکہ امثلہ بسیار جمع شود شخصے آں امثلہ را تدوین کند و مجموعہ مرتب سازد ،،
اس میں لفظ مثال و امثلہ فارسی کلمے ہیں بمعنی مرسوم ملکی یعنی شاہی فرمان، مترجم نے اس کو عربی کلمہ سمجھ کر عربی ہی کی طرح استعمال کر لیا، پس عربی میں اس عبارت کا صحیح ترجمہ یوں ہوگا ،،
بل افرض القرآن کمجموع المکتوبات کما یکتب الملوک الی رعایاہم بحسب اقتضاء الحال ـــــ مرسومًا ملکیا وبعد زمان یکتبون مرسومًا آخر وعلی ہذا القیاس حتی تجتمع مراسیم کثیرۃ فیدوّنہا شخص ویجعلہا مجموعًا مرتبًا، نبہ علی ذالک فی العون :۔

---

[1] ولعل الفصل الثالث ہو ،، مبحث اعجاز القرآن ،، واعلم ان ہذہ العبارۃ من زیادۃ المترجم لیس لہا ذکر فی الاصل الفارسی ۱۲ عون

وکان فی زمانہ صلے اللہ علیہ وسلم کلُّ سورۃٍ محفوظۃً و مضبوطۃً علیٰ حدۃ من غیر تدوینِ السُّوَرِ ثم رُتِّبَتِ السُّوَرُ فی مجلدٍ بترتیبِ خاصٍ فی زمانِ ابی بکرٍ و عمر رضی اللہ عنہما و سُمِّیَ ھذ المجموعُ بالمصحف

ترجمہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہر سورۃ جداگانہ مرتب اور محفوظ تھی تدوین کے بغیر، پھر حضرت ابوبکر و عمر کے زمانے میں تمام سورتوں کو ایک جلد میں خاص ترتیب کے ساتھ جمع کیا گیا اور یہ مجموعہ مصحف کے نام سے موسوم ہوا:۔ تشریح:

قولہ من غیر تدوین الخ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ، رسول اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو مصحف میں اس واسطے جمع نہیں فرمایا کہ آپ کو اسکے بعض احکام یا تلاوت کے نسخ کرنے والے حکم کے نزول کا انتظار باقی تھا، مگر جب آپ کی وفات کے باعث قرآن کا نزول ختم ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس سچے وعدہ کو وفا کرنے کے لیئے جوان سے اس کی حفاظت کے متعلق فرمایا تھا خلفاء راشدین کے دل میں یہ بات (جمع قرآن کی خواہش) ڈالی پس اس کام کا آغاز حضرت عمرؓ کے مشورہ کے مطابق حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں سے ہوا۔ قولہ فی زمان ابی بکر الخ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت کیا ہے کہ،، حضرت ابوبکرؓ کو جنگ یمامہ میں صحابہ کے شہید ہونے کی خبر ملی تو اسی وقت حضرت عمرؓ بھی آپ کے پاس آئے ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ عمر نے میرے پاس آکر کہا کہ معرکہ یمامہ میں بہت سے قاریان قرآن کریم شہید ہوگئے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ، آئندہ معرکوں میں بھی اگر اسی طرح وہ شہید ہوتے جائیں گے تو بہت سا قرآن ہاتھوں سے جاتا رہے گا، میری رائے ہے کہ تم جمع قرآن کا حکم دو، میں نے عمرؓ کو جواب دیا جس کام کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا میں اسے کس طرح کروں؟ عمر نے کہا، واللہ یہ بات بہتر ہے، غرضیکہ وہ مجھ سے بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے میرا دل کھول دیا اور میں نے بھی وہی رائے اس بارے میں قائم کرلی جو عمر نے قائم کی تھی، حضرت زید کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے مجھ سے کہا: تم ایک سمجھدار نوجوان ہو اور ہم تم کو متہم نہیں کرتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی بھی تھے اسلیئے تم قرآن کی تفتیش و جستجو کرکے اسے جمع کردو، زید کہتے ہیں کہ واللہ اگر مجھ کو ایک پہاڑ اس کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھدینے کا حکم دیتے تو یہ بات مجھ پر اتنی گراں نہ ہوتی جس قدر جمع قرآن کا حکم مجھ پر شاق گذرا، میں نے ابوبکر و عمر سے کہا تم دونوں صاحبان وہ کام کسطرح کرتے ہو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ تو ابوبکرؓ نے جواب دیا: واللہ یہ بات بہتر ہے، اور پھر وہ برابر مجھ سے اس بارے میں کہتے رہے تاآنکہ اللہ نے میرا دل بھی اسی بات کیلئے کھولدیا جس بات کے واسطے ابوبکر و عمر کا دل کھولا تھا، پھر تو میں نے قرآن کی تلاش اور جستجو شروع کی اور اسے کھجور کی شاخوں اور سفید پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کردیا اور میں نے سورۃ توبہ

کے خاتمہ کی آیتیں، لقد جاءکم رسول اھ» صرف ابو خزیمہ انصاری کے پاس پائیں ان کے سوا کسی سے یہ آیتیں نہ مل سکیں، وہ منقول صحیفے حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہے یہاں تک کہ انہوں نے وفات پائی تو عمرؓ نے ان کی حفاظت کی اور ان کے انتقال کے بعد وہ صحائف بجنسہ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے پاس محفوظ رہے ابن ابی داؤد نے کتاب المصاحف میں عبد خیر سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کو یہ کہتے سنا ہے کہ مصاحف کے بارے میں سب سے زیادہ اجر حضرت ابوبکر کو ملے گا، خدا ابوبکر پر رحمت نازل فرمائے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کو جمع کیا (اتقان):۔

(تنبیہ) امام مسلم نے جو حضرت ابو سعدؓ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا «لاتکتبوا عنی شیئاً غیر القرآن اھ» وہ اس بات کے منافی نہیں کہ ابوبکرؓ نے قرآن کو جمع کیا تھا کیونکہ یہاں پر مخصوص کتابت کی نسبت کلام کیا جاتا ہے جو ایک خاص طور سے لکھی گئی، ورنہ یوں تو قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں لکھ لیا گیا تھا مگر وہ سب ایک ہی جگہ جمع اور سورتوں کی ترتیب کے ساتھ نہ تھا:۔

(فائدہ) حاکم نے مستدرک میں بیان کیا ہے کہ قرآن پاک تین مرتبہ جمع کیا گیا، بار اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں، بار دوم حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ میں اور بار سوم حضرت عثمان غنی کے زمانہ میں جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے:۔

قولہ وسمی ہذا المجموع بالمصحف الخ مظفری نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کو جمع کیا تو آپ نے لوگوں سے کہا کہ اس کا کوئی نام رکھو، سو بعض نے اس کا نام انجیل تجویز کیا مگر اکثر لوگوں نے اس کو ناپسند کیا، پھر کسی نے سفر نام رکھنے کی رائے دی وہ بھی اس لیئے ناپسند ہوئی کہ یہودی لوگ یہ اپنی کتاب کا نام رکھتے تھے، آخر میں حضرت ابن مسعودؓ نے کہا میں نے ملک حبش میں ایک کتاب دیکھی ہے جس کو لوگ مصحف کہتے ہیں، پس قرآن کا نام مصحف رکھدیا گیا:۔

ابن اشتہ نے کتاب المصاحف میں موسی بن عقبہ کے طریق پر ابن شہاب سے بھی اسی طرح کی روایت درج کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ پہلے شخص تھے جنہوں نے کتاب اللہ کو جمع کر کے اس کا نام مصحف رکھا، اسی راوی نے اس روایت کو کہمس کے طریق پر ابن بریدہ سے بھی روایت کیا ہے (اتقان بتغییر):۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

عہ اولیات کے موضوع پر ہم نے ایک کتاب لکھی ہے خدا کرے وہ بھی منظر عام پر آجائے آمین) ۱۲

وقد كانت السُّوَرُ مقسومةً عندَ الصحابة الى اربعة اقسام القسمُ الاول السبعُ الطُّوَل التي هي أطولُ السُّوَر والقسمُ الثاني سُوَرٌ في كلٍّ منها مائةُ آيةٍ اوتزيد شيئًا قليلًا والقسمُ الثالثُ ما فيه اقلُّ من المائة وهي المثاني والقسمُ الرابعُ المفصَّلُ وقد أُدخِل في ترتيب المصحف سورتان اوثلاثٌ من عِدَادِ المثاني في المئين لمناسبةِ سياقِها بسياق المئين وعلى هذا القياس ربما وَقعَ في بعض الاقسام ايضًا تصرّفٌ

توضیح اللغۃ: سُوَر سورۃ کی جمع ہے، الطُّوَل طُولیٰ مؤنث کی جمع ہے، المثانی دہرائی جانے والی آیتیں :۔ عداد: شمار، مئین جمع مائۃ (حالتِ جری میں ہے) سیاق اسلوب کلام :۔ ترجمہ

اور منقسم تھیں سورتیں صحابہ کے یہاں چار قسموں پر قسم اول السبع الطول جو سب سے بڑی سورتیں ہیں قسم دوم وہ سورتیں جن میں سے ہر ایک میں سو یا اس سے کچھ زیادہ آیتیں ہیں قسم سوم وہ جس میں سو سے کم ہیں اور یہی مثانی ہیں قسم چہارم مفصل، اور داخل کی گئیں مصحف کی ترتیب میں مثانی والی دو تین آیتیں مئین میں سیاق مئین کے ساتھ ان کے سیاق کی مناسبت کی وجہ سے علی ہذا القیاس بعض اقسام میں کسی قدر اور بھی تصرف ہوا ہے :۔ تشریح :۔

قولہ وقد کانت السور الخ سُوَر سورۃ کی جمع ہے جو بقول عتبی مہموز وغیر مہموز دونوں طرح آیا ہے، اس کے ماخذ میں کئی قول ہیں (۱) سُؤر بمعنی برتن میں باقی ماندہ مشروب سے ہے، گویا سورۃ قرآن کا ایک ٹکڑا ہے (۲) سورۃ البناء بمعنی قطعہ عمارت سے ہے۔ کہ جس طرح مکان منزل بمنزل بنتا ہے اسی طرح سورتوں سے مل کر مصحف مکمل ہوا ہے (۳) سورالمدینہ بمعنی شہر پناہ سے ہے۔ کیونکہ سورۃ اپنی آیتوں کا اس طرح احاطہ کرلیتی ہے جیسے شہر پناہ شہر کے مکانات کو گھیر لیتی ہے (۴) سورۃ بمعنی بلند منزلت سے ہے۔ کیونکہ وہ کلام اللہ ہونے کی وجہ سے مرتفع ہے، نابغہ ذبیانی کا شعر ہے ؎

الم ترَ انّ اللہ اعطاک سورۃً ٭ ترىٰ کلَّ ملکٍ دونہا یتذبذب

کیا تو نہیں دیکھتا کہ خدا نے تجھے وہ بلند منزلت دی ہے جس کے گرد ہر بادشاہ کو حفاظت کرتے دیکھا جاتا ہے (۵) تسوّر بمعنی اوپر چڑھنے سے ہے ومنہ قولہ تعالیٰ "اذ تسوّروا المحراب"، پھر جعبری کا بیان ہے کہ سورۃ کی جامع مانع تعریف "وہ (حصۂ) قرآن ہے جو کسی آغاز اور خاتمہ رکھنے والی آیت پر مشتمل ہو اور کم از کم تین آیتوں پر مشتمل ہو بعض کا قول ہے کہ سورۃ آیتوں کی اس تعداد کا نام ہے جو حدیث کے ذریعہ خاص نام کے ساتھ موسوم ہیں :۔

قولہ السبع الطول الخ سات طویل سورتوں میں پہلی سورۃ البقرۃ اور آخری سورۃ براءۃ ہے، یہ علماء کی ایک جماعت کا قول ہے لیکن حاکم ونسائی وغیرہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ "سات بڑی سورتیں بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، انعام اور اعراف ہیں، راوی کا بیان ہے کہ ابن عباسؓ نے ساتویں سورۃ کا نام بھی لیا تھا جس کو میں

بھول گیا ہوں"، مجاہد وابن جبیر سے ابن ابی حاتم وغیرہ کی روایت میں وہ سورہ یونس ہے اور حاکم کی ایک روایت میں وہ سورۂ کہف ہے:۔

قولہ والقسم الثانی الخ السبع الطول کے بعد آنیوالی سورتوں کو "المئین" کہتے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک سورۃ میں سو یا اس سے قدرے زائد آیتیں ہیں، اسکے بعد والی سورتوں کو "المثانی" کہتے ہیں کیونکہ وہ مئین سے دوسرے نمبر پر واقع ہیں یا اس لئے کہ وہ طوال و مئین کی بہ نسبت زیادہ دہرائی جاتی ہیں یا اس لئے کہ ان میں عبرت انگیز قصص واخبار کے ساتھ امثال کو دہرایا گیا ہے:۔

قولہ المفصل الخ مفصل ان سورتوں کو کہتے جو مثانی کے بعد ہیں اور چھوٹی ہیں کیونکہ ان کے مابین بکثرت تسمیہ کے ساتھ فصل واقع ہوا ہے، اسکا خاتمہ بلا اختلاف سورہ ناس ہے اور آغاز کے بارے میں بارہ قول ہیں (۱) سورۂ ق ہے، اوس بن ابی اوس حذیفہ ثقفی کی روایت میں ہے جس کو امام احمد رح اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ ہم نے صحابہ سے دریافت کیا: تم لوگ قرآن کی منزلیں کسطرح پر کرتے ہو، کہا: تین، پانچ، سات، نو، گیارہ، اور تیرہ سورتوں کی کیا کرتے ہیں اور آخری منزل مفصل سورہ ق سے آخر تک کرتے ہیں"، حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس پر دال ہے کہ آج جس انداز پر مصحف میں سورتوں کی ترتیب پائی جاتی ہے یہی ترتیب عہد نبوی میں بھی تھی (۲) سورہ حجرات ہے اس کو نووی نے صحیح قرار دیا ہے (۳) سورہ القتال ہے۔ اسکو ماوردی نے بہت سے لوگوں کی جانب منسوب کیا ہے (۴) سورہ جاثیہ ہے۔ اسکا راوی قاری عیاض ہے (۵) سورہ صافات ہے (۶) سورۂ صف ہے (۷) سورہ تبارک ہے۔ یہ تینوں قول ابن ابی الصیف یمنی نے کتاب التنبیہ پر نکات میں بیان کئے ہیں (۸) سورہ فتح ہے، یہ کمال ذماری نے شرح تنبیہ میں ذکر کیا ہے (۹) سورہ رحمٰن ہے۔ اسکو ابن السید نے کتاب موطا پر اپنی امالی میں ذکر کیا ہے (۱۰) سورۃ الانسان ہے (۱۱) سورہ سبح ہے اسکو ابن الفرکاح نے کتاب التعلیق میں مرزوقی سے بیان کیا ہے (۱۲) سورہ والضحیٰ ہے۔ اس کا قائل خطابی ہے اور اسی نے وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ قاری ان کے مابین تکبیر کے ساتھ فصل کرتا ہے:۔ (اتقان)

(فائدہ) مفصل میں طوال، اوساط اور قصار بھی ہیں، ابن معن کا قول ہے کہ طوال مفصل سورۂ عم تک ہیں، اوساط مفصل سورۂ ضحیٰ تک اور باقی آخر تک قصار مفصل ہیں:۔

قولہ وقد ادخل الخ مثلاً سورۂ رعد کی آیات ۴۳ ہیں اور سورۂ ابراہیم کی ۵۲ سورہ حجر کی ۹۹ سورۂ مریم کی ۹۸ سورۂ حج کی ۷۸۔ اور یہ سب از قسم مثانی ہیں لیکن ان کو مئین میں رکھا گیا ہے، اسی طرح سورۂ شعراء کی آیات ۲۲۷ ہیں اور سورۂ صٰفّت کی ۱۸۲ مگر ان کو مثانی میں رکھا گیا ہے، نیز سورۂ انفال مثانی میں سے ہے اور سورۂ براءت مئین میں سے ہے اور دونوں کو سبع طول میں رکھا گیا ہے (عون):۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاسْتَنْسَخَ عثمانُ رضی اللہ عنہ من ذلک المصحف مصاحف أرسل بہا الی الآفاق لیستفیدوا منہا ولا یمیلوا الی ترتیب آخر

ترجمہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف کے مطابق چند نسخے لکھوا کر اطراف میں بھیجد یے تاکہ مسلمان ان سے فائدہ اٹھائیں اور کسی دوسری ترتیب کی طرف مائل نہ ہوں۔ تشریح:

قولہ واستنسخ الخ امام بخاری نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ آرمینیہ اور آذربیجان کی فتح کے موقعہ پر شامی اور عراقی دونوں معرکہ آرائی میں شریک تھے، وہاں حضرت حذیفہؓ ان دونوں ممالک کے مسلمانوں کا قراءت میں اختلاف دیکھ کر سخت پریشان تھے تو وہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور کہا: آپ یہود و نصاریٰ کی طرح باہم مختلف ہونے سے پہلے ہی امت مسلمہ کی خبر گیری کیجیے، حضرت عثمان نے یہ سنکر حضرت حفصہؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ جو صحیفے آپ کے پاس امانۃً رکھے ہیں انہیں بھیجد یجیے تاکہ میں ان کو مصحفوں میں نقل کرنے کے بعد آپ کو واپس کردوں، انہوں نے وہ صحائف بھجوا دئے تو آپ نے زید بن ثابت، عبد اللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبد الرحمن بن الحارث کو انکے نقل کرنے پر مامور کیا اور کہا کہ جہاں قرآن کے تلفظ میں تمہارے اور زید کے اندر اختلاف ہو وہاں اس لفظ کو خاص قریش ہی کی زبان میں لکھنا کیونکہ قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے، چنانچہ قریشیوں کی اس جماعت نے ملکر حضرت عثمانؓ کے حکم کی تعمیل کی اور نقل کے بعد وہ صحائف حسب وعدہ حضرت حفصہ کے پاس بھیج دئے اور اپنے لکھوائے ہوئے مصحفوں میں سے ایک ایک ممالک اسلامیہ میں ارسال کر دیا اور حکم دیا کہ اس مصحف کے سوا اور جسقدر صحیفے پہلے کے موجود ہوں ان کو سوخت کر دیا جائے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ۲۵ھ کا ہے اور ہمارے بعض معصروں نے یہ بات غالباً سہواً لکھی ہے کہ یہ واقعہ ۳۰ھ کا ہے (فائدہ) ابن التین وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ابو بکرؓ و عثمانؓ کے جمع قرآن میں یہ فرق ہے کہ حضرت ابو بکر نے ہر ایک سورت کی آیتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے مطابق ترتیب کے ساتھ یکے بعد دیگرے صحیفوں میں درج کر دیں، اور حضرت عثمانؓ نے قرآن کے صحف کو ایک ہی مصحف میں سورتوں کی ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا اور تمام عرب کی زبانوں کو چھوڑکر محض قبیلہ قریش کی زبان پر اکتفا کیا، قاضی ابو بکر الانتصار میں کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کو ایک ایسا مصحف دیا جس میں کوئی تقدیم تاخیر اور تاویل نہیں وہ تنزیل کے ساتھ ثبت کیا گیا ہے اس کی تلاوت منسوخ نہیں وہ مصحف اپنے رسم کی مثبت دلیل کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

قولہ مصاحف الخ حضرت عثمانؓ نے جو مصاحف ارسال کئے تھے انکی تعداد میں اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ پانچ تھے، ابن ابی داؤد نے حمزہ زیات کے طریق سے روایت کیا ہے کہ چار تھے، ابو حاتم سجستانی کہتے ہیں کہ جملہ سات مصاحف تھے جن میں سے ایک ایک مصحف مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ اور کوفہ کو ارسال کیا گیا اور ایک مدینہ میں محفوظ رکھا گیا۔

ولما كان بين اسلوبِ السُّوَرِ واسلوبِ مَراسِيمِ الملوكِ مناسبة تامة رُوعِيَ في الابتداءِ والانتهاءِ طريقُ المكاتيبِ فكما يَبتَدِئُون في بعض المكاتيب بحمد الله عزوجل والبعضِ الآخرِ ببيانِ غرضِ الاملاءِ والبعضِ الآخر باسمِ المُرسِل والمرسَل اليه ومنها ما يكون رُقعةً و شِقَّةً بغيرِ عنوانٍ وبعضها يكون مطولاً وبعضها مختصرًا كذلك سبحانه وتعالى صَدَّرَ بعضَ السُّوَرِ بالحمدِ والتسبيحِ وبعضَها ببيانِ غرضِ الاملاءِ كما قال عزوجل "ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ، سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا" وهذا القسمُ يشبه ما يُكتب "هذا ما صالح عليه فلانٌ وفلان" و "هذا ما اوصى به فلان" وكان النبي صلى الله عليه وسلم كتب في واقعة الحُدَيبِيَةِ "هذا ما قاضى عليه محمدٌ صلى الله عليه وسلم"

ترجمہ

چونکہ سورتوں کا اسلوب بیان شاہی فرامین کے اسلوب سے پوری مناسبت رکھتا ہے اس لئے انکی ابتدا اور انتہاء میں مکاتیب کے طریقہ کی رعایت رکھی گئی پس جس طرح بعض مکاتیب حمد باری سے شروع کرتے ہیں اور بعض بیان غرض سے اور بعض کاتب یا مکتوب الیہ کے نام سے اور بعض رقعے اور شقے بغیر عنوان ہوتے ہیں نیز بعض مکتوب طویل اور بعض مختصر ہوتے ہیں اسی طرح حق سبحانہ وتعالیٰ نے بعض سورتوں کو حمد یا تسبیح سے شروع فرمایا اور بعض کو بیان غرض سے چنانچہ فرمایا۔ اس کتاب میں کچھ بھی شک نہیں راہ بتاتی ہے ڈرنے والوں کو، یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اتاری اور ذمہ پر لازم کی، یہ قسم اس عنوان کے مشابہ ہے جو لکھا جاتا ہے کہ "یہ وہ ہے جس پر فلاں فلاں نے باہم صلح کی" اور "یہ وہ ہے جسکی فلاں نے وصیت کی" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ حدیبیہ میں لکھا تھا "یہ وہ ہے جس پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فیصلہ کیا"

تشریح:

قولہ بالحمد والتسبیح الخ حمد وثنا کی دو قسمیں ہیں (۱) اللہ کے لئے صفات مدح کا اثبات (۲) اس سے صفات نقص کی نفی، قسم اول کے قبیل سے پانچ سورتوں میں تحمید اور دو سورتوں میں تبارک سے ابتدا ہوئی ہے اور قسم دوم کے قبیل سے سات سورتوں میں تسبیح کے ساتھ ابتدا ہوئی ہے، شیخ کرمانی کہتے ہیں کہ تسبیح ایک ایسا کلمہ ہے جسکو اللہ پاک نے کثرت سے استعمال کیا ہے چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل کو مصدر کے ساتھ شروع فرمایا کیونکہ مصدر اصل شئی ہے پھر سورہ حدید وسورہ حشر میں صیغہ ماضی استعمال فرمایا کیونکہ زمانہ ماضی حال واستقبال دونوں سے پہلے ہے بعد ازاں سورہ جمعہ وسورۂ تغابن میں صیغہ مضارع لائے اور سب کے بعد سورۂ اعلیٰ میں امر کا صیغہ استعمال کر کے اس کلمہ کا اس کی ہر جہت سے استیعاب کرلیا۔

سلہ ا۔ ۱۸ لہ نور ۱۲ سلہ بخاری کتاب الصلح باب کیف یکتب ہذا ما صالح فلان بن فلان ۱۲

وصدّر بعضها بذكر المرسِل والمرسَل اليه كما قال "تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ[1]، كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُه ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ[2]" وهذا القسم يشبه ما يكتبون "صدر الحكم من حضرة الخلافة" او يكتبون "هذا اعلام لسكنة البلدة الفلانية من حضرة الخلافة" وقد كان كتب صلى الله عليه وسلم "من محمد رسول الله الى هرقل عظيم الروم[3]" وصدّر بعضها على اسلوب الرقاع والشقق بغير عنوان كما قال عزّ وجلّ "اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ[4]، قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا[5]، يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ[6]" ولما كانت للقصائد في فصاحة الكلام شهرة عند العرب وكان من عاداتهم في مبدأ القصائد التشبيب بذكر مواضع عجيبة ووقائع هائلة اختار الله عزوجل هذا الاسلوب في بعض السور كما قال "وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا، وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا، اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ"

توضیح اللغۃ

اعلام اطلاع دینا، سکنۃ جمع ساکن بمعنی قاطن یعنی گھر کے لوگ، نوکر چاکر، رقاع جمع رقعہ، پرزہ، شقق — جمع شقۃ کپڑے وغیرہ کی لمبی چٹ، قصائد جمع قصیدۃ، تشبیب جوانی اور کھیل کود کے زمانہ کا ذکر کرنا۔ شَبَّبَ۔ قصیدۃً۔ عورتوں کے ذکر سے مزین کرنا، شعراء کی عادت تھی کہ قصائد مدحیہ کی ابتدا میں تشبیب کیا کرتے تھے پھر ہر چیز کی ابتدا کو تشبیب کہنے لگے اگرچہ ایام شباب کا ذکر نہ ہو۔ ترجمہ:

اور شروع کیا ہے بعض کو مرسل ومرسل الیہ کے ذکر سے جیسا کہ فرمایا ہے، "اتارنا ہے کتاب کا اللہ سے جو زبردست ہے حکمتوں والا، یہ کتاب ہے کہ جانچ لیا ہے اس کی باتوں کو پھر کھولی گئی ہیں ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے،" یہ قسم اس کے مشابہ ہے جو لکھتے ہیں، "حکم بارگاہ خلافت سے صادر ہوتا ہے" یا لکھتے ہیں فلاں شہر کے باشندگان کو بارگاہ خلافت کی طرف سے آگاہ کیا جاتا ہے" رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا تھا "اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کی طرف سے ہے ہرقل شاہ روم کے نام" اور شروع کیا ہے بعض کو رقعوں اور شقوں کے اسلوب پر بلا عنوان جیسے فرمایا، "جب آگئیں تیرے پاس منافق، سن لی اللہ نے بات اس عورت کی جو جھگڑتی تھی تجھ سے اپنے خاوند کے حق میں، اے نبی تو کیوں حرام کرتا ہے" چونکہ فصاحت کلام میں قصائد کی شہرت تھی عرب کے یہاں اور انکی عادت تھی آغاز قصائد میں عجیب وغریب مقامات اور ہولناک واقعات کے ساتھ تشبیب کرنا اس لیئے اختیار فرمایا اللہ نے اس اسلوب کو بھی بعض سورتوں میں جیسے "قسم ہے صف باندھنے والوں کی قطار ہوکر ڈانٹنے والوں کی جھڑک کر، قسم ہے ان ہواؤں کی جو بکھیرتی ہیں اڑا کر پھر اٹھانیوالیاں بوجھ کو، جب سورج کی دھوپ تہہ ہو جائے اور جب تارے میلے ہو جائیں:۔

[1] ۲-۲۵-جاثیہ ۲ [2] ۲- ۱۱ ہود ۱۲ [3] بخاری کلا [4] ا- ۲۸- منافقون ۱۲ [5] ایضا- مجادلہ ۱۲ [6] ایضا تحریم ۱۲

وكما كانوا يختمون المكاتيب بجوامع الكلم ونوادر الوصايا وتاكيد الاحكام السابقة و تهديد من يخالفها كذلك الله سبحانه ختم اواخر السور بجوامع الكلم ومنابع الحكم والتاكيد البليغ والتهديد العظيم وقد يصدر في اثناء السور الكلام البليغ العظيم الفائدة البديع الاسلوب بنوع من الحمد والتسبيح او بنوع من بيان النعم والامتنان كما صدر بيان التباين بين مرتبة الخالق والمخلوق بـ " قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى آللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ " ثم بيّن هذا المدعى في خمس آيات بابلغ وجه وابدع اسلوب وكما صدر مخاصمة بني اسرائيل في اثناء سورة البقرة بـ " يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا " ثم ختمها بهذه الكلمة ايضا فابتداء المخاصمة بهذه الكلمة وانتهاؤها بها لها محل عظيم في البلاغة وكذلك صدر مخاصمة اهل الكتابين في آل عمران باية " اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ " ليتصور محل النزاع ويتوارد النفي والقال على ذلك المدعى والله اعلم بحقيقة الحال۔

توضیح اللغۃ:۔

جوامع جمع جامع، کلم جمع کلمۃ۔ جوامع الکلم وہ کلام جس کے الفاظ کم اور معنی بہت ہوں، نوادر جمع نادرۃ کیاب وصایا جمع وصیۃ، تہدید: خوف دلانا، منابع جمع منبع چشمہ، نعم جمع نعمۃ، امتنان احسان جتانا۔ ترجمہ:

اور جس طرح مکاتیب کو کلمات جامعہ، وصایائے نادرہ اور احکامات سابقہ کی تاکیدات اور ان کی مخالفت کرنیوالوں کیلئے تہدیدات پر تمام کرتے ہیں اسی طرح خداوند تعالیٰ نے بھی سورتوں کے آخری حصّہ کو کلمات جامعہ اور حکمت کے سرچشموں اور تاکیدات بلیغہ اور تہدیدات عظیمہ پر ختم فرمایا ہے اور کبھی سورت کے درمیان کوئی نہایت مفید اور نرالے اسلوب کا بلیغ کلام شروع کیا جاتا ہے جیسے حمد و تسبیح یا بیان انعام و احسان جیسے شروع کیا ہے خالق و مخلوق کے مرتبہ کے فرق بیان کرنے سے اس آیت میں ہ توکہہ تعریف ہے اللہ کو اور سلام ہے اس کے بندوں پر جن کو اس نے پسند کیا بھلا اللہ بہتر ہے یا جن کو وہ شریک کرتے ہیں پھر بیان کیا ہے اسی مدعا کو پانچ آیتوں میں نہایت بلیغ طریقے اور نرالے اسلوب کے ساتھ، اور جیسے۔ شروع کیا بنی اسرائیل سے مناظرہ سورہ بقرہ کے درمیان میں ہ یٰبنیٓ اسرائیل اذکروا ہ سے پھر ختم کیا ہے اس مناظرہ کو اسی کلمہ پر پس مناظرہ کو اسی کلمہ کے ساتھ شروع کرنے اور اسی پر ختم کرنے کا بہت اونچا مقام ہے بلاغت میں، اسی طرح اہل کتاب سے مناظرہ سورۂ آل عمران میں اس آیت سے شروع فرمایا ہ بے شک دین جو ہے اللہ کے ہاں سو یہی مسلمانی حکمبرداری ہ تاکہ محل نزاع کی تعیین ہوجائے اور آئندہ اسی ایک مدعا پر گفتگو کی جائے:۔ تشریح:۔

ﷺ ۵۹۔ ۱۹۔ النمل ۱۲ ﷺ ۴۷۔ ۱۔ بقرہ ۱۲ ﷺ ۱۹۔ ۳۔ آل عمران ۱۲

قولہ کذلک اللہ الخ فواتح کی طرح قرآن کے خواتم بھی حسن وخوبی میں طاق ہیں اور سورتوں کا اختتام دعاؤں، نصیحتوں، فرائض، تحمید، تہلیل، مواعظ، وعد ووعید اور ترغیب وترہیب وغیرہ اور پر نہایت نرالے انداز میں ہوا ہے چنانچہ سورۂ فاتحہ کے خاتمہ میں پورے مطلوب کی تفصیل ہے اور بقرہ کے خاتمہ میں دعا، ربنا لا تواخذنا الخ ٭ آل عمران کے خاتمہ میں وصایا، یا ایہا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا، نساء کے خاتمہ میں فرائض، مائدہ میں تبجیل وتعظیم، انعام میں وعد ووعید، اعراف میں عبادت پر تحریض، انفال میں جہاد وصلہ رحمی کی ترغیب براءت میں مدح ووصف رسول، یونس میں تسلی ودلاسہ، یوسف میں وصف قرآن رعد میں وعید اور مکذبین رسول کی تردید علی ہذا القیاس دیگر سورتوں کے خواتم حسن وخوبی میں طاق ہیں

قولہ ثم بیّن الخ خالق ومخلوق کا فرق مراتب جو اس آیت میں بالاجمال ہے اس کی تفصیل ذیل کی پانچ آیتوں ہے

آمّن خلق السموات والارض وانزل لکم من السماء ماء فانبتنا بہ حدائق ذات بہجۃ، ما کان لکم ان تنبتوا شجرہا ءالٰہ مع اللہ بل ہم قوم یعدلون	بھلا کس نے بنائے آسمان وزمین اور اتار دیا تمہارے لیے آسمان سے پانی پھر اگائے ہم نے اس سے باغ رونق والے۔ تمہارا کام نہ تھا کہ اگاتے ان کے درخت اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ کوئی نہیں وہ لوگ راہ سے مڑتے ہیں،
امّن جعل الارض قرارا وجعل خلالہا انہرا، وجعل لہا رواسی وجعل بین البحرین حاجزا، ءالٰہ مع اللہ بل اکثرہم لا یعلمون،	بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کے لائق اور بنائیں اس کے بیچ ندیاں اور رکھے اس کے ٹھہرانے کو بوجھ اور رکھا دو دریا میں پردہ، اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ کوئی نہیں بہتوں کو ان میں سمجھ نہیں،
اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْءَ وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَاءَ الْاَرْضِ، ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ ٥	بھلا کون پہنچتا ہے بے کس کی پکار کو جب اس کو پکارتا ہے اور دور کر دیتا ہے سختی اور کرتا ہے تم کو نائب اگلوں کا زمین پر اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ تم بہت کم دھیان کرتے ہو،
اَمَّنْ یَّہْدِیْکُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِہٖ، ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ تَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ٥	بھلا کون راہ بتاتا ہے تم کو اندھیروں میں جنگل کے اور دریا کے اور کون چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانیوالیاں اس کی رحمت سے پہلے اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ اللہ بہت اوپر ہے اس سے جس کو شریک بتلاتے ہیں،
اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ وَمَنْ یَّرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ، ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ قُلْ ہَاتُوْا بُرْہَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ٥	بھلا کون سرے سے بناتا ہے پھر اس کو دہرائیگا اور کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ تو کہہ لاؤ اپنی سند اگر تم سچے ہو،

الفصل الثانی

قد جرت سنة الله عزوجل فی اکثر السور بتقسیمها الی الآیات کما کانوا یقسمون القصائد الی الابیات غایة الامران بین الآیات والابیات فرقا کل منهما یتلی لالتذاذ نفس المتکلم والسامع الا ان الابیات مقیدة بالعروض و القافیة التی دونها الخلیل بن احمد وحفظها الشعراء الخ وبناء الآیات علی وزن و قافیة اجمالیین یشبهان امرا طبیعیا لا علی افاعیل العروضیین وتفاعیلهم وقوافیهم المعینة التی هی امر صناعی واصطلاحی وتعمیم ما وقع من الامر المشترک بین الآیات والابیات ونطلق النشائد بازاء ذلک الامر العام ثم ضبط امور وقع فی الآیات التزامها وذلک بمنزلة الفصل یحتاج الی تفصیل والله ولی التوفیق

توضیح اللغة

قصائد جمع قصیدة سات یا دس اشعار سے زائد نظم، ابیات جمع بیت وہ منظوم کلام جو دو مصرعوں پر شامل ہو، نیشد انشاد اشعر پڑھنا، التذاذ لذیذ پانا، دوّن تدوینا ترتیب دینا، قوافی جمع قافیہ، نشائد جمع نشید و نشیدة شعر جس کو ایک دوسرے کے سامنے پڑھیں۔ ترجمہ: فصل (دوم)

جاری ہے سنۃ اللہ اکثر سورتوں میں ان کو آیات کی طرف منقسم کرنے کے ساتھ جیسے شعراء تقسیم کرتے ہیں قصائد کو اشعار کی طرف، غایت امر یہ ہے کہ آیت اور ابیات میں فرق ہے، آیات اور ابیات دونوں پڑھے جاتے ہیں متکلم و سامع کے التذاذ نفس کیلئے لیکن ابیات عروض اور قافیہ کے پابند ہوتے ہیں جن کو خلیل بن احمد نے مدوّن کیا ہے اور عام شعراء نے انہیں اس سے حاصل کیا ہے اور آیات کی بنیاد ایک ایسے اجمالی وزن و قافیہ پر ہوتی ہے جو امر طبعی سے مشابہ ہوتے ہیں نہ کہ عروضیوں کے افاعیل تفاعیل اور ان کے معین کردہ قوافی پر جو محض مصنوعی اور اصطلاحی امور ہیں، اور اس امر عام کی تعمیم جو آیات و ابیات میں مشترک ہے اور اسی امر عام کے مقابلہ میں ہم نے "نشائد" کا اطلاق کیا ہے اور پھر ان تمام امور کو ضبط کرنا جن کا آیات میں التزام کیا گیا ہے اور جو بمنزلہ فصل کے ہے زیادہ تفصیل چاہتا ہے اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے

تشریح:

قولہ الی الآیات الخ آیات آیۃ کی جمع ہے جس کے اصل معنی علامت کے ہیں قال اللہ تعالی ان آیة ملکہ یہ چونکہ اپنے لانے والے کے صدق کی اور اس کے متحدی کے عجز کی علامت ہے اس لیے اس کو آیۃ کہتے ہیں، اصطلاح میں آیات قرآن کا وہ حصہ ہے جو اپنے ماقبل اور مابعد سے منقطع (الگ) ہو جعبری کہتے ہیں کہ آیت کی جامع اور مانع تعریف یہ ہے کہ وہ ایسا قرآن ہے جو چند جملوں سے مرکب ہو اگرچہ تقدیر ًا ہی سہی اور اس کا مبدا اور مقطع (آغاز و اختتام) ہو ....

...... پھر وہ کسی سورۃ میں بھی مندرج ہو، شیخ ابوعمرو الدانی کا قول ہے کہ میں بجز ایک کلمہ یعنی «مدہامتان» کے اور کسی تنہا کلمہ کو آیت معلوم نہیں کر سکا۔

قولہ بالعروض والقافیۃ الخ عروض شعر کے وزن اور بیت کے مصرعۂ اولی کے جزء اخیر کو کہتے ہیں اس کی جمع أعاریض آتی ہے، قافیہ۔ قفوت اثرہ بمعنی اتبعتہ سے ہے اس کی جمع قوافی آتی ہے، اخفش کے نزدیک شعر کے آخری کلمہ کو کہتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ شعر کے آخر میں کلمات متشابہ قوافی پر مشتمل ہوتے ہیں نہ یہ کہ وہی بعینہ قافیہ ہوتے ہیں پس صحیح مذہب خلیل کا ہے کہ قافیہ حقیقت میں شعر کے آخری ساکن حرف سے اس کے متصل اول ساکن تک کو کہتے ہیں مع اس حرف متحرک کے جو ساکن حرف سے پہلے ہے گویا اس کا دو ساکنوں پر مشتمل ہونا ضروری ہے جیسے اگر یوں کہا جائے، ما اطول اللیل علی من لم ینم، تو اس میں قافیہ «لم ینم» ہوگا، کبھی قافیہ کا اطلاق بیت اور قصیدہ پر بھی ہوتا ہے جیسے شعر ؎

وقافیۃ عجیب بلیل رزیتہا ؎ تلقیت من جو السماء نزولہا

وقال امرء القیس ؎

ازود القوافی عنی زیادا ؎ زیاد غلام جری جوادا

مگر یہ اطلاق بر سبیل توسیع و مجاز ہے ورنہ لازم آئے گا کہ قافیۃ البیت وقافیۃ القصیدۃ کہنا صحیح نہ ہو لاستلزامہ اضافۃ الشئی الی نفسہ :۔

قولہ الخلیل الخ ابوعبدالرحمٰن خلیل بن احمد بن عمرو بن تمیم فراہیدی، ازدی، یحمدی، بصری مولود ستاھ متوفی ۱۹۰؁ھ سید اہل ادب، عارف اخبار عرب، امام نحو و لغت، واضع علم عروض، ابوعمرو بن العلاء کے تلمیذ خاص اور سیبویہ، نضر بن شمیل، ابو محمد یحیٰ بن مبارک یزیدی وغیرہ کے استاذ ہیں زہد و عفاف اور رشد و صلاح میں ممتاز مقام رکھتے تھے، نضر بن شمیل کا بیان ہے کہ «دیکھنے والوں نے خلیل جیسا اور خلیل نے اپنے جیسا کسی کو نہیں دیکھا، علم عروض سب سے پہلے آپ ہی نے مدون کیا اور بقول بعض علم لغت میں بھی سب سے پہلے آپ ہی نے کتاب تصنیف کی جو «کتاب العین» سے مشہور ہے، ولہ شعر قلیل الا انہ حسن فی شعر العلماء، قال ؎

عش ما بدالک قصرک الموت ؎ لامہرب منہ ولا فوت

بینا غنی بیت وبہجتہ ؎ ال الغنی وتقوض البیت

قولہ افاعیل الخ افاعیل تفاعیل عروضیوں کے یہاں ان اجزاء کی امثلہ ہیں جن سے شعر مرکب ہوتا ہے اور وہ دس ہیں، ان میں سے دو خماسی یعنی پانچ حرفی ہیں یعنی فعولن، فاعلن اور آٹھ سباعی (سات حرفی) ہیں یعنی مفاعیلن، فاعلاتن، مستفعلن، مفاعلتن، متفاعلن، مفعولات، فاع لاتن، مستفع لن ان اجزاء سے سولہ بحریں مرکب ہوتی ہیں طویل، مدید، بسیط، کامل، وافر، ہزج، رمل، رجز، منسرح، مضارع، سریع، خفیف، مجتث، مقتضب، متقارب، متدارک

تفصیلُ ھذا الاجمالِ انّ الفطرۃَ السلیمۃَ تُدرِکُ فی القصائدِ الموزونۃِ المقفّاۃِ والاراجیزِ الرائقۃِ وامثالِھا لطفًا وحلاوۃً بالذوق واذا تأملتَ سببَ ادراکِ اللطفِ المذکور فلیکنْ[1] ورودُ کلامٍ بعضُ اجزائہٖ یوافق بعضًا مفیدَ اللذۃِ فی نفسِ المخاطب مع انتظارِ مثلہٖ حتی اذا وَقعَ فی نفسہٖ بیتٌ اٰخر بتوافق الاجزاءِ المعلوم وتحقّقَ الامرُ المنتظرُ تضاعفتِ اللذۃُ عندہٗ واذا اشترکَ البیتان فی القافیۃِ تضاعفتِ اللذۃُ ثالثۃً فالالتذاذُ بالابیاتِ بھٰذا السرِّ فطرۃٌ قدیمۃٌ للناس والامزجۃُ السلیمۃُ من اھل الاقالیم المعتدلۃ متفقۃٌ علٰی ذٰلک

توضیح اللغۃ:

فطرۃ وہ وصف جس پر ہر موجود اپنی ابتدائی پیدائش میں ہو، المقفاۃ قافیہ والے اراجیز جمع ارجوزۃ بحر رجز کا قصیدہ، الرائقہ پسندیدہ، حلاوت، لذت۔ ذوق طبیعت، تضاعفت دوچند ہونا، التذاذ لذت حاصل کرنا۔ سِرّ بھید امزجہ جمع مزاج، اقالیم جمع اقلیم ملک، صوبہ۔ معتدلہ متساویہ

ترجمہ:۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ فطرت سلیمہ محسوس کرتی ہے موزون و مقفیٰ قصائد اور نفیس رجزوں وغیرہ سے ایک خاص لطف اور خاص مزہ۔ اور جب تو لطف مذکور کے احساس کے سبب کی جستجو کرے تو معلوم ہوگا کہ ایسا کلام جس کے اجزاء باہم موافق ہوں مخاطب کے نفس میں ایک قسم کی لذت دیتا اور اس کے مثل دوسرے کلام کا منتظر کر دیتا ہے اور جب دوسرا شعر اسی موافقت اجزاء کے ساتھ اس کے دل میں آئے اور انتظار والا امر بھی متحقق ہو جائے تو لذت دوبالا ہو جاتی ہے اور جب دونوں شعر قافیہ میں بھی شریک ہوں تو لذت سہ چند ہو جاتی ہے پس اس راز کی بناء پر اشعار سے لذت اندوز ہونا انسان کی قدیم فطرت ہے اور معتدل اقالیم کے سلیم المزاج لوگ اس اصول سے متفق ہیں۔

تشریح:۔ قولہ والاراجیز الخ ارجوزہ کی جمع ہے بحر رجز کے قصیدہ کو کہتے ہیں، رجز کے اصلی معنی اضطراب اور شتابی کے ہیں اور اس اونٹ کو بھی کہتے ہیں جو ایک قدم چل کر ٹھہر جائے، اصطلاح عروض میں شعر کی ایک بحر ہے جس کا وزن "مستفعلن" چھ بار ہے جیسے ؎

ہم کو ملا جو لطف کوئے یار کا ؏ کب وہ صبا کو لطف ہے گلزار کا

"ہم کو ملا" مستفعلن "جو لطف کو" مستفعلن "ئے یار کا" مستفعلن "کب وہ صبا" مستفعلن "کو لطف ہے" مستفعلن "گلزار کا" مستفعلن۔

محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

[1] الترجمۃ الصحیحۃ الواضحۃ مکان ہذہ الجملۃ ہکذا "وجدتَ ان ورود کلامٍ یوافق بعض اجزائہ بعضًا یفید اللذۃ فی نفس المخاطب ویجعلہا منتظرًا الی کلامٍ آخر مثلہ" ۱۲ عون۔

ثم وقعت في توافق الاجزاء من كل بيت وفي شروط القافية المشتركة بين الأبيات مذاهب مختلفة ورسوم متباينة فاختار العرب قانونا وضعه الخليل وأوضحه ايضاحا والهنود يتبعون قانونا يحكم به ذوقهم وقريحتهم وكذلك اختار اهل كل زمان وضعا وسلكوا طريقا فاذا انتزعنا من هذه الرسوم والمذاهب المختلفة امراجامعا وتأملنا السر المنتشر وجدنا الموافقة امرا تخمينيا لا غير مثلا يذكر العرب مقام مستفعلن، مفاعلن ومفتعلن ويعدون مقام فاعلاتن، فعلاتن على القاعدة توقيف اللغة.

ہنود جمع ہندی، ہندوستانی بعض اوقات امریکہ کے اصلی باشندوں کو بھی ہنود کہتے ہیں، قریحۃ طبیعت انتزعنا انتزاع نکالنا، رسوم جمع رسم ۔ یعدون (ن) عدًّا شمار کرنا۔

ترجمہ:۔ پھر ہوگئے ہر شعر کے اجزاء کے توافق اور قافیہ کے شروط کی نسبت جو اشعار میں مشترک ہوتا ہے مختلف مذاہب اور مختلف طریقے پس اختیار کیا عرب نے ایک خاص قانون جس کو خلیل نے وضع کیا اور اس کی تشریح کی اور ہنود پیروی کرتے ہیں ایک اور قانون کی جو ان کے سلیقے اور مذاق کے تابع ہے اسی طرح ہر زمانہ کے لوگوں نے ایک خاص وضع اختیار کی اور خاص راہ پر چلے پس اگر ہم ان مختلف رسوم و مذاہب میں سے امر جامع نکالنا اور سر منتشر کو دریافت کرنا چاہیں تو معلوم ہوگا کہ وہ اجزاء کلام میں تخمینی موافقت ہے نہ کہ کچھ اور مثلاً مستفعلن کی جگہ مفاعلن اور مفتعلن لے آتے ہیں اور فاعلاتن کے بجائے فعلاتن کو باقاعدہ خیال کرتے ہیں۔

تشریح

قولہ مقام مستفعلن الخ اس کی تشریح یہ ہے کہ بحر کے ارکان میں کئی طرح کا تغیر ہوتا ہے جن میں سے ایک خبن ہے یعنی رکن کے پہلے سبب خفیف کے حرف ساکن کو گرانا، پس جب فاعلن سے اور فاعلاتن (متصل) سے الف گرائیں تو فعلن اور فعلاتن رہیگا۔ اور مستفعلن (متصل ہو یا منفصل) سے سین گرائیں تو متفعلن رہیگا اس کی جگہ مفاعلن کو رکھا جاتا ہے، اور مفعولات سے فا گرائیں تو معولات رہیگا اسکی جگہ فعولات کو رکھا جاتا ہے جس رکن میں یہ تغیر واقع ہو اسکو مخبون کہتے ہیں جو بحر رمل، رجز، مدید، بسیط، سریع متدارک، خفیف، منسرح، مجتث، اور مقتضب میں واقع ہوتا ہے (لیکن سبب خفیف جس میں پہلا حرف متحرک اور دوسرا ساکن ہو اس کے سوا اور کسی میں واقع نہیں ہوتا) دوسرا تغیر طی ہے یعنی رکن کے پہلے دو سبب خفیف کے چوتھے حرف ساکن کو گرانا مثلاً جب مستفعلن کی فا گرائیں تو مستعلن رہیگا اسکی جگہ مفتعلن کو رکھا جاتا ہے اور مفعولات کی واو گرائیں تو مفعلات رہیگا اسکی جگہ فاعلات رکھتے ہیں۔ جس رکن میں یہ تغیر واقع ہو اسکو مطوی کہتے ہیں، یہ تغیر بحر بسیط، رجز، سریع، منسرح اور مقتضب میں ہوتا ہے۔ بحر خفیف اور بحر مجتث میں نہیں ہوتا۔

محمد حنیف غفر لہ گنگوہی

ويجعلون موافقةَ ضَرْبِ بيتٍ بضَربِ بيتٍ آخر وموافقةَ عروضِ بيتٍ بعروضِ بيتٍ آخر من اللوازم ويجوّزون في الحشو كثيراً من الزحافات بخلاف شعراء الفرس فانّ الزحافات عندهم مُستَهجَنةٌ وكذلك تَستحسنُ العربُ ان كانت القافيةُ في بيتٍ "قبوراً" ان يكون في بيتٍ آخر "منيراً" بخلاف شعراء العجم وكذلك شعراءُ العرب يَعُدُّون "حاصل وداخل ونازل" من قسمٍ واحدٍ بخلاف شعراءِ العجمِ وكذلك وقوعُ كلمةٍ في المصراعَيْن بحيث يكون نصفُها في مصراعٍ ونصفُها الآخر في مصراعٍ آخر يصحُّ عند العرب لا عند العجم وبالجملة فانّ موافقةَ الامرِ المشتركِ موافقةٌ تخمينيّةٌ لا موافقةٌ حقيقيّةٌ

توضیح اللغۃ: زحاف علم عروض کی اصطلاح میں وہ تغیر جو سبب خفیف یا ثقیل کے دوسرے حرف میں واقع ہو۔ مستہجنۃ وہ امور جو قبیح سمجھے جاتے ہیں۔ مصراعین مصراع کا تثنیہ ہے اصل میں دروازے کے ایک پٹ کو کہتے ہیں پھر شعر کے ایک نصف کے لئے نقل کر لیا گیا اول ہو یا ثانی۔

ترجمہ: اور وہ ایک شعر کی ضرب کی موافقت دوسرے شعر کی ضرب کے ساتھ اور ایک شعر کے عروض کی دوسرے شعر کے عروض کے ساتھ ضروری قرار دیتے ہیں اور جائز رکھتے ہیں حشو میں بکثرت زحافات بخلاف شعراءِ فارس کے کہ ان کے یہاں زحافات قبیح سمجھے جاتے ہیں، اسی طرح عرب اچھا سمجھتے ہیں اگر ایک شعر میں قبورا ہو کہ دوسرے شعر میں منیرا ہو بخلاف شعراءِ عجم کے۔ نیز شعراءِ عرب حاصل داخل، نازل کو ایک ہی قسم شمار کرتے ہیں بخلاف شعراءِ عجم کے، علیٰ ہذا ایک کلمہ کا دو مصرعوں کے درمیان اس طرح واقع ہونا کہ آدھا ایک مصرع میں ہو اور آدھا دوسرے میں عربوں کے نزدیک صحیح ہے نہ کہ عجمیوں کے نزدیک بہرکیف امر مشترک کی موافقت تخمینی موافقت ہے نہ کہ حقیقی موافقت۔

تشریح: قولہ ضرب بیت الخ علم عروض کی اصطلاح میں "ضرب" شعر کے ثانی مصرع کے آخری جز کو کہتے ہیں اس کی جمع ضروب، اضراب، أضرُب آتی ہے جیسے ذیل کے شعر میں "فیہ ماء" ہے

فی فمی ماءٌ وهل ينطق من فی "فيه ماء"

قولہ فی الحشو الخ یہ حشا (ن) حشواً۔ الوسادۃ بالقطن سے ہے بمعنی تکیہ میں روئی بھرنا، اصطلاح میں بحر کے ان ارکانوں کو کہتے ہیں جو صدر و عروض اور ابتداء و ضرب کے درمیان میں واقع ہوتے ہیں۔ قولہ الزحافات الخ زحاف زحف کی جمع ہے لغت میں اس کے معنی کسی چیز کا اپنی اصل سے گر پڑنا ہے چنانچہ جو تیر نشانہ پر نہ لگے اسکو تیر زاحف کہتے ہیں اصطلاح عروض میں زحاف وہ تغیرات ہیں جو ارکان بحور میں واقع ہوں ان کی دو قسمیں ہیں مفرد اور مزدوج۔ ان میں سے ہر ایک کی پھر چند قسمیں ہیں۔ (باقی بر صفحہ ۲۳۶)

ومبنى اوزانِ الاشعارِ عندَ الهنودِ على عددِ الحروفِ بغيرِ ملاحظةِ الحركات والسكنات وهو ايضًا مما يُتلذَّذُ به وقد سمعنا بعضَ اهلِ البدوِ وممن يتلذّذُ بتغريدِ انه يختارون كلامًا متوافقًا بتوافقٍ تخمينيٍّ برديفٍ يكون تارةً كلمةً واحدةً واخرىٰ يَزيد عليها ويُنشِدون تغريدًا ثمّ مثلَ القصائدِ فيتلذّذون بها ولكلّ قومٍ اسلوبٌ خاصٌّ في نظمهم وعلىٰ هذا القياس وقعَ اتفاقُ الامم على الالتذاذ بالحانٍ ونغماتٍ واختلافهم في قوانين التغريد والقواعد متحققٌ وقد استنبط اليونانيّون اوزانًا سمّوها بالمقامات واستخرجوا منها اصواتًا وشُعَبًا ودوّنوا الانفسهم فنًّا شديدَ التفصيل

توضیح اللغۃ: ——

مبنیٰ مدار بدو صحرا، خانہ بدوش عربی قبائل، تغرید۔ الطائر پرندہ کا گانے میں آواز بلند کرنا اور گنگری کرنا۔ التذاذ لذت حاصل کرنا الحان جمع لحن موزوں آواز، سُر۔ نغمات جمع نغمہ گانے میں سُر، پڑھنے میں اچھی آواز، اصوات جمع صوت آواز، شعب جمع شعبۃ۔

ترجمہ: — اور اشعار کے موزان کا مدار ہنود کے ہاں حروف کی تعداد پر ہے حرکات وسکنات کے لحاظ کے بغیر اور اس سے بھی مزہ لیا جاتا ہے اور ہم نے بعض دیہاتیوں سے سنا ہے جو لطف اٹھاتے ہیں اپنی تانوں سے منتخب کرتے ہیں ایسا کلام جس میں تخمینی موافقت ہوتی ہے ایسی ردیف سے جو کبھی ایک کلمہ اور کبھی اس سے زائد ہوتی ہے اور وہ اس کلام کو مثل قصائد کے گاتے اور لطف اندوز ہوتے ہیں اور ہر قوم کا ایک خاص اسلوب ہے اپنی نظم میں، اسی طرح قوموں کا اتفاق ہے دلکش آوازوں اور دلفریب نغمات سے لذت پانے پر حالانکہ گانے کے طریقے اور اس کے قواعد میں ان کا اختلاف ہے یونانیوں نے کچھ اوزان نکالے ہیں جن کا نام وہ مقامات رکھتے ہیں جن سے آوازیں اور شعبے نکال کر انھوں نے اپنے لئے نہایت مبسوط فن منضبط کیا ہے۔

تشریح: — قولہ بردیف الخ ردیف لغت میں سوار کے پیچھے سوار ہونے والے کو کہتے ہیں، اصطلاح عروض میں وہ ایک یا ایک سے زائد کلمہ ہے جو قافیہ کے بعد لفظاً ومعنیً مکرر ہو، عربی اشعار میں اس کا وجود بہت کم ہے جیسے علامہ سکاکی کے اس کلام میں ہے ؎

حتام تنکر قدری ایہا الزمن — بفیاد توغر صدری ایہا الزمن
اما یہمک شئ غیر قذرک بی — ماذا استفدت بغدری ایہا الزمن
قل لی الی کم اری الاحداث ترمقنی — قد عیل صبری اندری ایہا الزمن
اری بدوراً لاقوام طلعن لہم — الاطلوع لبدری ایہا الزمن

(بقیہ ۲۳۵) مفرد جیسے خبن، اضمار، وقص، طی، قبض، عصب، عقل، کف، مزدوج جیسے خبل (طی مع خبن) خزل (طی مع اضمار) شکل (کف مع خبن) نقص (کف مع عصب) والتفصیل فی العروض۔

واهلُ الهند تفطّنوا لستِّ نغماتٍ وفرّعوا منها نُغَيمات وقد رأينا اهلَ البدو تباعدوا عن هذين الاصلاحَين وتفطّنوا بحسب سليقتهم للتاليف والايقاع فهذّبوا لانفسهم اوزانا معدودةً بغير ضبطِ الكلياتِ وحصرِ الجزئيات فاذا نظرنا بعدَ هذه الملاحظات الى حكم الحدس لم نجدْ ههنا امرًا مشتركًا سوى الموافقةِ التخمينيةِ ولا يتعلق تخمينُ العقل الّا بذلك المنتزع الاجمالى لا بتفصيل القوافى المُردفةِ الموصولةِ ولا يُحِبُّ الذوقُ السليمُ الّا تلك الحلاوةَ المحضةَ لا الطويلَ او المديدَ من البحور

ترجمہ

اہل ہند نے چھ راگ بنا کر ان سے راگنیاں نکالی ہیں، اور ہم نے دیہاتیوں کو دیکھا ہے کہ وہ ان دونوں اصطلاحوں سے دور ہیں اور انھوں نے اپنے ذوق کے مطابق چند اوزان مرتب کر لئے ہیں ضبط کلیات وحصر جزئیات کے بغیر، جب ہم ان ملاحظات کے بعد غور سے دیکھتے ہیں تو نہیں پاتے امر مشترک بجز تخمینی موافقت کے اور تخمین عقل کا تعلق نہیں مگر اسی اجمالی امر سے نہ کہ قوافی مردفہ و موصولہ کی تفصیل سے اور پسند نہیں کرتا ذوق سلیم مگر اسی خالص حلاوت کو نہ کہ طویل اور مدید بحروں کو۔

تشریح:

قولہ الموصولة الخ حروف کے اعتبار سے قافیہ کی چھ قسمیں ہیں مقیدہ، مطلقہ، مردفہ، مؤسسہ، مجردہ اور موصولہ مقیدہ وہ ہے جس کی روی ساکن ہو جیسے ؎ وقاتم الاعماق خاوی المخترق ✦ مطلقہ وہ ہے جس کی روی متحرک ہو جیسے ؎ قفا نبک من ذکری حبیب ومنزل ✦ مردفہ وہ ہے جس کی روی سے پہلے ردف ہو جیسے عماد، عمید، عمود، قول، قیل۔ مؤسسہ وہ ہے جس کی روی سے پہلے حرف تاسیس یعنی صرف الف ہو مجردہ وہ ہے جس کی روی سے پہلے نہ ردف ہو نہ تاسیس۔ موصولہ کی دو قسمیں ہیں موصولہ بلا خروج اور موصولہ مع خروج۔ موصولہ بلا خروج وہ ہے جس کی روی کے بعد حرف وصل ہو جیسے منزلہٗ (ہاء ساکنہ ماقبل متحرک) موصولہ مع خروج وہ ہے جس کی روی کے بعد ہاء متحرکہ مع حرف اشباعی ہو جیسے منزلہا، منزلہو، منزلہی۔

قولہ لا الطویل الخ بحر طویل وہ ہے جس کا وزن فعولن مفاعیلن چار بار ہو جیسے ؎

آشنا نہ بے ادب ہوں کہوں تو ادہر کو دیکھ ✦ میں تجھ کو دیکھتا ہوں تو چاہیے جدہر کو دیکھ

"آشنا" فعولن "بے ادب ہوں" مفاعیلن "کہوں تو" فعولن "ادہر کو دیکھ" مفاعیلن "میں تجھکو" فعولن "دیکھتا ہوں" مفاعیلن "تو چاہیے" فعولن "جدہر کو دیکھ" مفاعیلن۔

قولہ والمدید الخ بحر مدید وہ ہے جس کا وزن فاعلاتن فاعلن چار بار ہو جیسے ؎

اشک سے اپنے بہادوں تجھ کو گر دوں تو سہی ✦ آہ سے سینہ ترا ہاں چاک کر دوں تو سہی

"اشک سے اپ" فاعلاتن "نے بہادوں" فاعلاتن "تجھ کو گر دوں" فاعلاتن "تو سہی" فاعلن "آہ سے سی" فاعلاتن "نہ ترا ہاں" فاعلاتن

ولما أراد حضرة الخلاق جل شانه ان يكلم الانسان الذى هو قبضة[2] من التراب[1]
نظر الى ذلك الحسن الاجمالى لا الى قوالب مستحسنة عند قوم دون قوم ولما
اراد مالك الملك ان يتكلم على منهج الادميين ضبط ذلك الاصل البسيط لا
هذه القوانين المتغيرة بتغير الادوار والاطوار ومنشأ التمسك بالقوانين المصطلح
عليها هو العجز والجهل وتحصيل الحسن الاجمالى بلا توسط تلك القواعد بحيث لا
يفوت فى الاغوار والانجاد من البيان شئ ولا يضيع الكلام فى كل سهل وجبل
معجز ومفحم وانا انتزع هنا من جريان الحق سبحانه وتعالى على ذلك السنن
اصلا وانتقل الى قاعدة وتلك القاعدة انه تعالى اعتبر فى اكثر السور امتداد
الصوت لا الطويل والمديد من البحور وكذلك اعتبر فى الفواصل انقطاع النفس
بالمدة وما تعتمد عليه المدة لا قواعد فن القوافى وهذه الكلمة ايضا تقتضى بسطا
فاستمع لما اقول

توضیح اللغات:۔ قبضہ مٹھی بھر۔ تراب مٹی۔ قوالب جمع قالب۔ منہج کشادہ راستہ۔ ادوار جمع دور، چکر مراد زمانہ
اطوار جمع طور، حال۔ اغوار جمع غار۔ انجاد جمع نجد بلند زمین۔ سہل نرم زمین۔ جبل پہاڑ۔ مفحم جواب سے
خاموش کر دینے والا۔ سنن طریقہ۔ امتداد درازی۔ فواصل جمع فاصلہ۔ نفس سانس۔ بسط تفصیل۔

ترجمہ:۔ جب چاہا خداوند جل شانہ نے ہم کلام ہونا اس انسان سے کہ جو مشت خاک ہے تو عنایت فرمائی اسی
اجمالی حسن کی نہ کہ ان قواعد کی جو پسندیدہ ہیں ایک قوم کے نزدیک نہ کہ دوسری قوم کے نزدیک اور جب چاہا
ملک الملک نے یہ کہ کلام فرمائے آدمیوں کی روش پر تو منضبط فرمایا اس نے اسی اصل بسیط کو نہ کہ ان قوانین
کو جو بدل جاتے ہیں زمانہ اور مذاق کے بدل جانے پر اور اصطلاحی قوانین کی پابندی کا منشاء عجز و جہل ہے
اور حسن اجمالی کی تحصیل توسط قواعد کے بغیر اس طرح کہ وہ بیان کے نشیب و فراز میں فوت نہ ہو اور
کلام سہل و دشوار کسی حال میں ضائع نہ ہو بے شک معجز اور بشری حد اختیار سے خارج ہے، ہم حق تعالیٰ
کے اس طریقہ کو استعمال فرمانے سے ایک قاعدہ کا استنباط کرتے ہیں اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ
نے اکثر سورتوں میں آواز کی کشش کا اعتبار کیا ہے نہ کہ بحر طویل و مدید وغیرہ کا اسی طرح فاصلوں میں سانس
کے ٹھہرنے کا اعتبار کیا ہے حرف مدہ پر یا جس پر مدہ ٹھہرے نہ کہ فن قوافی کے قواعد کا۔ یہ کلمہ (کلیہ)
بھی بسط و تفصیل چاہتا ہے سو جو میں کہوں اس کو دھیان سے سن

[1] ای لا یمکن ایۃ نسبۃ بینہ وبین الخالق فکیف یمکن التخاطب ؟ ولکنہ تعالیٰ مع ہذا البون البعید اراد
ان یخاطبہ فنظر الخ ١٢ عون

تَرَدُّدُ النفسِ فی قصبةِ العُنُقِ من جِبِلّةِ الانسانِ وان کان تطویلُ النفسِ وتقصیرُہ من مقدورِ البشرِ ولکن اذا خُلّی وطبعَہ فلا بُدَّ من امتدادٍ محدودٍ فیحصل فی اول خروجِ النفسِ نشاطٌ ثم یَضمَحِلُّ ذلک النشاطُ تدریجًا حتی ینقطعَ فی اخرِ الامرِ فیحتاج الی اعادۃ لنفسٍ جدیدٍ وهذا الامتدادُ امرٌ محدودٌ بحدٍّ مبهمٍ ومُقدَّرٌ بمقدارٍ منتشرٍ لا یضرُّہ نقصانُ کلمتینِ او ثلثةٍ بل ولا نقصانُ قدرِ الثلثِ والربعِ وکذلک زیادۃُ کلمتینِ او ثلاثةٍ بل ولا زیادۃُ قدرِ الثلثِ والربعِ ویَسَعُ فی ذلک الحدِّ اختلافُ عددِ الاوتادِ والاسبابِ وتقدّمُ بعضِ الارکانِ علی بعضٍ فجُعِلَ لامتدادِ النفسِ وزنٌ معلومٌ وقُسِّمَ ذلک علی ثلاثةِ اقسامٍ طویلٍ ومتوسطٍ وقصیرٍ اما الطویلُ فنحو سورۃِ النساءِ واما المتوسطُ فنحو سورۃِ الاعرافِ والانعامِ واما القصیرُ فنحو سورۃِ الشعراءِ وسورۃِ الدخانِ ۔

توضیح اللغۃ :۔ تردُّد بار بار آنا قصبہ بانسہ۔ عنق گردن جبلّۃ فطرت، طبیعت۔ خُلّی وطبعہ اس کی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے نشاط بشاشت۔ یضمحل اضمحلال زائل ہونا۔ ادتاد جمع وتد میخ۔

ترجمہ : نرخرے میں سانس کی آمد ورفت انسان کی فطری بات ہے گو سانس کی درازی و کوتاہی ایک حد تک آدمی کے اختیار میں ہے لیکن جب اس کو اس کی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے تو اس کا ایک خاص طول ہونا ضروری ہے، اول بار سانس لینے میں ایک فرحت حاصل ہوتی ہے پھر وہ آہستہ آہستہ زائل ہونی شروع ہو جاتی حتی کہ بالکل زائل ہو جاتی ہے اور دوسرے تازہ سانس لینے کی ضرورت پڑتی ہے سانس کی یہ درازی مبہم حد سے محدود اور ایسی منتشر مقدار کے ساتھ معین ہے کہ اس کے لئے دو تین کلموں یا تہائی چوتھائی مقدار کی کمی اسی طرح دو تین کلموں یا تہائی چوتھائی مقدار کی زیادتی مضر نہیں اور اس میں تعدادِ اوتاد واسباب کے فرق کی اور بعض ارکان پر بعض کے مقدم ہونے کی بھی گنجائش ہے پس سانس کے اسی امتداد کے لئے خاص وزن قرار دیا گیا اور اس کو طویل و متوسط اور قصیر تین قسموں پر منقسم کیا گیا، طویل جیسے سورۂ نساء، متوسط جیسے سورۂ اعراف وانعام اور قصیر جیسے سورۂ شعراء اور سورۂ دخان۔

تشریح :۔ قولہ عدد الاوتاد الخ وتد اور سبب علم عروض کے اصطلاحی لفظ ہیں چنانچہ اہل عروض ارکان شعر کو تین جزؤں سے مرکب مانتے ہیں سبب، وتد اور فاصلہ، سبب دو حرفی کلمہ کو کہتے ہیں اگر پہلا حرف متحرک اور دوسرا ساکن ہو اس کو سبب خفیف کہتے ہیں جیسے "لَمْ" اور اگر دونوں متحرک ہوں تو سبب ثقیل جیسے "اَرَ" وتد سہ حرفی کلمہ کو کہتے ہیں اگر دو حرف متحرک ہوں اور تیسرا ساکن تو اس کو وتد مقرون اور وتد مجموع کہتے ہیں۔ جیسے "عَلیٰ" اور اگر درمیان والا حرف ساکن ہو تو اس کو وتد مفروق کہتے ہیں جیسے "قَوْلُ"۔

وتمامُ النفسِ یعتمد علی مَدَّةٍ معتمدۃٍ علےٰ حرفٍ قافیۃ متسعۃ یُوافقھا ذوقُ الطبع و یَتلذّذ من اعادتھا مرّۃً بعدَ اُخری وان کانت المَدَّۃُ فی موضعٍ "الفًا" وفی موضعٍ اخر "واوًا" او "یاءً" وسواءٌ کان ذلک الحرفُ الاخیرُ باءً فی موضعٍ وجیمًا او قافًا فی موضعٍ اخر فیعلمون ومؤمنین ومستقیم متوافقۃٌ وخروج ومَرِیج ومجید وتبار وفَوَاق وعُجاب کلُّھا علےٰ قاعدۃٍ وکذلک لحوقُ الالفِ فی اٰخر الکلامِ قافیۃٌ متسعۃ فی اعادتھا لذۃ وان کان حرفُ الرَّوی مختلفًا فیقولون فی موضعٍ کریمًا وفی موضعٍ اٰخر حدیثًا وفی موضعٍ ثالثٍ بصیرًا فان التزم فی ھذہ الصورۃ موافقۃ الرَّوی کان من قبیل "التزامُ ما لایلزم" کما وقعَ فی اوائلِ سورۃِ مریم وسورۃ الفرقانِ وکذلک توافقُ الاٰیاتِ بحرفٍ مثل المیم فی سورۃ القتال والنون فی سورۃ الرحمٰن یُفیدلذۃ کما لایخفیٰ وکذلک اعادۃُ جملۃٍ بعدَ طائفۃٍ تفید لذۃ کما وَقعَ فی سورۃِ الشعراء وسورۃ القمر وسورۃ الرحمٰن وسورۃ المرسلات

ترجمہ

اور سانس کا اختتام ایسے حرف مدہ پر ہے جس کا اعتماد کسی حرف پر ہو یہ ایک وسیع قافیہ ہے جس سے ذوق موافقت کرتا اور اس کے تکرار سے متلذذ ہوتا ہے اگرچہ وہ حرف مدّہ کہیں الف، کہیں واؤ اور کہیں یاء ہوتا ہے اور گو وہ حرف اخیر کسی جگہ باء ہوتا ہے اور کہیں جیم یا قاف پس یعلمون، مومنین، مستقیم باہم موافق ہیں اور خروج، مریج، مجید، تبار، فواق، اور عجاب سب باقاعدہ ہیں، اسی طرح آخر کلام میں الف کا آنا وسیع قافیہ ہے جس کے اعادہ میں پوری حلاوت ہوتی ہے گو حرف روی مختلف ہو پس ایک جگہ کریما کہتے ہیں دوسری جگہ حدیثا اور تیسری جگہ بصیرا، اگر التزام کیا جائے اس صورت میں روی کی موافقت کا تو یہ غیر لازمی شئی کی پابندی کے قبیل سے ہوگا جیسا کہ سورۂ مریم اور سورۂ فرقان کے آغاز میں واقع ہوا ہے اسی طرح آیات کا توافق کسی حرف کے ساتھ مثلاً میم سورۂ قتال میں اور نون سورۂ رحمٰن میں حلاوت بخشتا ہے جو مخفی نہیں ہے، اسی طرح ایک جملہ کو کلام کے بعد بار بار لانا لذت بخشتا ہے جیسا کہ سورۂ شعراء، سورۂ قمر، سورۂ رحمٰن اور سورۂ مرسلات میں واقع ہوا ہے۔

تشریح

قولہ حرف الروی الخ قافیہ کے حروف چھ ہیں رَوی، تاسیس، دخیل، ردف، خروج، وصل۔ رَوی شعر کے اس آخری اصلی حرف کو کہتے ہیں جو قوافی میں مکرر ہو جیسے ضرب اور حرب میں باء، اصلی کی قید سے تنوین، حرف اشباع، اور جو اس کے حکم میں ہو جیسے ہاء سکتہ اور علاماتِ ضمائر سب خارج ہو گئے رَوی قافیہ کی اصل اور اس کی جان ہوتی ہے جس سے اس کا خالی ہونا ممکن ہی نہیں اسلئے قصائد کو بحیثیت قوافی اسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جیسے لامیۂ شنفری، نونیۂ بستی، دالیۂ نابغہ ....

(باقی بر صفحہ ۲۴۱)

وقد تخالف فواصل اٰخرالسورة اوّلها لتطریب ذهن السامع وللاشعار بلطافة ذلک الکلام مثل "اِدًّا" "وهَدًّا" فی اٰخر سورة مریم ومثل "سَلَامًا" "وکِرَامًا" فی اٰخر سورة الفرقان و"طِینٍ" "وسَاجِدِینَ" و"مُنْظَرِینَ" فی اٰخر سورة صٓ مع انّ اوائل هذه السوَر مبنیة علٰی فاصلة اُخرٰی کمالا یخفی فجُعِل الوزنُ والقافیةُ المذکوران فی اکثر السوَر من المهمّات ان کان اللفظ الاخیر من الاٰیة صالحًا للقافیة فبها والّا وصل بجملة فیها بیانُ آلاء الله او تنبیهٌ للمخاطب کما یقول "وَهُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ"، "وَکَانَ اللهُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا"، "وَکَانَ اللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا"، "لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ"، "اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَاتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ"، "اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَاتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ"۔

ترجمہ: کبھی سورتوں کے آخری فواصل اوّل سے مختلف ہوتے ہیں ذہن سامع کی نشاط اور لطافت کلام کی جانب اشارہ کرنے کے لیے جیسے اِدًّا ہَدًّا سورۂ مریم کے آخر میں اور سَلَامًا، کِرَامًا سورہ فرقان کے آخر میں اور طِینٍ، ساجدین، منظرین سورۂ صٓ کے آخر میں حالانکہ ان سورتوں کے شروع دوسری طرح کے فاصلے ہیں، پس اس وزن اور قافیہ کو جو اکثر سورتوں میں مذکور ہیں مہتم بالشان قرار دیا گیا ہے، اگر آیت کے آخر میں کوئی لفظ قافیہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہو تو فبہا ورنہ اسکو ایسے جملہ سے جوڑ دیا جاتا جس میں نعم خداوندی کا بیان یا مخاطب کیلئے تنبیہ ہو جیسے فرماتے ہیں وَہُوَ الحکیم الخبیر اھ

(بقیہ ص۲۴۰)

میمیۂ عنترہ، مقصورۂ دریدیہ وغیرہ۔

قولہ التزام مالایلزم الخ یہ اس بات کا نام ہے کہ شعر یا نثر کے اندر کلام میں عدم کلفت کی وجہ سے حرف روی سے پہلے ایک یا دو حرفوں کا التزام کرلیا جائے، ایک حرف کے التزام کی مثال یہ ہے، "فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ"، کہ یہاں را حرف روی سے قبل ہا کا التزام کیا ہے، "اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ" تا آخر آیات، ان میں کاف سے قبل را کا التزام ہے، "فَلَا اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْکُنَّسِ"، اس میں سین حرف روی سے پہلے نون مشدد کا التزام ہے، "وَاللَّیْلِ وَمَا وَسَقَ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ"، میں قاف سے پہلے سین کا التزام ہے

دو حرفوں کے التزام کی مثال یہ ہے "وَالطُّوْرِ وَکِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ"، "مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ"، "وَقِیْلَ مَنْ رَاقٍ وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ"،

تین حرفوں کے التزام کی مثال یہ ہے، "تَذَکَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ وَاِخْوَانُهُمْ یَمُدُّوْنَهُمْ فِی الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ"۔ (اتقان)

وقد أُطنب في مثل هذه المواضع أحيانًا مثل "فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا" ويستعمل التقديم والتاخير مرةً والقلبُ والزيادةُ أخرى مثل "إِلْ يَاسِيْنَ" في الياس وطُوْرِ سِيْنِيْنَ في سيناء

ترجمہ

اور اس قسم کے مواقع میں کہیں کہیں کسی قدر اطناب سے کام لیا گیا ہے جیسے "سو پوچھ اس سے جو اس کی خبر رکھتا ہو"، اور کسی جگہ تقدیم وتاخیر بھی مستعمل ہوئی ہے اور کبھی قلب اور زیادتی۔ جیسے ال یاسین "الیاس میں اور طور سینین" سینا، میں۔

تشریح: قولہ وقد اطنب الخ جیسے قول باری "ومن شر حاسد اذا حسد" یعنی جب حاسد اپنی کیفیت کو ضبط نہ کر سکے اور عملی طور پر حسد کا اظہار کرنے لگے، اس میں کلمہ اذا حسد قافیہ کے لیے لایا گیا ہے۔ اس صنعت کو صنعت ایغال اور امکان کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ کلام کو کسی ایسی بات پر ختم کیا جائے جو کسی ایسے نکتہ کا فائدہ دے کہ کلام کے معنی اس نکتہ کے بغیر بھی تام ہو جاتے ہوں جیسے اِتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ أَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ، اس میں وہم مہتدون ایغال ہے اگر اس کو نہ لایا جاتا تب بھی کلام کے معنی پورے ہو جاتے کیونکہ رسول لامحالہ ہدایت یافتہ ہوتا ہے مگر چونکہ اس جملہ میں لوگوں کو رسولوں کی پیروی پر ابھارنے اور ان کو اس بات کی ترغیب دلانے میں ایک قسم کا مبالغہ مقصود تھا اس لیے اس کو بڑھایا گیا۔

قولہ ویستعمل التقدیم الخ جیسے قول باری "اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ" حافظ سیوطی رح جلالین میں لکھتے ہیں "وقدم الابلغ للفاصلۃ اھ" کہ یہاں صیغہ ابلغ یعنی رؤف کو رعایت فاصلہ کی وجہ سے مقدم کیا ہے ورنہ بقول سید سلیمان الجمل عادۃً اس کے برعکس ہے چنانچہ عالم نحریر کہتے ہیں نہ کہ نحریر عالم۔

تنبیہ: علامہ زمخشری نے کشاف میں بیان کیا ہے کہ تنہا فواصل ہی کی محافظت پسندیدہ نہیں ہوتی بلکہ معانی ومقاصد کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے ورنہ کلام بلاغت سے گر جائے گا، اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ قول باری "وبالآخرة هم يوقنون" میں بالآخرہ کی تقدیم صرف فاصلہ کے لحاظ سے نہیں کی گئی بلکہ یہاں اختصاص کی رعایت بھی رکھی گئی ہے۔

قولہ وطور سینین الخ یہ دونوں مثالیں قلب کی ہیں، زیادتی کی مثال جیسے قول باری "وتظنون باللہ الظنونا" اس میں الظنون کے ساتھ الف کو لاحق کیا گیا ہے کیونکہ اس سورہ کے فواصل کے مقاطع الف ہیں جو وقف میں تنوین سے بدلے ہوئے ہیں پس تساوی مقاطع اور تناسب نہایات فواصل کے لیے نون کے ساتھ الف بڑھا دیا گیا ومثلہ "فاضلونا السبیلا، واطعنا الرسولا"۔

وَلْيُعْلَمْ هٰهُنَا اَنَّ انْسِجَامَ الْكَلَامِ وَسُهُوْلَتَهٗ عَلَى اللِّسَانِ لِكَوْنِهٖ مَثَلًا سَائِرًا اَوْ لِتَكَرُّرِ ذِكْرِهٖ فِى الْاٰيَةِ رُبَّمَا يَجْعَلُ الْكَلَامَ الطَّوِيْلَ مَوْزُوْنًا مَعَ الْكَلَامِ الْقَصِيْرِ وَرُبَّمَا يَكُوْنُ الْفِقَرُ الْاُوَلُ اَقْصَرَ مِنَ الْفِقَرِ التَّالِيَةِ وَهُوَ يُفِيْدُ عُذُوْبَةً فِى الْكَلَامِ "خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِىْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ" كَاَنَّ الْمُتَكَلِّمَ يَقْدِرُ فِى مِثْلِ هٰذَا الْكَلَامِ اَنَّ الْفِقْرَةَ الْاُوْلٰى وَالثَّانِيَةَ مِنْ حَيْثُ الْمَجْمُوْعِ فِىْ كِفَّةٍ وَالثَّالِثَةَ وَحْدَهَا فِىْ كِفَّةٍ، وَرُبَّمَا تَكُوْنُ الْاٰيَةُ ذَاتَ قَوَائِمَ ثَلَاثٍ نَحْوُ "يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ الْاٰيَةَ۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ" الْاٰيَةَ وَالْعَامَّةُ يَصِلُوْنَ الْاَوَّلَ بِالثَّانِىْ فَيَحْسَبُوْنَ الْاٰيَةَ طَوِيْلَةً، وَقَدْ تَجِىْءُ فِىْ اٰيَةٍ فَاصِلَتَانِ كَمَا يَكُوْنُ فِى الْبَيْتِ اَيْضًا مِثَالُ ذٰلِكَ ؎

كَالزَّهْرِ فِىْ تَرَفٍ وَّالْبَدْرِ فِىْ شَرَفٍ ۞ وَالْبَحْرِ فِىْ كَرَمٍ وَّالدَّهْرِ فِىْ هِمَمٍ

توضیح اللغۃ

انسجام انسجم۔ المائ۔ پانی گرنا، بہنا۔ الکلام۔ کلام کا مرتب ہونا، لسان زبان، مثل کہاوت، الفقر جمع فقرہ، کلام یا جملہ کا لطیف نکتہ، الأُوَل اُولٰی مونث کی جمع ہے، اقصر اسم تفضیل ہے زیادہ چھوٹا التالیۃ تالی کا مونث ہے، پیچھے چلنے والا، عذوبۃ میٹھا اور خوشگوار ہونا، غلوا ادن، غلاً ہاتھ میں ہتھکڑی یا گلے میں طوق ڈالنا الجحیم دوزخ، صلوا آگ میں داخل کرنا، سلسلۃ زنجیر، ذرع ہاتھ کا پھیلاؤ، پیمائش ذراع گز، کہنی سے بیچ کی انگلی تک کا حصہ، فاسلکوہ اسلک الشئ داخل کرنا، کفۃ ہر گول چیز، ترازو کا پلڑا، قوائم جمع قائمۃ پایا، تبیض سفید ہونا۔ وجوہ جمع وجہ، تسود سیاہ ہونا، یصلون وصلاً جوڑنا زہر کلی شگوفہ، ترف خوشحالی بدر چودہویں رات کا چاند، شرف عزت وبزرگی، شرافت، بحر دریا، کرم بخشش فیاضی، دہر زمانہ، ہمم جمع ہمۃ، عزم قوی۔

ترجمہ: یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ کلام کی روانی اور زبان پر اس کی سہولت جو بوجہ اس کے ضرب المثل ہونے یا آیت میں اس کے مکرر مذکور ہونے سے حاصل ہوتی ہے وہ طویل کلام کو مختصر کلام کے ہم وزن بنا دیتی ہے اور بعض اوقات پہلے فقرے بعد کے فقروں سے کم ہوتے ہیں اور وہ بھی کلام میں شیرینی پیدا کر دیتے ہیں "اس کو پکڑو پھر طوق ڈالو پھر آگ کے ڈھیر میں اس کو ڈالو پھر ایک زنجیر میں جس کا طول ستر گز ہے اس کو جکڑ دو" گویا اس قسم کے کلام میں متکلم کا دلی مدعا یہ ہوتا ہے کہ پہلے اور دوسرے فقرہ کا مجموعہ ایک پلڑے میں ہے اور تنہا تیسرا فقرہ ایک پلڑے میں ہے۔

سلہ ۳۰-۲۹- الحاقۃ ۱۲ سلہ ۱۰۵-۱۰۷- ۳۴- آل عمران ۱۲

اور کبھی آیت کے تین رکن ہوتے ہیں جیسے ،، جس دن کہ سفید ہوں گے بعضے منہ اور سیاہ ہوں گے بعضے منہ، سو وہ لوگ کہ سیاہ ہوئے منہ ان کے الخ اور وہ لوگ کہ سفید ہوئے منہ ان کے الخ ،، عام طور پر لوگ رکن اول کو دوسرے رکن کے ساتھ جو ذکر آیت کو طویل خیال کرتے ہیں۔ اور کبھی آیت میں دو فاصلے آتے ہیں جیسا کہ یہ شعر میں بھی ہوتا ہے اس کی مثال یہ شعر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تازگی میں مثل شگوفہ ہیں اور شرف بزرگی میں جیسے چودہویں رات کا چاند، فیاضی اور بخشش میں دریا کے مانند ہیں اور عزم قوی وہمت میں زہرا مثال ۔

تشریح (۱) قولہ فاما الذین اسودت وجوھھم الخ اسکے بعد پوری آیت یوں ہے ،، اکفرتم بعد ایمانکم فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون، واما الذین ابیضت وجوھھم ففی رحمۃ اللہ ھم فیھا خلدون، پس یہاں رکن اول یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ ،، ہے اور رکن دوم ،، فاما الذین اسودت ،، سے تکفرون ،، تک ہے اور رکن سوم ،، واما الذین ابیضت سے ،، خلدون ،، تک ہے ۔

قولہ فی آیۃ فاصلتان الخ اس کی امثلہ یہ ہیں ،، مالکم لاترجون للہ وقارا وقد خلقکم اطوارا، ثم یوم القیٰمۃ یخزیھم ویقول این شرکاءی الذین کنتم تشاقون فیھم، ارنا ما تشتہیھا نخسفوا ایضہما، احب الیکم من اللہ ورسولہ وجہاد فی سبیلہ، والتوراۃ والانجیل ورسولا الی بنی اسرائیل ۔

قولہ کالزہرا الخ یہ شعر عارف باللہ شیخ شرف الدین ابو عبد اللہ محمد بن سعید البوصیری متوفی ۶۹۴ھ یا ۶۹۶ھ کے مشہور ،، قصیدہ بردہ ،، کا ہے جو موصوف نے تاجدار مدینہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اس وقت کہا تھا جب یہ لا علاج مرض فالج میں مبتلا ہو گئے تھے، جب انہوں نے یہ قصیدہ کہا تو شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے ان کے بدن پر اپنا دست مبارک پھیرا اور اپنی چادر میں لپیٹ لیا، صبح اٹھے تو بالکل صحتیاب تھے، ومن امثلۃ الشعریۃ ایضا قول ابی تمام سے

تجلی بہ رشدی، واثرت بہ یدی ٭ وفاض بہ ثمدی، واوری بہ زندی

(تتمہ) چونکہ فواصل کا مدار وقف پر ہے اس لیے ان میں مرفوع کا مقابلہ مجرور کے ساتھ یا اس کے برعکس جائز ہے جیسے قول باری ،، انا خلقنٰھم من طین لازب ،، عذاب واصب اور شہاب ثاقب کے ساتھ آیا ہے اور قول باری ،، بماء منھمر ،، قد قدر اور مستمر اور مستمر کے مقابلہ میں آیا ہے ۔

(فائدہ) قرآن میں بکثرت فواصل کو حروف مدولین اور الحاق نون کے ساتھ ختم کیا گیا ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ اس سے طرب انگیزی پر قابو پاتا ہے جیسا کہ سیبویہ کا قول ہے کہ اہل عرب ترنم کی حالت میں کلموں کے ساتھ الف، یا اور نون کا الحاق کرتے ہیں کیونکہ انکا مقصد آواز میں کشش پیدا کرنا ہے، جب وہ ترنم نہیں چاہتے تو ان حرفوں کا الحاق نہیں کرتے ۔ الاتقان

وقد تكون الآيةُ أطولَ من سائرِ الآياتِ والسرُّ ههنا انه اذا جُعِل حسنُ الكلام الناشى من تجاذُبِ الوزن ووجدانِ الامرِ المنتظرِ وهو القافيةُ فى كِفّةٍ وجُعِل حسنُ الكلام الناشى من سهولة الاداءِ وموافقةِ طبعِ الكلام وعدمِ لحوقِ التغييرِ فيه فى كِفّةٍ أخرىٰ ترجّح الفطرةُ السليمة جانبَ المعنى فيُترك احدُ الانتظارَين مهملاً ويُوفّى الحقُّ فى الانتظار الثانى،

وانما قلنا فى صدر المبحث قد جرت سنةُ اللّٰه عزّوجلّ على هذا فى اكثر السُّوَر، لانه ما ظهرت فى بعض السُّوَر رعايةُ هذا القسم من الوزنِ والقافية ووقعت طائفةٌ من الكلام على نهجِ خُطبِ الخطباءِ وامثالِ اهلِ النُّكَت الم تسمعْ مسامرةَ النساءِ المرويةَ عن سيدتنا عائشةَ رضى اللّٰه عنها فانظر فى قوافيها وفى بعض السُّوَر وَقعَ الكلامُ على منهجِ كتُبِ العربِ بلا رعايةِ شيئٍ كمُحاوَرةِ بعضِ الناسِ لبعضٍ الا انه يختم كلُّ كلامٍ بشيئٍ يكون مبنيّاً على الاختتامِ والسرُّ ههنا انّ الاصلَ فى لغة العرب الوقفُ فى موضعٍ ينتهى النَفَسُ ويكفى لنشاط الكلام والمستحسنُ فى محل الوقف انتهاء النفسِ على المدّةِ هذا هو الوجهُ فى ظهورِ صورةِ الآياتِ وهذا هو ما فتح اللّٰهُ على الفقير واللّٰه اعلم

توضیح اللغة: سائر چیز کا بقیہ، سِرّ بھید، ناشی پیدا ہونے والا، کفّۃ ترازو کا پلڑا، اہمل اہمال جان بوجھ کر یا بھولے سے چھوڑ دینا، یُوفّی پوراحق دینا، نہج طریقہ، خطب جمع خطبۃ تقریر، خطبا جمع خطیب، نکت جمع نکتہ۔ مسامرۃ رات کو قصہ گوئی کرنا، منہج کشادہ راستہ، محاورۃ گفتگو کرنا، جواب دینا، نفس سانس

ترجمہ۔ کبھی ایک آیت دوسری آیتوں سے زیادہ لمبی ہوتی ہے اس کا نکتہ یہ ہے کہ جس وقت کلام کے اس حسن کا کہ جو وزن اور قافیہ سے پیدا ہوا ہے کلام کے اس حسن سے موازنہ کریں جو ادا کی بیساختگی وسادگی اور اسکی طبعی ترکیب وعدم تغیر سے حاصل ہوا ہے تو فطرت سلیمہ حسن معنوی کو ترجیح دیگی پس ایک قسم کے حسن کے انتظار کو ترک کرکے دوسری قسم کے انتظار کا پوراحق ادا کیا جاتا ہے،

ہم نے شروع بحث میں یہ بات کہ،، اکثر سورتوں میں سنت اللہ اس پر جاری ہے،، اسواسطے کہی تھی کہ بعض سورتوں میں اس قسم کے وزن اور قافیہ کی رعایت معلوم نہیں ہوتی پس کلام اللہ کا ایک حصہ خطباء کے خطبوں اور عقلاء نکتہ رس کے مراسلات کے نہج پر واقع ہے، کیا تو نے عورتوں کا وہ قصہ نہیں سنا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس کے قوافی دیکھ لے اور بعض سورتوں میں کلام اہل عرب کے مراسلات کی طرح بلا کسی امر کی رعایت کے واقع ہوا ہے جیسا کہ بعض لوگوں کی گفتگو آپس میں ہوتی ہے لیکن یہ ضرور ہے

کہ ہر کلام ایسی چیز پر ختم کیا گیا ہے جو ختم کرنے کے قابل تھا، اس جگہ نکتہ یہ ہے کہ لغت عرب میں وقف ایسے موقع پر ہوتا ہے جہاں سانس ختم ہو جائے اور کلام میں نشاط باقی نہ رہے اور مستحسن محل وقف میں سانس کا حرف مدہ پر ختم ہونا ہے، یہی وجہ ہے جس سے آیت کی موجودہ صورت بنی ہے، یہ وہ رموز ہیں جو اس فقیر کو القا ہوئے ہیں واللہ اعلم۔

تشریح: قولہ وقد تکون الآیۃ اطول الخ جیسے سورہ بقرہ کی دوسو بیاسویں آیت اور مزمل کی بیسویں آیت اور سورہ مدثر کی اکتیسویں آیت اپنے ماقبل کی آیت سے اطول ہے۔

قولہ سامرۃ النساء الخ یہ حدیث ام زرع کی طرف اشارہ ہے جو صحیحین اور شمائل ترمذی میں حضرت عائشہ رض سے مروی ہے جس کا کچھ حصہ بطور نمونہ ذیل میں درج ہے

جلست احدی عشرۃ امراۃ فتعاہدن وتعاقدن ان لا یکتمن من اخبار ازواجھن شیئاً قالت الاولی زوجی لحم جمل غث علی راس جبل وعر لا سہل فیرتقی ولا سمین فینتقی، قالت الثانیۃ زوجی لا ابث خبرہ انی اخاف ان لا اذرہ اذکرہ اذکر عجرہ وبجرہ، قالت الثالثۃ زوجی العشنق ان انطق اطلق وان اسکت اعلق، قالت الرابعۃ زوجی کلیل تہامۃ لا حر ولا قر ولا مخافۃ ولا سامۃ، قالت الخامسۃ زوجی ان دخل فہد وان خرج اسد ولا یسال عما عہد قالت السادسۃ، زوجی ان اکل لف وان شرب اشتف وان اضطجع التف ولا یولج الکف لیعلم البث، قالت السابعۃ زوجی عیایاء او غیایاء طباقاء، کل داء لہ داء شجک او فلک او جمع کلا لک اھ

ایک مرتبہ گیارہ عورتیں یہ معاہدہ کرکے بیٹھیں کہ اپنے اپنے خاوند کے حالات میں سے کچھ نہ چھپائیں، ایک بولی میرا خاوند دبلے اونٹ کے گوشت کی طرح ہے جو دشوار گزار پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہو کہ نہ وہ سہل ہے جو چڑھنا ممکن ہو نہ فربہ ہے کہ اختیار کیا جائے دوسری بولی میں اپنے شوہر کا حال کہہ نہیں سکتی مجھے ڈر ہے کہ اگر ذکر شروع کر دوں تو ظاہری اور باطنی عیوب سب ہی کہوں، تیسری بولی، میرا شوہر لمڈھینگ ہے اگر میں کچھ بول پڑوں تو فوراً طلاق اور چپ رہوں تو ادھر میں لٹکی رہوں، چوتھی بولی، میرا خاوند تہامہ کی رات کی طرح ہے نہ گرم نہ ٹھنڈا اس سے کسی قسم کا خوف ہے نہ ملال، پانچویں بولی: میرا شوہر گھر آئے تو چیتا بن جاتا ہے اور باہر جائے تو شیر بن جاتا ہے اور جو کچھ گھر میں ہو اس کی تحقیقات نہیں کرتا، چھٹی بولی، میرا خاوند کھاتا ہے تو سب نمٹا دیتا ہے اور پیتا ہے تو سب چڑھا جاتا ہے لیٹتا ہے تو کپڑے میں لپٹ جاتا ہے اور ہاتھ نہیں بڑھاتا تاکہ پراگندگی معلوم کرے، ساتویں بولی، میرا شوہر نامرد اور اتنا بے وقوف ہے کہ بات بھی نہیں کر سکتا، ساری بیماریاں اس میں موجود ہیں، سر پھوڑ دے یا زخمی کر دے یا دونوں ہی کر گزرے

ان سألوا لِمَ تكرّرت مطالبُ الفنونِ الخمسةِ فی القرآنِ العظیم ولِمَ لم یکتفِ بموضعٍ واحدٍ قلنا الذی نریدُ افادتَه للسامع ینقسم الی قسمین الاول ان یکون المقصودُ هناك مجردَ تعلیمِ ما لا یعلمُ فالمخاطبُ لم یکن عالمًا بالحکمِ وما کان ذهنُه مدرکًا له فیعلمُ ذلك المجهولَ باستماعِ الکلامِ ویصیر المجهولُ معلومًا والثانی ان یکون المقصودُ استحضارَ صورةِ ذلك العلم فی المدرکةِ لیتلذّذَ به لذةً تامةً وتفنی القُوی القلبیةُ والادراکیةُ فی ذلك العلم ویغلب القُوی کلَّها حتی تنصبغ بذلك العلم کما نکرّر احیانًا معنی شعرٍ علمناه ونُدرِكُ منه لذةً فی کلِّ مرةٍ ونحبُّ التکرارَ لتلك اللذةِ والقرآنُ العظیمُ اَرادَ من قسمَی الافادةِ بالنسبةِ الی کلِّ واحدٍ من مطالبِ الفنونِ الخمسةِ تعلیمَ ما لا یعلمُ بالنسبةِ الی الجاهلِ وصبغَ النفوسِ بتلك العلوم من التکرار بالنسبة الی العالم الّا انّ اکثرَ مباحث الاحکام لم یحصل تکرارُها لانّ الافادةَ الثانیةَ غیرُ مطلوبةٍ فیها ولذا اُمِرَ بتکرار التلاوة فی الشریعة ولم یکتفِ بمجرد الفهم ولکن الفرقَ انه تعالی اختار فی اکثر الاحوال تکرارَ تلك المسائل بعبارةٍ جدیدةٍ واسلوبٍ غریبٍ لیکونَ اَوقعَ فی النفسِ وَالَذَّ فی الاذهانِ دون التکرارِ بلفظٍ واحدٍ والذهنُ یخوضُ فی صورةِ اختلافِ التعبیراتِ وتغایُرِ الاسلوبِ ویتعمّقُ الخاطرُ باسرِه

توضیح اللغة: مطالب جمع مطلب، لیتلذذ: تلذّذًا لذت حاصل کرنا، قوی جمع قوة تنصبغ انصباغًا رنگین ہونا احیانًا جمع حین، صبغ رنگنا، اَلَذّ لذیذتر، یخوض (ن) خوضًا، داخل ہونا، مشغول ہونا، یتعمق تعمقًا امور میں گہری نظر ڈالنا، خاطر دل:۔

ترجمہ: اگر کوئی پوچھے کہ پنجگانہ علوم کے مطالب کو قرآن عظیم میں بار بار کیوں ذکر کیا ایک ہی جگہ پر اکتفا کیوں نہیں کی؟ ہم کہیں گے کہ ہم مخاطب کو جس بات کا فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں وہ دو قسموں پر منقسم ہے ایک یہ کہ مقصود صرف نامعلوم چیز کی خبر دینا ہے پس مخاطب کو یہ حکم نہ پہلے سے معلوم ہوگا اور نہ اسکا ذہن اس سے واقف ہوگا اس لیے وہ ہمارا کلام سنتے ہی اس نامعلوم شئی کو معلوم کرلے گا اور مجہول چیز معلوم ہوجائے گی، دوسرے یہ کہ مقصود مخاطب کے دل میں اس علم کی تصویر اس طرح ذہن نشین کرنا ہے کہ اس سے مخاطب کو پوری لذت حاصل ہو اور اس کے قلبی اور ادراکی قوی اس علم میں بالکل محو ہوجائیں اور اس علم کا رنگ اس کی تمام قوتوں پر غالب ہوجائے، جیسے ہم کسی شعر کو جس کے معنی ہمیں معلوم ہیں بار بار پڑھتے اور ہر بار لذت پاتے ہیں اور اسی لذت کی خاطر اسکو مکرر سہ کرر پڑھنا پسند کرتے ہیں، قرآن عظیم نے افادہ کی دونوں قسموں سے علوم پنجگانہ کی تعلیم

میں ناواقفوں کے لیے تعلیم مجہول کا طریقہ اختیار کیا ہے اور علماء کے نفوس کو ان علوم کی تکرار سے رنگنا چاہا ہے، لیکن اکثر مباحث احکام میں تکرار واقع نہیں ہوا اس لیے کہ ان میں دوسری قسم کا فائدہ مطلوب نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ شریعت میں قرآن کو باربار تلاوت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور طرب سمجھ لے لینے پر اکتفا نہیں کیا گیا، ہاں فرق صرف اتنا ہے کہ اکثر حالتوں میں ان مسائل کا تکرار بدیع عبارت اور البیلے اسلوب میں اختیار فرمایا تاکہ وہ نفس پر زیادہ مؤثر اور ذہن کے لیے زیادہ لذت بخش ہو نہ کہ تکرار بلفظ واحد، اور اختلاف تعبیرات و تغایر اسلوب کی صورت میں ذہن پورے طور پر غور و خوض کرتا اور ذہن مخاطب میں وہ مضمون بالکل اتر جاتا ہے۔

تشریح: قولہ ینقسم الی قسمین الخ اس کی توضیح یہ ہے کہ قرآن پاک کی ہر تعلیم اور ہر حکم کے مخاطب دو قسم کے آدمی ہو سکتے ہیں ایک وہ لوگ جو پہلے سے اس حکم سے ناواقف ہوں اور اب ان کو صرف واقف بنانا مقصود ہو اور ایک وہ لوگ جن کو پیشتر ہی اس تعلیم کا فائدہ حاصل ہو چکا تھا لیکن ان کے قلب میں یہ کیفیت راسخ نہ ہوئی تھی، اس اخیر گروہ سے محض اس لیے خطاب کیا جاتا ہے کہ ان کے دلوں میں وہ تعلیم خوب جگہ پکڑ جائے اور اس کے اندرونی اعتقادات اس طرح رگ و پے میں سرایت کر جائیں کہ ان کا اثر تمام قوی اور اعضاء جسمانی پر ظاہر ہونے لگے، اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص بخوبی جانتا ہے کہ یتیم و مسکین پر شفقت و رحمت قرب الٰہی کا سبب اور باعث اجر و ثواب ہے لیکن اس کا حال یہ ہے کہ جب کوئی یتیم یا مسکین خستہ حالی میں اس کے سامنے آتا ہے تو یہ اس سے گھبرا کر بھاگتا اور اس کے ساتھ میل جول سے ناک بھوں چڑھاتا ہے گویا اس کو اس بات کا علم ہی علم ہے کہ یتیم پر شفقت کرنی چاہیئے لیکن اس خیال کے رنگ میں رنگا ہوا نہیں ہے، اس کے مقابلہ میں دوسرا شخص ہے کہ جب یتیم و مسکین کو دیکھتا ہے تو بے تاب ہو کر اس کی طرف لپکتا، اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا اور اس کی دلجوئی کرتا ہے، بہرکیف مخاطب اول صرف ایک چیز کا علم حاصل کرتا ہے اور دوسرا اس علم کے رسوخ اور استحکام کا طالب ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ دوسرا مرتبہ پہلے سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔

(تنبیہ) عام طور پر قرآن پاک کے بعض کلمات کے تکرار پر بالخصوص سورہ رحمٰن کی آیت «فبای آلاء ربکما تکذبان» پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس کو اکتیس بار مکرر کیا گیا ہے جو اسلوب بلاغت کے خلاف ہے مگر یہ اعتراض بالکل غلط ہے کیونکہ تقریر و تنبیہ وغیرہ کی غرض سے کلام کو مکرر لانا فصحاء و بلغاء کے یہاں شائع ذائع ہے جس کی مثالیں ان کے کلام میں بکثرت موجود ہیں چنانچہ عرب کے مشہور شاعر مہلہل بن ربیعہ کے کلام میں مصرع «علی ان لیس عدلاً من کلیب» لیلیٰ اخیلیہ کے کلام میں مصرع «لنعم الفتی یا توب کنت ولم تکن» نعمان بن بشیر کی چچازاد بہن کے کلام میں مصرع «وحدثنی اصحابہ ان مالکاً» تقریباً ہر شعر میں مکرر لایا گیا ہے۔

ان سألوا لِمَ نُشِرَ هذه المطالبُ فی القرآن ولم یُرَاعَ الترتیبُ فیه کی آلاء الله اولا ویستوفی حقها ثم یذکر ایام الله ثم مخاصمة الکفار قلنا وان کانت القدرةُ الالهیةُ شاملةً للممکنات کلها ولکن الحاکمَ فی هذه الابواب الحکمةُ و الحکمةُ موافقةُ المبعوثِ الیهم فی اللسانِ واُسلوبِ البیان واشیر الی هذا المعنی فی آیة "لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ" وما کان فی العرب اسلے وقتِ نزولِ القرآنِ کتابٌ لا من الکتبِ الالهیةِ ولا من مؤلفِ البشرِ وما کان العربُ یعلمون ما اخترع المصنفون الآنَ من الترتیب فان کنت فی شكٍ من هذا فتأمّل قصائدَ الشعراءِ المخضرمین واقرأ رسائلَ النبی صلے الله علیه وسلم ومکاتیبَ عمر الفاروق رضی الله عنه لیتضح هذا المعنی فلو قیل بخلاف طورهم لبقوا فی حیرة حیثُ یصل الی سمعهم شیءٌ غیرُ معهودٍ فیشوّش فهمَهم والیضاً لیس المقصود مجرد الافادة بل الافادة مع الاستحضار والتکرار وهذا المعنی فی غیر المرتب اقوی واتم

ترجمہ: اگر کوئی پوچھے کہ ان مطالب کو قرآن میں منتشر کیوں کیا گیا ترتیب کی رعایت کیوں نہیں کی کہ پہلے آلاء اللہ کو پورے طور پر بیان کرتے پھر ایام اللہ کا ذکر ہوتا اس کے بعد مخاصمہ کفار کی تفصیل ہوتی، ہم کہیں گے کہ اگرچہ قدرت الٰہی تمام ممکنات کو شامل ہے لیکن اس قسم کے امور کا مدار حکمت پر ہے اور حکمت مبعوث الیہم یعنی عربوں کی زبان اور اُن کے اسلوب بیان کی موافقت ہے جسکی طرف آیت میں اشارہ کیا گیا ہے وہ تو کہتے اس کی باتیں کیوں نہ کھولی گئیں کیا اوپری زبان کی کتاب اور عربی لوگ،، اور نہیں تھی اہل عرب کے پاس قرآن نازل ہونے تک کوئی کتاب نہ آسمان نہ انسان کی مرتب کی ہوئی اور نہ وہ اس ترتیب سے واقف تھے جو مصنفین نے اب اختراع کی ہے اگر اس میں شک ہو تو مخضرمین کے قصائد کو بغور دیکھ لو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مراسلات اور حضرت عمرؓ کے مکتوبات کا مطالعہ کرو تاکہ یہ بات واضح ہو جائے، اگر قرآن ان کے اسلوب کے خلاف ہوتا تو وہ حیرت میں رہ جاتے اور جب اُن کے کانوں میں ناآشنا کلام پہنچتا تو اُن کی عقلیں پریشان ہو جائیں، نیز مقصود محض افادہ نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ علم استحضار اور پختگی کے ساتھ ہو اور یہ مقصود غیر مرتب ہونے کی صورت میں زیادہ قوت اور کمال کے ساتھ حاصل ہوتا ہے:-

---

سلہ الترجمۃ الصحیحۃ ہکذا، ذلو وصل الی سمعہم شیٔ غیر معہود لیشوش فہمہم، لان النص الفارسی ہکذا، پس اگر خلاف طور ایشاں گفتہ شود بحیرت درمانند وچیزے ناآشنا بگوش ایشاں رسد فہم ایشاں را مشوش سازد ۱۲ عون

ان سألوا لِمَ لم يختر وزنًا وقافيةً يعتبران عند الشعراء فانهما ألذ من هذا الوزن والقافية قلنا كونهما ألذ يختلف باختلاف الاقوام والاذهان وعلى التسليم فابداع طورٍ من الوزن والقافية على لسان حضرة نبينا صلى الله عليه وسلم وهو امي اية ظاهرة على نبوته صلى الله عليه وسلم ولو نزل القرآن على وزن الشعراء وقافيتهم لحسب الكفار انه هو الشعر المشهور المعروف في العرب ولم يأخذوا من ذلك الحسبان فائدة كما اذا اراد البلغاء من اهل النظم والنثر ان يثبتوا امزيتهم ورجحانهم على المعاصرين على رؤس الاشهاد استنبطوا صناعة غريبة وقالوا هل يستطيع احد ان يقول شعرًا او غزلًا على هذا الطور او يكتب كتابا على هذا النمط ولو كان انشاؤهم على الطور القديم لما ظهرت براعتهم الا عند المحققين

توضیح اللغۃ

الذ لذیذ تر، ابداع ایجاد کرنا، طور انداز، حال، بلغا، جمع بلیغ، مزیۃ علم وشجاعت وغیرہ میں فضیلت نمط طریقہ، روش، براعۃ فضیلت میں کامل ہونا۔

ترجمہ: اگر کوئی پوچھے کہ کیوں نہ اختیار کیا وہ وزن اور قافیہ جو شعراء کے ہاں معتبر ہے اور وہ اس وزن اور قافیہ سے زیادہ لذیذ ہے ہم کہیں گے کہ ان کا زیادہ لذیذ ہونا اختلاف اقوام وازہان کے اعتبار سے مختلف ہے اور بتقدیر تسلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے عدیم المثال وزن وقافیہ کی ایجاد باوجودیکہ آپ امی تھے آپ کی نبوت کا کھلا نشان ہے اگر قرآن شعراء کے وزن اور قافیہ پر نازل ہوتا تو کفار خیال کرتے کہ یہ تو انہی اشعار جیسا ہے جو عرب میں مشہور و معروف ہیں اور کسی شمار میں نہ لاتے جیسے نظم ونثر کے بلغاء۔ جب اپنا کمال فضیلت ہمعصروں پر دلیل کے ساتھ ثابت کرنا چاہتے ہیں تو کوئی جدید اسلوب اختراع کرکے کہتے ہیں کہ کوئی اس طور پر شعر یا غزل کہہ سکتا ہے یا اس طرز پر کتاب لکھ سکتا ہے؟ اگر انکی نگارش اسی پرانے طرز پر ہو تو انکا کمال محققین کے سوا کسی پر نمایاں نہیں ہو سکتا۔

تشریح: قولہ قلنا کونہما الخ حاصل یہ کہ اول تو وزن وقافیہ کا علی الاطلاق لذیذ ترین ہونا تسلیم نہیں کیونکہ یہ اختلاف اقوام وازہان کے اعتبار سے مختلف ہے چنانچہ بعض لوگ ایک خاص وزن اور مخصوص قافیہ کو پسند کرتے ہیں اور بعض دیگر اسی کو ناپسند کرتے ہیں، اگر قرآن کسی معین وزن یا خاص قافیہ کی صورت میں نازل ہوتا تو کچھ لوگ اس سے لذت اندوز ہوتے کچھ نہ ہوسکے، اور اگر علی الاطلاق لذیذ ترین ہونا ہی تسلیم کرلیں تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اھ۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

مبحث اعجاز القرآن

ان سألوا عن اعجاز القرآن من ای وجہ ہو قلنا المحقق عندنا انہ بوجوہ کثیرۃ

ترجمہ:

(اعجاز قرآن کی بحث) اگر کوئی پوچھے کہ قرآن کا اعجاز کس وجہ سے ہے؟ ہم کہیں گے کہ ہمارے نزدیک امر محقق یہ ہے کہ اعجاز قرآن بہت سی وجوہ سے ہے:۔

تشریح: قولہ مبحث الخ یہاں اعجاز قرآن کی بحث ہے جو جلیل القدر اور عظیم الشان علم ہے جس پر بہت سے علماء نے مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں جیسے ابو سلیمان حمد بن محمد بستی خطابی متوفی ۳۸۸ھ کی کتاب، بیان اعجاز القرآن، ابو الحسن علی بن عیسی رمانی معتزلی متوفی ۳۸۶ھ کی کتاب، النکت فی اعجاز القرآن فاضل رافعی بصری کی کتاب، اعجاز القرآن، قاضی ابو بکر محمد بن الطیب باقلانی متوفی ۴۰۳ھ کی کتاب اعجاز القرآن، جو بقول ابن عربی اس موضوع پر بے مثل کتاب ہے، علامہ شبیر احمد عثمانی رح کی کتاب اعجاز القرآن اسی طرح زملکانی اور ابن سراقہ وغیرہ کی۔ تصنیفات، ان کے علاوہ قاضی عیاض مالکی نے کتاب الشفاء میں، امیر یمانی نے الطراز میں، شیخ عبد القادر جرجانی نے دلائل الاعجاز میں، زرکشی نے برہان میں، امام رازی نے تفسیر کبیر میں، ابن حزم نے الملل والنحل میں سیوطی نے اتقان میں شیذلہ عزیزی نے البرہان میں اور سید آلوسی نے روح المعانی میں، مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے وحی الہی میں وجوہ اعجاز پر تفصیل سے کلام کیا ہے:۔

قولہ من ای وجہ الخ ارباب عقل و دانش کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ قرآن عظیم کلام الہی ہے اور اسکا معجزنما ہونا یعنی انسانوں کا اس جیسا کلام لانے سے عاجز رہنا اس کے وحی الہی ہونیکی یقینی دلیل ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ قرآن کا یہ اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے؟ علماء اسلام نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کے متعدد جوابات دئے ہیں:۔

(۱) قرآن کا اعجاز دلوں کے چھپے ہوئے بھید ظاہر کر دینا ہے جن تک کسی انسان کی رسائی ہو ہی نہیں سکتی مثلاً قول باری ہے "اذ ہمت طائفتان منکم ان تفشلا، ویقولون فی انفسہم لولا یعذبنا اللہ"

(۲) امام حازم نے اپنی کتاب منہاج البلغاء میں بیان کیا ہے کہ قرآن شروع سے آخر تک ایک ہی اسلوب اور ایک ہی اسٹائل میں ہے فصاحت و بلاغت وغیرہ کے اعتبار سے اس میں رفع وخفض اور نشیب و فراز بالکل نہیں پایا جاتا

(۳) امام خطابی نے اعجاز القرآن میں بیان کیا ہے کہ قرآن کا اعجاز اس کی حیرت انگیز تاثیر ہے جس سے عربی کا ذوق نہ رکھنے والے بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، قرآن کے سوا اور کسی منظوم یا منثور کلام کو سن کر دیکھو ہرگز اس سے یہ بات محسوس نہ ہو گی۔

حضرت جبیر بن مطعم رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز مغرب میں سورۃ طور پڑھتے سنا جب آپ ،، أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ،، پر پہنچے اور اَمْ هُمُ الْمُسَيْطِرُونَ ،، تک پڑھا تو میرے دل کی یہ حالت تھی کہ گویا اب سینہ سے نکل پڑے گا، فرماتے ہیں یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام کی خوبی میرے دل میں جم گئی، نیز کتنے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ آیات قرآنی سنتے وقت جان بحق ہو گئے اور ان کا تذکرہ علماء نے مستقل کتابوں میں کیا ہے

دل را اثر روئے تو گل پوش کند ❋ جاں را سخن خوب تو مدہوش کند

آتش کہ شراب وصل تو نوش کند ❋ از لطف تو سوختن فراموش کند

حضرت عمر رضؓ کے متعلق کون نہیں جانتا کہ انہوں نے اپنی بہن فاطمہ سے سورۂ طٰہٰ و سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوَاتِ و۔ الارض ،، سنی تو یہ حال ہوا کہ یا تو سخت غصہ میں بھرے ہوئے تھے اس سورۃ کو سنتے ہی ان کا حال دگرگوں ہوگیا ایک ایک لفظ دل پر تیر و سنان کا کام کرتا تھا یہاں تک کہ جب فاطمہ ،، اٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ،، پر پہونچی تو وہ بے ساختہ پکار اٹھے اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشہد ان محمداً رسول اللّٰہ ،

حضرت طفیل بن عمرو دوسی کے کانوں میں اتفاقیہ قرآن مجید کی چند آیتیں پہونچ گئیں تو حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ، طائف کے سفر میں حضرت خالد رضؓ عدوانی نے آپ کی زبان سے ،، وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ،، سنی تو اسی وقت پوری سورۃ دل میں اترتی چلی گئی اور آپ مسلمان ہو گئے ، اس قسم کے ایک دو نہیں سیکڑوں بلکہ ہزاروں واقعات موجود ہیں ،

(۴) بعض متکلمین کے نزدیک قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ وہ ایک نبی امی کی زبان سے ادا ہوا ہے چنانچہ ارشاد ہے

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ	اور تو پڑھتا نہ تھا اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ لکھتا تھا
بِيَمِينِكَ إِذًا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ	اپنے داہنے ہاتھ سے تب تو البتہ پڑتے شبہ میں یہ جھوٹے
أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ	کیا انکو کافی نہیں یہ کہ ہمنے تجھ پر اتاری کتاب کہ ان پر پڑھی جاتی ہے

ان کے علاوہ پانچ وجوہ اعجاز کی تفصیل خود شاہ صاحب نے کتاب میں کی ہے جن کا بیان آگے آرہا ہے علامہ زرکشی نے اپنی کتاب ،، البرہان ،، میں لکھا ہے کہ اہل تحقیق کے نزدیک قرآن کا اعجاز ان تمام امور کی وجہ سے ہے نہ کہ ان میں سے الگ الگ ایک ایک وجہ کے ساتھ کیونکہ قرآن میں یہ سب باتیں موجود ہیں

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم ❋ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

اس لیے اس کو ان میں سے تنہا ایک کے ساتھ خاص کرنے کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے ، حضرت شاہ صاحب نے ،، المحقق عندنا انہ لوجوہ کثیرۃ ،، سے یہی بتلایا ہے .

محمد حنیف گنگوہی

منها الأسلوبُ البديعُ لان العربَ كانت لهم ميادِينُ معلومة يَركضُون فيها جوادَ البلاغةِ ويحرُزُون قصباتِ السَّبق في مسابقة الاقران بالقصائد والخُطبِ والرسائِل والمحاوَراتِ وما كانوا يَعرِفون أُسلوبًا غيرهذه الأوضاع الاربعةِ ولا يَتمكنُونَ مِن اِبداعِه فابداعُ اسلوبٍ غيرِ اساليبهم علىٰ لسانِ حضرتِه صلى الله عليه وسلم وهو اُمّيٌّ عينُ الاعجاز

توضیح اللغۃ

اسلوب طریقہ، روش، البدیع انوکھا، نرالا، میادین جمع میدان گھوڑ دوڑ یا کھیل کود کے لیئے کشادہ جگہ — یرکضون (ن) رکضاً گھوڑے کو ایڑ لگانا، جواد تیز رفتار گھوڑا، یحرزون (ن) حرزاً جمع کرنا، قصبات السبق میدان مسابقت میں گڑے ہوئے بانس کہ جو آگے بڑھے وہی اٹھالیجائے، یہ غالب ہونے کی علامت ہوتی ہے، مسابقۃ آگے بڑھنے میں مقابلہ کرنا، اقران جمع قرن ہمسر، مقابل، اوضاع جمع وضع روش، یتمکنون تمکناً قادر ہونا، ابداع ایجاد، اسالیب جمع اسلوب۔

ترجمہ: انہیں میں سے ایک وجہ نرالا اسلوب ہے کیونکہ عربوں کے پاس بلاغت کے چند مخصوص میدان تھے جن میں وہ اپنی فصاحت کے گھوڑوں کو بگٹٹ اڑاتے اور ہمعصروں سے بڑھنے کی سعی کرتے تھے قصیدوں، خطبوں، رسائل اور محاورات کے ذریعہ سے وہ ان چار اسلوبوں کے علاوہ کوئی اور اسلوب نہ جانتے تھے اور نہ اس کے اختراع پر قادر تھے پس ان کے مروجہ اسالیب کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر ایک ممتاز اسلوب کی ایجاد حالانکہ آپ اُمّی تھے عین اعجاز ہے۔

تشریح: قولہ الاسلوب البدیع الخ وجوہ اعجاز میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا عجیب نظم کلام اور نرالا اسلوب ادا معجز ہے جو کلام عرب کے تمام معمول بہ اور مستعمل وجوہ نظم سے بالکل جداگانہ ہے اور جس کا مثل لانا انسان کے حیطۂ قدرت سے باہر ہے۔

قولہ میادین معلومۃ الخ جس زمانہ میں قرآن نازل ہوا عرب کا بچہ بچہ شعر و شاعری کا ذوق خداداد رکھتا تھا آتش بیان خطباء قبیلہ قبیلہ میں موجود تھے جو کسی بڑے سے بڑے شاعر و خطیب کے کلام کو نظر میں نہیں لاتے تھے فصاحت و بلاغت گویا ہر ایک ایک شخص کے خمیر میں پڑا ہوا تھا لیکن ان کے کلام کے صرف چار اسلوب تھے قصائد، خطب، رسائل اور محاورات بس یہی ان کے لیئے سب سے بڑا سرمایۂ نازش و افتخار تھا اب فصاحت و بلاغت اور شعر و خطابت کی اس گرم بازاری کے عہد میں مکہ کی خاک پاک سے ایک گوشہ نشین نبی اُمّی چالیس سال تک خاموش زندگی بسر کرنے کے بعد یکایک ایک نئے پیغام کی دعوت کے ثبوت میں ایک ممتاز اسلوب والا کلام (قرآن) پیش کر کے عرب کے نامور شاعروں، شعلہ فشاں مقرروں خطیبوں اور میدان فصاحت و بلاغت کے شہسواروں کو چیلنج دیتا ہے کہ اگر یہ لوگ اسکے دعوی کی
باقی ص ۲۵۴

ومنها الإخبار بالقصص واحكام الملل السابقة بحيث كان مصدقا للكتب السابقة بغير تعلّم

ترجمہ: ان ہی میں سے ایک گذشتہ تواریخ اور امم سابقہ کے احکام کی ایسی تفصیل بیان کرنا ہے جو کتب سابقہ کی مصدق ہو لکھے پڑھے بغیر۔

تشریح: قولہ الاخبار بالقصص الخ اعجاز قرآن کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں پچھلی قوموں کے ان صحیح صحیح واقعات کا بیان ہے جن کے علم کا کوئی ذریعہ آپ کے پاس موجود نہیں تھا اس لئے کہ اس طرح کے واقعات کا علم تین طریقوں سے ہی ہو سکتا تھا ایک یہ کہ وہ سب واقعات آپ کے سامنے پیش آتے دوسرے یہ کہ آپ نے ان کو کسی کتاب میں پڑھا ہوتا، تیسرے یہ کہ آپ کی صحبت ایسے لوگوں کے ساتھ رہی ہوتی جنہیں ان واقعات کا علم تھا اور آپ ان سے ان کا تذکرہ سنتے، قرآن ان تینوں ذرائع میں سے ہر ایک کی نفی کرتا ہے چنانچہ پہلے ذریعہ علم کی نسبت حضرت موسیٰ کے قصہ میں ارشاد ہے

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ — اور تو نہ تھا غرب کی طرف جب ہم نے بھیجا موسیٰ کو حکم

وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ○ — اور نہ تھا تو دیکھنے والا

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا ..... — اور نہ تھا تو طور کے کنارے جب ہم نے آواز دی

دوسرے ذریعہ علم کی نفی کی نسبت سورۂ شوریٰ میں ارشاد ہے

مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ — تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان

تیسرے ذریعۂ علم کی نفی کی بابت سورہ ہود میں ارشاد ہے

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَٰذَا — یہ باتیں منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں کہ ہم بھیجتے ہیں تیری طرف نہ تجھ کو انکی خبر تھی اور نہ تیری قوم کو اس سے پہلے

محمد حنیف عفرلہ گنگوہی (وحی الٰہی)

(بقیہ صفحہ ۲۵۳ کا)

تکذیب میں سچے ہیں تو سارے قرآن کا نہیں اسکے کسی ایک جزء کا ہی مثل لاکر دکھا دیں، پس عرب کے نامور خطبا اور شعراء کا اس اسلوب بدیع کے جواب میں اپنی شکست اور عجز کا اقرار کرنا اس کے اعجاز کا بیّن ثبوت ہے ؎

کلیمے کہ چرخ فلک طور اوست * ہمہ نور ہا پرتو نور اوست

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست * کتب خانۂ چند ملت بشست

ومنها الإخبارُ باحوالٍ مُستقبلةٍ وكلّما وُجد شيءٌ على طبقِ ذٰلك الإخبارِ ظهر اعجازُ جديدًا

ترجمہ:- انہیں میں سے ایک وجہ آئندہ امور کی پیشین گوئی ہے پس جب بھی کوئی واقعہ اس پیشین گوئی کے مطابق ظہور پذیر ہوگا اعجاز تازہ ہوتا رہے گا۔

تشریح:- قولہ ومنہا الاخبار الخ وجوہ اعجاز میں سے تیسری وجہ قرآن پاک کی وہ پیشین گوئیاں ہیں جو حرف بحرف صحیح ثابت ہو کر رہیں، ان میں سب سے زیادہ حیرت انگیز اور نمایاں تر پیشین گوئی غلبۂ روم کی ہے جس کا ذکر سورۂ روم کے آغاز کی ان آیات میں ہے

آلم ۝ غُلِبَتِ الرُّومُ ۝ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم — مغلوب ہو گئے ہیں رومی پاس والے ملک میں اور وہ اس
مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي بِضْعِ سِنِينَ — مغلوب ہونیکے بعد عنقریب غالب ہوں گے چند برسوں میں

اس پیشین گوئی میں چند باتیں خاص طور پر قابل لحاظ ہیں اوّل یہ کہ یہ حد درجہ ناساز گار حالات میں کی گئی جب کہ رومیوں کی فتح کا بعید سا احتمال بھی نہیں ہو سکتا تھا دوم یہ کہ غلبۂ روم کی کوئی طویل مدت مقرر نہیں کی گئی بلکہ صرف نو سال بتائے گئے اور یہ ظاہر ہے کہ رومیوں کو جس شان کی شکست ہوئی تھی اسکے اعتبار سے قیاس نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ نو برس کی قلیل مدت میں اپنی عظمت رفتہ واپس لے لیں گے سوم یہ کہ رومیوں کو شکست جس شست اور عشرت پسند کمانڈر کے ہاتھوں ہوئی تھی یعنی ہرقل قیصر روم، اب یہ فتح بھی اسی کے زیر قیادت ہوئی چہارم یہ کہ اس پیشین گوئی کے جو الفاظ ہیں نہایت واضح اور صاف صاف ہیں ان میں کاہنوں اور نجومیوں کی پیشین گوئیوں کی طرح ابہام و خفایا شک و تردد کی ہلکی سی آمیزش بھی نہیں ہے، بہرکیف قرآن کی پیشین گوئی کے مطابق ٹھیک نو سال کے اندر رومیوں کو ایرانیوں پر فتح حاصل ہوئی۔ قرآن کی اس عظیم الشان اور محیّر العقول پیشین گوئی کی صداقت کا مشاہدہ کرکے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا، پس قرآن کی یہ پیشین گوئی اور اس کا اس طرح سچ ثابت ہونا اس کے اعجاز کی بیّن دلیل ہے،

اسی طرح تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے کہ جب مسلمان صلح حدیبیہ سے واپس لوٹے تو ان میں ایک عام بددلی پائی جاتی تھی اور وہ اس صلح کو اپنے لئے شکست کے مترادف سمجھتے تھے اس پر قرآن نے یہ مژدہ سنایا، إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ حدیبیہ کی صلح کو شکست نہ کہو بلکہ یہ درحقیقت پیش خیمہ ہے ایک عظیم الشان فتح کا جو فتح مکہ کے نام سے مشہور ہے چنانچہ اسی سورۃ میں ارشاد ہے، لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ، کہ تم ضرور بر ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں مامون و محفوظ اگر اللہ نے چاہا، قرآن میں اس طرح کی اور بہت سی پیشین گوئیاں ہیں جو بعد میں حرف بحرف پوری ہو کر رہیں۔ (روح الہی، فوائد وغیرہ)

ومنها الدرجة العُليا في البلاغة مِمّا ليس مقدوراً للبشر

ترجمہ:-

انہیں میں سے ایک بلاغت کا وہ عالی مرتبہ ہے جو انسانی طاقت سے بالاتر ہے۔

تشریح:- قولہ الدرجة العلیا الخ قرآن مجید کے اعجاز کی ایک بڑی وجہ اس کا انتہائی فصیح و بلیغ ہونا ہے، امام خطابی نے اعجاز القرآن میں کہا ہے کہ انسان پر قرآن کا مثل پیش کرنا کئی باتوں کی وجہ سے دشوار ہوا، از آنجملہ یہ کہ انسانوں کا علم عربی زبان کے تمام اسماء اور اس کے جملہ اوضاع کو محیط نہیں ہوسکتا اور اوضاع و الفاظ ہی معانی کے ظروف ہیں نیز انسانوں کی فہم اشیاء کے ان تمام معانی کا ادراک نہیں کرسکتی جو ان الفاظ پر محمول ہوتے ہیں اور نہ انکی معرفت مرتب کلام کے ان تمام وجوہ کو پوری طرح معلوم کرنے کے ساتھ مکمل ہوسکتی ہے جن کے سبب سے منظوم کلام کا باہمی ائتلاف و ارتباط ہوتا ہے اس لیے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ وجوہ کلام سے سب سے بہتر وجہ چھوڑ کر افضل وجہ کو اختیار کرتے رہیں تاآنکہ قرآن کے مانند کوئی دوسرا کلام پیش کردیں، ترتیب کلام میں تین چیزیں ہوتی ہیں ایک وہ لفظ جو حامل ہو دوسرے وہ معنی جو اس لفظ کے ساتھ قائم ہوں تیسرے امر رابط جو لفظ و معنی میں ربط پیدا کرے اور ترتیب قائم رکھے اب اگر تم قرآن کو غور سے دیکھو تو اس میں یہ امور نہایت اعلیٰ اور عمدہ حالت میں موجود ہیں یہاں تک کہ الفاظ قرآن سے بڑھ کر فصیح، زوردار اور شیریں تر الفاظ مل ہی نہیں سکتے اور اس سے اچھی ترتیب اور تلاؤم و تشاکل میں بہتر نثر و نظم کا وجود نہیں، رہے معانی سو کسی دانشمند پر یہ بات مخفی نہیں کہ وہ اپنے باب میں مقدم اور اعلیٰ مقام پر ہیں، یہ تینوں خوبیاں گو متفرق طور پر کلام کی تمام انواع میں پائی جاتی ہیں لیکن ان کا مجموعی طور پر ایک ہی نوع میں ملنا بجز کلام ربانی کے اور کہیں نہیں ہوسکتا، یہ علامہ خطابی کا کلام ہے جو بجائے خود نہایت عمدہ ہے لیکن "براہینِ قاسمیہ" میں حضرت نانوتوی قدس سرہ کا بیان اس سے بھی اعلیٰ و ارفع ہے فرماتے ہیں کہ فصاحت اور چیز ہے اور بلاغت اور چیز ہے اس کی تشریح یہ ہے، کہ الفاظ لباس معانی ہیں اور لباس کا حال معلوم ہے کہ کبھی قسم کا ہوتا ہے موزون و مطابق اور غیر موزون و غیر مطابق، پھر لباس میں فرقِ قسم جدا ہوتا ہے اور فرق بالائی جدا یعنی کوئی انگرکھا مثلاً تنزیب کا ہے کوئی نین سکھ کا (یہ فرق تو ذاتی ہے) اور ہر کسی انگرکھے پر بیل بوٹا، سنجاف وغیرہ ہوتا ہے کسی پر نہیں ہوتا (یہ فرق بالائی ہے)، پس بلاغت حسنِ انطباق کا نام ہے اور فصاحت حسن ذاتی کو کہتے ہیں اور حسن بالائی بدیع میں داخل ہے،

جب یہ بات ذہن نشین ہوچکی تو ناظرانِ خوش فہم کو یہ بات خود معلوم ہوگئی ہوگی کہ مضمون بندی یعنی ایجاد مضمون اور چیز ہے اور فصاحت اور بلاغت اور چیز ہے، غرض کلام فصیح و بلیغ نہ فقط مضامین کا نام ہے نہ خاص مضامین عمدہ کو کہتے ہیں علی ہذا القیاس کلام فصیح و بلیغ نہ فقط الفاظ کا نام ہے بلکہ انطباق مذکور پر

اول نظر ہو گی ورنہ الفاظ لباس معانی نہ رہیں گے، اگر انطباق تام ہے تو بلاغت بھی بدرجۂ کمال ہے پھر اس
کے بعد حسن الفاظ بھی ہے ورنہ وہ بھی اول درجہ میں تو فصاحت بھی کمال کے درجہ کی ہوگی، مگر چونکہ انطباق
ایک نسبت باہمی ہے اور نسبت بہ نسبتِ اطراف خفی ہوتی ہے تو علم انطباق بہ نسبت علم معانی و علم
الفاظ خفی ہوگا، پھر اگر معانی بھی خفی ہیں تو انطباق اور بھی خفی ہوگا اور اس وجہ سے جیسے بسا اوقات اتحاد
معانی کا وہم ہوگا ایسے ہی ترادفِ الفاظ کا بھی گمان ہوگا مثلاً حُسن وجمال کی حقیقت اکثر ایک سمجھی جاتی ہے
اور الفاظ مذکورہ بھی اکثر کم فہموں کے نزدیک مترادف ہیں مگر حقیقت شناسانِ معانی نہ انکو ایک
سمجھتے ہیں نہ مترادف قرار دیتے ہیں، جمال کو ایک صفت قائم بالجمیل قرار دیتے ہیں چنانچہ مادہ جیم، میم
لام جس سے ایک لفظ جملہ بھی مشتق ہے اس بات کا رہبر ہے، مطلب یہ ہے کہ جمال وہ صفت ہے
جو تمام اعضاء متناسبہ کے اس طرح ملنے سے پیدا ہو کہ علاوہ ان نسبتوں کے جو باعتبار مقدار آپس
میں ہونی چاہئیں وہ نسبتیں بھی ہاتھ سے نہ جائیں جو بحیثیت اوضاع باہمی مطلوب ہیں، اور حسن اس صفت
مفعولی کا نام ہے جو اوروں کی اطلاع اور ادراک سے صاحب جمال کو حاصل ہوتی ہے حاصل یہ کہ حسن
اوروں کو اچھے معلوم ہونے کا نام ہے چنانچہ محاورات مثل اِسْتَحْسَنَہٗ (اس نے اسکو اچھا خیال کیا)، وَحَسُنَ
عِنْدَہٗ (اسکو اچھا لگا)، اس پر شاہد ہیں، جب یہ ہے تو پھر نہ حسن وجمال ایک ہو سکتے ہیں نہ مترادف بلکہ
حسن، جمال پر متفرع ہوگا، اور اکثر ادراک مدرک میں اعوجاج ہے اور طبیعتِ مُدرِک سلیم نہیں تو
پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جمال ہو اور حسن نہ ہو (کہ مدرک ادراک نہ کر سکا) اور حسن ہو اور جمال نہ ہو (کہ
مدرک نے بدصورت کو خوبصورت قرار دے لیا) القصہ شاذ و نادر ہی کوئی ماہر وفہیم ہوگا جو ان کے
فرقوں سے آشنا ہو بلکہ بلا تکلف ایک کو دوسرے کے مقام میں استعمال کرتے ہیں، اہل فہم کے نزدیک
ایسے لوگ ہرگز فصیح و بلیغ نہیں ہو سکتے، پھر جیسے خوش آوازوں کی آواز کی خوبی ایک امر حسی اور
خلقی ہوتا ہے کمال علمی نہیں ہوتا ایسے ہی بے علم انطباق خوبی عبارت کمالات علمی میں معدود نہیں
ہو سکتی بلکہ جیسے القائے مضمون اور اظہار ما فی الضمیر کے وقت خوش آواز آدمیوں کی آواز کی خوبی
بے اختیار ظاہر ہوتی ہے ایسے ہی خوش بیان لوگوں کے منہ سے عمدہ عبارت نکل جاتی ہے
اکثر بلکہ تمام شاعران مشاق اور ناثران طاق اسی قسم کے ہوئے ہیں اور اگر کسی کو دو چار الفاظ و معانی
میں وہ تمیز فی الجملہ حاصل بھی ہوئی تو کیا ہوا، خود مواقع تمیز کا انطباق تام و عدم انطباق معلوم نہیں ہوتا
اور مواقع تو در کنار، یہ علم بوجہ اتم اس کو میسر ہے جس کو اول احاطۂ جملہ معلومات ہو، دوسرے کم از کم
کسی ایک زبان کے جملہ الفاظ پر محیط ہو، تیسرے حقائق جملہ اشیاء اس کے نزدیک اسی طرح متمیز ہوں.
جیسے آنکھوں والوں کے سامنے دائرہ مثلث، مربع مخمس وغیرہ، چوتھے وضع کلی وجزئی اور وضع
اجمالی وتفصیلی الفاظ سے مطلع ہو (باقی بر ۲۵۸)

ونحن لما جئنا بعد العرب الأُوَل ما كنّا لنصل الی کُنہِ ذلك ولكن القدر الذی علمناه ان استعمالَ الكلماتِ والتركیباتِ العَذْبَةِ الجزلةِ مع اللطافة وعدم التكلّف فی القرآن العظیم اكثُر منه فی قصائد المتقدمین والمتأخرین فانا لا نجِدُ من ذلك فیها قدر ما نجِدُه فی القرآن وهذا امرٌ ذوقیٌ یتمكّنُ من معرفتِه المَهَرةُ من الشعراء ولیس للعامةِ من الناس ذائقة فی هذا الامر

توضیح اللغۃ

الأُوَل اولی مؤنث کی جمع ہے، کنہ شئی کی اصل اور حقیقت، عَذْبَہ خوشگوار، شیریں، الجزلۃ عمدہ المہرۃ ماہر کی جمع ہے بمعنی حاذق، تجربہ کار۔

(بقیہ ص ۲۵۷)

وضع کلی واجمالی تو یہ کہ ہیئت اجتماع حروف ہجا کو جو الفاظ میں ہوتی ہے اور ہیئت اجتماعی نسبت واضافات کو جو معانی میں ہوتی ہے جیسے واضع نے باہم مقابل یکدیگر رکھا ہو اس کو پورا پورا جانتا ہو، یہ نہ ہو کہ بوجہ تلازم معانی جو اکثر ایک حقیقت یعنی ہیئت اجتماعی نسبت واضافات مشار الیہ کو دوسرے سے ہوتا ہے، ایک حقیقت کی جگہ دوسری کو موضوع لہ اور مقابل ہیئت اجتماع حروف ہجا سمجھ بیٹھے، اور وضع جزئی وتفصیلی یہ ہے کہ خود حروف ہجا کو مسقط اشارہ اور مصداق ومدلول کو پہچانے،

یہ کمال ہر کسی کو میسر نہیں آسکتا، اول درجہ میں تو اس کا مستحق خداوند جل جلالہ ہے کیوں کہ اس کا علم محیط ایسا نہیں جو کوئی بات اس سے چھپی ہو حقائق واجبہ (جیسے دو کی زوجیت) سے لے کر حقائق ممتنعہ (جیسے دو کا طاق ہونا) اور حقائق ممکنہ تک سب اسکو بن وعن معلوم ہیں۔ ادہر حروف ہجا سے لیکر مواد ترکیبی تک سب اس کے پیش نظر اور ان کے مدلولاتِ اصلیہ کی اس کو خبر ہے۔

اور بعد خداوند علیم وحکیم مرتبہ بمرتبہ بلند پروازانِ اوج حقیقت اور شہبازانِ لطائف معرفت اس دولت کے بہا سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں الغرض یہ وہ کمال ہے کہ کوئی کمال اس کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔

(براہین قاسمیہ ملخصًا)

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

ترجمہ:۔ ہم لوگ چونکہ عرب اول کے بعد میں پیدا ہوئے ہیں اس لیے بلاغت کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے لیکن اتنا ضرور جانتے ہیں کہ شیریں کلمات اور چست بندشوں کا استعمال جس لطافت اور سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ جیسا کہ ہم قرآن شریف میں پاتے ہیں اس قدر متقدمین اور متأخرین کے کسی قصیدہ میں نہیں پاتے اور یہ ایک وجدانی بات ہے جس کو ماہر شعراء ہی جان سکتے ہیں عوام کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے:۔

تشریح:۔ قولہ ماکنا لنصل الخ فصیح و بلیغ کلام کی معرفت اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے دو کلاموں میں موازنہ و ترجیح اہل لسان کے ذوق و وجدان سے متعلق ہے اور اس تعنیہ میں ان کے ذوق کا فیصلہ ہی دلیل قاطع کا حکم رکھتا ہے کیونکہ کسی زبان کی نکتہ فہمی کا حق اہل زبان ہی ادا کر سکتے ہیں۔

قرآن کے اولین مخاطب اہل عرب ہیں جو قدرتی طور پر کلام فہمی و سخن گوئی اور کلام کے نشیب و فراز سے واقفیت میں سرآمد روزگار تھے، ان کا بچہ بچہ شعر و شاعری کا ذوقِ خداداد رکھتا تھا، آتش بیان خطباء ہر قبیلہ میں شعلہ بیان مقرر ہر خاندان میں، نامور شعراء ہر کنبے میں موجود تھے، فصاحت و بلاغت اور شعر و خطابت کی اس گرم بازاری کے دور میں قرآن نے ان سے تحدی کی اور کہا، فلیأتوا بحدیث مثلہ، مگر بڑے بڑے فصحاء و بلغاء کی زبانیں بار بار کے چیلنج کے باوجود اس کے کسی ایک حصہ کا جواب لانے سے بھی گنگ ہو گئیں اور انہیں اپنے عجز کا اعتراف کرنا پڑا،

جب خود اہل زبان کا یہ حال ہے تو غیر اہل زبان اور بعد میں آنیوالوں کا تو ذکر ہی کیا ہے وہ اعجازِ قرآن کی گہرائیوں تک کب پہنچ سکتے ہیں، ہاں جو لوگ سلامت ذوق اور استقامت طبع کے ساتھ عرب کے اساتذہ شعر و سخن کے کلام کا مطالعہ کئے ہوئے ہوں اور جنہوں نے علم معانی و بیان پر اساتذہ متقدمین کی کتابوں کا مطالعہ کر کے اپنے ذوق و وجدان کو پختہ اور شائستہ بنایا ہو ان کو کسی قدر اعجاز قرآن سے آگہی ہو سکتی ہے ان کے ماسوا پر قرآن کے وجوہ اعجاز منکشف نہیں ہو سکتے۔

قولہ امر ذوقی الخ صاحب کتاب الطراز فصاحت کلام پر طویل بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں،، یہ جو کچھ بھی ہمنے کہا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی لفظ کے حسن تالیف کے فیصلہ کا مدار ذوق سلیم و طبع مستقیم پر ہے قواعد و ضوابط پر نہیں جیسا کہ لوگوں نے سمجھا ہے،، علامہ سکاکی فرماتے ہیں کہ،، قرآن کے اعجاز کا علم ادراک میں تو آتا ہے مگر زبان سے اس کا بیان ویسا ہی غیر ممکن ہے جیسے وزن کی درستی کہ ادراک میں آجاتی ہے مگر زبانی بیان نہیں ہو سکتی یا جیسے نمکینی و خوش آوازی کا ادراک ضرور ہوتا ہے لیکن زبان سے ان کی حالت کا اظہار محال ہے اور اعجاز قرآن کا ادراک ان ہی لوگوں کو ہوتا ہے جن کو قدرت کی طرف سے طبع سلیم عطا ہوتی ہے ان کے ماسوا جب معانی و بیان کو اچھی طرح حاصل کر کے انکی خوب مشق بہم نہ پہنچالیں وجوہ اعجاز ان پر منکشف نہیں ہو سکتے۔

وایضاً نعلم من الغرابۃ فیہ انہ یُلبس المعانی من انواع التذکیر والمخاصمۃ فی کلِّ موضعٍ لباساً یُناسب اسلوبَ السُّوَرِ وتقصُرُ یَدُ المُتطاوِلِ عن ذیلہٖ وان کان احدٌ لایفہم ھذا الکلامَ فلیتأمّل ایرادَ قصصِ الانبیاء فی سورۃ الاعراف وھود والشعراء ثم لینظر تلک القصصَ فی الصافات ثم فی الذاریات لیظھر لہ الفرقُ وکذلک ذِکرُ تعذیب العُصاۃ وتنعیم المطیعین فانہ یَذکرُ فی کلِّ مقامٍ باسلوبٍ جدیدٍ ویَذکرُ مخاصمۃَ اھلِ النار فی کلِّ مقامٍ بصورۃٍ علیٰ حدۃٍ والکلامُ فی ھذا یطول وایضاً نعلم انہ لایتصوّر رعایۃُ مقتضی المقامِ الذی تفصیلُہ فی فنِ المعانی والاستعارات والکنایات التی تکفل بھما فنُ البیان مع رعایۃِ حالِ المخاطبین الأُمّیین الذین لایعرفون ھذہ الصناعات احسن مما یُوجد فی القرآن العظیم فانّ المطلوبَ ھھنا ان یُذکرَ فی المخاطبات المعروفۃِ التی یَعرفھا کلُّ احدٍ من الناس نکتۃ رائقۃٌ للعامۃ مرضیۃٌ عند الخاصۃ وھذا المعنی کالجمع بین النقیضین ؎

یَزیدُک وجھُہ حُسْناً ٭ اذا ما زِدْتَہ نَظَراً

توضیح اللغۃ

غرابۃ ندرت، یُلبس اِلباساً پہنانا، ذیل دامن، عصاۃ جمع عاص نافرمان، تنعیم آسودہ حال کر دینا، رائقۃ صاف وخوش آئند، مرضیۃ پسندیدہ۔

ترجمہ:- نیز ہم جانتے ہیں قرآن کی نسبت کہ وہ انواع تذکیر ومخاصمہ کے معانی کو ہر جگہ الفاظ کا ایک ایسا لباس پہناتا ہے جو سورتوں کے اسلوب خاص سے موافق ہوتا ہے اور اسکے ادراک کے دامن تک پہنچنے سے دست حرص کوتاہ ہے، اگر کوئی اس بات کو نہ سمجھا ہو تو اس کو چاہیئے کہ انبیاء کے ان قصوں میں تأمل کرے جو اعراف وہود اور شعراء میں واقع ہیں پھر انہیں قصوں کو صافات میں بعد ازاں ذاریات میں دیکھے تاکہ باہمی فرق اس پر ظاہر ہو جائے، اسی طرح گنہگاروں کے عذاب اور فرماں برداروں کے ثواب کا ذکر ہے جس کو قرآن ہر موقع پر ایک نئے اسلوب میں ذکر کرتا ہے اور دوزخیوں کا جھگڑا نرالی صورت میں دکھاتا ہے جسکی تفصیل بہت طویل ہے، اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مقتضاء حال کی رعایت جسکی تفصیل علم معانی میں ہے اور استعارات وکنایات کی رعایت جس کا کفیل علم بیان ہے ان مخاطبین کی حالت رعایت کے ساتھ جو محض ان پڑھ اور ان فنون سے ناآشنا تھے جس قدر قرآن میں موجود ہے اس سے بہتر متصور نہیں ہو سکتی کیونکہ یہاں مقصود یہ ہے کہ ذکر کئے جائیں ان مشہور مخاطبات میں جن سے سب آدمی واقف ہیں عام فہم اور خواص پسند نکات اور یہ بات اجتماع نقیضین کے مثل ہے ؎ جتنا تو اس کو گہری نظر سے دیکھے گا اتنا ہی اس کا چہرہ تجھے حسن زیادہ کریگا:۔

تشریح ۱۔ قولہ فی سورۃ الاعراف الخ ان سورتوں میں حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت موسٰیؑ، اور حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہم السلام کے قصے عجیب انداز اور مختلف اسلوب میں مذکور ہیں، حضرت نوحؑ کا قصہ سورۂ اعراف کے آٹھویں، سورۂ ہود کے تیسرے اور چوتھے، سورۂ شعراء کے چھٹے، سورۂ صٰفّٰت کے تیسرے، سورۂ ذٰریٰت کے دوسرے رکوع میں ملاحظہ ہو، اور حضرت ہودؑ کا قصہ سورۂ اعراف کے نویں، سورۂ ہود کے پانچویں، سورۂ شعراء کے ساتویں سورۂ ذٰریٰت کے دوسرے رکوع میں، اور حضرت صالحؑ کا قصہ سورۂ اعراف کے دسویں، سورۂ ہود کے چھٹے، سورۂ شعراء کے آٹھویں، سورۂ ذٰریٰت کے دوسرے رکوع میں، اور حضرت لوطؑ کا قصہ سورۂ اعراف کے دسویں سورۂ ہود کے ساتویں، سورۂ شعراء کے نویں، سورۂ صٰفّٰت کے چوتھے، سورۂ ذٰریٰت کے دوسرے رکوع میں، اور حضرت شعیبؑ کا قصہ سورۂ اعراف کے گیارہویں، سورۂ ہود کے آٹھویں سورۂ شعراء کے دسویں رکوع میں، اور حضرت موسٰیؑ کا قصہ سورۂ اعراف کے تیرہویں سے اکیسویں رکوع تک، سورۂ ہود کے نویں، سورۂ شعراء کے دوسرے رکوع سے چوتھے رکوع تک، سورۂ صٰفّٰت کے چوتھے اور سورۂ ذٰریٰت کے دوسرے رکوع میں، اور حضرت ابراہیمؑ کا قصہ سورۂ ہود کے ساتویں، سورۂ شعراء کے پانچویں، سورۂ صٰفّٰت کے تیسرے، سورۂ ذٰریٰت کے دوسرے رکوع میں ملاحظہ ہو۔

قولہ تخاصم اہل النار الخ مثال کے طور پر سورۂ صٓ اور مومن کی آیات دیکھ لو

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۔ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ ○	یہ ایک فوج ہے دھنستی آرہی ہے تمہارے ساتھ جگہ نہ ملیو انکو یہ ہیں گھسنے والے آگ میں، وہ بولے بلکہ تم ہی ہو کہ جگہ نہ ملیو تمکو تم ہی پیش لائے ہمارے یہ بلا سو کیا بری قرار گاہ ہے۔
وَاِذْ يَتَحَاجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ	اور جب آپس میں جھگڑینگے آگ کے اندر پھر کہیں گے کمزور کمزور کرنیوالوں کو ہم تھے تمہارے تابع پھر کچھ تم ہم پر سے اٹھالو گے حصہ آگ کا کہیں گے جو غرور کرتے تھے ہم سبھی پڑے ہیں اسمیں

قولہ یزیدک الخ صاحب ایضاح نے اس شعر کی نسبت ابونواس حسن بن ہانی کی طرف کی ہے اور تفتازانی نے مطول میں ابن المعذل کی طرف، علامہ فناری کہتے ہیں کہ اس میں صاحب ایضاح پر رد مقصود ہے بعض نے ابونواس ابن المعذل ہی کی کنیت مانی ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ ابن المعذل کا نام عبدالصمد ہے جو ابونواس کی طرح مشہور شاعر ہے، علامہ عبدالرحیم عباسی نے شرح الشواہد میں شعر مذکور ابونواس کے قصیدہ کا مانا ہے جس کا آغاز یوں ہے ؎

دع الرسم الذی دثرا ٭ یقاسی الریح والمطرا اھ۔

ومن جملۃ وجوہ الاعجاز ما لا یتیسر فہمہ لغیر المتدبرین فی اسرار الشرائع وذلک ان العلوم الخمسۃ نفسہا تدل علی ان القرآن نازل من عند اللہ لہدایۃ بنی آدم کما ان عالم الطب اذا نظر فی القانون ولاحظ تحقیقہ وتدقیقہ فی بیان اسباب الامراض وعلاماتہا ووصف الادویۃ لا یشک ان المؤلف کامل فی صناعۃ الطب کذلک اذا علم عالم اسرار الشرائع ما ینبغی القاؤہ علی افراد الناس فی تہذیب النفوس ثم یتأمل فی الفنون الخمسۃ یتحقق ان ہذہ الفنون قد وقعت موقعہا بوجہ لا یتصور احسن منہ والنور یدل بنفسہ علی نفسہ

ترجمہ:۔

منجملہ وجوہ اعجاز کے ایک وجہ ایسی ہے جس کو سوائے ان لوگوں کے جو اسرار شریعت میں تدبر کرتے ہیں کوئی نہیں سمجھ سکتا اور وہ یہ ہے کہ علوم پنجگانہ خود اس پر دال ہیں کہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے ہدایت انسانی کے لیئے جیسے کوئی عالم طب جب کتاب، القانون کو دیکھے اور اسباب امراض وعلامات اور ادویہ کے خواص کے بابت اس کی تحقیقات کا ملاحظہ کرے تو وہ اس بات میں ذرا بھی شک نہیں کرتا کہ اسکا مؤلف فن طب میں نہایت کامل شخص ہے اسی طرح جب اسرار شرائع کا عالم ان چیزوں کو جان لے جو تہذیب نفس کے لیئے انسان کو تعلیم کی جاسکتی ہے پھر وہ علوم پنجگانہ میں غور کرے تو اسکو بلاشک یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ فنون اپنے اپنے مواقع پر اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ اس سے بہتر متصور ہی نہیں ہوسکتا اور نور تو خود ہی اپنی ذات پر دال ہے:۔

تشریح:۔ قولہ ومن جملۃ الخ قرآن کے اعجاز کی ایک وجہ اس کے علوم پنجگانہ ہیں، قرآن نے بار بار اپنے آپ کو ہدایت نور، دلیل روشن، رحمت، بصیرت اور حجت کہا ہے، غور کرو قرآن مجید کے اعجاز کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ چالیس سال کی خاموش زندگی کے بعد یکایک ایک امی ایک صحیفہ مقدس لیئے ہوئے دنیا کے سامنے ظاہر ہوتا ہے اور اس صحیفہ سے وہ جاہلوں کو دانشوران روزگار اور اونٹ چرانے والے بدویوں کو بہترین تہذیب وتمدن، اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ کا پیکر مجسم بنا دیتا ہے اصول اخلاق، قانون حکمت وفلسفہ اور محاسن علم وعمل کی بزم کا گوشہ گوشہ اس کے پرتو قدس سے بقعۂ نور بن جاتا ہے، جو قوانین وضوابط قرآن نے پیش کیئے وہ اس قدر صحیح اور مکمل ہیں کہ آج علوم وفنون کی بڑی گرم بازاری اور انسانی عقل وخرد کی حیرت انگیز ترقی وبلند پروازی کے باوجود معاشرت، تہذیب، تمدن، نکاح، طلاق، بیع وشراء، تقسیم میراث اور عام معاملات واخلاق کے قوانین قرآنی قوانین کے مقابلہ میں سالہا سال کے تجربوں کے بعد ناکام ہی ثابت ہوئے ہیں۔ سورۂ

قصص میں قرآن مجید اپنی اس حیثیت کو بطور تحدی اس طرح بیان کرتا ہے

قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ — تو کہہ اب تم لاؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس کی جو ان دونوں سے بہتر ہو کہ میں اس پر چلوں اگر تم سچے ہو

قولہ فی القانون الخ کتاب "القانون" شیخ ابو علی حسین بن عبد اللہ بن حسن بن علی بن سینا مولود ۳۷۰ھ متوفی ۴۲۸ھ کی طبی تصانیف میں نہایت جامع اور معرکۃ الآراء کتاب ہے جو تقریباً فراد اجمان میں مقید رہتے ہوئے لکھی ہے، اسپین، اٹلی اور فرانس کی یونیورسٹیوں میں ابھی تک یہ کتاب فن طب میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

قولہ یدل بنفسہ الخ یعنی اعجاز کی دلیل قرآن سے باہر نہیں ہے بلکہ قرآن خود اپنے اعجاز پر دال ہے

آفتاب آمد دلیل آفتاب + گر دلیلت باید از وے رو متاب

پس قرآن اور اس کے معانی میں غور کرو تو اس کے معجز ہونے کا خود ہی یقین ہو جائے گا سے

يَزِيدُ عَلَى طُولِ التَّأَمُّلِ بَهْجَةً ❊ كَأَنَّ الْعُيُونَ النَّاظِرَاتِ صَيَاقِلُ

(تتمہ بحث) یہاں تک اعجاز قرآن پر مختلف وجوہ سے بحث ختم ہوگئی، اب رہ جاتی ہے یہ بات کہ قرآن کی کتنی مقدار معجز ہوتی ہے؟ سو اسکی بات مختلف آراء ہیں، بعض معتزلی علماء اس طرف گئے ہیں کہ اسکا تعلق تمام قرآن کے ساتھ ہے، مگر یہ قول بالیقین مردود ہے،

قاضی کا قول ہے کہ اعجاز کا تعلق ایک پوری سورۃ کے ساتھ ہوتا ہے طویل ہو یا قصیر لقولہ تعالیٰ "فأتوا بسورة من مثله" قاضی نے دوسری جگہ کہا ہے کہ اعجاز قرآن کا تعلق ایک سورۃ یا سورۃ کے جتنے کلام کے ساتھ بھی ہوتا ہے مگر اس حیثیت سے کہ اتنے کلام میں بلاغت کی قوتوں کا ایک دوسرے پر افضل ہونا عیاں اور واضح ہو جائے، لہٰذا اگر ایک ہی آیت سورۃ کے حرف کے برابر بڑی ہو اگرچہ وہ سورۃ الکوثر ہی کے برابر ہو تو بھی وہ معجز ہے، قاضی نے کہا ہے کہ اس مقدار سے کم حصہ میں مشرکین کے معارضہ سے عاجز ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی ہے،

علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ ایک اعجاز ایک آیت میں کبھی نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے بکثرت آیتوں کا ہونا شرط ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ اعجاز کا تحقق قلیل وکثیر قرآن دونوں کے ذریعہ سے ہو جاتا ہے لقولہ تعالیٰ "فلیأتوا بحدیث مثلہ" قاضی اس کا جواب دیتے ہیں کہ پوری بات (حدیث تام) کی نقل ایک چھوٹی سورۃ کے کلمات سے کمتر کلموں میں پائی نہیں جاتی (اتقان)۔

عہ تفصیلی حالات کیلئے دیکھئے ہماری کتاب "ظفر المحصلین باحوال المصنفین" جو اس موضوع پر نہایت جامع کتاب ہے اور جدید اضافوں کے ساتھ شائع ہو چکی ہے ۱۲

الباب الرابع

فی بیانِ فنونِ التفسیر وحلّ اختلافِ ما وقع فی تفسیر الصحابۃ والتابعین

لیُعلم انّ المفسرین فِرَقٌ مختلفۃٌ جماعۃٌ منھم قصدُ وا روایۃَ آثارٍ مناسبۃٍ للاٰیاتِ حدیثًا مرفوعًا کان او موقوفًا او قولَ تابعیٍ اوخبرًا اسرائیلیًا وھذا مسلکُ المحدثین وفرقۃٌ منھم قصدُوا التاویلَ اٰیاتِ الصفاتِ والاسماءِ فما لم یکنْ مُوافِقًا لمذھب التنزیہِ صَرَفُوہ عن الظاھر ورَدُّوا علی المخالفین تعلُّقَھم ببعضِ الاٰیات وھذا طریقُ المتکلمین وقومٌ استَنْبَطُوا احکامًا فقھیۃً وترجیحَ بعضِ المجتھداتِ علٰی بعضٍ وأوْرَدُوا الجوابَ عن تمسُّکِ المخالفِ وھذا طریقُ الفقھاءِ الاصولیین وجمعٌ أوضحو نحوَ القراٰنِ ولغتہ وأوْرَدُوا شواھدَ کلام العرب فی کلِّ بابٍ موفورۃً تامۃً وھذا منصبُ النُّحاۃِ اللغویین وطائفۃٌ یذکرون نکاتَ المعانی والبیان بیانًا شافیًا فیقضُون حقَّ الکلامِ وھذا طریقُ الأدُباء ومنھم مَن یَرْوِی قراءاتِ القراٰن المأثورۃ عن الاساتذۃ ولا یترک فی ھذا الباب دقیقۃً وھذا صفۃُ القُرّاء وجماعۃٌ یتکلّمُون بنکاتٍ متعلقۃٍ بعلم السلوکِ او علمِ الحقائق بادنیٰ مناسبۃٍ وھذا مَسْلکُ الصوفیین وبالجملۃ المیدانُ واسعٌ وکلٌّ یقصد تفھیمَ معنی القراٰن وکلٌّ یخوض فی فنٍّ فیتکلم بقدرِ قوۃِ فصاحتِہ وفھمہ وبالنظر الی مذھب اصحابہ ومن ثَمَّ کان فی التفسیر سعۃٌ لایمکن تقریرُھا فوُجِدَ فیہ کُتُبٌ کثیرۃٌ لایحصُرھا عدد

توضیح اللغۃ

فِرَق جمع فرقہ، جماعت، آثار جمع اثر حدیث، سنت، مَسْلک طریق، تمسک دلیل پکڑنا، موفورۃ کامل ومکمل منصب عہدہ، یخوض (ن) خوضًا۔ فی الحدیث مشغول ہونا، سعۃ کشادگی، یحصر (ن، ض) حصرًا گھیرنا۔

ترجمہ:۔ باب چہارم فنونِ تفسیر کے بیان میں اور صحابہ وتابعین کے تفسیری اختلاف کے حل میں، جاننا چاہیے کہ مفسرین کی مختلف جماعتیں ہیں ایک جماعت کا قصد صرف ان آثار کی روایت کرنا ہے جو آیت سے مناسبت رکھتے ہوں احادیث مرفوعہ ہوں یا موقوفہ یا کسی تابعی کا قول ہو یا اسرائیلی روایت یہ محدثین کا طریقہ ہے ایک گروہ اسماء وصفات کی آیت میں تاویل کرتا ہے کہ جو مذہب تنزیہ کے موافق نہیں اس کو ظاہری معنی سے پھراتا اور بعض آیات پر مخالفین کے اعتراضات کو رد کرتا ہے یہ متکلمین کی روش ہے ایک قوم مسائل فقہیہ کا استنباط کرتی اور بعض مجتہدات کو بعض پر ترجیح دیتی اور مخالف کے تمسک کا

ــــه ہو مذہب اہل السنۃ والجماعۃ ۱۲ عن عــه علم السلوک کالمبادی وعلم الحقائق کالنہایۃ لہ ۱۲ ایضًا

جواب دیتی ہے یہ فقہاء اصولیین کا منہج ہے ایک جماعت قرآن کے غوامض لغات کی تشریح کرتی اور ہر باب میں کلام عرب کے پورے پورے شواہد پیش کرتی ہے یہ نحاۃ لغویین کا عہدہ ہے ایک گروہ علم معانی وبیان کے نکات کو تمام تر بیان کرتا اور کلام کا حق ادا کرتا ہے یہ ادیبوں کا آئین ہے، بعض لوگ قرآن کی ان قراءتوں کو نقل کرتے ہیں جو اساتذہ سے مسلسل منقول ہیں اور اس باب میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے یہ قراء کی شان ہے، کچھ لوگ علم سلوک یا علم حقائق کے نکات کو ادنیٰ مناسبت سے بیان کرتے ہیں یہ صوفیاء کی وضع ہے، الحاصل تفسیر کا میدان نہایت وسیع ہے اور ہر ایک کا مقصد قرآن کے معانی سمجھانا ہے اور ہر ایک نے خاص فن میں غور وخوض کرکے اپنی قوت فصاحت وسخن فہمی کے مطابق اپنی جماعت کے مذہب کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیان کیا ہے اسی وجہ سے تفسیر میں اتنی وسعت ہوگئی جس کی تقریر نا ممکن ہے اور اس میں اس کثرت سے کتابیں پائی جاتی ہیں جن کا شمار مشکل ہے۔

تشریح: قولہ، ان المفسرین فرق الخ گروہ صحابہ میں دس حضرات مشہور مفسر ہوئے ہیں خلفاء اربعہ، ابن مسعود، ابن عباس، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعری، عبد اللہ بن زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین نیز حضرت انس، ابوہریرہؓ، ابن عمرؓ، جابرؓ، ابن عمروؓ، وغیرہ سے بھی کچھ تفسیری روایات منقول ہیں، صحابہ کے بعد طبقہ تابعین ہے جس میں مجاہد، عطاء، عکرمہ، سعید بن جبیر، طاؤس، زید بن اسلم، حسن بصری، محمد بن کعب، ابو العالیہ، ضحاک، عطیہ عوفی، قتادہ، مرہ ہمدانی وغیرہ ہیں پھر تبع تابعین کا طبقہ ہے۔ جو صحابہ اور تابعین دونوں کے اقوال جمع کرتے ہیں جیسے ابن عیینہ، وکیع، شعبہ، عبد الرزاق، آدم بن ابی ایاس ابن راہویہ، روح بن عبادہ، ابن حمید، ابن ابی شیبہ وغیرہ۔

اس کے بعد لوگوں نے اپنے مذاق کے مطابق خاص خاص علوم سے بحث کی جن کا ان پر غلبہ تھا چنانچہ محدثین نے مناسب آیات روایات اور طرق تحدیث کو جمع کیا جیسے ابن جریر نے جامع البیان میں سیوطی نے الدر المنثور میں اور امام بخاری، ترمذی اور حاکم نے اپنی تفسیروں میں کیا ہے، اور متکلمین اسماء وصفات والی آیات میں تاویلات کرنے اور مخالفین کے اعتراضات کو رد کرنے کے درپے ہوئے جیسے امام رازی نے تفسیر کبیر میں کیا ہے، فقہاء نے فقہی مسائل کے استنباط پر پورا زور دیا جیسے امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں، ابوبکر جصاص رازی نے احکام القرآن میں، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اپنی تفسیر مظہری میں کیا ہے، اور نحاۃ نے علم نحو کے قواعد ومسائل، وجوہ اعراب اور طرق تراکیب کی طرف متوجہ ہوئے جیسے زجاج نے معانی القرآن میں، ابوحیان نے البحر والنہر میں اور واحدی نے کتاب البسیط میں کیا ہے اہل معانی وبیان قرآن کے اعجاز، اطناب وایجاز اور اس کے محاسن کے اظہار میں مشغول ہوئے جیسے زمخشری نے کشاف میں اور ابوالسعود نے "ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم" میں کیا ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وقصدَ جماعةٌ جمعَها فتكلّموا بالعربية مرّةً وبالفارسية أخرى ولفرّقوا من حيث الاختصار والاطناب ووسّعوا أذيالَ العلوم وقد حصَلَ للفقير بحمد الله وتوفيقه فی كلٍّ من هذه الفنونِ مناسبةٌ وأدركتُ أكثرَ أصولها وجملةً صالحةً من فروعها فتحقّقَ لی نوعٌ من الاستقلالِ والتحقیق فی كلِّ بابٍ بوجهٍ يَتَشَبَّهُ الاجتهادَ فی المذهب وأُلقِیَ فی الخاطر من بحر الفیض الالٰهی فنانِ او ثلاثةٌ من فنونِ التفسیر غیر الفنون المذكورة وان سألتنی عن الخبر الصدقِ فانی تلمیذُ القرآن العظیم بلا واسطة كما انی أُویسیٌّ لروحِ حضرةِ الرسالة صلی الله علیه وسلم الذی هو مَنبعُ الفتوح وكما انی مُستفیدٌ من الكعبة الحسناء بلا واسطةٍ وكذلك متاثر بالصلوة العظمٰی بلا واسطةٍ ؎

ولو انّ لی فی كلِّ مَنبتِ شعرةٍ ÷ لسانًا لما استوفیتُ واجبَ حمده

ورأیتُ مما یلزم ان أذكرَ حرفَیْن او ثلاثةً من كلِّ فنٍ فی هذه الرسالة

توضیح اللغة اذیال جمع ذیل دامن، خاطر دل، منبع چشمہ، منبت اُگنے کی جگہ، شعرۃ بال، لسان زبان۔ **ترجمہ:** ایک گروہ نے ان تمام علوم کے یکجا کرنے کا بھی ارادہ کیا چنانچہ انہوں نے کبھی عربی میں اور کبھی فارسی میں کلام کیا اور طول و اختصار میں جدا طریق اختیار کیا اور اس طرح انہوں نے علم کے دامن کو اور بھی وسیع کر دیا، اس فقیر کو بحمداللہ ان تمام فنون میں خاص مناسبت حاصل ہے اور میں نے ان کے اکثر اصول اور ان کے فروع کی ایک معقول مقدار معلوم کی ہے پس مجھے ہر باب میں تحقیق و استقلال حاصل ہوگیا جو اجتہاد فی المذہب کے قریب قریب ہے ان کے علاوہ فنون تفسیر کے دو تین فن اور بھی فیض الٰہی کے لامتناہی دریا سے قلب فقیر میں القاء ہوئے ہیں اگر تو سچ پوچھے تو میں شاگرد ہوں قرآن عظیم کا بلا واسطہ جیسا کہ میں اویسی ہوں روح پر فتوح حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ایسے ہی میں کعبہ حسناء سے بے وسیلہ مستفید اور صلوٰۃ عظمیٰ سے اثر پذیر ہوں ؎ اگر میرے پاس ہر بال کی جگہ ایک زبان ہو تب بھی میں کما حقہ اس کی تعریف نہیں کر سکتا، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان علوم میں سے دو تین حرف رسالہ ہذا میں ذکر کر دوں۔ **تشریح:**

قولہ وقصد جماعۃ الخ حافظ سیوطی اتقان میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ تمام تفسیروں میں سب سے بڑی اور عظیم الشان تفسیر ابن جریر طبری کی ہے کہ وہ توجیہ اقوال اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دیتے اور اعراب و استنباط سے بھی

ع۵ سیتکلم المصنف علی ہذا فی الفصل الرابع والخامس من نفس الباب ۱۲ عمران

بحث کرتے ہیں اس لحاظ سے وہ دوسروں پر فوقیت رکھتے ہیں" دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ "تمام معتبر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ فن تفسیر میں اس کی سی کوئی کتاب مرتب شدہ نہیں پائی جاتی، نووی نے تہذیب میں کہا ہے کہ ابن جریر کی تفسیر کے مثل کسی نے تصنیف ہی نہیں کی"، مگر یہ بات صرف ان حضرات کے دور تک تھی کہ اس وقت تک اس جیسی کوئی اور کتاب موجود نہ تھی تیرھویں صدی میں مفتی بغداد سید ابوالفضل شہاب الدین محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے جو تفسیری شاہکار پیش کیا ہے اس نے سابق فیصلہ کو غلط ثابت کر دیا، پس آج عربی زبان میں روایت و درایت، فقہ و حدیث، فصاحت و بلاغت، اعراب و لغت، کلام و تصوف، ہر اعتبار سے جامع ترین تفسیر "روح المعانی" ہے اور فارسی میں شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کی "فتح العزیز"، اردو میں حضرت تھانوی کی "بیان القرآن"، جزاہم اللہ خیر الجزاء

سه قوله الاجتهاد فی المذهب الخ مرتبہ اجتہاد فی المذہب ہے کہ فقیہ قواعد مقررہ کے اقتضاء کے مطابق ادلہ سے استخراج احکام پر قادر ہو اور اسی بنیاد پر اس کے لئے بعض فرعی احکام میں اپنے امام کے خلاف کی گنجائش ہو مگر اصول میں وہ اپنے امام کا مقلد اور طرز اجتہاد میں اس کا پیرو ہو۔

(تنبیہ) شاہ صاحب کی عبارت "فتحقق لی نوع من الاستقلال والتحقیق فی کل باب بوجہ یشبہ الاجتہاد فی المذہب" اور اس جیسی دیگر عبارتوں سے بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا ہے کہ شاہ صاحب خود کو مجتہد سمجھتے تھے اور اپنے لئے تقلید شخصی کو ناپسند کرتے تھے، بے شک شاہ صاحب اپنی وسعت علم، دقت نظر، قوت استدلال، ملکہ استنباط، سلامت فہم، صفائی قلب، پاکیزگی اخلاق، اتباع سنت وغیرہ کمالات ظاہری و باطنی کی نعمتوں سے مالامال اور عارف جامی کے قول ؎

ہرچہ اسباب جمال است رخ خوب ترا ✤ ہمہ بر وجہ کمال است کما لا یخفیٰ

کے صحیح مصداق تھے، ظاہر ہے کہ جو شخص ان صفات کا حامل ہو اسے تقلید کی کیا ضرورت؟ لیکن اس کے باوجود فیوض الحرمین (ص۶۴) میں فرماتے ہیں :—

استفدت منہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلثۃ امور خلاف ما کان عندی وما کانت طبعی تمیل الیہ اشد میل فصارت ہذہ الاستفادۃ من براہین الحق علی احدہا الوصاۃ بترک الالتفات الی التسبب، وثانیہا الوصاۃ بالتقلید بہذہ المذاہب الاربع لا اخرج منہا	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین امور استفادہ کئے اپنے عندیہ اور شدید میلان طبع کے خلاف تو یہ استفادہ میرے لئے برہان حق بن گیا۔ اول اس بات کی وصیت کہ میں اسباب کی طرف سے توجہ ترک کر دوں۔ دوم یہ کہ میں خود کو مذاہب اربعہ کا پابند کروں ان سے نہ نکلوں ....

✤ ✤ ✤ ✤

ذا التوفیق ما استطعت وجبلتی تابی التقلید وتأنف منہ راسا ولکن شیٔ طلب منی التعبد بہ بخلاف نفسی | کو تا بامکان تطبیق کروں اور میری طبیعت تقلید کو ناپسند کرتی تھی لیکن یہ ایسی چیز تھی جو میری طبیعت کے خلاف مجھ سے بطور تعبد طلب کی گئی تھی

پس آپ کو آپ کی طبیعت کے خلاف روح مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تقلید پر مامور کیا گیا اور مذاہب اربعہ میں سے ایک کی ترجیح کے لئے یوں رہنمائی کی گئی

عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذہب الحنفی طریقۃ انیقۃ ہی اوفق الطریق بالسنۃ المعروفۃ التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابہ | آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ مذہب حنفی میں ایک ایسا عمدہ طریقہ ہے جو دوسرے طریقوں کی بہ نسبت اس سنت مشہورہ کے زیادہ موافق ہے جس کی تدوین و تنقیح امام بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں ہوئی

اس قسم کی اور متعدد عبارات سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ شاہ صاحب مقلد اور مذہب حنفی کے پیرو تھے، اور جن عبارات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ تقلید شخصی کو ناپسند کرتے تھے ان کو سمجھنے کے لئے اس زمانہ کے پیدا شدہ فقہی جمود سے صرف نظر نہ کرنی چاہیئے، شاہ صاحب کے زمانہ میں بے سند فقہی جزئیات کو احادیث کا درجہ دے دیا گیا تھا، فقہاء کی تصریحات کے خلاف کوئی حدیث پیش کرتا تو اسے رد کر دیتے شاہ صاحب کی نظر میں یہ چیز ناپسند تھی یہی وجہ ہے کہ آپ فقہی جزئیات کو کتاب وسنت پر منطبق کرنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے (ملخص از شاہ ولی اللہ)

ے قولہ کمانی اویسی الخ اس تشبیہ کی تشریح فیوض الحرمین کی اس عبارت سے سمجھیئے:

سلکنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وربانی بیدہ فانا اویسیہ وتلمیذہ بلا واسطۃ بینی وبینہ | مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس سلوک کا راستہ طے کرایا اور اپنے دست مبارک سے میری تربیت فرمائی پس میں آپ کا اویسی اور بلا واسطہ شاگرد ہوں۔

۱۱۴۳ھ میں شاہ صاحب کو حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہوئی اور یہاں چودہ ماہ کے قیام میں آپ کو بلا واسطہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی فیض حاصل ہوا جو عام طور پر روضۂ مبارک پر دیر تک مراقب رہنے کی صورت میں ہوتا تھا اور کبھی کبھی خود رسالتآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے خواب میں ان فیوض سے مالا مال کئے جاتے تھے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں،

سألتہ صلی اللہ علیہ وسلم سوالا روحانیا عن الشیعۃ فاوحیٰ الیّ ان مذہبہم باطل | میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شیعہ کے بارے میں روحانی سوال کیا آپ کی جانب سے اشارہ کیا گیا کہ ان کا مذہب باطل ہے

(باقی برصفحہ ۲۶۹)

فصلٌ فی بیان الاٰثارِ المَرویۃِ فی الکتُبِ التفسیریۃِ لاھلِ الحدیث ومایتعلق بھا
من جملۃ الاٰثارِ المرویۃِ فی کتُبِ التفسیرِ بیانُ سببِ النزولِ وسببُ النزولِ علٰی قسمَین القسمُ الاولُ ان تقعَ حادثۃٌ یظھرُ فیھا ایمانُ المؤمنین ونفاقُ المنافقین کما وقعَ فی اُحدٍ والاحزَابِ فانزلَ اللہ تعالیٰ مدحَ ھٰؤلاءِ وذمَّ اولئک لیکون فیصلاً بین الفریقَین وربما یقع فی مثلِ ھذا من التعریضِ بخصوصیاتِ الحادثۃِ ما یبلغ حدَّ الکثرۃِ فیجب ان یُذکرَ شرحُ الحادثۃِ بکلامٍ مختصرٍ لیتَّضِحَ سوقُ الکلامِ علی القاری

ترجمہ

فصل اُن آثار کے بیان میں جو کتبِ تفسیر اہلِ حدیث میں مروی ہیں اور ان کے متعلقات کے بیان میں،
منجملہ ان آثار کے جو کتبِ تفسیر میں مروی ہیں بیان سببِ نزول ہے اور سبب نزول دو قسم پر ہے۔ اول یہ کہ کوئی ایسا حادثہ ہوا جس میں مومنین کا ایمان اور منافقین کا نفاق کھل گیا جیسا کہ اُحد اور احزاب میں ہوا تھا پس خدا تعالیٰ نے مومنین کی مدح اور منافقین کی مذمت نازل فرمائی تاکہ دونوں گروہوں میں امتیاز ہو جائے، کبھی اس جیسی صورت میں حادثہ کی خصوصیات کی جانب بکثرت تعریضات ہوتی ہیں اس لئے ضروری ہے کہ مختصر کلام میں اس حادثہ کی تشریح کی جائے تاکہ پڑھنے والے پر سیاقِ کلام واضح ہو جائے ہے۔

(بقیہ حاشیہ ۲۶۸)

وبطلانُ مذاہبہم یعرفُ من لفظِ الامامِ ولمّا افقتُ عرفتُ ان الامامَ عندہم ہو المعصوم المفترض طاعتہ الموحیٰ الیہ وحیاً باطناً وہذا ہو معنی النبی فمذہبہم یستلزم انکارَ ختمِ النبوۃِ

اور ان کے مذہب کا بطلان لفظ امام سے معلوم ہوتا ہے جب مجھے اس کیفیت سے افاقہ ہوا تو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک امام وہ ہے جو معصوم اور واجب الطاعۃ ہو اس پر باطنی وحی آتی ہو اور یہی نبی ہونے کے معنی ہیں تو ان کا مذہب ختم نبوت کے انکار کو مستلزم ہے

آپنے اپنے مکاشفات ومشاہدات کو "فیوض الحرمین" میں جمع فرما دیا ہے۔

(فائدہ) اُویسی اویس بن عامر قرنی یمنی کی طرف نسبت ہے جو قبلۂ تابعین وپیشوائے اربعین تھے، آپنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کو تو پایا ہے لیکن دیدار سے مشرف نہیں ہوسکے، حضرت عمر رض کی خدمت میں حاضری کا موقعہ ملا اور حضرت علی رض کے ساتھ واقعہ صفین میں شریک رہے اور اسی میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔
بعض حضرات نے ذکر کیا ہے کہ حدیث "اولیائی تحت قبائی لایعرفہم غیری" (میرے دوست میری قباء کے نیچے ہیں میرے سوا ان کو کوئی نہیں پہچانتا۔) آپ ہی کے حق میں ہے۔
کہتے ہیں کہ آپنے یمن میں رہتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سے بلاواسطہ استفادہ کیا ہے فمعنی الاویسیۃ ان المصنف استفاد من روحہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر توسط احدٍ من الناس کما استفاد اویس من روحہ صلی اللہ علیہ وسلم من غیر واسطۃ

والقسمُ الثانی ان یَتِمّ معنی الآیة بعمومها من غیرِ احتیاجٍ الی العلم بالحادثة التی هی سببُ النزول والحکمُ لعمومِ اللفظ لا لخصوصِ السبب وقد ذکرہ قُدَماءُ المفسرین تلک الحادثةَ بقصدِ الاحاطة بالآثارِ المناسبةِ للآیة او بقصدِ بیانِ ما صَدَقَ علیہ العمومُ ولیس ذکرُ ھذا القسمِ من الضروریات

ترجمہ:

دوسری قسم یہ ہے کہ تام ہوجائیں آیت کے معنی اپنے عموم کیساتھ اس حادثہ کے معلوم کئے بغیر ہی جو کہ سبب نزول ہے اور حکم عموم لفظ کا معتبر ہے نہ کہ خصوص سبب کا مگر متقدمین مفسرین نے ذکر کیا ہے اس حادثہ کو، آیت کے مناسب احادیث جمع کرنے یا حکم عام کا مصداق بیان کرنے کے ارادہ سے، اس قسم (کے قصوں) کا ذکر کرنا چنداں ضروری نہیں ہے۔

تشریح: ۱۔ قولہ، والحکم لعموم اللفظ الخ نص میں عموم لفظ کا اعتبار ہے یا خصوص سبب کا؟ اس میں علماء اصول کا اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ لفظ کے عموم کا اعتبار ہے شاہ صاحب نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے جس کی دلیل صحابہ کرام کا مختلف واقعات میں ان آیات کے عموم سے حجت لانا ہے جن کے نزول کے اسباب خاص تھے نیز علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آیت ظہار سلمہ بن صخر کے بارے میں، آیت لعان ہلال بن امیہ کے حق میں اور حد قذف حضرت عائشہ رضؓ پر تہمت لگانے والوں کی بابت نازل ہوئی تھی مگر بعد میں یہ احکام اوروں کی طرف بھی متعدی ہوگئے،

سوال حضرت ابن عباسؓ نے آیت "لاتحسبن الذین یفرحون الخ" میں عموم کو تسلیم نہیں کیا بلکہ اسے اہل کتاب کے اسی قصہ پر منحصر رکھا ہے جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی، جواب حضرت ابن عباسؓ پر یہ بات مخفی نہیں تھی کہ لفظ سبب نزول کی بہ نسبت زیادہ عام ہوتا ہے لیکن انہوں نے اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ یہاں لفظ سے ایک خاص بات مراد ہے اس کی نظیر آیت "الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم" میں ہے جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم کی تفسیر شرک سے کی ہے اور آیت "ان الشرک لظلم عظیم" سے اس پر استدلال کیا ہے ورنہ صحابہ نے اس لفظ سے ہر ظلم کا عموم ہی سمجھا تھا، خود حضرت ابن عباسؓ سے بھی ایک حدیث ایسی مروی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ عموم کا اعتبار کرتے تھے چنانچہ ابن ابی حاتم نے نجدہ حنفی سے روایت کیا ہے کہ "میں نے حضرت ابن عباسؓ سے آیت "والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیہما" کی نسبت دریافت کیا کہ اس کا حکم خاص ہے یا عام؟ فرمایا نہیں، اس کا حکم عام ہے" حالانکہ اس کا نزول چوری کرنے والی ایک خاص عورت کے معاملہ میں ہوا تھا (اتقان ملخصاً) :-

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

÷ ÷ ÷

وقد تحقق عند الفقیر ان الصحابۃ والتابعین کثیراً ما کانوا یقولون نزلت الآیۃ فی کذا وکان غرضہم تصویر ما صدقت علیہ الآیۃ وذکر بعض الحوادث التی تشملہا الآیۃ بعمومہا سواء تقدمت القصۃ او تأخرت اسرائیلیا کان ذلک او جاہلیا او اسلامیا استوعبت جمیع قیود الآیۃ او بعضہا واللّٰہ اعلم فعلم من ھذا التحقیق ان للاجتہاد فی ھذا القسم مدخلا وللقصص المتعددۃ ھنالک سعۃ فمن استحضر ھذہ النکتۃ یتمکن من حل ما اختلف من سبب النزول بادنی عنایۃ۔

ترجمہ:۔ فقیر کے نزدیک یہ تحقیق ہوا ہے کہ صحابہ وتابعین اکثر فرماتے ہیں کہ یہ آیت فلاں حادثہ میں نازل ہوئی اس سے ان کا مقصد صرف آیت کے مصداق کی تصویر اور بعض ایسے حوادثات کا ذکر ہوتا ہے جن کو آیت اپنے عموم کی وجہ سے شامل ہے خواہ واقعہ مقدم ہو یا مؤخر، اسرائیلی ہو یا جاہلی یا اسلامی آیت کے تمام قیود کو حاوی ہو یا بعض کو، واللہ اعلم، اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اجتہاد کو بھی اس قسم میں کچھ دخل ہے اور اسباب نزول میں متعدد قصوں کی گنجائش ہے، جو شخص یہ نکتہ محفوظ کرے وہ مختلف اسباب نزول کو تھوڑی توجہ سے حل کرسکتا ہے:۔ تشریح:

۵ قولہ وللقصص المتعددۃ الخ اگر ایک ہی آیت کے نزول کے کئی سبب بیان کئے گئے ہوں تو کسی ایک قول پر اعتماد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ واقعہ کی نوعیت پر نظر ڈالی جائے، پھر اگر ایک راوی نے ایک سبب اور دوسرے نے دوسرا سبب بتایا ہے تو دوسرا قول آیت کی تفسیر تصور کیا جائے گا نہ کہ اس کا سبب نزول، اور اس صورت میں اگر آیت کے الفاظ دونوں کو شامل ہوں تو ان دونوں قولوں میں کوئی منافات نہ ہوگی، اور اگر ایک راوی نے کوئی صریح سبب بیان کیا اور دوسرے نے اس کا عکس تو اس صورت میں پہلا قول قابل اعتماد ہوگا اور دوسرا قول استنباط تصور کیا جائے گا مثلاً امام بخاری نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ "نساؤکم حرث لکم" کا نزول عورتوں سے خلاف وضع فطری صحبت کرنے کے بارے میں ہوا تھا، اور صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ "یہودی کہا کرتے تھے کہ جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ اس کی پشت کی جانب سے صحبت کریگا اس کا بچہ بھینگا پیدا ہوگا ان کی اس بات کی تردید کے لئے آیت نازل ہوئی"، تو اس موقعہ پر حضرت جابرؓ کا بیان قابل اعتماد اور ابن عمرؓ کا قول استنباط سمجھا جائے گا، حضرت ابن عباسؓ بھی جابرؓ ہی طرح روایت کرتے ہیں اور ابن عمرؓ کو وہم ہوا ہے جیسا کہ ابوداؤد اور حاکم نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، اور اگر ایک نے کچھ سبب بیان کیا اور دوسرے نے اس کے علاوہ بتایا تو جس کی اسناد صحیح ہو وہی قابل اعتماد ہوگا (اتقان ملخصاً)۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

ومن جملة ذلك تفصيلُ قصةٍ وقعَ في نظم القرآن لمح يفيُّ باصلها فيأخذ المفسرون استقصاءَ القصةِ من اخبار بني اسرائيل اوعن علم السِيَرِ فيذكرونها بجميع خصوصياتها وههنا ايضًا تفصيلٌ ماكان في الآية تعريضٌ ظاهرٌ به بحيث يقِفُ هنالك العارفُ باللغةِ مُتفحِّصًا فذكرُه من وظيفة المفسر وما كان خارجًا من هذا الباب مثل ذِكرِ بقرةِ بني اسرائيل اذكرًا كانت ام انثى؟ ومثل بيانِ كلبِ اصحابِ الكهف اأبقع كان ام احمر؟ فهو تكلف مالا يعني وكانت الصحابةُ رضي الله عنهم يَعُدُّونَ مثلَ ذلك قبيحًا من قبيلِ تضييع الاوقاتِ

توضيح اللغة

تعریض اشارہ، استقصاء پورے طور پر بیان کرنا، تہ کو پہونچنا، ستیر جمع سیرۃ، متفحص متلاشی، وظیفہ منصب، بقرہ گائے، ذکر مذکر، انثی مؤنث، کلب کتا، ابقع سیاہ سفید داغوں والا، احمر سرخ، قبیح برا۔ **ترجمہ:**

اور ان جملہ کسی ایک قصہ کی تفصیل ہے جس کی طرف نظم قرآن میں اشارہ موجود ہے پس مفسرین اخبار بنی اسرائیل یا سیر و تواریخ سے اس قصہ کو تہ اس کی جملہ خصوصیات کے ذکر کرنے لگتے ہیں، اس موقع پر بھی تفصیل ہے اور وہ یہ کہ جس قصہ کی طرف آیت میں کھلا اشارہ ہو کہ زبان کا جاننے والا اس پر آکر رک جائے متلاشی ہو کر تو اسکو بیان کرنا مفسر کا فرض ہے اور جو قصہ اس قسم سے خارج ہو مثلاً بنی اسرائیل کی گائے کا حال کہ نر تھی یا مادہ یا اصحاب کہف کے کتے کا بیان کہ چتلا تھا یا سرخ؟ سو یہ امور بے فائدہ تکلفات ہیں صحابۂ کرام ایسی بحثوں کو برا جانتے اور تضییع اوقات خیال فرماتے ہیں۔

تشریح **قولہ** اذکرا کانت الخ بعض کہتے ہیں کہ وہ مادہ تھی کیونکہ آیات میں اس کی طرف تانیث کی علامتیں راجع ہیں امام ابو منصور کہتے ہیں کہ وہ مذکر تھا کیونکہ اثارۃ ارض وسقی حرث بیلوں کا کام ہے اور تانیث علامات لفظ بقرہ کی وجہ سے ہے کما فی قولہ ,,وقالت طائفۃ،، ہے۔

قولہ ابقع کان الخ حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ نیلے رنگ کا تھا دوسری روایت میں ہے کہ سرخ تھا مقاتل کہتے ہیں کہ زرد رنگ کا تھا، قرطبی کہتے ہیں کہ اس کی زردی مائل بسرخی تھی، کلبی کہتے ہیں کہ مختلف اللون تھا بعض کہتے ہیں کہ آسمانی رنگ تھا، بعض کہتے ہیں کہ چتکبرا تھا، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

وَاختلفوا في لونہ على اقوال لاحاصل لہا	اس کے رنگ کی بابت چند اقوال ہیں جن کا نہ کچھ حاصل ہے
ولاطائل تحتہا ولادليل عليہا ولاحاجۃ اليہا	نہ فائدہ نہ ان پر کوئی دلیل ہے نہ ان کی کچھ ضرورت بلکہ
بل ہي مما نہي عنہ فان مستندہا رجم بالغيب	وہ تو منہی عنہ میں سے ہیں کیونکہ سب اٹکل کے تیر ہیں۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وليُحفظ ههنا ايضًا نكتتان الأُولى ان الاصلَ فى هذا الباب ايرادُ القصصِ المسموعة بلا تصرُّفِ عقلٍ وربما يَتخذُ جمعٌ من قُدَمَاء المفسرين ذلك التعريضَ قدوةً فيَفرضون محملاً مناسبًا لذلك التعريض فيقرّرونه بصورة الاحتمال فيشتبه على المتأخرين وكثيرًا ما يَشتبه التقريرُ على سبيلِ الاحتمالِ بالتقريرِ مع الجزمِ فى كلامهم فيذكرون هذا مقامَ ذاك لان اساليبَ التقرير لم تكن مُنقّحةً فى ذلك الزمان وهذا امرٌ مجتهَدٌ فيه للنظر العقلى فيه مجالٌ ودائرةُ قِيلٍ ويُقَال هنالك متسعة فينبغى فيه إرخاء العنان ومن حَفِظَ هذه النكتةَ حَكَمَ حُكمًا فيصلاً فى كثيرٍ من مواضعَ اختلف فيها المفسرون ويمكن ان يتحقق فى كثيرٍ من مناظراتِ الصحابة انه ليس بقولٍ وانما هو تفتيشٌ علميٌ يعرضه بعضُ المجتهدين على البعضِ والفقيرُ على هذا المحمَلِ يَحمل قولَ ابن عباس رضى الله عنهما فى اية «وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ» (لا اجدُ فى كتاب الله الا المسح لكنهم ابوا الا الغسل) فالذى يَفهمه الفقيرُ انه ليس بذهابٍ الى وجوبِ المسحِ وليس فيه جَزْمٌ بحمل الأية على رُكنيةِ المسح بل الذى تقرّر عند ابن عباس رضى الله عنهما هو الغسلُ ولكنهم يقرّرون هنالك اشكالاً و يُظهرون احتمالاً ليُعلم باى وجهٍ يذكر علماءُ العصر التطبيقَ فى هذا التعارضِ واىَّ مسلكٍ يَسلكون ومن لم يَطّلِع على حقيقة محاورةِ السلف يَظُنّه قولَ ابن عباس ويَعُدُّه مذهبًا له حاشاه ثم حاشاه

ترجمہ:-

یہاں دو نکتے محفوظ کر لینے چاہئیں اول یہ کہ اصل اس باب میں واقعات کو اسی طرح نقل کرنا ہے جیسا کہ سنا ہے بغیر عقلی تصرف کے مگر متقدمین مفسرین کی ایک جماعت اس تعریض کو پیشوا بناتی اور اس کا کوئی مناسب محمل فرض کرکے برنگ احتمال اس کی تقریر کرتی ہے جس سے متاخرین کو اشتباہ ہو جاتا ہے اور بسا اوقات تقریر علی سبیل الاحتمال تقریر بالجزم کے ساتھ مشتبہ ہو جاتی ہے اور ایک کو دوسری کی جگہ ذکر کر دیتے ہیں کیونکہ اس زمانہ میں تقریر کے اسلوب منقح نہیں ہوئے تھے اور یہ مسئلہ اجتہادی ہے جس میں نظر عقلی کی گنجائش اور قیل وقال کا دائرہ وسیع ہے پس یہاں لگام ڈھیلی کرنا مناسب ہے جو شخص اس نکتہ کو یاد رکھے وہ بہت سے ان مقامات میں فیصلہ کر سکتا ہے جن میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے اور بیشتر مناظرات صحابہ کے متعلق معلوم کر سکتا ہے کہ وہ ان کا مذہب نہیں ایک علمی تفتیش ہے جسکو بعض مجتہدین بعض پر پیش کرتے ہیں، فقیر اسی محل پر محمول کرتا ہے حضرت ابن عباسؓ کے قول کو جو آیت "وامسحوا برءوسکم" الخ کی بابت ہے کہ "مجھکو تو کلام اللہ میں پیروں کا مسح ہی ملتا ہے مگر صحابہ اس سے دھونا ہی سمجھتے ہیں"

(باقی بر ص ۲۷۴)

النكتة الثانية ان النقل عن بني اسرائيل دسيسة دخلت في ديننا، ولا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوا بوهم" قاعدة مقررة فلزم امران الاول ان لا يرتكب النقل عن اهل الكتاب اذا وجد في سنة نبينا صلى الله عليه وسلم بيان لتعريض القرآن مثلاً حين ما وجد لقوله تعالى " وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ" محمل في السنة النبوية وهو قصة ترك ان شاء الله والمواخذة عليه فاي حاجة الى ذكر قصة صخر المارد والامر الثاني ان الضروري يتقدر بقدر الضرورة فليكن ذلك ملحوظا عند التفسير فلا يقع الكلام الا بقدر اقتضاء التعريض ليحصل التصديق بشهادة القرآن وليكف اللسان عن الزيادة

توضيح اللغة :-

دسیسہ خفیہ سازش وعداوت، فتنا (ض) فتنا وفتنۃ فتنہ میں ڈالنا، آزمائش کرنا، کرسی تخت، جسد جسم، اناب متوجہ ہونا، توبہ کرنا، یکف (ن) کفا روکنا، باز رکھنا، لسان زبان۔ ترجمہ:

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اسرائیلی روایات کا نقل کرنا ایک ایسی بلا ہے جو ہمارے دین میں راہ پا گئی حالانکہ ان کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب" قاعدہ مقررہ ہے تو یہاں دو باتیں لازم ہیں اول یہ کہ اہل کتاب سے نقل کا ارتکاب نہ کیا جائے جب کہ حدیث نبوی میں تعریض کلام اللہ کا بیان موجود ہو مثلاً قول باری " اور ہم نے جانچا سلیمان کو اور ڈالدیا اس کے تخت پر ایک دھڑ پھر وہ رجوع ہوا" کا محمل جب حدیث نبوی میں موجود ہے یعنی انشاء اللہ کے ترک کرنے اور اس پر مواخذہ ہونیکا قصہ تو کیا ضرورت ہے قصۂ صخر مارد کے ذکر کی، دوم یہ کہ ضروری امر بقدر ضرورت ہی مقدر ہوتا ہے لہذا بوقت تفسیر یہ ملحوظ خاطر رہنا چاہیئے اور کلام اقتضاء تعریض کے بقدر ہی ہونا چاہیئے تاکہ قرآنی شہادت سے اس کی تصدیق ہو سکے اور اس سے زیادہ بیان سے زبان کو روکنا چاہیئے۔ تشریح :-

(بقیہ ص ۲۹۳) فقیر جو اس کا مطلب سمجھتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرضیت مسح کی طرف نہیں گئے اور نہ اس میں آیت کو رکنیت مسح پر محمول کرنے کا یقین ہے بلکہ ان کے نزدیک دھونا ہی مقرر ہے لیکن یہاں وہ ایک اشکال کو بیان اور ایک احتمال کی تقریر کرتے ہیں تاکہ دیکھیں کہ علماء زمانہ اس تعارض کی تطبیق میں کونسی راہ اختیار کرتے ہیں جو شخص سلف کے محاورہ سے واقفیت نہیں رکھتا وہ اس کو حضرت ابن عباسؓ کا قول سمجھ کر ان کا مذہب قرار دیتا ہے۔ حاشا وکلا۔

لہ قد تقدم الکلام علی ہذا من المصنف فی الفصل الثالث من الباب الثانی فی التنبیہ الاول ۱۲

ص ۲۳۴-۲۳۵ ۱۲

سه قولہ قصہ تترک ان شاء اللہ الخ صحیح بخاری (کتاب الانبیاء) میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال سلیمان بن داؤد لاطوفن اللیلۃ علی سبعین امرأۃ تحمل کل امرأۃ فارسًا یجاہد فی سبیل اللہ فقال لہ صاحبہ ان شاء اللہ فلم یقل ولم تحمل شیئًا الا واحدًا ساقطًا احد شقیہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو قالہا لجاہد وا فی سبیل اللہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مرتبہ سلیمانؑ بن داؤدؑ نے کہا: آج کی رات میں اپنی ستر بیویوں کے پاس جاؤنگا ہر بیوی ایک شہ زور لڑکا جنے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا فرشتہ نے ان سے کہا، انشاء اللہ، مگر آپ نہ کہہ سکے پس کوئی بیوی حاملہ نہ ہوئی البتہ ایک بیوی کے ناقص بچہ ہوا جس کا ایک پہلو ندارد تھا، آپؐ نے ارشاد فرمایا: اگر وہ انشاء اللہ کہہ لیتے تو ہر ایک حرم کے بطن سے مجاہد پیدا ہوتا......

مفسر ابو السعود اور سید محمود آلوسی نے آیت کی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے، جب حدیث نبوی میں یہ تفسیر موجود ہے تو پھر قصۂ صخر مارد ذکر کرنے کی کیا ضرورت؟ جیسا کہ کاشفی وغیرہ بہت سے مفسرین نے ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کے تخت پر صخر مارد، شیطان کو قابض کر دیا تھا، جس کا ایک سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی ایک بیوی جس کا نام امینہ تھا بت پرست تھی اور اپنے باپ کا مجسمہ بنا کر اس کی پرستش کیا کرتی تھی لہٰذا خدائے تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو یہ سزا دی کہ جس مدت تک امینہ نے ان کے گھر میں بت پرستی کی تھی اس مدت تک کیلئے وہ تخت سلطنت سے محروم کر دئے گئے اور ان کی انگشتری جس میں اسم اعظم کندہ تھا وہ ان کی باندی جرادہ کے ذریعہ شیطان کے ہاتھ پڑ گئی اور وہ بصورت سلیمانؑ ان کے تخت پر بیٹھ کر حکومت کرنے لگا پھر مدت ختم ہونے کے بعد انگشتری شیطان کے ہاتھ سے دریا میں گر گئی اس کو مچھلی نے نگل لیا اور وہ مچھلی حضرت سلیمانؑ کے پاس شکار ہو کر آئی اور اس طرح اس کے پیٹ میں سے انگشتری نکال کر انہوں نے اپنا ملک واپس لے لیا، اس روایت میں ایک اولوالعزم پیغمبر کی جانب جسقدر خرافات اور ذلیل واقعات کی نسبت کی گئی ہے ایک عامی بھی بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ ایسی روایات کا اسلام کی تعلیم سے کیا واسطہ ہو سکتا ہے اسی لئے محدث ابن کثیر نے ان روایات کے متعلق یہ فیصلہ دیا ہے:۔

ذکر ابن جریر وابن ابی حاتم وغیرہما من المفسرین ھٰھنا آثارًا کثیرۃ عن جماعۃ من السلف واکثرھا اوکلھا متلقاۃ من الاسرائیلیات وفی کثیر منھا نکارۃ شدیدۃ وقد نبھنا علی ذٰلک فی کتابنا التفسیر واقتصرنا ھٰھنا علی مجرد التلاوۃ

ابن جریر وابن ابی حاتم وغیرہ مفسرین نے اس مقام میں جماعت سلف سے بہت سے آثار کا ذکر کیا ہے جن میں سے اکثر یا سب اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں اور ان میں سے اکثر میں سخت نارواباتیں مذکور ہیں ہم نے اپنی تفسیر میں اس پر تنبیہ کر دی اور یہاں صرف تلاوت پر اکتفا کیا ہے:۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۲ ص ۲۶۔ ملخص از قصص القرآن)۔

وههنا نكتةٌ لطيفةٌ الى غاية فلا تغفل عنها وهى انها قد تُذكر فى القرآن العظيم قصةٌ فى موضع بالاجمال وفى موضع بالتفصيل كما قال تعالىٰ "اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" ثم قال "اِنِّیْ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ" فهذه المقولةُ هى المقولةُ المتقدمةُ ذُكرت بنوعٍ من التفصيل فيمكن ان يُعلم من التفصيل تفسيرُ الاجمال ويُنتقل من الاجمال الى التفسير مثلاً ذُكر فى سورة مريم قصةُ سيدنا عيسىٰ على نبينا وعليه الصلوة والسلام اجمالاً "وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا" وفى سورة آل عمران تفصيلاً "وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ" الآية ففى هذه المقولة بشارةٌ تفصيليةٌ وتلك المقولة بشارةٌ اجماليةٌ فمن ثَمَّ استنبط العبدُ الضعيفُ انَّ معنى الآية ورسولاً الى بنى اسرائيل مُخبرًا بانى قد جئتكم وهذا كلُّه داخلٌ فى حيّز البشارة ليس بمتعلقٍ بمحذوفٍ كما اشار اليه السيوطى حيث قال فلما بعثه الله تعالىٰ الى بنى اسرائيل قال لهم انى رسول الله اليكم بانى قد جئتكم۔ والله اعلم

ترجمہ:۔

یہاں ایک نہایت لطیف نکتہ ہے اس سے غافل نہیں ہونا چاہیئے اور وہ یہ ہے کہ قرآن عظیم میں کسی مقام پر ایک قصہ کو مجملاً بیان کیا جاتا ہے اور کسی جگہ مفصلاً جیسے ارشاد فرمایا، "بے شک مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے" پھر فرمایا، "کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو کہ میں خوب جانتا ہوں چھپی ہوئی آسمانوں کی اور زمین کی اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو" پس یہ مقولہ وہی سابق مقولہ ہے جس کو ایک قسم کی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے پس اس تفصیل سے اجمال سابق کی تفسیر معلوم کیجا سکتی ہے اور اس اجمال سے تفصیل کی طرف منتقل ہو سکتے ہیں، مثلاً سورۂ مریم میں حضرت عیسٰی علیہ السّلام کا قصہ اجمالاً ذکر کیا گیا، "اور اس کو ہم کیا چاہتے ہیں لوگوں کے لئے نشانی اور مہربانی اپنی طرف سے اور ہے یہ کام مقرر ہو چکا"، اور سورۂ آل عمران میں مفصل طور پر "اور کرے گا اس کو پیغمبر بنی اسرائیل کی طرف بیشک میں آیا ہوں تمہارے پاس نشانی لے کر تمہارے رب کی طرف سے" پس اس مقولہ میں تفصیلی بشارت ہے اور وہ مقولہ اجمالی بشارت ہے، اسی لئے بندۂ ضعیف نے آیت کے یہ معنی نکالے ہیں کہ کریگا اس کو پیغمبر بنی اسرائیل کی طرف بشارت دینے والا اس بات کی کہ آیا ہوں میں تمہارے پاس یہ تمام مضمون بشارت کے ذیل ہے کسی محذوف کے متعلق نہیں جیسا کہ علامہ سیوطی نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب بھیجا اللہ نے اس کو بنی اسرائیل کی طرف تو کہا ان سے بے شک میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں تمہاری طرف آیا ہوں تمہارے پاس:

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

تشریح: قولہ وہہنا نکتۃ الخ اس نکتہ کے ضمن میں دراصل تفسیر کے صحیح طریقہ کا بیان ہے، علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص کتاب اللہ کی تفسیر کا ارادہ کرے اُسے چاہیئے کہ پہلے قرآن کی تفسیر قرآن ہی میں تلاش کرے اس لئے کہ قرآن شریف میں جو چیز ایک جگہ مجمل ہے دوسرے مقام پر اس کی تفسیر کردی گئی، اور جو شی ایک جگہ مختصر طور پر بیان ہوئی ہے دوسرے مقام پر اس کی تفصیل ہے جیسے سورۂ بقرہ کے چوتھے رکوع میں ہے "انی اعلم ما لا تعلمون" اس میں فرشتوں کو سرست بالاجمال جواب دیا گیا کہ ہم خوب جانتے ہیں جو تم کو معلوم نہیں اس کے بعد تیسری آیت میں اس کو قدرے تفصیل سے بیان کیا، قَالَ اَلَم اَقُل لَکُم اِنّی اَعلَمُ غَیبَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ وَ اَعلَمُ مَا تُبدُونَ وَمَا کُنتُم تَکتُمُونَ" اسی طرح سورۂ ذٰریٰت میں اجمالی طور پر ہے "وَفِی ثَمُودَ اِذ قِیلَ لَہُم تَمَتَّعُوا حَتّٰی حِینٍ" (اور نشانی ہے ثمود میں جب کہا ان کو فائدہ اٹھالو ایک وقت تک) اور سورۂ ہود میں اس کی تفصیل ہے "فَعَقَرُوہَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِی دَارِکُم ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ ذٰلِکَ وَعدٌ غَیرُ مَکذُوبٍ" (پھر اس کے پاؤں کاٹے تب کہا فائدہ اٹھالو اپنے گھروں میں تین دن یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہ ہوگا)

اگر قرآن کی تفسیر قرآن میں نہ پائے تو سنت صحیحہ (حدیث صحیح) میں تلاش کرے کیونکہ حدیث شارح قرآن ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی باتوں کا بھی حکم دیا ہے وہ سب آپ نے قرآن کریم ہی سے سمجھی ہیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "اِنَّا اَنزَلنَا اِلَیکَ الکِتٰبَ بِالحَقِّ لِتَحکُمَ بَینَ النَّاسِ بِمَا اَرٰکَ اللّٰہُ"

اگر سنت میں بھی نہ ملے تو صحابۂ کرام کے اقوال کی طرف رجوع کرے کہ بلاشبہ وہ لوگ قرآن کے بہت بڑے عالم تھے کیونکہ انہوں نے نزول قرآن کے وقت تمام قرائن و احوال کا مشاہدہ کیا تھا اور یوں بھی وہ لوگ کامل سمجھ، علم صحیح اور عمل صالح کی صفات سے متصف تھے، اگر اقوال صحابہ میں بھی نہ ملے تو پھر نظر و استنباط کی طرف رجوع کرے :۔۔۔۔

سه قولہ استنبط العبد الخ شاہ صاحب نے جس معنیٰ کا استنباط کیا ہے وہ ترجمہ سے ظاہر ہے لیکن عام مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ سورۂ مریم میں حضرت عیسیٰ کے آیۃ للناس ہونے سے مراد بقول ابن عباسؓ یہ ہے کہ لوگ ان کے ذریعہ سے اللہ کی قدرت عظیمہ پر استدلال کریں، جس کی تشریح یہ ہے کہ تمام انسان مرد و عورت کے ملنے سے پیدا ہوتے ہیں آدم علیہ السلام دونوں کے بدون پیدا ہوئے اور حوّاء کو صرف مرد کے وجود سے پیدا کیا گیا، چوتھی صورت یہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں ظاہر ہوئی کہ مرد کے بدون صرف عورت کے وجود سے ان کا وجود ہوا اس طرح۔ پیدائش کی چاروں صورتیں واقع ہوگئیں پس حضرت عیسیٰؑ کا وجود قدرت الٰہیہ کا ایک نشان اور حق تعالیٰ کی طرف سے دنیا کے لئے بڑی رحمت کا سامان ہے۔

فحینئذٍ لا وجہ لاستنباط المصنف رح فتذکرہ.

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

ومن جملة ذلك شرح الغريب وبناؤه على تتبع لغة العرب او التفطن لسياق الاٰية وسباقها والعلم بمناسبة اللفظ باجزاء جملة وقع هو فيها فههنا ايضًا مدخل للعقل و سعة للاختلاف لان الكلمة الواحدة تجئ فى لغة العرب لمعان شتّٰى والعقول مختلفة فى تتبع استعمال العرب والتفطن لمناسبة السابق واللاحق ولهذا اختلفت اقوال الصحابة والتابعين فى هذا الباب وكل سلك مسلكًا فينبغى للمفسر المنصف ان يزن شرح الغريب مرتين فى استعمال العرب مرةً وفى[1] معرفة اقوى الوجوه و ارجحها ومناسبة السابق واللاحق أخرى ليعلم اىّ الوجهين اولى واقعد بعد احكام المقدمات وتتبع موارد الاستعمال وتفحص الاٰثار

غریب۔ من الکلام جس کا سمجھنا دشوار ہو، بناء مدار، تتبع تلاش و جستجو، تفطن سمجھنا، سیاق اسلوب، سباق بندش، سعۃ گنجائش، شتّٰی جمع شتیت بمعنی متفرق۔ عقول جمع عقل، مسلک راہ، یزن وزن تولنا، ارجح راجح تر، احکام مضبوط کرنا، موارد جمع مورد، تفحص کھود کرید کرنا۔ ترجمہ!

ازاں جملہ شرح غریب ہے جس کا مدار لغت عرب کے تتبع پر ہے یا آیت کے فہم سیاق وسباق اور لفظ کی اس مناسبت کے علم پر ہے جو اسکو اجزاء جملہ کے ساتھ حاصل ہے پس یہاں بھی عقل کا دخل اور اختلاف کی گنجائش ہے کیونکہ ایک کلمہ زبانِ عرب میں متفرق معانی کے لئے آتا ہے اور استعمال عرب کے تتبع اور سابق ولاحق کی مناسبت کے فہم میں عقول مختلف ہیں اسی وجہ سے صحابہ وتابعین کے اقوال باہم مختلف ہو گئے اور ان میں سے ہر ایک نے ایک راہ اختیار کی، پس منصف مفسر کو شرح غریب کے دو پہلوؤں پر غور کرنا چاہیئے ایک استعمال عرب پر تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ کونسی صورت اقویٰ اور راجح تر ہے دوسرے لاحق وسابق کی مناسبت پر تاکہ معلوم ہو جائے کہ کونسی جہت اولیٰ واعلیٰ ہے مقدمات کو مستحکم، موارد استعمال کے تتبع اور آثار کی کھود کرید کرنے کے بعد۔ تشریح!

سے قولہ شرح الغریب الخ غرائب قرآن کے معلوم کرنے پر توجہ کرنا ضروری ہے کیونکہ بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے "اعربوا القرآن والتمسوا غرائبہ" کہ قرآن کے معانی سمجھو اور اس کے غریب الفاظ کو تلاش کرو، اسی لئے بے شمار علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں مثلاً ابو عبیدہ، ابو عمر زاہد ربانی ۲۴۹ھ،

[1] الترجمۃ الصحیحۃ ہٰکذا، لیعرف اقوی الوجوہ وارجحہا، لان النص الفارسی ہٰکذا یکے در استعمالات عرب کہ کدام وجہ اقویٰ وارجح است ودیگر در مناسبت اھ ۱۲ عون

محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

وقد استنبط الفقیر فی هذا الباب ما لا یخفی لطفه الأعلی المتعسف غلیظ الطبع مثلاً "کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی" حملته علی معنی تکافؤ القتلٰی و اشتراك الاثنین فی حکم واحد لئلا یحتاج مفهوم "الأنثٰی بالأنثٰی" الی مؤنة النسخ ولا یرتکب توجیهات تضمحل بادنی الالتفات

توضیح اللغة

لطف نزاکت و باریکی، متعسف بے راہ روی کرنیوالا، غلیظ الطبع تندخو، قتلٰی جمع قتیل بمعنی مقتول، تکافؤ برابری انثٰی مؤنث، مؤنۃ مشقت، بوجھ، تضمحل اضمحلال نیست و نابود ہونا ہے۔ ترجمہ :

فقیر نے اس باب میں ایسے استنباطات کئے ہیں جن کا لطف بجز بے انصاف اور نافہم کے کسی پر مخفی نہیں رہ سکتا مثلاً "کتب علیکم القصاص فی القتلٰی" کو میں نے تکافؤ قتلٰی کے معنی پر اور ایک حکم میں دو کے شریک ہونے پر محمول کیا ہے تاکہ "الانثٰی بالانثٰی" کا مفہوم مشقت نسخ کا محتاج نہ ہو اور ایسی توجیہات کا ارتکاب نہ کرنا پڑے جو ادنی تامل سے ساقط ہوجاتی ہیں۔ تشریح :

قولہ کتب علیکم الخ حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ صاحب کا کلام ملاحظہ ہو: فرماتے ہیں،

قال اللہ تعالٰی "یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی" الآیۃ نزلت فی حیین من أحیاء العرب أحدہما اشرف من الآخر فقتل الاوضع من الاشرف فقال الاشرف لنقتلن الحر بالعبد و الذکر بالانثٰی و لنضاعفن الجراح و معنی الآیۃ و اللہ اعلم ان خصوص الصفات لا یعتبر فی القتلٰی کالعقل و

حق تعالٰی کا ارشاد ہے "اے ایمان والو! فرض ہوا تم پر قصاص مقتولوں میں آزاد کے بدلہ آزاد اور غلام کے بدلہ غلام اور عورت کے بدلہ عورت" یہ نازل ہوئی عرب کے دو قبیلوں کی بابت جن میں سے ایک زیادہ شریف تھا دوسرے سے پس کمتر نے اشرف کے کچھ لوگوں کو مار ڈالا تو اشرف نے کہا ہم غلام کے بدلے آزاد کو اور عورت کے بدلے مرد کو قتل اور اپنے زخمیوں کے بدلے دوچند زخمی کریں گے، آیت کے معنی واللہ اعلم یہ ہیں کہ مقتولین میں صفات خاصہ کا کچھ اعتبار نہیں مثلاً عقل و

(بقیہ ص۲۷۸)

اور ابن درید وغیرہ، اس سلسلہ میں عزیزی کی کتاب مشہور ترین اور راغب اصفہانی کی تالیف "مفردات القرآن" مقبول ترین کتاب ہے۔

قولہ و بتادۃ الخ برہان میں ہے کہ غرائب قرآن کی حقیقت کا انکشاف کرنیوالا علم لغت کا محتاج ہے اور اس کو اسماء و افعال اور حروف کو بھی بخوبی جاننے کی ضرورت ہے، حروف چونکہ تھوڑے ہیں اس لئے علماء نحو نے ان کے معانی بیان کردئے جو ان کی کتابوں سے معلوم ہو سکتے ہیں لیکن اسماء و افعال کے لئے لغت کی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے جیسے ابن سید کی "العالم فی اللغۃ" ازہری کی "التہذیب" ابن سیدہ کی "المحکم" قزاز کی "الجامع" وغیرہ۔

الجمال والصغر والکبر وکونہ شریفًا او ذا مال ونحو ذلک وانما تعتبر الاسامی والمظان الکلیۃ، فکل امرأۃ مکافئۃ لکل امرأۃ ولذلک کانت دیات النساء واحدۃ وان تفاوتت الاوصاف وکذلک الحر کالحر والعبد کالعبد فمعنی القصاص التکافؤ وان یجعل اثنان فی درجۃ واحدۃ من الحکم لا یفضل احدھما علی الآخر لا القتل مکانہ البتۃ، ثم اثبتت السنۃ ان المسلم لا یقتل بالکافر وان الحر لا یقتل بالعبد وان الذکر یقتل بالانثی لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قتل الیہودی بجاریۃ وفی کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی اقیال ہمدان ویقتل الذکر بالانثی اھ

جمال، صغر وکبر اور اس کا شریف یا مالدار ہونا وغیرہ بلکہ نام اور مظان کلیہ کا اعتبار ہے پس ہر عورت ہر عورت کے برابر ہے اسی لئے عورتوں کی دیت برابر ہے گو اوصاف مختلف ہوں، اسی طرح ہر آزاد دوسرے آزاد کا اور ہر غلام دوسرے غلام کا مثل ہے پس قصاص کے معنیٰ برابری اور اس بات کے ہیں کہ دو شخصوں کو ایک درجہ کے حکم میں رکھا جائے اور کسی کو دوسرے پر فضیلت نہ دی جائے نہ کہ قتل اس جگہ ضروری ہو، پھر سنت نے یہ ثابت کیا کہ مسلمان قتل نہ کیا جائے کافر کے بدلے اور آزاد غلام کے بدلے اور قتل کیا جائے مرد عورت کے بدلے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باندی کے بدلے یہودی کو قتل کیا ہے اور آپ کے اس خط میں جو ہمدان کے حکام کے نائبوں کو روانہ کیا تھا اس میں یہی تھا کہ عورت کے بدلے مرد کو قتل کیا جائے

قولہ حلتہ علی معنی الخ جمہور ائمہ ومفسرین کے نزدیک اس آیت میں قصاص بمعنی قود اور قتلی بمعنی قاتلین ود مقتولین ہے۔ قاتلوں کو باعتبار مایؤل مقتولین میں شمار کر لیا گیا، اس صورت میں الانثی بالانثی کی توجیہ خالی از دقت نہ تھی، شاہ صاحب نے اس آیت کی جو توجیہ فرمائی وہ نہایت لطیف اور بالکل نئی ہے، ان کے نزدیک قصاص کے معنیٰ قود، دیت اور جراحات میں برابری اور قتلیٰ کے معنیٰ محض مقتولین کے ہیں قاتل ان کے ساتھ شریک نہیں، اس صورت آیت کے معنیٰ یہ ہوئے کہ تم پر فرض کیا گیا ہے کہ مقتولین کے باب میں مماثلت اور برابری کا اعتبار کرو اس طرح پر کہ مقتولین گروہوں میں تقسیم کئے جائیں آزادی، غلامی، مذکر اور مؤنث ہونے کے اعتبار سے اور ہر گروہ کا ہر ایک فرد دوسرے فرد کے برابر ہو، ان میں اوصاف خاصہ مثلاً بڑائی، چھٹائی امیری، غریبی، شرافت اور دولت کا اعتبار نہ ہوگا، پس آیت کے معنیٰ یہ ہوئے کہ ہر حر دوسرے حر کے برابر ہے اس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ عبد حر کے برابر نہیں ہے، قود میں جمہور کا یہی مذہب ہے اور دیات وجراحات میں متفق علیہ، اور ہر انثیٰ دوسرے انثیٰ کے برابر ہے اس کا مفہوم یہ نکلا کہ عورت مرد کے برابر نہیں، دیات میں تمام علماء کا اور جراحات میں ایک جماعت کا یہی مذہب ہے (حاشیہ اردو)۔

قولہ لئلا یحتاج الخ شاہ صاحب نے آیت کی جو توجیہ کی ہے اس کی رو سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہی کہ "الحر بالحر الخ" "کتب علیکم القصاص" کا بیان اور اس کی تفسیر ہے جو اس پر دال ہے کہ دباقی برصفحہ ۲۸۱)۔

ومثلاً "يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ" حملتُه على معنى يسئلونك عن الاشهر يعني اشهر الحج فقال تعالى "هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ" ومثلاً "هُوَ الَّذِيْ أَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ" اى لاوّل جمع الجُنُوْدِ لقوله تعالى "وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِيْنَ" "وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُوْدُهٗ" وهو اقعد و انسبُ بقصةِ بني النضير و اقوى في بيان المنَّةِ

توضیح اللغة

اهلة جمع ھلال چاند، اشھر جمع شھر مہینہ، مواقیت جمع میقات، دیار جمع دار، جنود جمع جند لشکر، مدائن جمع مدینة شہر، حشر (ن، ض) حشراً جمع کرنا، منة احسان :- **ترجمہ :**

اور جیسے "تجھ سے پوچھتے ہیں حال چاندوں کا" محمول کیا ہے میں نے اسکو یسئلونک عن الاشہر کے معنی پر یعنی سوال کرتے ہیں اشہر حج کی بابت پس فرمایا "یہ وہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے واسطے اور حج کے واسطے" اور جیسے "وہی ہے جس نے نکال دیا اُن کو جو منکر ہیں کتاب والوں میں انکے گھروں سے پہلے ہی اجتماع لشکر کے" اسلئے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور بھیجدے شہروں میں جمع کرنیوالے، اور جمع کئے گئے سلیمان کے پاس اسکے لشکر" یہ معنی بنی نضیر کے قصہ کیساتھ زیادہ چسپاں ہیں اور بیانِ احسان میں اقوی۔ **تشریح :**

قولہ علی معنی یسئلونک الخ یعنی سوال اشہر حج کی نسبت کیا گیا تھا جس کا جواب "ہی مواقیت للناس والحج" سے دیا گیا پس جواب مطابق سوال ہے :-

قولہ ای لاول جمع الجنود الخ یعنی مطلب یہ ہے کہ ایک ہی حملہ میں گھبرا گئے اور پہلی ہی مڈبھیڑ پر مکان اور قلعے چھوڑ کر نکل بھاگنے کو تیار ہو بیٹھے کچھ بھی ثابت قدمی نہ دکھلائی، بعض مفسرین کے نزدیک اول الحشر سے مراد ہے کہ اس قوم کیلئے اس طرح ترکِ وطن کرنیکا یہ پہلا ہی موقع تھا، یا یہ کہ ان یہود کا پہلا حشر یہ ہے کہ مدینہ چھوڑ کر بہت سے خیبر چلے گئے اور دوسرا حشر وہ ہوگا جو حضرت عمر رضؓ کے عہدِ خلافت میں پیش آیا کہ دوسرے یہود و نصاریٰ کی معیت میں یہ لوگ بھی خیبر سے ملک شام کی طرف نکالے گئے (فوائد) :

(بقیہ صفحہ ۲۸۰) حریت و عبدیت میں برابری کی رعایت معتبر ہے اور جب کوئی آزاد غلام کو قتل کرے تو آزاد پر قصاص واجب کرنا معنی مذکور میں برابری کی رعایت کو مہمل کرنا ہے جس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ غلام کو صرف غلام کے بدلے اور عورت کو صرف عورت کے بدلے مارا جائے اور یہ ظاہر قیاس اور اجماع کے خلاف ہے، اب جن لوگوں نے اس کو تسلیم کیا انھوں نے نسخ کا دعویٰ کیا اور کہا کہ یہ آیت قولِ باری "ان النفس بالنفس" سے منسوخ ہے یعنی آیت قصاص سے حریت مذکورہ میں مساوات کی جو شرط مفہوم ہے وہ آیت "ان النفس بالنفس" کے عموم سے منسوخ ہوگئی۔

ومن جملة ذلك بيانُ الناسخ والمنسوخ وينبغي ان يُعلم في هذا المقام نكتتان الاُولى — انّ الصحابةَ والتابعين كانوا يستعملون النسخَ على غيرِ ما اصطلح عليه الاصوليون وهو قريبٌ من المعنى اللغوي الذي هو الازالة فمعنى النسخ عندهم ازالةُ بعضِ الاوصافِ من الآيةِ المتقدمةِ بآيةٍ متأخرةٍ امّا لانتهاءِ مدةِ العملِ واما صرفِ الكلام عن المعنى المتبادرِ واما بيانِ اقحامِ قيدٍ من القيودِ وكذلك تخصيص عام او بيانِ فارقٍ بين المنصوصِ والذي يُقاس عليه ظاهراً وما اشبه ذلك وهذا البابُ واسعٌ وللعقلِ هنالكَ جَولانٌ وللاختلافِ مَجالٌ ولهذا اوصلوا عددَ الآياتِ المنسوخةِ الى خمسمائةٍ والثانيةُ انّ النسخَ بالمعنى الاصطلاحي الاصلُ في بيانه معرفةُ التاريخِ ولكنهم ربما يجعلون اجماعَ السلفِ الصالح او اتفاقَ جمهورِ العلماءِ علامةً للنسخ فيقولون به وارتكب ذلكَ كثيرٌ من الفقهاء ويمكن ان يكون ما صدقَتْ عليه الآيةُ غيرَ ما صدقَ عليه الاجماعُ وبالجملة فان تتبعَ الآثارِ المُنبئةِ عن النسخِ يُفني عُمُراً كثيراً وفي الوصولِ الى عُمقِ الكلامِ صعوبةٌ وللمحدثين اشياء خارجة عن هذه الاقسام يُوردونها ايضاً كمناظرةِ الصحابةِ في مسئلةٍ والاستشهادِ بهذه الآيةِ او تمثيلهم بذكرِ هذه الآيةِ او تلاوةِ حضرته صلى الله عليه وسلم لهذه الآية بطريقِ الاستشهادِ او روايةِ حديثٍ يُوافق الآيةَ في اصل المعنى او طريقِ التلفظِ بالنقل عنه صلى الله عليه وسلم او الصحابةِ

توضیح اللغۃ ـــــــ

انہاء پہنچانا، صرف پھرانا، اقحام کسی کلمہ کو دو متلازم کلمے مثلاً مضاف و مضاف الیہ کے درمیان داخل کرنا۔ جیسے رجل کا لفظ یدا اور مَن کے درمیان اس قول میں "قطعَ الثریدَ ورجلَ مَن قالہا" اس لئے کہ اصل ترکیب یوں ہے "قطع الثریدَ مَن قالہا ورجلہ" (مصباح) یہاں صرف قید زائد کا بیان مراد ہے، جولان گھومنا، چکر لگانا، مجال چکر لگانے کی جگہ، تتبع جستجو، مُنبئۃ اِنباء سے اسم فاعل مؤنث ہے، عُمُر صحیح ترجمہ کے مطابق یہ لفظ غمر ہے بمعنی بہت پانی، سمندر کا بڑا حصہ، عمق گہرائی، صعوبۃ دشواری:- ترجمہ:

سلہ الترجمۃ الواضحۃ ہکذا "اما لانتہاء مدۃ العمل او بصرف الکلام عن المعنی المتبادر الی غیر المتبادر او بیان اقحام قید من القیود او تخصیص عام او بیان الفارق بین المنصوص وبین ماقیس علیہ ظاہراً وما اشبہ ذلک" ۱۲ عون

سلہ الترجمۃ المطابقۃ للاصل ہکذا "فان فی تتبع الآثار المنبئۃ عن النسخ غمر کثیر" والغمر الماء الکثیر ومعظم البحر والجمع غمار وغمور ۱۲ عون۔

از انجملہ بیانِ ناسخ و منسوخ ہے اور یہاں دو نکتے معلوم ہو جانے چاہئیں اول یہ کہ صحابہ اور تابعین حضرات نسخ کا استعمال اصولیوں کی اصطلاح کے علاوہ دوسرے ایسے معنی میں کرتے تھے جو کہ لغوی معنی یعنی ازالہ کے قریب تر ہے پس نسخ کے معنی ان کے نزدیک یہ ہیں کہ پہلی آیت کے بعض اوصاف کا ازالہ ہو بعد کی آیت سے عام ازیں کہ وہ انتہاء مدتِ عمل کی وجہ سے ہو یا معنی متبادر سے غیر متبادر کی جانب کلام کے انصراف یا کسی قید زائد کے بیان یا تخصیصِ عام یا اس امر کے اظہار کے ذریعہ سے ہو کہ امر منصوص میں اور اس امر میں جو اس پر ظاہراً قیاس کر لیا گیا ہے دونوں میں بہت فرق ہے وغیرہ یہ ایک وسیع باب ہے جس میں جولانیٔ عقل اور اختلاف کو پوری گنجائش ہے اسی لئے ان حضرات نے آیاتِ منسوخہ کی تعداد پانچ سو تک پہنچا دی ہے دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اصطلاحی نسخ کے بیان میں اصل یہ ہے کہ نزولِ آیات کا زمانہ معلوم ہو مگر وہ لوگ کبھی سلف صالح یا جمہور علماء کے اتفاق کو علامتِ نسخ قائم کر کے اس کے قائل ہو جاتے ہیں بہت سے فقہاء اس بات کے مرتکب ہوئے ہیں حالانکہ یہ ممکن ہے کہ مصداقِ آیت مصداقِ اجماع کے علاوہ ہو۔ الحاصل ان آثار کے تتبع میں جو مظہر نسخ ہیں غایت درجہ اشتباہ اور کلام کی گہرائی اور تہ تک پہنچنے میں سخت دشواری ہے، محدثین کے پاس ان اقسام کے علاوہ اور چیزیں بھی ہیں جن کو وہ بیان کرتے ہیں مثلاً کسی مسئلہ میں صحابہ کرام کا مناظرہ اور اس میں خاص آیت سے استشہاد یا کسی خاص آیت کے ذکر سے ان کی تمثیل یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بطور استشہاد کسی آیت کو تلاوت فرمانا یا کسی ایسی حدیث کی روایت جو آیت کے اصل معنی میں موافق ہو یا تلفظ کا وہ طریقہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہو:۔ تشریح:

قولہ بیان الناسخ والمنسوخ الخ ناسخ و منسوخ کی مفصل بحث باب دوم کی فصل دوم میں گذر چکی ؛۔

قولہ معرفۃ التاریخ الخ ابن الحصار کا بیان ہے کہ نسخ کے بارے میں ضروری ہے کہ کسی ایسی صریح نقل کی طرف رجوع کیا جائے جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی رضؓ سے بالتصریح منقول ہو کہ فلاں آیت نے فلاں آیت کو منسوخ کیا ہے، اور کبھی یقینی تعارض پائے جانے کی صورت میں بھی نسخ کا حکم لگا دیا جاتا ہے جبکہ تاریخ کا علم ہو تاکہ متقدم اور مؤخر کی شناخت ہو سکے، لیکن نسخ کے بارے میں عام مفسرین کا قول بلکہ مجتہدین کا اجتہاد بھی نقل صحیح اور واضح معارضہ کے بغیر قابلِ اعتماد نہ ہوگا، اس معاملہ میں۔ علماء نے دو کمزور پہلوؤں کو لے رکھا ہے یعنی کچھ متشدد علماء یہ کہتے ہیں کہ نسخ کے معاملہ میں ثقہ اور عادل لوگوں کی آحاد روایتیں بھی مقبول نہیں اور کچھ اتنے نرم واقع ہوئے ہیں کہ وہ کسی مفسر یا مجتہد کا قول ہی کافی سمجھتے ہیں حالانکہ صحیح صورت ان دونوں کے خلاف ہے (اتقان) :۔

فصلٌ فيما بقيَ من لطائف هذا الباب

من جملتہ ذلك استنباطُ الاحكام وهذا الباب متسعٌ جدًّا وللعقل فى الاطلاع على الفحاوى والايماءات والاقتضاءات ميدانٌ واسعٌ والاختلافُ الكلى حاصلٌ وقد أُلهِمَ الفقيرُ حصرَ الاستنباطِ فى عشرةِ اقسام وترتيبَ تلك الاقسام وتلك المقالةُ ميزانٌ عظيمٌ لوزنِ كثيرٍ من الاحكام المستنبطة۔

ترجمہ

فصل (دوم) اس باب کے باقی لطائف کے بیان میں، منجملہ لطائف کے ایک مسائل کا استنباط ہے اور یہ باب نہایت وسیع ہے اور فحوی آیات اور ایماء و اقتضاءات کے علم میں عقل کیلئے وسیع میدان اور اختلافِ کلی حاصل ہے، فقیر کو دس اقسام میں استنبطات کا حصر اور ان کی ترتیب القا کی گئی ہے اور یہ مقالہ بہت سے احکام مستنبطہ کی جانچ کیلئے ایک عظیم میزان ہے :۔ تشریح :

قولہ فی عشرۃ اقسام الخ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغۃ میں ان اقسام عشرہ کی تفصیل یوں فرمائی ہے

اعلم ان تعبیر المتکلم عما فی ضمیرہ وفہم السامع ایاہ یکون علی درجات مترتبۃ فی الوضوح والخفاء و اعلاہا ما صرح فیہ بثبوت الحکم للموضوع لہ عیناو سیق الکلام لاجل تلک الافادۃ ولم یحتمل معنی آخر،

واضح ہو کہ متکلم کے دلی مقصود کی تعبیر اور اس سے فہم سامع کے بلحاظِ ظہور وخفاء بالترتیب کئی درجے ہیں، سب سے اعلیٰ درجہ وہ ہے جسمیں شئ خاص کیلئے ثبوت حکم کی تصریح ہو اور کلام اسی کے فائدہ کیلئے لایا گیا ہو اور اس میں کسی اور معنی کا احتمال نہ ہو۔

ویتلوہ ما عدم فیہ احد القیود الثلاثۃ اما اثبت الحکم لعنوان عام یتناول جمعاً من المسمیات شمولاً او بدلاً مثل الناس و۔ المسلمون والقوم والرجال و اسماء الاشارۃ اذا عمت صلتها والموصوف بوصف عام و المنفی بلا الجنس واما لم یسق الکلام لتلک الفائدۃ وان لزمت مما ہنالک مثل جاءنی زید الفاضل بالنسبۃ الی الفضل واما احتمل معنی آخر ایضاً کاللفظ المشترک والذی لہ حقیقۃ مستعملۃ ومجاز متعارف،

اسکے بعد وہ ہے جس میں ان تین قیود میں سے کوئی قید نہ پائی جائے بلکہ اس میں یا تو حکم کا ثبوت کسی عنوان کیلئے ہو جو چند افراد کو بطریق شمول یا بطریق بدلیت شامل ہو جیسے الناس، المسلمون، القوم، الرجال اور اسماء اشارہ جب انکا صلہ عام ہو اور موصوف جسکی صفت عام ہو اور منفی بلام الجنس، یا کلام خاص اس مقصد کیلئے نہ لایا گیا ہو بلکہ اس موقع سے وہ مطلب لازم آجاتا ہو جیسے جاءنی زید الفاضل میں زید کی فضیلت، یا اسمیں دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو جیسے لفظ مشترک اور وہ لفظ جسکی حقیقت مستعمل ہو لیکن مجازی معنی زیادہ مشہور ہوں

ثم یتلوہ ما افہمہ الکلام من غیر توسط استعمال۔

اسکے بعد وہ ہے جسکو کلام سمجھائے توسطِ استعمالِ لفظ کے

اللفظ فیہ ومعظمہ ثلاثۃ النحوی وھو ان —
یفھم الکلام حال المسکوت عنہ بواسطۃ المعنی
الحاکی علی الحکم مثل " لا تقل لھما
اف " یفھم منہ حرمۃ الضرب بطریق —
الاولیٰ، والاقتضاء وھو ان یفھما بواسطۃ
لزومہ للمستعمل فیہ عادۃً — او عقلاً او
شرعاً " اعتقتُ وبعتُ " —
یقتضیان سبق ملک " مشیٰ " یقتضی —
سلامۃ الرجل " صلی " یقتضی کونہ —
علی الطھارۃ ، والایماء وھو ان اداء
المقصود یکون بعبارات بازاء الاعتبارات
المناسبۃ فیقصد البلغاء مطابقۃ العبارۃ للاعتبار
المناسب الزائد علی اصل المقصود فیفھم الکلام —
الاعتبار المناسب لہ کالتقیید بالوصف او الشرط
یدلان علی عدم الحکم عند عدمھا حیث —
لم یقصد مشاکلۃ السوال ولا بیان الصورۃ
المتبادرۃ الی الاذھان ولا بیان فائدۃ الحکم —
وشرط اعتبار الایماء ان یجری التناقض بہ
فی عرف اھل اللسان مثل علیّ عشرۃ الا شئ انما علیّ
واحد — یحکم علیہ الجمھور بالتناقض —
واما ما لا یدرکہ الا المتعمقون —
فی علم المعانی فلا عبرۃ بہ —
ثم یتلوہ ما استدل علیہ بمضمون الکلام و
معظمہ ثلاثۃ الدرج فی العموم —
مثل الذئب ذو ناب وکل ذی ناب حرام۔
وبیانہ بالاقترانی ،

بغیر اور اس کے بڑے بڑے تین طریقے ہیں، نحوی کلام۔ اور
وہ یہ ہے کہ بتلائے کلام مسکوت عنہ کا حال اس معنی کے
توسط سے جسکی وجہ سے وہ حکم ذکر کیا گیا ہے جیسے " ماں
باپ کو اف بھی مت کہو " کہ اس سے زد و کوب کی حرمت
بطریق اولیٰ مفہوم ہوتی ہے، اور اقتضاء۔ اور وہ یہ ہے
کہ سمجھ میں آجائے اس سے مطلب اس طرح کہ وہ معنی مستعمل
فیہ کو عادۃً یا عقلاً یا شرعاً لازم ہو جیسے " اعتقتُ وبعتُ "
اس کے مقتضی ہیں کہ پہلے سے وہ شئی اس کی ملک ہو اور " مشیٰ "
مقتضی ہے پاؤں کی سلامتی کو اور " صلی " مقتضی ہے کہ وہ
طہارت سے تھا، اور ایماء۔ اور وہ یہ ہے کہ عبارات میں
مقصود کی ادائیگی مناسب اعتبارات کے بالمقابل ہے پس
بلغاء قصد کرتے ہیں عبارت کے مطابق ہونیکا اس اعتبار مناسب
کے جو اصل مقصود پر زائد ہے پس کلام سمجھا دیتا ہے اس کے
مناسب اعتبار کو جیسے شئی کو وصف یا شرط کیساتھ مقید کرنا
عدم حکم پر دال ہوتے ہیں ان کے نہ ہونے کے وقت جبکہ نہ
مشاکلت سوال مقصود ہو نہ اس صورت کا بیان جو متبادر
الی الذہن ہوتی ہے اور نہ فائدہ حکم کا بیان مقصود ہو، اور
ایماء کے اعتبار کی شرط یہ ہے کہ اس کی وجہ سے اہل زبان کے
عرف میں تناقض ہوتا ہو جیسے کوئی " علیّ عشرۃ الا شئی " کہہ
کر یہ کہے " انما علیّ واحد "، کہ اس پر جمہور تناقض کا حکم کرتے
ہیں، رہے وہ امور جن کو علم معانی میں گہری نظر والوں کے
سوا اور کوئی نہیں سمجھتا سو ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے،
اس کے بعد وہ ہے جس پر مضمون کلام سے استدلال ہوتا ہے
اس کی بھی تین بڑی قسمیں ہیں، کسی شئی کو عموم میں مندرج کرنا
مثلاً بھیڑیا کچلیوں والا ہے اور ہر کچلی والا حرام ہے، اس کا
بیان قیاس اقترانی سے ہوتا ہے۔

(باقی بر صفحہ ۲۸۶)

ومن جملۃ ذلک التوجیہ وھو فن کثیر الشعب یستعملہ الشراح فی شرح المتون و یحصل بہ امتحان ذکائھم ویظھر بہ تباین مراتبھم وقد تکلم الصحابۃ رضی اللہ عنہم فی توجیہ القرآن مع عدم تنقیح قوانین التوجیہ فی ذلک العصر واکثروا الکلام فیہ و حقیقۃ التوجیہ انہ ان وقع فی کلام المصنف صعوبۃ فہم توقف الشارح حتی یحل تلک الصعوبۃ ولما کانت اذھان قراء الکتاب لیست فی مرتبۃ واحدۃ لم یکن التوجیہ ایضاً فی مرتبۃ واحدۃ فالتوجیہ بالنسبۃ الی المبتدئین غیر التوجیہ بالنسبۃ الی المنتہیین فان المنتہی ربما یخطر ببالہ صعوبۃ فہم فیحتاج الی حلہا والمبتدی غافل عنہا بل لا یقدر ان یحیط بذلک وکثیر من الکلام یستصعبہ المبتدی ولا یحصل فی ذھن المنتہی شیء من الصعوبۃ ھنالک فاما من احاط بجوانب الاذھان فینزل الی حال الجمہور ویتکلم بحسب اذھانھم

ترجمہ

ازانجملہ توجیہ ہے جو بکثرت شاخوں والا فن ہے جسکو شارحین شرحِ متون میں استعمال کرتے ہیں اور اس سے انکی ذکاوت کا حصول اور ان کے مراتب کا فرق ظاہر ہوجاتا ہے، صحابہ نے بکثرت قرآن کی توجیہ فرمائی ہے حالانکہ ان کے زمانہ میں قوانینِ توجیہ کی تنقیح نہ ہونے پائی تھی، توجیہ کی حقیقت یہ ہے کہ اگر مصنف کے کلام میں کوئی دشواری واقع ہو تو شارح اس پر رک جائے یہاں تک کہ اس دشواری کو حل کردے اور چونکہ کتاب پڑھنے والوں کے ذہن یکساں نہیں ہوتے اس لئے توجیہ بھی یکساں مراتب میں نہیں ہے بلکہ مبتدیوں کیلئے توجیہ اور ہے اور منتہیوں کیلئے اور، بسا اوقات منتہی کے دل میں صعوبت کھٹکتی ہے جس کے حل کا وہ محتاج ہوتا ہے اور مبتدی اس سے غافل ہوتا ہے بلکہ وہ اسکا احاطہ کرہی نہیں سکتا اور بہت سا کلام مبتدی دشوار سمجھتا ہے اور منتہی کے ذہن میں کوئی دشواری نہیں ہوتی پس جو شخص اذہان کے تمام انواع پر حاوی ہو وہ عام پڑھنے والوں کے حال کو اختیار کرتا اور ان کی سمجھ کے مطابق کلام کرتا ہے :۔ تشریح :

قولہ التوجیہ الخ توجیہ کی مفصل بحث باب دوم کی فصل سوم میں گذر چکی فراجعہ :۔

(بقیہ ص ۲۸۵)

والاستدلال بالملازمۃ او المنافاۃ مثل لو کان الوتر واجبا لم یؤد علی الراحلۃ لکنہ یؤدی کذلک وبیانہ بالشرطی ، والقیاس وھو تمثیل صورۃ بصورۃ فی علۃ جامعۃ بینہما مثل الحمص ربوی کالحنطۃ (انتہی ملخصاً)

اور ملازمت یا منافات کیساتھ استدلال جیسے اگر وتر کی نماز واجب ہوتی تو سواری پر ادا نہ ہوتی لیکن وہ اس طرح ادا ہوجاتی ہے، اس کا بیان قیاس شرطی سے ہوتا ہے، اور قیاس اور وہ علت مشترکہ کی وجہ سے ایک صورت کو دوسری سے تمثیل دینا ہے جیسے گیہوں کی طرح چنا بھی ربوی ہے ،

فعمدةُ التوجيهِ فی آیات المخاصمةِ تحریرُ مذاهبِ الفِرَقِ من الخصوم وتنقیحُ وجهِ الالزام والعمدةُ فی آیات الاحکام تصویرُ صُوَرِ المسئلة و ذکرُ فوائدِ القیود من الاحترازِ وغیرِہ والعمدةُ فی آیاتِ التذکیر بآلآءِ اللہ تصویرُ تلک النِعَم و بیانُ مواضعِها الجزئیةِ والعمدةُ فی آیات التذکیر بایّام اللہ بیانُ ترتیبِ بعضِ القصصِ علی بعضٍ و ایفاءُ حقِ تعریضٍ یُوجد فی سَرْدِ القصةِ والعمدةُ فی التذکیر بالموت ومابعده تصویرُ تلک الصُوَرِ و تقریرُ تلک الحالات ومن فنونِ التوجیہ تقریبُ ماکان بعیدًا عن الفہم لعدم الاُلفةِ وقطعُ المعارَضة فیما بین الدلیلین او فیما بین التعریضَین او فیما بین المعقولِ والمنقولِ والتفریقُ بین المُلتبِسَین والتطبیقُ بین المختلفَین وبیانُ صدقِ وعدٍ اُشیرَ الیہ وبیانُ کیفیةِ عَمَلِہ صلی اللہ علیہ وسلم بما اُمِرَ بہ فی القرآن العظیم وبالجملة فالتوجیہُ فی تفسیر الصحابة کثیرٌ ولا یُقضٰی حق المقام حتی یُبیّن وجہَ الصعوبةِ مفصلاً ثم یتکلّم فی حَلِّ الصعوبةِ بالتفصیل ثم یَزِنُ الاقوالَ

ترجمہ

عمدہ توجیہ آیات مخاصمہ میں فرقوں کے مذاہب کا بیان اور وجہ الزام کی تنقیح ہے اور عمدہ توجیہ آیاتِ احکام میں مسئلہ کی صورتوں کی تصویر اور قیود کے فوائد احتراز وغیرہ کو بیان کرنا ہے اور عمدہ آیاتِ تذکیر بآلاء اللہ میں نعماتِ الٰہیہ کی تصویر اور ان کے خاص خاص مواضع کا بیان ہے اور عمدہ آیات تذکیر بایام اللہ میں قصوں کی باہمی ترتیب اور اس تعریض کی پورے طور پر توضیح کرنا ہے جو قصہ میں پائی جاتی ہو اور موت و مابعد الموت کی تذکیر میں عمدہ توجیہ اس وقت کی تصویر اور اس کے حالات کا بیان ہے، اور فنونِ توجیہ میں سے ہے اُس امر کو قریبُ الفہم کرنا جو نامانوس ہونیکی وجہ سے بعیدالفہم ہو اور دو دلیلوں یا دو تعریضوں یا معقول و منقول کے درمیان سے تعارض اُٹھانا اور دو مشتبہ چیزوں میں فرق اور دو مختلف باتوں میں تطبیق دینا اور اس وعدہ کی صداقت کا اظہار جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی کیفیت کا بیان اس امر پر جس کا حکم قرآن میں کیا گیا ہے، الحاصل صحابہ کرام کی تفسیر میں توجیہ کا بہت سا حصہ ہے اور ایسے دشوار مقام کا حق ادا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی دشواری کی وجہ کو تفصیلاً نہ بیان کرے پھر اُس دشواری کے حل کی بابت تفصیل سے کلام کرے اس کے بعد اُن اقوال کی باہمی جانچ کرے :۔

محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

ومایفعلہ المتکلمون من الغلوّ فی تاویل المتشابھات وبیان حقیقۃ الصفات فھو بعیدٌ عن مذھبی فانّ مذھبی مذھبُ مالکٍ والثوری وابن المبارک وسائر القدماء وذلک ھو الامرارُ من المتشابھات علی الظواھر وترکُ الخوض فی التاویل

ترجمہ

اور متکلمین جسقدر مبالغہ کرتے ہیں متشابہات کی تاویل اور صفاتِ باری تعالیٰ کی حقیقت کے بیان کرنے میں سو وہ میرے مذہب سے دور ہے کیونکہ میرا مذہب وہی ہے جو امام مالک، سفیان ثوری، ابن المبارک اور تمام قدماء کا مذہب ہے یعنی متشابہات کو اُن کے ظاہر پر رکھنا اور ان کی تاویل میں غور وخوض کو ترک کرنا:۔

تشریح :

قولہ المتشابہات الخ یعنی آیات صفات جیسے "الرحمٰنُ علی العرشِ استوٰی، ویبقیٰ وجہُ ربک، لما خلقتُ بیدیَّ، ولتُصنعَ علی عینی، والسمٰوٰتُ مطویّٰتٌ بیمینہ، یوم یُکشفُ عن ساقٍ، علی ما فرّطتُ فی جنبِ اللہ، فانی قریبٌ، وھو القاھرُ فوقَ عبادہ، وجاءَ ربّک، فاتبعونی یُحببکم اللہ، غضبَ اللہ علیھا، عند ربک، وھو معکم اینما کنتم، انّ بطشَ ربّک لشدیدٌ" :۔

قولہ حقیقۃ الصفات الخ مسئلہ صفاتِ باری کی تفصیلی گفتگو بابِ اوّل کی فصل دوم کے آغاز میں گذر چکی :۔

قولہ فان مذہبی الخ القول الجمیل میں فرماتے ہیں کہ "استواء بر عرش، ضحک اور اثباتِ یدین وغیرہ جو صفات وارد ہیں ہم اُن پر بالاجمال ایمان رکھتے ہیں اور اُن کا تفصیلی علم اللہ کے حوالے کرتے ہیں، ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ وہ ہمارے تحرّ وغیرہ کیساتھ متصف ہونے کی طرح نہیں ہے بلکہ اس کی طرح کا سا تو کوئی ہے ہی نہیں " :۔

قولہ مذہب مالک الخ امام ترمذی نے حدیثِ رؤیت پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اہل علم اور ائمہ مثلاً سفیان ثوری، مالک، ابن المبارک، ابن عیینہ اور وکیع وغیرہ کے نزدیک اس بارے میں پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ ہم ان حدیثوں کو اسی طرح روایت کرتے ہیں جس طرح یہ آئی ہیں اور اُن پر ایمان لاتے ہیں، ان کے بارے میں یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ ایسا کیوں کر ہے؟ اور نہ ہم ان کی تفسیر کرتے ہیں نہ ان کے بارے میں کوئی وہم رکھتے ہیں" قرۃ بن خالد نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ ان سے استواء کی بابت سوال ہوا تو انھوں نے جواب دیا کہ "کیفیت غیر معقول ہے اور استواء معلوم ہے اس پر ایمان لانا واجب اور اس کی نسبت سوال کرنا بدعت ہے" اسی طرح سفیان ثوری سے سوال ہوا تو انھوں نے کہا کہ میں الرحمٰن علی العرش استوی سے وہی سمجھتا ہوں جو تم استوی الی السماء سے سمجھتا ہوں" :۔

قولہ وسائر القدماء الخ ابو القاسم لالکائی نے محمد بن الحسن سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا "مشرق سے مغرب تک تمام فقہاء کا صفات باری تعالیٰ پر بغیر از تفسیر وتشبیہ ایمان لانے کی نسبت اتفاق رائے ہے" :۔ محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی۔

والنزاعُ فی الاحکامِ المُستنبطۃِ واحکامُ مذہبٍ مخصوصٍ وطرحُ غیرِ ذلک من الاوضاع والاحتیالُ لدفع الدلائلِ القرآنیۃِ غیرُ صحیحٍ عندی واخافُ ان یکون ذلک من قبیل التدارُؤِ بالقرآن وانما اللازمُ ان یُطلَب مدلولُ الآیات ویُتّخذَ مدلولُ الآیۃِ مذہباً ای ذاہبٍ ذہبَ الیہِ موافقاً کان او مخالفاً واما لغۃُ القرآن فینبغی اَخذُہا من استعمال العربِ الاُوَلِ ولیکُنِ الاعتمادُ الکلی علیٰ آثارِ الصحابۃِ والتابعین ـــــــــ

توضیح اللغۃ: نزاع جھگڑا، اختلاف، طرح پھینکدینا، ڈالدینا، احکام مضبوط کرنا، اوضاع جمع وضع احتیال حیلہ کرنا، تدارؤ جھگڑے میں بات کو ایک دوسرے پر ڈالنا۔ ترجمہ:

اور احکام مستنبطہ میں نزاع، مخصوص مذہب کا استحکام، دوسرے مذاہب کا ابطال اور دلائل قرآنیہ کے دفع کرنے میں حیلہ سازی میرے نزدیک صحیح نہیں مجھے خوف ہے کہ یہ تدارؤ بالقرآن کے قبیل سے نہ ہو، ضروری تو یہ ہے کہ آیات کے مفہوم کو تلاش کیا جائے اور اسی کو مذہب قرار دیا جائے اس کی طرف جو بھی جانیوالا گیا ہو موافق ہو یا مخالف، اور لغت قرآنی کو عرب اول کے استعمالات سے لینا چاہیئے اور صحابہ وتابعین کے آثار پر کلی اعتماد کرنا چاہیئے:۔ تشریح:

قولہ التدارؤ الخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "انما ہلک من کان قبلکم بہذا ضربوا کتاب اللہ بعضہ ببعض"[عہ] کی شرح کرتے ہوئے شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغۃ میں فرماتے ہیں۔

اقول یحرم التدارؤ بالقرآن وہو ان یستدل واحدٌ بآیۃٍ فیردّہ آخرُ بآیۃٍ اُخریٰ طلباً لاثباتِ مذہبِ نفسہ وہدمِ وضعِ صاحبہ او ذہاباً الی نصرۃِ مذہبِ بعضِ الائمۃِ علیٰ مذہبِ بعضٍ ولایکون جامع الہمۃ علیٰ ظہور الصواب والتدارؤ بالسنۃ مثل ذلک	میں کہتا ہوں کہ قرآن کے ساتھ تدافع حرام ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی آیت سے استدلال کرے اور دوسرا شخص کسی اور آیت کو پیش کرکے رد کرے اپنا مذہب ثابت اور دوسرے کی بات باطل کرنے کیلئے یا بعض ائمہ کے مذہب کو بعض پر غالب کرنے کیلئے اور اس کا پورا قصد اظہار حق نہ ہو، اور سنت کیساتھ تدافع کرنا بھی اسی طرح حرام ہے۔

قولہ من استعمال العرب الخ بیہقی نے "شعب الایمان" میں امام مالک کا قول روایت کیا ہے کہ "میرے پاس جو ایسا شخص لایا جائیگا کہ وہ لغت عرب کا عالم نہ ہو مگر قرآن کی تفسیر کرتا ہو تو میں اس کو ضرور دوسروں کیلئے نمونۂ عبرت بناؤں گا":۔

ـــــــــ

[عہ] تم سے پہلے لوگ اسی سبب سے ہلاک ہوئے ہیں کہ انھوں نے اللہ کی کتاب کے بعض کو بعض سے لڑایا ۱۲ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وقد وقع فی نحو القرآن خللٌ عجیبٌ وذلك ان جماعةً منهم اختاروا مذهب سیبویه ومالم یوافقه فهم یؤلونه وان کان تاویلاً بعیداً وهذا عندی غیر صحیح بل ینبغی اتباع الاقوی وما کان اوفق للسیاق والسباق سواء کان مذهب سیبویه او مذهب الفراء وقد قال عثمان بن عفان رضی الله عنه فی مثل " والمقیمین الصلوٰة والمؤتون الزکوٰة " ستقیمها العرب بالسنتها وتحقیق هذه الکلمة عند الفقیر ان مخالفة المحاورة المشهورة ایضاً محاورة وکثیراً ما یتفق العرب الاول ان یجری علی السنتهم فی اثناء الخطب والمحاورات ما یخالف القاعدة المشهورة وحیث نزل القرآن بلغة العرب الاول فلا عجب ان تقع الیاء احیاناً فی موضع الواو او یرد المفرد مقام التثنیة او المؤنث فی مقام المذکر فالمحقق ان یفسر " والمقیمین الصلوٰة " بمعنی المرفوع والله اعلم

ترجمہ

قرآن کے نحو میں ایک عجیب فساد پیدا ہوگیا ہے اور وہ یہ کہ مفسرین کی ایک جماعت نے مذہب سیبویہ اختیار کیا ہے اب جو اس کے مذہب کے موافق نہ ہو اس کی وہ تاویل کرتے ہیں خواہ تاویل بعید ہی ہو اور یہ بات میرے نزدیک صحیح نہیں بلکہ اس امر کا اتباع ہونا چاہیئے جو قوی تر اور سیاق و سباق کے زیادہ موافق ہو خواہ سیبویہ کا مذہب ہو یا فراء کا، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ " والمقیمین الصلوٰۃ والمؤتون الزکوٰۃ کے مثل کی بابت فرماتے ہیں " عرب لوگ ان کو اپنی زبانوں سے درست کرلیں گے " فقیر کے نزدیک کلمۂ ہذا کی تحقیق یہ ہے کہ مشہور محاورہ کی مخالفت بھی محاورہ ہی ہے اور عرب اول کو بکثرت ایسا اتفاق ہوا ہے کہ ان کی زبانوں پر خطبات و محاورات کے اثناء میں ایسے الفاظ جاری ہوئے جو مشہور قاعدہ کے خلاف تھے اور قرآن چونکہ عرب اول کی زبان میں نازل ہوا ہے اسلئے کوئی تعجب خیز بات نہیں اگر کہیں واؤ کی جگہ یا، تثنیہ کی جگہ مفرد اور مذکر کی جگہ مؤنث آجائے پس محقق بات یہ ہے کہ " والمقیمین الصلوٰۃ " کی تفسیر حالتِ رفعی کے اعتبار سے کی جائے واللہ اعلم :۔

تشریح :

قولہ الفراء الخ ابو زکریا یحییٰ بن زیاد بن عبداللہ بن منظور الاسلمی الدیلمی، کوفیین میں سب سے زیادہ نحو و لغت اور فنون ادب سے واقف تھے یہاں تک کہ امیر المؤمنین فی النحو کہلاتے تھے، ثعلب کا قول ہے کہ اگر فراء نہ ہوتا تو علم لغت ہی نہ ہوتا، یہ کوفہ میں پیدا ہوئے پھر بغداد منتقل ہوگئے، راہِ مکہ میں ۲۰۷ھ میں وفات پاگئے، موصوف ماہر نحو، عالم لغت، فقیہ و متکلم، واقف ایام عرب، عارفِ نجوم و طب کے باوصف مائل باعتزال تھے :۔

قولہ ستقیمها العرب الخ حضرت عثمان رض کے اس قول پر کئی وجوہ سے قوی اشکال پڑتا ہے اول یہ کہ

صحابہ کی نسبت یہ کیونکر خیال کیا جاسکتا ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کے فصیح ہو کر عام گفتگو میں غلطی کریں گے چہ جائیکہ قرآن شریف میں، دوم یہ کہ قرآن جس کو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے نزول کے مطابق سیکھا، یاد کیا، ایک ایک شوشہ تک کو بڑی مضبوطی کیساتھ محفوظ رکھا، زبانوں پر رواں کیا، ان سے تلفظ کی غلطی واقع ہونا بعید از عقل ہے سوم یہ کہ وہ سب کے سب پڑھنے اور لکھنے میں اسی لفظی غلطی پر قائم رہیں یہ ناممکن ہے چہارم یہ کہ حضرت عثمان رضؓ کی بابت یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے آگاہ ہونے کے باوجود غلطی کو درست کرنے سے منع کر دیا۔

ابن الانباری وغیرہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ سے اس روایت کی صحت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اس کے اسناد کمزور، مضطرب اور منقطع ہیں بلکہ اس سلسلہ میں بہتر روایت عبد الاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر کی ہے وہ کہتے ہیں کہ "جب مصحف کی تیاری سے فراغت ہو گئی تو وہ حضرت عثمان کے پاس لایا گیا حضرت عثمان نے اس پر نظر ڈال کر کہا" احسنتم واجملتم اری شیئا سنقیمہ بالسنتنا" (تم نے بہت اچھا اور نہایت عمدہ کام کیا، میں اس میں کچھ غلطی دیکھتا ہوں جس کو ہم اپنی زبانوں سے درست کریں گے)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ الفاظ قریش کی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں کے لکھ دیئے گئے تھے حضرت عثمان رضؓ نے وعدہ کیا کہ وہ اس طرح کے الفاظ کو قریش کی بول چال کے مطابق درست کر دیں گے چنانچہ مقابلہ وصحت کے وقت آپ نے یہ وعدہ پورا بھی کر دیا، پس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کی زبان سے جو الفاظ ادا ہوئے تھے راوی نے ان کو پوری طرح ادا نہیں کیا الفاظ میں کچھ ردّ و بدل کر ڈالی اسی وجہ سے اشکال لازم آگیا:۔

قولہ وتحقیق ہذہ الکلمۃ الخ علماء نے لفظ "والمقیمین الصلوٰۃ" کے اعراب کی کئی وجہیں ذکر کی ہیں۔

(۱) یہ مقطوع الی المدح ہے بتقدیر اَمْدَحُ کیونکہ یہ وجہ بلیغ تر ہے۔

(۲) "یؤمنون بما اُنزل الیک" میں جو مجرور ہے اس پر معطوف ہے اور تقدیر "ویؤمنون بالمقیمین الصلوٰۃ" ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام ہیں، اور ایک قول کے لحاظ سے ملائکہ ہیں، بعض کہتے ہیں کہ عبارت کی تقدیر "یؤمنون بدین المقیمین" ہے لہذا اس سے تمام مسلمان مراد ہوں گے۔

(۳) لفظ قبل پر معطوف ہے یعنی تقدیر عبارت "ومن قَبْلِ المقیمین" ہے پس لفظ قبل (مضاف) کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ گویا منصوب بنزع خافض ہے۔

(۴) لفظ "قبلک" میں جو کاف خطاب ہے اس پر معطوف ہے (۵) "الیک" کے کاف پر معطوف ہے (۶) "منہم" میں جو ضمیر ہے اس پر معطوف ہے، شاہ صاحب نے جو توجیہ ذکر کی ہے وہ ترجمہ سے ظاہر ہے:۔

واَمّا المعانی والبیان فھو علم حادثٌ بعد انقراض الصحابۃ والتابعین فما یُفھم منہ فی عرف جمھور العرب فھو علی الراس والعین وما کان من امرٍ خفیٍ لایُدرکہ الّا المتعمقون من اھل الفن فلا نسلم ان یکون مطلوبًا فی القراٰن ، واما اشارات الصوفیۃ واعتباراتھم فلیست فی الحقیقۃ من فن التفسیر وانما یظھر علی قلب السالک عند استماع القراٰن اشیاء وتتولد لہ فی نظم القراٰن ومثل ما یتصف بہ السالک من حالۃ او معرفۃ حصلت لہ کمثل من سمع من العشّاق قصۃ لیلی والمجنون فتذکّر معشوقۃً لہ فیستحضر ما کان من المعاملۃ بینہ وبین محبوبتہ

توضیح اللغۃ

انقراض ختم ہونا، متعمق معاملہ کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرنیوالا، سالک جس نے مراتب سافلہ کی تکمیل کرلی ہو، عشاق جمع عاشق :۔ ترجمہ :

رہا علم معانی وبیان سو وہ ایک ایسا علم ہے جو حضرات صحابہ وتابعین کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہے اسلئے اسکے جو مسائل عرفِ جمہور عرب کے موافق سمجھ میں آئیں وہ سر آنکھوں پر اور جو ایسے دقیق امور ہیں جن کو گہری معلومات رکھنے والے اہلِ فن کے سوا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تو انکی نسبت ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وہ قرآن میں بھی مطلوب ہیں، اور صوفیائے کرام کے اشارات واعتبارات درحقیقت علم تفسیر سے نہیں ہیں بلکہ قرآن سننے کے وقت بعض باتیں قلبِ سالک پر ظاہر ہوتی ہیں جو نظم قرآن اور سالک پر طاری شدہ حال یا اس کو حاصل شدہ معرفت کے مابین پیدا ہوتی ہیں اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی عاشق لیلیٰ ومجنوں کا قصہ سنے اور اپنی محبوبہ کو یاد کرے جس سے اُن واقعات کی تصویر جو محبوبہ کے ساتھ گذر چکے اس کی نظروں کے سامنے کھنچ جائے :۔ تشریح :

قولہ واما اشارات الصوفیۃ الخ شیخ ابن الصلاح نے اپنے فتاویٰ میں بیان کیا ہے کہ "میں نے امام ابوالحسن واحدی مفسر کا یہ قول دیکھا ہے کہ ابوعبدالرحمٰن سلمی نے کتاب حقائق التفسیر تصنیف کی ہے پس اگر اس کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ کتاب تفسیر ہے تو بے شک وہ کافر ہو گیا" میں کہتا ہوں کہ جن صوفیہ پر وثوق ہے ان کی نسبت گمان ہے کہ اگر وہ اس طرح کی کوئی بات کہتے ہیں تو اسے تفسیر کے نام یا خیال سے ذکر نہیں کرتے اور نہ شرح کلمہ کے طریقہ پر جاتے ہیں اسلئے کہ اگر یہ بات ہو تب تو وہ گویا فرقۂ باطنیہ کے

لہ الترجمۃ الصحیحۃ ہکذا "وتتولد فیما بین نظم القرآن وبین ما یتصف بہ السالک من الحالۃ او بین المعرفۃ الحاصلۃ لہ" ای تتولد تلک الاشیاء وتظھر علی قلب السالک فیما بین نظم القرآن وحالتہ ومعرفتہ ۱۲ عون

عہ ارجع ضمیر المفرد لانھما کعلم واحد ۱۲ ایضًا۔

مسلک پر چلنے والے شمار ہوں گے، بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ انھوں نے اُس چیز کی ایک نظیر دی ہے جس کے ساتھ قرآن آیا ہے پھر بھی کاش وہ لوگ اس طرح کا تساہل نہ کرتے"

علامہ نسفی نے کتاب العقائد میں کہا ہے کہ تمام نصوص اپنے ظاہر پر محمول ہیں اور اُن سے ایسے معانی کی طرف عدول کرنا جن کے مدعی اہل باطن ہیں الحاد ہے، علامہ تفتازانی نے اس کی شرح میں بیان کیا ہے کہ ملاحدہ کا نام باطنیہ اسلئے رکھا گیا کہ انھوں نے نصوص کے ظاہر پر محمول نہ ہونے کا دعوی کیا اور کہا کہ نصوص کے کچھ باطنی معانی بھی ہیں جن کو صرف معلم و شیخ، ہی جانتا ہے، اس سے ان کا مقصد شریعت کی بالکلیہ نفی کرنا ہے، بعض محققین کا قول ہے کہ گو تمام نصوص اپنے ظواہر پر ہیں تاہم اُن میں ایسی باریکیوں کی طرف کچھ مخفی اشارات بھی ہیں جو صرف ارباب سلوک ہی پر منکشف ہوتی ہیں اور اُن باریکیوں کو مراد لئے گئے ظواہر کیساتھ تطبیق دینا ممکن ہے، یہ قول کمالِ ایمان اور خالص عرفان و خداشناسی کے باب سے ہے۔

شیخ الاسلام سراج الدین بلقینی سے دریافت کیا گیا کہ آپ اُس شخص کی نسبت کیا خیال کرتے ہیں جسنے آیت "من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ" کے معنی یہ لئے ہوں "مَنْ ذَلَّ" ذُلّ بمعنی ذلت سے ہے یعنی جو شخص کہ ذلیل ہوا "ذی" اسم اشارہ ہے اور مشار الیہ نفس بمعنی صاحب ہے "یَشْفِ" شفاء سے ماخوذ ہے "عِ" وعی سے امر کا صیغہ ہے، تو موصوف نے فتوی دیا کہ ایسا شخص ملحد ہے (اتقان):۔

قولہ وتتولد لہ الخ علامہ زرکشی نے "البرہان" میں لکھا ہے کہ تفسیر قرآن کے سلسلہ میں صوفیہ کے کلام کی بابت کہا گیا ہے کہ وہ تفسیر نہیں بلکہ وجدی کیفیات ہیں جو بوقت تلاوت طاری ہوتی ہیں جیسے آیت "یا ایہا الذین آمنوا قاتلوا الذین یلونکم من الکفار" کی بابت صوفیاء کا یہ کہنا کہ "الذین یلونکم" سے مراد نفس ہے۔ چنانچہ شیخ اکبر "مواقع النجوم" میں لکھتے ہیں

اعلم یا بنی! ان اللہ جل ثناؤہ لما اراد ان یرقی عبدہ الخصوصی الی المقامات العلیۃ قرب منہ اعداءہ حتی یعظم جہادہ لہم ویشتغل بمحاربتہم اولا قبل محاربۃ غیرہم من الاعداء الذین ہم منہ ابعد قال اللہ تعالی "یا ایہا الذین قاتلوا الذین الآیۃ" وحظ الصوفی وکل موفق من ہذہ الآیۃ ان ینظر فیہا الی نفسہ الامارۃ بالسوء التی تحملہ علی کل محظور ومکروہ وتعدل بہ عن کل واجب ومندوب

بیٹا! جان لے کہ جب اللہ جل ثناؤہ نے چاہا کہ اپنے خصوصی بندہ کو مقامات عالیہ پر پہنچائے تو اس کے دشمنوں کو اس سے قریب کر دیا تاکہ ان کیساتھ اس کا جہاد عظیم ہو اور وہ بعیدی دشمنوں کیساتھ لڑائی کرنے سے پہلے قریبی دشمنوں کیساتھ جنگ کرنے میں مشغول ہو سو فرمایا "یا ایہا الذین الخ" اس آیت سے ہر صوفی منش اور صاحب توفیق کا حصہ یہ ہے کہ وہ اپنے نفس امارہ کو کڑی نظر سے دیکھے جو اس کو ہر خطرناک اور امر مکروہ کے کرنے پر آمادہ کرتا اور ہر واجب و مندوب امر سے غفلت میں

للمخالفۃِ التی جُبلَہا اللّٰہُ علیہا ــــــ وہی اقربُ الکفارِ والاعداءِ الیہ فاذا جاہدہا وقتلہا او اَسرہا فحینئذٍ یَصحُّ لہ ان ینظرَ فی الاغیارِ علی حسبِ مایقتضیہ مقامہ فالنفسُ اَشدُّ الاعداءِ شکیمۃً واقواہم عزیمۃً فجہادُہا ہوالجہادُ الاکبرُ ومعنی الجہادِ مخالفۃُ ہواہا وتبدیلُ صفاتِہا وحملُہا علی طاعۃِ اللّٰہ ــــــ

ڈالتا ہے اس مخالفت کی وجہ سے جس پر اسکی پیدائش ہے اور وہی سب سے قریبی کافر اور دشمن ہے پس جب بندہ اس سے جہاد کرکے اسکو مار ڈالے یا اپنی گرفت میں لے لے تب اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ غیروں کی طرف نظر اٹھائے پس نفس سب سے بڑا متکبر اور پکا مکار دشمن ہے اس سے جہاد کرنا جہاد اکبر ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ اسکی خواہشات کی مخالفت کرے اور اس کی صفات میں تبدیلی لاکر اللہ کی طاعت میں لگائے

اے شہاں کشتیم ما خصم بروں ٭ ماند ازو خصم بتر در اندروں
قد رجعنا من جہاد الاصغریم ٭ ایں زماں اندر جہاد اکبریم
سہل شیرآں دانکہ صفہا بشکند ٭ شیر آنرا دانکہ خود را بشکند

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ "مسائل السلوک" میں فرماتے ہیں کہ

مسائلُ التصوفِ قسمان قسمٌ دلَّ علیہ القرآنُ بوجوہِ الدلالاتِ المعتبرۃِ عندَ اہلِ العلمِ والاجتہادِ تنصیصاً ویُسمی تفسیراً واستنباطاً ویسمی فقہاً ولاکلامَ فی کونِ ہذا القسمِ مدلولاً للقرآنِ وقسمٌ لادلالۃَ للقرآنِ علیہ بعینہ ولاعلی ما یُشارکہ فی العلۃِ الشرعیۃِ لکن لہ دلالۃ علی ما یناسبہ بنحوٍ من المناسبۃِ ــــــ ویُسمی اعتباراً وہذا القسمُ مما تکلموا فی کونہ مدلولاً لہ فکم من مُثبتٍ لہ وہو ــــــ ظاہرُ صنیعِ کثیرٍ من الصوفیۃِ وکم من نافٍ لہ وہو ظاہرُ کلامِ حملۃِ العلومِ الظاہرۃِ والقولُ الفصلُ فی البابِ انَّ النفیَ حقٌّ ان اُرید ــــــ بالدلالۃِ کونُ ذلک المعنی مقصوداً بلا واسطۃٍ کالمنصوصِ او بواسطۃٍ کالثابتِ بالقیاسِ والاثباتُ حقٌ ان اُرید بالدلالۃِ ماہو اَعمُّ من ثبوتہ

مسائلِ تصوف دو طرح کے ہیں اول وہ جن پر قرآن پاک اُن وجوہ سے دال ہے جو اہلِ علم واجتہاد کے نزدیک معتبر ہیں، اس قسم کا نام تفسیر، استنباط اور فقہ رکھا جاتا ہے اس قسم کے مدلولِ قرآن ہونے میں کوئی کلام نہیں قسم دوم وہ ہے کہ نہ بعینہ اس پر قرآن کی کوئی دلالت ہے اور نہ اس پر جو علت شرعیہ میں اس کا مشارک ہے البتہ وجوہِ مناسبہ میں سے کسی وجہ مناسبت سے اس پر قرآن کی دلالت ہے اس قسم کا نام اعتبار ہے اور اسی کے مدلولِ قرآن ہونے کی بابت کلام ہے بعض اس کے مُثبت ہیں جو بہت سے صوفیاءِ کرام کی روش سے ظاہر ہے اور بعض اسکے مُنکر ہیں جو حاملینِ علومِ ظاہرہ کے کلام سے ظاہر ہے اور اس سلسلہ میں فیصلہ کُن بات یہ ہے کہ انکار بجا ہے اگر دلالت سے مراد اس معنی کا مقصود ہونا ہو بلا واسطہ جیسے امرِ منصوص یا بالواسطہ جیسے امرِ ثابت بالقیاس، اور اثبات بجا ہے اگر دلالت سے مراد وہ ہو جو عام ہے۔

باحدِ الطریقین المذکورَین ومن ثبوتِ الشئی من اصلہ بنحوٍ من الاصالۃ من غیر ان یُقصد مع القول بارادۃ المعنی الظاہری قطعاً۔

وههنا فائدة مهمة ينبغي الاطلاع عليها وهي ان حضرته صلى الله عليه وسلم جعل فن الاعتبار معتبراً وسلك ذلك الطريق لتكون سنة لعلماء الامة ويكون ذلك فتحاً لباب ما وهب لهم من العلوم

ترجمہ ـــــ

یہاں ایک مہتم بالشان فائدہ ہے اس پر آگہی ہو جانی چاہئے اور وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فن اعتبار کو معتبر قرار دیا ہے اور اس راہ کو خود چل کر دکھایا ہے تاکہ علماء امت کیلئے سنت بنے اور ان پر وہبی علوم کا ایک دروازہ کھل جائے :۔

تشریح :

قولہ فن الاعتبار الخ لفظ اعتبار۔ عبور بمعنی ایک شئ سے دوسری شئ کی طرف منتقل ہونے سے ماخوذ ہے الفاظ کو عبارات اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ معانی کو زبانِ قائل سے عقلِ سامع تک پہنچاتے ہیں اور اسی لئے اہل تعبیر کو معبّر کہتے ہیں کہ وہ متخیل سے معقول کی طرف منتقل ہوتا ہے ویقال "السعید من اعتبر بغیرہ" (نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت پکڑے) کیونکہ اس کی عقل حالِ غیر سے اپنے حال کی طرف منتقل ہوتی ہے ؎

چو برگشتہ بختے در افتد ببند ؛ ازو نیک بختاں بگیرند پند

قال تعالیٰ "فاعتبروا یا اولی الابصار" یحییٰ بن معاذ کہتے ہیں "من لم یعتبر بالمعاینة استغنی عن الموعظة" وسیط میں ہے "معنی الاعتبار النظر فی الامور لیعرف بہا شئ آخر من جنسہا" اعتبار کے معنی امور میں غور و فکر کرنا ہے تاکہ انہی امور کی جنس سے شئ آخر کی معرفت حاصل ہو۔

پھر اعتبار قیاس شرعی کے لحاظ سے عام ہے کیونکہ قیاس شرعی اصل سے فرع کی طرف نقل حکم کو کہتے ہیں اور اعتبار کے معنی ایک شئ سے دوسری شئ کی طرف منتقل ہونا ہے، امام راغب کہتے ہیں کہ ہر وہ خبر جو ایسی بات ظاہر کرے جسکا اعتقاد لازم ہے اسکو خبر اعتقادی کہتے ہیں اور جسکا مقتضی یہ ہو کہ اس سے نصیحت حاصل کیجائے اسے خبر اعتباری کہتے ہیں جیسے انبیاء علیہم السلام، امم سابقہ اور قرون ماضیہ کی خبریں :۔

قولہ وسلک الخ مثال کے طور پر آیت "لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیہ" مسجد قباء کی بابت نازل ہوئی ہے اور آپ نے اس کو بطریق اعتبار اپنی مسجد کے حق میں تلاوت فرمایا، اسی طرح آیت "انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیراً"، خاص طور سے ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رض، علی رض، حسن رض، حسین رض کو ایک چادر میں لیکر فرمایا "اللّٰہم ہؤلاء اہل بیتی فاذہب عنہم الرجس وطہرہم تطہیراً" جس سے اس حقیقت کو ظاہر کرنا ہے کہ گو آیت کا نزول ازواج کے حق میں ہے مگر یہ حضرات بھی بطریق اولیٰ اس لقب کے مستحق اور فضیلتِ تطہیر کے اہل ہیں :۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

كاٰيةِ "فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى" قرأها فى مسئلة القدر بالتمثيل وان كان منطوق الاٰية ان من عمل هذه الاعمال نهديه الى طريق الجنة و النعيم ومن عمل بضدها نفتح له طريق النار والتعذيب ولكن يمكن ان يعلم بطريق الاعتبار ان كل واحد خُلق لحالة تجرى عليه تلك الحالة من حيث يدري او لا يدري فبهذا الاعتبار وقع لهذه الاٰية ارتباط بمسئلة القدر وكذلك اٰية "وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا" فمنطوقها انّه اَطلع على البرّ والاثم ولكن بين خَلق الصورة العِلميّة بالبرّ والاثم وخلق البرّ والاثم اجمالاً فى وقت نفخ الروح مشابهة فيمكن الاستشهاد بهذه الاٰية فى هذه المسئلة بالاعتبار والله اعلم

ترجمہ

جیسے آیت " سو جس نے دیا اور ڈرتا رہا " کو آپ نے تقدیر کے مسئلہ میں تمثیلاً پڑھا ہے اگرچہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے یہ اعمال کئے اس کو ہم جنت کی اور آسانی و راحت کی راہ دکھائیں گے اور جو ان کے خلاف کا مرتکب ہوگا اسپر دوزخ اور عذاب کا دروازہ کھول دیں گے لیکن بطریق اعتبار یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر شخص ایک ایسی حالت کیلئے پیدا کیا گیا ہے جو اس پر طاری ہوتی ہے خواہ وہ واقف ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو، اس اعتبار سے اس آیت کو تقدیر کے مسئلہ سے ربط ہو گیا، اسی طرح یہ آیت ہے " اور قسم ہے جی کی اور جیسا کہ اسکو ٹھیک بنایا " اس کا مفہوم یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ہر شخص کو نیکی اور بدی پر مطلع فرمادیا، لیکن نیکی اور بدی کی صورتِ علمیہ کے پیدا کرنے کو بوقتِ نفخِ روح اجمالی نیکی اور بدی پیدا کرنے کیساتھ مشابہت ہے اسلئے بطریقِ اعتبار مسئلہ تقدیر میں اس آیت سے استشہاد ہو سکتا ہے :-

تشریح: قولہ بالتمثیل الخ حضرت علی رض راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ما منكم من احدٍ الّا وقد كُتب مقعدُه من النار و مقعدُه من الجنة، قالوا: يارسولَ الله! افلا نتّكلُ على كتابنا و ندعُ العملَ ؟ قال: اعملوا فكلٌّ مُيسّر لما خُلق اما من كان من اهل السعادة فيُيسّر لعمل السعادة واما من كان من اهل الشقاوة فيُيسّر لعمل الشقاوة ثم قرأ " فاما من اعطى اتقٰى "

تم میں سے ہر شخص کی جگہ جنت اور دوزخ سے لکھ دی گئی ۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم اپنے نوشتہ تقدیر پر بھروسہ کر بیٹھیں اور عمل کرنا چھوڑ دیں؟ فرمایا: عمل کرو کیونکہ ہر شخص جس چیز کیلئے پیدا کیا گیا ہے وہ اس کیلئے آسان کیجاتی ہے، اگر نیک بختوں میں سے ہو تو نیک بختی کے اعمال کی توفیق اور بدبختوں میں سے ہو تو بدبختی کے اعمال کا موقعہ دیا جاتا ہے پھر آپ نے پڑھا " فاما من اعطی الخ "

باقی بر صـ ۲۹۷

عـہ الترجمة الصحيحة هكذا، انه تعالى اَطلعها على البر والاثم ولكن لخلق الصورة العلمية للبر والاثم مشابهة بخلق ذلك البر والاثم الاجماليين فى وقت نفخ الروح ۱۲ عون عـہ متفق عليه ۱۲

فصل ۳ غریبُ القرآنِ الذی ذُکِرَ فی الاحادیثِ بمزیدِ الاھتمامِ وخُصِّصَ ببیانِ الفضلِ انواعٌ

ترجمہ: فصل (سوم) غرائب قرآنی جنکو احادیث میں مزید اہتمام اور فضیلت سے خاص کیا گیا ہے اُن کے چند انواع ہیں:۔ تشریح:

قولہ غریب القرآن الخ لفظ غریب بمعنی افضل و احسن ہے، اس میں اختلاف ہے کہ آیا قرآن میں کوئی شئے دوسری شئ کی بہ نسبت افضل ہے یا نہیں؟ امام ابو الحسن اشعری، قاضی ابو بکر باقلانی اور ابن حبان نے اس کا انکار کیا ہے کیونکہ قرآن سب کا سب کلام الٰہی ہے نیز تفضیل کا قول مفضّل علیہ کے نقص کا وہم پیدا کرتا ہے، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کے ایک حصّہ کو دوسرے پر فضیلت دینا غلطی ہے، لیکن ابن راہویہ، ابو بکر بن العربی، امام غزالی، ابن الحصار اور شیخ عز الدین بن عبد السلام وغیرہ علماء ظاہر مفہوم احادیث کے پیش نظر تفضیل کی طرف گئے ہیں قرطبی نے اس کو علماء و متکلمین کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے، پھر ان میں سے بعض تو یہ کہتے ہیں کہ فضیلت عظمت و زیادتِ اجر و ثواب سے متعلق ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ فضیلت ذاتِ لفظ سے متعلق ہے کیونکہ آیت " الٰهكم إلٰه واحد الخ" اور آیۃ الکرسی، سورۂ اخلاص اور سورہ حشر کے اخیر میں وحدانیت و صفاتِ باری تعالیٰ پر جو دلائل ملتے ہیں وہ مثلاً "تبت یدا ابی لہب وتب" اور اس کے مثل دوسری آیتوں اور سورتوں میں نہیں ملتے پس تفضیل صرف عجیب معانی اور ان کی کثرت پر منحصر ہے:۔

(بقیہ صـ۲۹۶)

قولہ ونفس وما سواها الخ حضرت عمران بن حصین رضؓ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ

ان رجلین من مزینۃ قالا: یارسول اللّٰہ! أرأیت ما یعمل الناس ویکدحون فیہ أشئ قضی علیھم ومضی فیھم من قدر سبق اوفیما یستقبلون بہ مما اتاھم بہ نبیھم وثبتت الحجۃ علیھم؟ فقال: لا! بل شئ قضی علیھم ومضی فیھم وتصدیق ذلک فی کتاب اللّٰہ عزوجل "ونفس وما سوّٰھا فالھمھا فجورھا وتقوٰھا" (رواہ مسلم)

قبیلہ مزینہ کے دو شخصوں نے عرض کیا: یارسول اللّٰہ! ہمیں بتائیے کہ لوگ جو عمل کرتے اور اس میں کوشاں رہتے ہیں کیا یہ وہی شئ ہے جس کا حکم ہو چکا اور نوشتۂ تقدیر بن چکا ہے یا اُن میں سے ہے جو آئندہ ہونیوالی ہیں جنکو اُن کا نبی لایا ہے اور اُن پر دلیل قائم ہو چکی ہے؟ فرمایا: نہیں! بلکہ وہی شئ ہے جسکا فیصلہ ہو چکا ہے اور اس کی تصدیق کتاب اللّٰہ کی اس آیت میں ہے "ونفس وما سواها الخ"

شاہ صاحب حجۃ اللّٰہ میں فرماتے ہیں کہ یہاں الہام سے مراد نفس میں فجور کی صورت پیدا کرنا ہے پس الہام اصل میں اس صورتِ علمیہ کو پیدا کرنا ہے جس سے وہ عالم ہو جاتا ہے پھر مجازاً اس صورتِ اجمالیہ کو کہنے لگے جو مبداء آثار ہوتی ہے گو اس سے علم حاصل نہ ہو، فالآیۃ نزلت فی الھام البر والاثم وقرأھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی خلق مبدأ آثار البر والاثم بطریق التمثیل والاعتبار:۔

فالغریبُ فی فن التذکیر بآلاءِ اللہ ھی آیۃٌ جامعۃٌ لجملۃٍ عظیمۃٍ من صفات الحق عزّ وجلّ مثل آیۃِ الکرسی وسورۃِ الاخلاص واخر سورۃ الحشر و اول سورۃ المؤمن

ترجمہ: فن تذکیر بآلاء اللہ میں غریب وہ آیت ہے جس میں حق عزوجل کی صفات کا بڑا مجموعہ ہو جیسے آیۃ الکرسی، سورۂ اخلاص، سورۂ حشر کی آخری اور سورۂ مؤمن کی اول آیتیں :۔

تشریح: قولہ آیۃ الکرسی الخ امام مسلم نے حضرت اُبی ابن کعبؓ سے روایت کی ہے کہ "کتاب اللہ میں سب سے بڑھ کر معظم آیت الکرسی ہے"۔ امام ترمذی اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت کی ہے کہ "ہر چیز کا ایک سنام (کنگورہ) ہوا کرتا ہے اور قرآن کا سنام سورۃ البقرہ ہے اور اسمیں ایک آیت تمام آیاتِ قرآنی کی سردار ہے اور وہ آیۃ الکرسی ہے"۔

شیخ ابن العربی فرماتے ہیں کہ آیۃ الکرسی کے اعظم الآیات ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مقتضیٰ نہایت عظیم الشان ہے اور کسی چیز کا شرف یا تو اس کے ذاتی شرف پر منحصر ہوتا ہے یا اس کے مقتضیٰ اور متعلقات کے شرف کے لحاظ سے ہوتا ہے، امام غزالی فرماتے ہیں کہ آیۃ الکرسی کے تمام آیتوں کی سردار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ فقط اللہ کی ذات، صفات اور اس کے افعال پر مشتمل ہے اس کے سوا اس میں کوئی اور بات نہیں ہے :۔

قولہ وسورۃ الاخلاص الخ امام مسلم وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت کی ہے کہ "قل ہو اللہ احد ثلث قرآن کے مساوی ہے"۔ امام غزالی جواہر القرآن میں فرماتے ہیں کہ قرآن کے اہم معارف تین ہیں معرفتِ توحید، معرفتِ صراطِ مستقیم اور معرفتِ آخرت، سورۂ اخلاص معرفتِ توحید پر مشتمل ہے لہذا وہ ایک ثلث ہوئی، بعض کہتے ہیں کہ قرآن۔ قصص، شرائع اور صفات پر مشتمل ہے اور سورۂ اخلاص تمام تر صفاتِ باری تعالیٰ سے مملو ہے اس اعتبار سے وہ ثلثِ قرآن کے برابر ہے

قولہ واٰخر سورۃ الحشر الخ یعنی "ھُوَ اللہُ الذی لا الٰہ الا ھو" سے آخر سورت تک، حضرت ابوہریرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ "میں نے اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم سے اسم اعظم کی بابت دریافت کیا: آپ نے فرمایا: وہ سورۂ حشر کے آخر میں ہے" حضرت ابو امامہ رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "جس شخص نے رات میں یا دن میں سورۂ حشر کی آخری آیتیں پڑھی اور پھر اسی دن میں یا رات میں اس کا انتقال ہوگیا تو اس نے اپنے لئے جنت واجب کرلی"۔

قولہ واول سورۃ المؤمن الخ یعنی "حٰم تنزیلُ الکتاب من اللہِ العزیزِ العلیم غافرِ الذنبِ وقابلِ التوبِ شدیدِ العقابِ ذِی الطَولِ لا الٰہ الا ھو الیہ المصیر"

محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

والغريبُ في فن التذكير بايام الله هي اية يُبيّن فيها قصة قليلة الذكر او قصة معلومة يُجاءُ فيها بمزيد التفصيل او قصة عظيمة الفائدة التي تكون محلاً للاعتبارات الكثيرة ولهذا قال النبي صلى الله عليه وسلم في قصة موسىٰ وخضر عليهما السلام «وَدِدْنا انّ موسى كان صبر حتى يَقُصّ الله علينا من خبرهما» والغريبُ في فن التذكير بالموت وما بعده هي اية تكون جامعة لاحوال القيامة مثلاً ولهذا جاء في الحديث «من سَرّهُ ان ينظر الى يوم القيامة كأنه رأي عين فليقرأ» «إذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وإذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وإذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ» والغريبُ في فن الاحكام هي اية تكون مشتملة على بيانِ حدودٍ وتعيينِ وضع خاصٍ مثل تعيينِ مائة جلدة في حدّ الزنا وتعيينِ ثلاث حيضٍ او ثلاثة اطهارٍ في عدة المطلقة وتعيين انصباء المواريث

توضيح اللغة

يجاء جاء یجئ سے مجہول ہے۔ وددنا۔ وُدّاً محبت کرنا، یقص (ن) قصصاً بیان کرنا، سَرّهُ (ن) سروراً خوش کرنا، رای عین آنکھوں دیکھی بات، کورت روشنی مضمحل کردیجائیگی، انفطرت انفطاراً پھٹنا، انشقت انشقاقاً شگاف پڑنا، جلدہ کوڑا، حیض جمع حَیضۃ، اطہار جمع طہر پاکی، انصباء جمع نصیب حصہ، مواریث جمع میراث میت کا ترکہ۔ ترجمہ:

فن تذکیر بایام اللہ میں غریب وہ آیت ہے جس میں کوئی قلیل الذکر قصہ بیان کیا جائے یا کسی معلوم قصہ میں مزید تفصیل لائی جائے یا ایسے نہایت مفید واقعہ کو ذکر کیا جائے جس میں حصول عبرت کے متعدد پہلو ہوں اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ وخضر کے قصہ کی بابت فرمایا: ہماری آرزو تھی کہ حضرت موسیٰ صبر کرتے تاکہ خدا تعالیٰ ان کا قصہ اور زیادہ ذکر کرتا، تذکیر بالموت و ما بعد الموت کے فن میں غریب وہ آیت ہے جو مثلاً احوالِ قیامت کی جامع ہو اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ «جو شخص قیامت کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے کا آرزو مند ہو اسے "اذا الشمس کورت الخ" پڑھنی چاہئے۔ اور فن احکام میں غریب وہ آیت ہے جو بیانِ حدود اور وضعِ خاص کی تعیین پر مشتمل ہو جیسے حدِ زنا میں سو دُرّے کی تعیین اور مطلقہ کی عدت میں تین حیض یا تین طہر کی تعیین اور میراث کے حصوں کی تعیین:

محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

عہ الحدیث فی صحیح البخاری فی کتاب التفسیر فی تفسیر سورۃ الکہف وفی کتاب الانبیاء ۱۲ عون

عہ الحدیث فی سنن الترمذی فی تفسیر سورۃ التکویر ۱۲ عون

والغریبُ فی فن المخاصمۃ ھی اٰیۃٌ یقعُ فیہا سَوقُ الجواب بنَھجٍ غریبٍ یَقطعُ الشبھۃَ بابلغ وجہٍ او یَقرِنُ بیانَ حالِ ھذا الفریقِ بمَثلٍ واضحٍ " کَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا " وھکذا بیانُ شَناعۃِ عبادۃِ الاَصنامِ والفرقِ بین مرتبۃِ الخالقِ والمخلوقِ والمالکِ والمملوکِ بامثلۃٍ عجیبۃٍ او بیانُ اِحباطِ اَعمالِ اھلِ الریا والسُّمعۃِ بابلغ وجہٍ وغرائبُ القراٰن لیست بمحصورۃٍ فی الابواب المذکورۃ فاحیانًا یکون غریبًا من جھۃِ بلاغۃِ القراٰنِ واِیناقِ اُسلوبہ مثل سورۃ الرحمٰن ولہذا سُمِّیَتْ فی الحدیثِ بعَرُوسِ القراٰن واحیانًا یکون غریبًا من جھۃِ تصویرِ صورۃِ سعیدٍ وشقیٍ

توضیح اللغۃ

نہج واضح طریق، یقرن (ض) قرنًا ملانا، استوقد استیقادًا روشن کرنا، شناعۃ برائی، اصنام جمع صنم بت، احباط برباد کرنا، سمعۃ دکھلاوا، شہرت، عروس دلہن، سعید نیک بخت، شقی بدبخت :۔ ترجمہ :

اور فن مخاصمہ میں غریب وہ آیت ہے جس میں جواب ایسے عجیب وغریب اسلوب پر واقع جو شبہ کو کامل طریقہ پر اُٹھادے یا ایک فریق کے حال کو واضح مثال کیساتھ بیان کرے جیسے " اس کی سی مثال ہے جس نے آگ جلائی " اسی طرح بت پرستی کی قباحت، خالق ومخلوق اور مالک ومملوک کے مراتب کا فرق عجیب امثلہ کیساتھ بیان کرنا یا ریاکاروں اور طالبانِ شہرت کے اعمال کی بربادی کو بلیغ اسلوب میں بیان کرنا۔ اور غرائب قرآنی انھیں ابواب مذکورہ میں محصور نہیں بلکہ بسا اوقات غرابت بلاغتِ قرآن اور اسلوب کی شیرینی کی جہت سے بھی ہوتی ہے جیسے سورۂ رحمٰن اسی لئے حدیث میں اس کا نام عروس القرآن رکھا گیا ہے اور کبھی غرابت سعید وشقی کے باہمی فرق کی تصویر کھینچنے کی جہت سے ہوتی ہے :۔

تشریح :

قولہ بیان شناعۃ الخ جیسے سورۂ حج کے آخری رکوع کے شروع میں ہے

یا ایُّھا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَہ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِن دُوْنِ اللّٰہِ لَن یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَہ وَاِن یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ	لوگو! ایک مثل کہی ہے سو اس پر کان رکھو، جنکو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے ہرگز نہ بنا سکیں گے ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہو جائیں اور اگر کچھ چھین لے اُن سے مکھی چھڑا نہ سکیں وہ اس سے بودا ہے چاہنے والا اور جن کو چاہتا ہے۔

قولہ بعروس القرآن الخ حافظ بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت علی رضہ سے مرفوعًا روایت کی ہے کہ " ہر شئی کی ایک زینت ہوتی ہے اور قرآن کی زینت سورۂ رحمٰن ہے :۔

عه ۱۷-۱- بقرہ ۱۲ عه کمافی سورۃ النمل ۵۹ تا ۶۴، ۲۰-۱۲ سه کمافی سورۃ الاحقاف ۱۵ تا ۱۹ - ۱۲

وجاء فی الحدیث "لکلِّ آیۃٍ ظَھرٌ ولکلِّ حدٍّ مُطّلَعٌ" فلیُعلم اَنّ ظھرَ ھذہ العلوم الخمسۃِ شیءٌ یکون مدلولَ الکلامِ ومنطوقَہ والبطنُ فی التذکیر بآلاءِ اللّٰہ التفکّرُ فی الآلاءِ ومُراقبۃُ الحق و فی التذکیر بایام اللّٰہ معرفۃُ مناطِ المدحِ والذمِ والثوابِ والعذابِ من تلک القصص وقبولُ النصیحۃِ و فی التذکیر بالجنۃِ والنارِ ظھورُ الخوفِ والرجاءِ وجَعْلُ تلک الامور رأیَ العین و فی آیات الاحکام استنباطُ الاحکامِ الخَفیّۃِ بالفحاوی والایماءات و فی محاجّۃِ الفِرَقِ الضالّۃِ معرفۃُ اصلِ تلک القبائح والحاقُ مثلِھا بھا

توضیح اللغۃ

ظَہر پیٹھ، مراد ظاہری معنی، بطن پیٹ، اندرونی حصہ، مطلع اونچے سے جھانکنے کی جگہ، آلاء جمع اِلیٰ بمعنی نعمت، مراقبہ نگہبانی، رجاء امید، خفیہ پوشیدہ، فحاوی جمع فحوی۔ مضمون، محاجّہ جھگڑا، فِرق جمع فرقہ، جماعت ضالّہ گمراہ، قبائح جمع قبیحۃ برائی:۔ **ترجمہ:**

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر آیت کا ظاہر اور باطن ہے اور ہر حد کیلئے شرف یعنی جھانکنے کی جگہ ہے "پس معلوم ہونا چاہیئے کہ ان علوم پنجگانہ کا ظہر وہ چیز ہے جو کہ کلام کا مدلول اور مفہوم ہے اور بطن تذکیر بآلاء اللہ میں نعمتہائے خداوندی میں غور وفکر اور مراقبۂ حق ہے اور تذکیر بایام اللہ میں اُن قصوں سے مدح وذم اور ثواب وعذاب کے موقوف علیہ کی پہچان اور نصیحت حاصل کرنا ہے اور تذکیر بالجنۃ والنار میں امید وبیم کا ظہور اور اُن امور کو چشم دید درجہ میں کرنا ہے اور آیاتِ احکام میں ان کے فحاوی سے خفی احکام کا استنباط ہے اور گمراہ فرقوں سے مباحثہ میں ان قباحتوں کی اصل پہچان اور ان جیسی چیزوں کو ان کے ساتھ لاحق کرنا ہے:۔ **تشریح:**

قولہ لکل آیۃ ظہر الخ فریابی نے بتحدیث سفیان بواسطہ یونس بن عبید حضرت حسن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے "لکل آیۃٍ ظَہرٌ وبَطنٌ ولکلِّ حرفٍ حدٌّ ولکلِّ حدٍّ مُطّلعٌ"۔ اس میں لکل آیۃ ظہر سے کیا مراد ہے؟ اس کی تاویل میں چند قول ہیں۔

(۱) حضرت حسن فرماتے ہیں کہ جب تم اس کے باطن سے بحث کروگے اور اُسے ظاہر قرآن پر قیاس کروگے تو اس وقت تمہیں باطن قرآن کے معنی کی واقفیت حاصل ہوگی (۲) حضرت ابوعبیدہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ قوموں کے جس قدر قصے بیان فرمائے ہیں اُن کا ظاہر تو یہ ہے کہ پچھلے لوگوں کے ہلاک ہونے کی خبر دی گئی ہے اور ان کا باطن یہ ہے کہ دوسرے آنے والوں کو نصیحت ہوگی (۳) ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود رضؓ سے روایت کیا ہے کہ "قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس پر کسی قوم نے عمل نہ کرلیا ہو اور پھر اسی آیت کیلئے ایک قوم ایسی بھی (آنے والی) ہے جو آئندہ ——— (باقی برص۳۰۲) ———

ومُطّلَع الظَّهرِ معرفةُ لسانِ العرب ومعرفةُ الآثارِ المتعلقةِ بفنِ التفسير و مُطّلَعَ البَطنِ لطفُ الذهنِ واستقامةُ الفهمِ بنورِ الباطن وحالة السكينة

ترجمہ

اور مطلع الظہر زبان عرب اور اُن آثار کی معرفت ہے جن کا تعلق فن تفسیر سے ہے اور مطلع البطن ذہن کی لطافت اور فہم کی استقامت ہے نور باطن اور حالت سکینہ سے :۔ تشریح :

(بقیہ ص۳۰۱)

اُس پر عمل کرے گی (۴) بعض متأخرین کا قول ہے کہ ظاہر قرآن اس کے الفاظ ہیں اور باطن قرآن اس کی تاویل (۵) ابن النقیب نے نقل کیا ہے کہ ظاہر قرآن وہ ہے جو بظاہر اسکے معانی سے اہلِ علم پر آشکارا ہوگیا ہے اور باطن قرآن وہ اسرار ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اہلِ حقیقت ہی کو مطلع فرمایا ہے (۶) شاہ صاحب کا قول ہے جو ترجمہ سے ظاہر ہے توضیح کیلئے حجۃ اللہ البالغہ کی عبارت ملاحظہ ہو

اکثر ما فی القرآن بیان صفات اللہ تعالیٰ و آیاتہ و الاحکام و القصص و الاحتجاج علی الکفار و الموعظۃ و النار فالظہر الاحاطۃ بنفس ما سیق الکلام لہ والبطن فی آیات الصفات التفکر فی آلاء اللہ والمراقبۃ وفی آیات الاحکام الاستنباط بالایماء و الاشارۃ و النحوی والاقتضاء کاستنباط علی رضی اللہ عنہ من قولہ تعالیٰ "وحملہ وفصالہ ثلثون شہراً" ان مدۃ الحمل قد تکون ستۃ اشہر بقولہ حولین کاملین" وفی القصص معرفۃ مناط الثواب و المدح و العذاب والذم و فی العظۃ رقۃ القلب و ظہور الخوف و الرجاء و امثال ذلک

قرآن میں زیادہ تر صفاتِ الٰہی، عجائب قدرت، احکام وقصص، کفار پر احتجاج کا بیان اور جنت و دوزخ سے نصیحت کرنا ہے پس ظاہر قرآن یہ ہے کہ جس کیلئے کلام لایا گیا ہے اس کا پورا پورا علم حاصل ہوجائے اور اس کا باطن آیاتِ صفات میں۔ نعماء الٰہی میں غور وفکر کرنا ہے اور آیاتِ احکام میں۔ ایماء و اشارہ اور نحوی و اقتضاء سے مسائل کا استنباط کرنا ہے جیسے حضرت علی رض نے آیت " وَحَملُہٗ وَفِصَالُہٗ ثَلٰثُونَ شَہراً" سے یہ مستنبط کیا ہے کہ حمل کی مدت کبھی چھ ماہ بھی ہوتی ہے لقولہ تعالیٰ " حَولَینِ کَامِلَینِ " اور قصص میں مدح و ذم اور ثواب وعذاب کے مدار کی معرفت ہے اور موعظت میں رقتِ قلب اور خوف ورجاء کا ظاہر ہونا ہے واشال ذلک۔

اور آپ کے ارشاد " لکلِّ حرفٍ حدٌّ " کی دو تاویلیں ہیں اول یہ کہ ہر حرف کا ایک منتہٰی ہے ان معانی میں سے جو کہ حق تعالیٰ نے مراد لئے ہیں (وہذا اقربہما)

دوم یہ کہ ہر حکم کیلئے ثواب وعقاب کی ایک مقدار ہے :۔

محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

قولہ و مطلع الظہر الخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "لکل حدٍ مطلع" سے کیا مراد ہے؟ اس میں بھی چند اقوال ہیں:

(۱) معانی و احکام میں سے ہر غامض معنی و حکم کیلئے ایک مطلع (مقام) ہے جس کے ذریعہ سے اُس غامض حکم اور معنی تک رسائی ہوتی اور اُس کی مراد پر آگاہی حاصل ہوتی ہے۔

(۲) ہر وہ ثواب و عقاب جس کا بندہ مستحق ہوتا ہے اس پر اطلاع پانے کا ایک مطلع (وقت) ہے کہ آخرت میں جزا و سزا پانے کا موقع ہوگا۔

(۳) قرآن کا ظہر اس کی تلاوت ہے اور اس کا بطن ۔ فہم، اور حد ۔ حلال و حرام کے احکام ہیں، اور مطلع ۔ وعد و وعید میں غور کرنیوالا شخص ہے۔

(۴) مطلع الظاہر ۔ فنون عربیہ میں مہارت اور اسباب نزول و ناسخ و منسوخ وغیرہ کا تتبع ہے اور مطلع الباطن ۔ تصفیہ نفس، ریاضت اور اس کے مقتضی پر عمل کرنا ہے۔

(۵) حضرت شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغۃ میں فرماتے ہیں کہ:

ومطلع کل حدٍ الاستعداد الذی بہ یحصل کمعرفۃ اللسان و الآثار و کلطف الذہن و استقامۃ الفہم

ہر حد کا مطلع وہ استعداد ہے جس سے وہ حد حاصل ہوتی ہے جیسے زبان اور آثار سے واقف ہونا اور جیسے ذہن کی صفائی اور سمجھ کی پختگی کا ہونا۔

(۶) ہر حد کا مطلع اس کی علت ہے کیونکہ ہر امر و نہی کی کوئی نہ کوئی علت ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ مطلع جھروکے اور جھانکنے کی جگہ کو کہتے ہیں سو جیسے جھروکوں اور جھانکنے کی جگہوں سے تمام وہ چیزیں نظر آیا کرتی ہیں جو ان کے مقابل ہوتی ہیں اور ان کے وسیلے سے معلوم ہوجاتی ہیں ایسے ہی علل کے مقابل جس قدر معلول ہوتے ہیں ان کے وسیلے سے معلوم ہوجاتے ہیں اور اہلِ نظر صائب کو گویا انھیں میں سے نظر آتے ہیں۔

لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مطلع سے علل قریبہ ہی مراد ہیں، عجب نہیں کہ عللِ بعیدہ یعنی صفات خداوندی جو علل اصلی ہیں مراد ہوں کیونکہ ثبوت حقوق اللہ یا حقوق العباد کی اصل مقتضی یہ صفات ہی ہیں مثلاً خدا کی ربوبیت اور عظمت عبادت اور تعظیم کی خواستگار ہے اور خدا کا بصیر ہونا بندہ سے حیا اور ترک فحشاء کو مقتضی ہے:-ؔعہ

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

عہ قالہ الامام النانوتوی فی کتابہ العظیم "آب حیات" ۱۲

فصلٌ من العلوم الوهبية فی علم التفسیر التی اشرنا الیها تاویل قصص الانبیاء علیہم السلام وللفقیر فی ھذا الفن رسالۃٌ مسمّاۃٌ بتاویل الاحادیث والمراد من التاویل ھو ان یکون لکل قصۃ وقعت مبدأ من استعداد الرسول وقومہ من التدبیر الذی اراد اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ فی ذلک الوقت وکانہ اشار الی ھذا المعنی فی اٰیۃ " ویُعلّمک من تاویل الاحادیث " ومن العلوم الوھبیۃ تنقیح العلوم الخمسۃ التی ھی منطوق القراٰن العظیم ومرّ من ذلک الباب جملۃٌ فی اوّل الرسالۃ فراجعہ ومن العلوم الوھبیۃ ترجمتہ باللسان الفارسی علی وجہ مشابہ للعربی فی قدر الکلام والتخصیص والتعمیم وغیرھا اثبتناھا فی "فتح الرحمن فی ترجمۃ القراٰن" وان کنا ترکنا ھذا الشرط فی بعض المواضع بسبب خوف عدم فہم الناظرین بدون التفصیل ـــــــــ

ترجمہ: فصل (چہارم) علم تفسیر کے ان وہبی علوم میں سے جنکی طرف ہم نے اشارہ کیا تھا انبیاء علیہم السلام کے قصوں کی تاویل ہے اس فن میں فقیر کا ایک رسالہ تاویل الاحادیث کے نام سے ہے، تاویل سے مراد یہ ہے کہ ہر ایسے قصے کیلئے جو اس وقت واقع ہوا ہے پیغمبر اور اس کی قوم کی استعداد سے ایک مبدأ ہو حق تعالیٰ کی اس تدبیر سے جو اس نے اس وقت چاہی ہے اور گویا اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اس آیت میں " اور سکھلائیگا تجھ کو ٹھکانے پر لگانا باتوں کا " اور علوم وہبیہ میں سے ہے ان علوم پنجگانہ کی تنقیح جو منطوق قرآن ہیں، اس باب کا مفصل بیان رسالہ کے شروع میں گذر چکا اس کی طرف رجوع کرو، اور علوم وہبیہ میں سے قرآن کا ترجمہ ہے فارسی زبان میں اس طور پر کہ وہ مقدار کلام اور تخصیص و تعمیم وغیرہ میں عربی کے مشابہ ہے اسکو ہم نے فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن میں جگہ دی ہے اگرچہ بعض مقامات میں ہم نے اس شرط کو ترک کردیا ہے تفصیل کے بغیر ناظرین کے عدم فہم کے خوف سے :- تشریح :

قولہ رسالۃ الخ اس میں حضرت آدمؑ سے لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ان تمام انبیاء کے قصے تحریر فرمائے ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور ساتھ ہی ان حوادث کے رموز بھی بیان فرمائے ہیں جو انبیاء کو پیش آئے :-

قولہ وکانہ اشار الخ یعنی آیت کا منطوق گو تعبیر رؤیا یعنی خواب سُن کر اس کے اجزاء کو ذہانت و فراست سے ٹھکانے پر لگا دینا ہے لیکن اقوام واُمم کے قصص اور ان کی تاویلات بھی " تاویل الاحادیث " کے تحت میں مندرج ہو سکتی ہیں :-

قولہ فتح الرحمن الخ یہ فارسی زبان میں قرآن پاک کا وہ ترجمہ ہے جو سب سے پہلے ہندوستان میں ہوا، اسکو موجودہ تراجم کا اصل اصول کہنا چاہیئے نہایت جامع مانع اور مطلب خیز ہے اس کے ساتھ ہی بالاختصار ایسے تشریحی فوائد لکھے ہیں جو تفسیر کی بڑی بڑی کتابوں سے بے نیاز کردیتے ہیں :-

ومن العلوم الوهبية علم خواص القرآن وقد تكلم جماعة في خواص القرآن على وجهين وجه كالدعاء ووجه كالسحر استغفر الله منه ولهذا الفقير فتح الله باباً خارجاً من المنقول ووضع في حجري مرة واحدة جميع الأسماء الحسنى والآيات العظمى والأدعية المباركة وقال خذ هذه عطيتنا للتصريف، ولكن كل آية و اسم ودعاء مشروط بشروط لا تدخل في القاعدة بل قاعدتها انتظار عالم الغيب كما يكون في حالة الاستخارة فينتظر الى اي آية او اسم يشار اليه من عالم الغيب ويقرأ تلك الآية والاسم على طريقة من طرق مقررة عند اهل هذا الفن

توضیح اللغۃ :

خواص جمع خاصۃ، سحر جادو، حجر گود، ادعیہ جمع دعاء، استخارہ طلب خیر کرنا :۔

ترجمہ : اور وہبی علوم میں سے خواصِ قرآنی کا علم ہے اور ایک جماعت نے خواصِ قرآن میں دو طرح پر کلام کیا ہے ایک تو دعا کے مشابہ اور دوسرے سحر کے مشابہ استغفر اللہ منہ، فقیر پر اللہ نے خواص منقول کے علاوہ ایک جدید دروازہ کھولا ہے اور ایک مرتبہ میری گود میں تمام اسماءِ حسنیٰ، آیاتِ عظمیٰ اور ادعیۂ متبرکہ کو رکھ کر فرمایا لے یہ ہمارا عطیہ ہے تصرف عام کیلئے، لیکن ہر آیت و اسم اور دعا ایسی شرطوں کیساتھ مشروط ہے جو کسی قاعدہ میں سما نہیں سکتیں بلکہ اس کا قاعدہ عالم غیب کی طرف سے اشارہ کا انتظار ہوتا ہے جیساکہ حالتِ استخارہ میں ہوتا ہے پس دیکھنا چاہیئے کہ کس آیت یا اسم کا اشارہ کیا جاتا ہے عالم غیب کی طرف سے پھر اس آیت یا اسم کو اسی طور پر تلاوت کرنا چاہیئے جیساکہ اس فن والوں کے یہاں مقرر ہے :۔

تشریح :

قولہ علم خواص القرآن الخ خواص قرآن کا ثبوت متعدد احادیث میں موجود ہے، ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضؓ سے روایت کیا ہے کہ " تم کو دو شفائیں اپنے اوپر لازم کرنی چاہئیں عسل یعنی شہد اور قرآن " ابن ماجہ نے حضرت علی رضؓ سے روایت کیا ہے کہ " بہترین دوا قرآن ہے "
بیہقی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن جابر رضؓ سے روایت کیا ہے کہ " فاتحۃ الکتاب میں ہر بیماری کی شفاء ہے " امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت کیا ہے کہ " جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا " الی غیر ذلک من الاحادیث :۔

قولہ وقد تکلم جماعۃ الخ علماء کی ایک جماعت نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تالیف کی ہیں جن میں سے شیخ تمیمی، حجۃ الاسلام غزالی اور یافعی وغیرہ بھی ہیں :۔

محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

فصلٌ من العلوم التی انعم اللہ بھا علی ھذا العبد الضعیف انکشف بہ الغطاءُ عن المقطّعات القرآنیۃ ولابُدَّ فی بیانہ من تمھید مقدمۃ

ترجمہ

فصل (پنجم) اُن علوم میں سے جو اللہ نے اس ضعیف بندہ کو عطا فرمائے ہیں ایک علم وہ ہے جس کے ذریعہ مقطعات قرآنیہ سے پردہ اٹھ گیا ہے اور اس کے بیان میں ایک مقدمہ کی تمہید ضروری ہے:۔

تشریح: قولہ عن المقطعات الخ مقطعات قرآنیہ چودہ (۱۴) کلمات ہیں اور وہ یہ ہیں المٓ، المٓصٓ، الٓرٰ، المٓرٰ، کٓھٰیٰعٓصٓ، طٰہٰ، طٰسٓمٓ، طٰسٓ، یٰسٓ، صٓ، حٰمٓ، حٰمٓ عٓسٓقٓ، قٓ، نٓ، ان چودہ کلمات کیساتھ اُنتیس (۲۹) سورتوں کا آغاز ہے، ان میں سے مکررات ساقط کر دینے کے بعد حروف مقطعات چودہ رہتے ہیں یعنی ا، ح، ر، س، ص، ط، ع، ق، ک، ل، م، ن، ہ، ی، جو عبارت "صراطٌ علیٌ حقٌ نُمسِکُہ" اور "طَرَقَ سَمعَکَ النَّصیحۃُ" میں منضبط ہیں، حروف مقطعات کی یہ تعداد مجموعی حروف ہجا کی نصف (آدھی) ہے۔

مقطعات قرآنیہ کی مراد کے متعلق ایک مختار قول یہ ہے کہ وہ ایسے اسرار ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا ولذا یُقال "التخاطبُ بالحروفِ المفردۃِ سُنَّۃُ الاحباب فانَّ سِرَّ الحبیب مع الحبیب یجب ان لایطّلعَ علیہ الرقیبُ" اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضؓ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: "فی کلِّ کتابٍ سِرٌّ وسِرُّ القرآنِ اوائلُ السُّوَرِ" کہ ہر کتاب کا کوئی نہ کوئی راز ہوتا ہے اور قرآن کا راز سورتوں کے فواتح ہیں، ابن المنذر وغیرہ نے امام شعبی سے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے، حضرت علی رضؓ سے مروی ہے "لکلِّ کتابٍ صَفوۃٌ وصفوۃُ ھذا الکتابِ حروفُ التہجی"۔

لیکن امام رازی فرماتے ہیں کہ متکلمین نے اس قول کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بات جائز نہیں کہ کتاب اللہ میں ایسے الفاظ وارد ہوں جن کو خلق خدا نہ سمجھ سکے کیونکہ خداوند عالم نے مخلوق کو قرآن پاک میں غور اور تدبر کا حکم فرمایا ہے اور یہ فہم معانی کے بغیر ناممکن ہے۔

اب مقطعات قرآنیہ کے معانی اور ان کی مراد کیا ہے؟ اس کی بابت متعدد اقوال ہیں:

(۱) حروف مقطعات اسماء الٰہی ہیں چنانچہ ابن ابی حاتم نے سُدّی کے طریق پر حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت کیا ہے کہ "المٓ" خدا تعالیٰ کے ناموں میں سے اسم اعظم ہے، ابن ماجہ نے نافع کے طریق پر حضرت فاطمہ رضؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اپنے والد حضرت علی رضؓ سے سنا وہ دعا میں فرماتے تھے "یا کٓھٰیٰعٓصٓ اِغفِرلی"۔

(۲) حروف مقطعات اسماء قرآن ہیں۔ کلبی، سُدّی اور قتادہ کا یہی مذہب ہے اور اس قول کو عبدالرزاق نے قتادہ سے نقل کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے بھی لکھا ہے مگر ان الفاظ کے ساتھ "کُلُّ ہجاءٍ فی القرآنِ

فهو اسم من أسماء القرآن۔

(۳) حروف مقطعات میں سے ہر حرف اسماء الٰہی میں سے کسی اسم کی طرف مُشیر ہے مثلاً الٓمٓ میں الف احد، اول، آخر، ازلی، ابدی کی طرف اور لام لطیف کی طرف اور میم مَلِک، مجید، مَنّان کی طرف اشارہ ہے حاکم وغیرہ نے سعید بن جبیر کے طریق پر "کٓھٰیٰعٓصٓ" کے بارے میں ابن عباس رضؓ سے نقل کیا ہے کہ "کاف کریم سے ہاء ہادی سے یاء حکیم سے عین علیم سے اور صاد صادق سے لیا گیا ہے، بعض صحابہ نے ان حروف سے صفات مرکبہ بھی مستنبط کی ہیں چنانچہ ابن ابی حاتم نے ابو الضحیٰ کے طریق پر حضرت ابن عباسؓ سے "الٓمٓ" کی بابت روایت کیا ہے أَنَا اللّٰهُ أَعْلَمُ" اور المٓصٓ کے بارے میں "أَنَا اللّٰهُ أَفْصِلُ" اور الٓرٰ کے بارے میں أَنَا اللّٰهُ أَرَىٰ"

(۴) قطرب نحوی کا قول ہے کہ کفار قرآن کو سُننے کے بجائے غُل مچاتے تھے حق تعالیٰ نے مقطعات کو نازل فرمایا تاکہ وہ اُن کو عجیب جان کر حیرت میں آئیں اور کان لگا کر سُنیں۔

(۵) مبرد نحوی کا قول ہے کہ حروف مقطعہ لانے کا مقصد اہل عرب کو یہ بتانا ہے کہ قرآن بھی انہی حروف تہجی کے ساتھ نازل ہوا ہے جن کو وہ جانتے اور اپنے کلام میں برتتے ہیں پھر بھی وہ قرآن پاک کی تحدی کو قبول کرنے سے عاجز ہیں۔

(۶) حروف مقطعات بحساب ابجد انقلابات امت اور انکی مدتوں کی طرف اشارہ ہے چنانچہ امام بخاری نے تاریخ میں اور ابن جریر نے تفسیر میں بسند ضعیف حضرت ابن عباس رضؓ سے انھوں حضرت جابر رضؓ سے اور حضرت جابر نے عبد اللہ بن رباب سے روایت کی ہے جسمیں یہ ہے کہ حُیَیّ بن اخطب کئی بڑے یہودیوں کو لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور دریافت کیا: آپ پر "الٓمٓ ذٰلک الکتاب" نازل ہوئی ہے؟ آپنے فرمایا: ہاں، انھوں نے کہا کسی نبی کو اسکے ملک کی مدت نہیں بتائی گئی مگر آپ کو بتادی گئی کیونکہ الٓمٓ کے مجموعی اعداد اکہتر ہیں تو کیا ہم ایسے نبی کے دین میں داخل ہوں جس کے ملک اور اس کی امت کا زمانہ صرف اکہتر سال ہے؟ پھر پوچھا: اس کلمہ کے علاوہ اور بھی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، ہے المٓصٓ، حیی نے کہا: یہ اس سے طویل ہے کہ اس کے اعداد (۱۶۱) ہیں، کوئی اور بھی ہے؟ فرمایا: ہاں، ہے الٓرٰ، اس نے کہا: یہ دونوں سے طویل تر ہے کہ اس کے اعداد (۲۷۱) ہیں پھر بولا کہ آپکے معاملہ نے ہمیں الجھن میں ڈال دیا کیونکہ ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپکو تھوڑی مدت دی گئی ہے یا زیادہ۔

(۷) حق تعالیٰ نے ان حروف کیساتھ قسم کھائی ہے اور حرف قسم محذوف ہے۔ ابن جریر وغیرہ نے علی بن ابی طلحہ کے طریق پر حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت کیا ہے کہ الٓمٓ، طٰسٓمٓ، صٓ اور ان کے مشابہ الفاظ کی اللہ نے قسم کھائی ہے اور یہ سب خدا کے نام ہیں، آٹھواں قول ہم شاہ صاحب کے قول " فاعلم ان المقطعات القرآنية اعلام سور" کے ذیل میں ذکر کریں گے۔

فَاعْلَمْ اَنَّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِن حروف التَّهَجِّي التي هي اصولُ كلماتِ العربِ معنىً بسيطاً لايمكن التعبيرُ عنه اِلّا باشارةٍ لطيفةٍ غامضةٍ

ترجمہ

سو جان لے کہ حروفِ تہجی جو کلماتِ عرب کے اصول ہیں اُن میں سے ہر ایک کیلئے ایک بسیط معنی ہیں جس کی تعبیر لطیف رمزِ اجمالی کے بغیر ناممکن ہے:۔ **تشریح؛**

قولہ معنی بسیطاً الخ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ "براہین قاسمیہ" میں فرماتے ہیں کہ " اردو فارسی میں تو اسماء اور افعال میں حروف ہجا کے مقابل کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ حروف میں جہاں کوئی حرف منجملۂ حروفِ ہجا ایک حرف مفرد ہے جیسے "بماء یا" باد " میں باء مرکب نہیں جیسے از و وغیرہ میں وہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس حرف کے مقابلہ میں فلاں حقیقت ہے، اور بظاہر اور زبانوں کا بھی یہی حال معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ حروفِ ہجا کے حقائق سے کسی اور زبان میں تعرض مسموع نہیں ہوا، البتہ عربی میں حروفِ ہجا کے مقابل حقائقِ بسیطۂ اضافات معلوم ہوتی ہیں۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ اسماء و افعالِ مجردۂ عربیہ کم سے کم ثلاثی یعنی سہ حرفی ہوتے ہیں اس پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ فاء اور عین میں یعنی اول اور دوم حرف میں مثلاً اشتراک ہے اور لام یعنی حرف آخر میں اختلاف ہے تو معانی میں اشتراک اور اختلاف ہوتا ہے مثلاً شرف، شرر، شرد، شرع کو جو دیکھا جاتا ہے تو سب میں بلندی اور حرکت کا مضمون ملحوظ ہے اور با ایں ہمہ ہر ایک ایک جُدے مضمون پر بھی دال ہے، شرف کو سب جانتے ہیں کہ بلندی مراتب پر پہنچ جانے کو کہتے ہیں اور شرر شعلہ کا نام ہے جس کا کام یہی ہے کہ اوپر کو کرد یا نیچے کو، اوپر ہی کو رہتا ہے، اور شارد اُس کو کہتے ہیں جو اُچھلتا ہوا بھاگ جائے اور شرع اُس اونچی سڑک یعنی راہِ سیر و سفر کو کہتے ہیں جو دُور سے نظر آئے۔

غرض جیسے حروف میں اشتراکِ شین و راء تھا ویسے ہی معانی میں بھی دو اضافتیں ہیں ایک تو بلندی دوسری حرکت جو درحقیقت ایک سے انفصال اور بُعد اور دوسرے سے انفصال اور قرب ہے جو بالبداہت از قسم اضافات ہیں کیونکہ بے اطراف نہ اُنکا تحقق ممکن نہ بے اطراف اُن کا تعقل متصور، اور جیسے حرف آخر میں اختلاف ہے ویسے ہی مدلولاتِ خاصہ میں تباین اور تغایر ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ بیشک زبانِ عربی میں حروفِ ہجا بمقابلۂ حقائقِ بسیطۂ اضافات ہیں اور اس وجہ سے اس زبان کو اور زبانوں پر شرف ہے:۔

محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

ومن هٰهنا ما يُشاهَد انّ كثيرًا من المَوادِّ المتقاربةِ تكون متفقةً معنًى او متقاربةً كما ذكر الأذكياءُ من الأدباءِ انّ كلَّ كلمةٍ اجتمعَتْ فيها النونُ و الفاءُ تَدلُّ على معنى الخروج بوجهٍ من الوُجوه مثل نَفَرَ و نَفَثَ و نَفَحَ و نَفَخَ و نَفَقَ و نَفِدَ و نَفَذَ وكذا كلُّ كلمةٍ اجتمعَتْ فيها الفاءُ و اللامُ تَدُلُّ على معنى الشَّقِّ والفتح مثل فَلَقَ و فَلَحَ و فَلَجَ و فَلَذَ ومن هٰهنا ما يَعرِفُه النحاريرُ من مَهَرةِ الادبِ انّ العربَ كثيرًا ما يَنطِقون بكلمةٍ على وجوهٍ شتّى بتبديلِ حروفٍ متقاربةٍ مثل دَقَّ و دَكَّ و لَجَّ و لَزَّ

توضیح اللغۃ

مَوادّ جمع مادة ـ موادُّ اللغۃ الفاظ لغت، متقاربۃ قریب المعنی، اَذکیاء جمع ذکی تیز خاطر، نَفَرَ (ض) نُفورًا ـ الظبیُ ـ بھاگنا اور دور ہونا، القومُ للقتالِ چل پڑنا، نَفَثَ (ن، ض) نَفثًا ـ البُصاقَ مِن فِیہِ منھ سے تھوک پھینکنا، الجرحُ الدمَ زخم کا خون بہانا، نَفَحَ (ف) نَفحًا ـ الطیبُ خوشبو پھیلنا، العرقُ ـ رگ سے خون نکلنا، نَفَخَ (ن) نَفخًا ـ بِفِیہِ منھ سے پھونک مارنا، نَفِقَ (س) نَفَقًا ـ الشیءُ ختم ہونا، (ن) نُفوقًا ـ الرجلُ روح نکلنا، نَفِدَ (س) نَفادًا ـ الشیءُ نیست ونابود ہونا، ختم ہونا، نَفَذَ (ن) نَفاذًا، نُفوذًا ـ الشیءُ الشیءَ چھید کر پار ہونا کہا جاتا ہے نَفَذَ السہمُ الرمیّۃَ تیر شکار سے چھید کر پار ہوگیا، شَقَّ پھاڑنا، فَلَقَ (ض) فَلقًا ـ الشیءَ پھاڑنا، فَلَحَ (ف) فَلحًا ـ الارضَ زمین جوتنا، فَلَجَ (ن، ض) فَلجًا ـ الشیءَ پھاڑنا، دو ٹکڑے کرنا، فَلَذَ (ض) فَلذًا ـ لہ من المال شیئًا حصہ جدا کرنا، النحاریر جمع نِحریر حاذق، سمجھدار، مَہَرۃ جمع ماہر حاذق یَنطِقون (ض) نطقًا بولنا، شتّٰی جمع شتیت متفرق، دَقَّ (ن) دَقًّا ـ الشیءَ توڑنا، دَکَّ (ن) دَکًّا ـ الحائطَ دیوار گرا کر زمین کے برابر کرنا، لَجَّ (ض، س) لَجَاجًا ـ فی الامر لازم ہونا اور باز رہنے سے انکار کرنا، لَزَّ (ن) لَزًّا ـ الشیءَ بالشیءِ باندھنا، ملانا :۔

ترجمہ: یہیں سے دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے متقارب مادے ہم معنی یا متقارب المعنی ہوتے ہیں جیسا کہ اذکیاء اہل ادب نے ذکر کیا ہے کہ ہر وہ کلمہ جسمیں نون اور فاء جمع ہوں وہ کسی نہ کسی وجہ سے معنی خروج پر دال ہوتا ہے جیسے نَفَرَ، نَفَثَ، نَفَحَ، نَفَخَ، نَفِقَ، نَفِدَ، نَفَذَ، اسی طرح ہر وہ کلمہ جسمیں فاء اور لام جمع ہوں وہ پھاڑنے اور کھولنے کے معنی پر دال ہوتا ہے جیسے فَلَقَ، فَلَحَ، فَلَجَ، فَلَذَ، یہیں سے ہے وہ بات جس کو حاذق و ماہر ادیب لوگ خوب جانتے ہیں کہ اہل عرب بسا اوقات ایک کلمہ کو حروف متقاربہ کی تبدیلی کیساتھ کئی وجہ پر بولتے ہیں جیسے دَقَّ، دَکَّ، لَجَّ، لَزَّ :۔ **تشریح:**

قولہ تکون متفقۃ معنًی الخ کتاب "الکافی" کے خطبہ کی شرح میں ہے کہ علماء اشتقاق کے نزدیک یہ بات ثابت شدہ ہے کہ دو لفظوں میں تقارب کا ہونا دو معنوں کے درمیان تقارب ہونے پر دال ہوتا ہے جیسے قسم (تجزیہ کرنا) اور قصم (توڑنا) قدر (اندازہ کرنا) اور قتر (تخمینہ کرنا) خضم (انتہائی ڈاڑھ سے کھانا) اور قضم (دانت کے اطراف سے کاٹنا اور کھانا) بتر (کاٹنا) اور بتک (کاٹنا) :۔

والحاصلُ اَنَّ ما قلناہ لہ شواھدُ لاتُحصیٰ وما اَرَدْ ناھٰھُنا الاّ التنبیہ وھذا کلُّہ لغۃٌ عربیۃٌ وان لم یَبْلُغ العربُ العَرْباءُ الی تھذیبِھا وتنقیحِھا ولم تُدرِكِ النُّحاۃُ کُنْھَہا کما انّك اذاسألتَ العربَ العَرْبَاءَ عن المفھومِ والتعریفِ والجنسِ وخواصِ التراکیبِ لم یَتَمکّنُوا من بیانِ حقیقتِھا مع کونِھم مستعملین لھا والناطقین بھا ثم انّ المُدَقِّقِیْن فی کلام العرب لیسوا کاَسْنَانِ المُشْطِ بل بعضُھم اَذْکیٰ واَلْطَفُ ذھناً من بعضٍ فترٰی جمعاً اَوْضَحُوا معنیً کثیراً ولم یبلغ الاٰخرون الی دَرْکِھا وھذا العلمُ ایضاً من لُغَتِھم العربیۃِ و لکن تقاصرت اَفھامُ کثیرٍ من المُفَلِّقِین عن تنقیحِ تلك المفاھیم

توضیح اللغۃ: شواہد جمع شاہدۃ مؤنث شاہد، عَرْبَاء خالص عربی لوگ، نُحَاۃ جمع ناحی ۔ نحو کا جاننے والا ، کُنْہ حقیقتِ شئی، مُدَقِّقِیْن جمع مُدَقِّق باریک بینی سے کام لینے والا، اَسْنَان جمع سِنّ کنگھی وغیرہ کے دندانے، مُشط کنگھی، دَرْك کسی چیز کی انتہائی گہرائی، افہام جمع فہم، مُفَلِّقِین جمع مُفَلِّق ، فَلَّقَ ۔ الشئی سے ہے بمعنی پھاڑنا، مفاہیم جمع مفہوم :۔ ترجمہ:

حاصل یہ کہ ہمارے اس قول کے بے شمار شواہد موجود ہیں اور یہاں ہمارا مقصد صرف تنبیہ کرنا ہے ، اور یہ سب عربی لغت ہے اگرچہ خُلّص عرب اس کی تہذیب و تنقیح تک نہ پہنچیں اور نحوی لوگ بھی اس کی حقیقت معلوم نہ کر سکیں جیسے اگر تو خُلّص عرب سے مفہوم، تعریف، جنس اور خواصِ تراکیب کی بابت سوال کرے تو وہ اس کی حقیقت بیان کرنے پر قادر نہ ہوں گے حالانکہ وہ ان کو استعمال کرتے اور بولتے ہیں۔

پھر کلام عرب میں باریک بینی سے کام لینے والے کنگھی کے دندانوں کی طرح ایک وضع پر نہیں ہیں بلکہ اُن میں بعض لوگ بعض دیگر اشخاص کی بہ نسبت زیادہ تیز فہم اور لطیف الذہن ہیں چنانچہ تو ایک جماعت کو دیکھتا ہے کہ انھوں نے بہت سے معانی کی وضاحت کی ہے اور دوسرے لوگ اس کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکے ، اور یہ علم بھی ان کی عربی لغت سے ہے لیکن اکثر موشگافانِ لغت کی عقلیں ان مفہومات کی تنقیح سے قاصر ہیں:۔

فَاعْلَمْ اَنَّ المقطعاتِ القرآنيةِ اَعْلامُ سُوَرٍ تدلُّ بمعانيها المجملةِ على ما اشتملت عليه السورةُ مفصلةً كتسمية المُصَنَّفَاتِ بشئٍ يُوَضِّح حقيقةَ الكتاب للناظرِ كما اتى البخارى سَمّٰى جامعه بالجامع الصحيح المسند من حديث رسولِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و سُنَنِہ وَاَيّامِہ فمعنى الٓمّٓ الغيبُ الغيرُ المتعيّنُ صار مُعيّناً بالنسبةِ الى عالمِ الشهادةِ المُتدنِّسَةِ فاِنّ الهمزةَ والهاءَ كليتهما تَدُلّان على الغيب الّا انَّ الهاءَ غيبُ هذا العالَم والهمزةَ غيبُ العالَمِ المُجرّدِ

ترجمہ

سوجان لے کہ مقطعات قرآنیہ سورتوں کے اسماء ہیں جو اپنے معانی مجملہ کیساتھ اُن مضامین پر دال ہیں جن پر سورت تفصیلی طور پر مشتمل ہے، جیسے کسی کتاب کا کوئی ایسا نام رکھنا جو ناظرِ کتاب کیلئے کتاب کی حقیقت واضح کردے جیساکہ امام بخاری رحؒ نے اپنی کتاب کا نام " الجامع الصحیح المسند فی حدیث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وسُننہٖ وایامہٖ " رکھاہے، پس الٓمّٓ کے معنی یہ ہیں کہ غیب غیر متعین متعین ہوگیا بنسبت عالم شہادت کے جو متدنّس اور آلودگیوں میں بھرا ہوا ہے، اس واسطے کہ ہمزہ اور ہار دونوں غیب پر دال ہیں بجز آنکہ ہاء غیب ہے اس عالم کی اور ہمزہ غیب ہے عالم مجرد کی :۔ تشریح :

قولہ اعلام سُوَرٍ الخ معانی مقطعات کی بابت یہ آٹھواں قول ہے کہ حروف مقطعہ سورتوں کے اسماء ہیں، ماوردی وغیرہ نے اس کو زید ابن اسلم کا قول بتایا ہے، صاحب کشاف علامہ زمخشری اور امام رازی نے اس کی نسبت اکثر متکلمین کی طرف کی ہے، سیبویہ نے اپنی کتاب میں اس کو نصاً ذکر کیا ہے اور خلیل نحوی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، پس جس طرح اسماءِ ذوات واشخاص بغرض تمییز موضوع ہوتے ہیں اسی طرح سورتوں کے باہمی امتیاز کیلئے مقطعات ہیں، ممکن ہے کوئی یہ اعتراض کرے کہ بعض مقطعات مثلاً الٓمّٓ سے متعدد سورتوں کا آغاز ہے تو پھر امتیاز کہاں رہا؟ جواب یہ ہے کہ جس طرح ایک ہی نام متعدد اشخاص کا ہوتاہے اور رفع التباس میں امتیاز کیلئے کوئی صفت بڑھا دی جاتی ہے جیسے زید الفقیہ، زید النحوی، زید التاجر، اسی طرح جب قاری نے " الٓمّٓ ذٰلک الکتاب " پڑھا تو اُس نے اس کو " الٓمّٓ اللّٰہ لا الٰہ الا ھو " سے ممتاز کردیا۔

بہرکیف آٹھواں قول یہ ہے کہ مقطعات سورتوں کے اسماء ہیں حضرت شاہ صاحب نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے لیکن فرماتے ہیں کہ مقطعات اعلام ذاتیہ نہیں بلکہ اعلام صفاتیہ ہیں جو بالاجمال ان تفصیلات پر دال ہیں جن پر سورتیں مشتمل ہیں، فی الخیر الکثیر " واعلم ان ھذہ المقطعات اسماء کلیۃ للسور بحسب مضامینہا وعسی ان یتحد مفہومان فی امر ویتغایران بالاعتبار کقصۃ الانبیاء تدخل تارۃً فی الوعظ وتارۃً فی مقاماتہم وتارۃً فی الآیات وکذلک المعاد وغیرہ اھ " :۔

محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

ولہذا یطلقون "أ" و "ام" وقتَ الاستفہام و "او" وقتَ العطفِ فانّ الامرَ المُستَفہَمَ عنہ امرٌ منتشرٌ وھو غیبٌ بالنسبۃِ الی المتعین وکذا المتردَّدُ فیہ ایضاً غیبٌ والھمزۃُ تُزاد فی اوّلِ الامرِ لتدلّ علی معنی تخیّلَ فی ذھن المتکلم وتفصیلہ مَوْکُولٌ الی مادّتِہٖ واختاروا فی الضمائرِ الھاءَ فانہ غیبُ ھذا العالَم وحصَل للمتعین اجمال فی الجملۃ واللامُ تدلّ علی معنی التعیّن ولہذا یزیدون اللامَ وقتَ التعریفِ والمیمُ من حیث اجتماعِ الشفتَیْن عند التکلم بھا تدل علی الھیولی المُتدنِّسۃِ التی اجتمعت فیھا حقائقُ شتّی وتقیّدتْ واُلِتُ من الفضاءِ المجرّدِ الی مُحبَسِ التقیّدِ والتحیّزِ فالحاصلُ اَنّ الٓمٓ کنایۃٌ عن الفیضِ المجرّدِ الذی تقیّدَ فی عالَمِ التمیّزِ والتحیّزِ وتعیّن بحسبِ عاداتِھم وعلومِھم وصادمَ قسوۃَ قلوبِھم بالتذکیرِ وصادَمَ اقوالَھم الفاسدۃَ واعمالَھم الکاسدۃَ بالمحاجّۃِ وتحدیدِ البِرّ والاثمِ والسورۃُ بتمامِھا تفصیلُ ھذا الاجمالِ وایضاحُ ھذا الابھامِ

توضیح اللغۃ

شفتَین شفۃ کا تثنیہ ہے ہونٹ، ہَیُولیٰ مادہ اُولیٰ، مُتدَنِّسۃ میلا کچیلا، حقائق جمع حقیقۃ، اَلَتَّ (ن) اَلْتاً لوٹنا، فضاء میدان، مُحبَس قیدخانہ، صَادَم مُصادَمۃ مارنا، قسوۃ سخت و درشت ہونا، کاسدۃ کھوٹے :۔

ترجمہ:

اسی لئے "أ" اور "ام" استفہام کے وقت بولتے ہیں اور "اَوْ" عطف کے وقت اس واسطے کہ شئ مُستَفہَم عنہ ایک امر منتشر ہے اور وہ غیب ہے بہ نسبت متعین کے اسی طرح امر متردّد فیہ بھی غیب ہے، اور ہمزہ فعل امر کے شروع میں زیادہ کیجاتی ہے تاکہ اس معنی پر دلالت کرے جو متکلم کے ذہن میں آرہے ہیں اور اس کی تفصیل مادّۂ امر کے سپرد ہے، اور ضمیروں میں ہاء کو اختیار کیا ہے کیونکہ وہ غیب ہے اس عالَم کی اور متعین کو فی الجملہ اجمال حاصل ہوا ہے، اور لام معنی تعیّن پر دلالت کرتی ہے اسی لئے تعریف کے وقت لام زیادہ کرتے ہیں، اور میم بایں جہت کہ بوقت تکلم دونوں لب مل جاتے ہیں ہیُولیٰ مُتدنِّسہ پر دال ہے جس میں حقائق مختلفہ جمع اور مقید ہو گئی ہیں اور میدان تجرّد سے قید تحیّز میں پڑی ہیں، پس حاصل یہ کہ الٓمٓ فیض مجرّد سے کنایہ ہے جو عالَم تمیّز و تحیّز میں مقید اور لوگوں کے عادات و علوم کے موافق متعین ہوا ہے جس نے لوگوں کے دلوں کی سیاہی کو دینی نصیحت کے ذریعہ دُور اور بری باتوں اور کھوٹے کاموں کو محکم دلیلوں اور نیکی بدی کی تحدید کے ذریعہ سے توڑا ہے اور پوری سورت اسی اجمال کی تفصیل اور اسی ابہام کا بیان ہے :۔

محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

والٓر مثلُ الٓم الّا انّ الراءَ تدلُّ علی التردُّد ای الغیب الذی تعیّن وتدنّس مرّۃً بعد اُخریٰ وکذلک المیمُ مع الراء وھذا کنایۃٌ عن العلوم التی صادمتْ قبائحَ بنی ادم مُصادَمۃً بعد مُصادمۃٍ و ذٰلک صادقٌ بتصصِ الانبیاء ومقالاتِھم مرّۃً بعد اُخریٰ وبالاَسئلۃِ والاجوبۃِ المتکرّرۃِ والطاءُ والصادُ تدُلّانِ علی حرکۃِ الارتفاع من العالَم المتُدنِّس الی العالمِ المتعالی اِلّا انّ الطاءَ تدلُّ علی عِظَم ذلک المتحرّک وفخامتِہٖ مع تلوّثِہٖ وتدنّسِہٖ والصادُ تدلُّ علی صفائِہٖ ولطافتِہٖ والسینُ تدلُّ علی السَّرَیانِ والاِضْمحلالِ والانتشارِ فی الاٰفاقِ کلِّھا فطٰسٓ مقاماتُ الانبیاءِ التی ھی اٰثارُ توجّھِھم الی العالم العلوی بحیث تکوّنَ فی ھذا العالَم صورۃٌ غیبیۃٌ بالبیانِ الاجمالی وذکرِھم فی الکتُب ومثلہ وطسٓمّ مقاماتُ الانبیاء التی ھی اٰثارُ حرکاتِھم الفوقانیۃِ التی سرَتْ فی العالَم المتُدنِّسِ وانتشرتْ فی الاٰفاقِ

توضیح اللغۃ

قبائح جمع قبیحۃ برا عمل، مُصادمۃ مارنا، قصص جمع قصۃ، اسئلۃ جمع سوال، اجوبۃ جمع جواب، عِظَم بڑائی، فخامۃ موٹائی، تلوّث آلودہ ہونا، سریان سرایت کرنا، جاری ہونا، تلاشی اضمحلال :۔ ترجمہ :

اور الٓر الٓم کے مثل ہے مگر یہ کہ راء تردّد پر دال ہے یعنی وہ غیب جو بار بار متعین و متدنّس ہوا اور یہ ان علوم سے کنایہ ہے جو بنی آدم کی قباحتوں سے یکے بعد دیگرے متصادم ہوئے ہیں اور یہ انبیاء علیہم السلام کے قصص و فرامین اور ان کے مکرر سوالات و جوابات پر صادق ہے، اور طاء و صاد دونوں اس حرکت پر دال ہیں جو عالَم ناپاک سے عالَم پاک کی طرف صعود کرے مگر یہ کہ طاء اس متحرک کی بزرگی اور بڑائی پر دلالت کرتی ہے اس کی آلودگی اور ناپاکی کے ساتھ، اور صاد اس کی صفائی اور لطافت پر دلالت کرتا ہے، اور سین ساری و متلاشی ہونے اور تمام عالَم میں پھیل جانے پر دال ہے،

پس طٰسٓ انبیاء علیہم السلام کے وہ مقامات ہیں جو اُن کے عالَم اعلیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے آثار ہیں جنھوں نے اس عالَم میں صورتِ غیبی پیدا کی ہے بیانِ اجمالی اور ان کے مذکور فی الکتب ہونے کے ساتھ،

اور طسٓمّ انبیاء علیہم السلام کے وہ مقامات ہیں جو اُن کی فوقانی حرکات کے آثار ہیں جو اس عالَم ناپاک میں ساری اور پورے جہان میں پراگندہ شدہ ہیں :

محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

والحاءُ معناها ما ذکرنا من معنی الهاءِ اِلاّ اَنَّہٗ اذا استَصْحَبَ التَّشَعْشُعَ والظھورَ والتمیُّزَ فیُعَبَّرُ بالحاءِ فمعنی حٰمٓ اجمالٌ نورانیٌّ مُتَشَعْشِعٌ اِتّصلَ بخصائصِ العالَمِ المُتَدَنِّسِ من العقائدِ الباطلۃِ والاعمالِ الفاسدۃِ وھذا کنایۃٌ عن رَدِّ اقوالِھم وظھورِ الحق فی شُبُھاتِھم ومناظراتِھم وعاداتِھم والعینُ تدلُّ علی الظھورِ المُتَشَعْشِعِ والتعیُّنِ والقافُ مثلُ المیم تدلُّ علی ھذا العالَم لکن من جھۃِ القوۃِ والشدۃِ والمیمُ من جھۃِ اجتماعِ الصُّوَرِ فیہ وتراکُمِھا فمعنی عٓسٓقٓ حقٌّ مُتَشَعْشِعٌ سَرَی فی العالَمِ المُتَدَنِّسِ والنونُ عبارۃٌ عن نورٍ یَسْرِیْ ویَنْتَشِرُ فی الظلمۃِ کالحالۃِ عند الفجرِ الصادقِ اوعندَ غروبِ الشمسِ والیاءُ کذٰلکَ اِلاّ اَنَّ النورَ الذی تدلُّ علیہ الیاءُ اَقلُّ مما تدلُّ علیہ النون وکذٰلکَ التعیُّن الذی تدلُّ علیہ الیاءُ اقلُّ مما تدلُّ علیہ الھاءُ فیٰسٓ کنایۃ عن معانٍ مُنْتَشِرَۃٍ فی العالَمِ ومعنی صٓ ھیأۃٌ حدثت جِبِلَّۃً اوکَسْبًا عندَ تَوَجُّہِ الانبیاءِ الی رَبِّھِم

توضیح اللغۃ

استصحب اِستِصحابًا ساتھ ہوجانا، تَشَعْشَعَ۔ شَعْشَعَ الشراب پانی ملانا، خصائص جمع خاصیۃ، جِبِلّۃ فطرت طبیعت کَسْبًا کمانا، حاصل کرنا:۔ ترجمہ:

اور حاء کے معنی وہی ہیں جو ہم نے ہاء کے ذکر کئے ہیں بجز آنکہ جو چیز روشنی وظہور اور تمیز رکھتی اس کو حاء سے تعبیر کرتے ہیں،

پس حٰمٓ کے معنی ایک اجمال ہے نورانی وروشن جو اس عالَم ناپاک کے خصائص یعنی عقائد باطلہ واعمال فاسدہ کے ساتھ مل گیا اور یہ اُن کے اقوال کو رد کرنے اور اُن کے شبہات ومناظرات اور عادات میں حق کے ظاہر ہونے سے کنایہ ہے ۔اور عین روشن ظہور اور متعین ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور قاف مثل میم کے اس عالَم پر دال ہے لیکن قوت وشدت کی جہت سے اور میم اس جہت سے کہ اس میں صورتیں مجتمع اور اکٹھی ہوتی ہیں۔

پس عٓسٓقٓ سے مراد حق ہے جو روشن اور عالَم مکدر میں پھیلا ہوا ہے، اور نون اس نور سے عبارت ہے جو تاریکی میں ساری وپراگندہ ہو اس حالت کے مثل جو صبح صادق یا غروب آفتاب کے وقت ہوتی ہے اور یاء بھی ایسی ہی ہے بجز آنکہ جس نور پر یاء دلالت کرتی ہے وہ اُس نور سے کمتر ہے جس پر نون دلالت کرتا ہے اسی طرح جس تعیُّن پر یاء دال ہے وہ اُس تعیُّن سے کمتر ہوتا ہے جس پر ہاء دلالت کرتی ہے۔

پس یٰسٓ اُن معانی سے کنایہ ہے جو عالَم میں پھیلے ہوئے ہیں، اور صٓ کے معنی ایک ہیئت ہے جو پیدا ہو انبیاء علیہم السلام کے متوجہ ہونے کے وقت اپنے پروردگار کی طرف، جبلّی ہو یا کسبی:۔

ومعنى ق قوة وشدة وكسر تعين فى هذا العالم كما يقال " مرمى قصدى هيأة حدثت فى هذا العالم من حيث الكسر والمصادمة " والكاف مثل القاف الا ان القوة التى تدل عليه الكاف اقل مما تدل عليه القاف فمعنى كهيعص عالم متدنس ظلمانى تعين فيه بعض العلوم المتشعشعة وغيرها عند الرجوع الى ربهم الاعلى وبالجملة ألقيت فى روعى معانى هذه الكلمات على طريق ذوقى ولا يمكن ان توضح هذه المعانى الاجمالية بتقرير اوضح مما حررنا وهذه الكلمات غير وافية كنه ما اردنا بيانه بل هى متباينة من وجه دون وجه والله اعلم بالصواب

توضيح اللغه

کسر توڑنا، مرمیٰ مصدر میمی ہے تیر پھینکنے کی جگہ، روع دل کا سیاہ نقطہ، اور بقول بعض دل میں ڈر کی جگہ، کنہ حقیقت، گہرائی:۔ ترجمہ:

اور قاف کے معنی قوت وشدت اور شکستگی ہے جو اس عالم میں متعین ہوئی جیسے " کوئی کہے کہ میرا منتہائے مقصود وہ ہیئت وحالت ہے جو توڑ پھوڑ اور ٹکراؤ کی حیثیت سے اس عالم میں پیدا ہوئی ہے" اور کاف مثل قاف کے ہے بجز آنکہ وہ قوت جس پر کاف دلالت کرتا ہے اس قوت سے کمتر ہوتی ہے جس پر قاف دلالت کرتا ہے۔

پس کہیعص کے معنی عالم متدنس ظلمانی ہے جس میں بعض نورانی اور غیر نورانی علوم متعین ہو گئے پروردگار اعلیٰ کی طرف رجوع کرنے کے وقت، بالجملہ ان کلمات کے معانی میرے دل میں ذوقی طریق پر القاء ہوئے ہیں اور ان اجمالی معانی کی وضاحت اس تقریر سے زیادہ واضح ممکن نہیں جو ہم نے تحریر کی ہے، اور یہ کلمات اس مقصد کی کنہ تک رسائی کیلئے ناکافی ہیں جس کو ہم بیان کرنا چاہتے ہیں بلکہ بعض وجوہ سے متباین ہیں واللہ اعلم بالصواب:۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

الٰہی حسن قبول روزی کر

احقر محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی ۴ ر ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ

میر محمد، کتب خانہ
آرام باغ، کراچی